شیخ عبدالحق محدّث دھلویؒ

موضوعاتی مطالعه

ڈاکٹر محمد یونس قادری

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ

موضوعاتی مطالعہ

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی

زیرِ نگرانی پروفیسر ڈاکٹر محمد احمد قادری
مقالہ نگار ڈاکٹر محمد یونس قادری
شعبہ سیاسیات، جامعہ کراچی ۲۰۰۱ء

297-9924
S 29 E
۱۱۹۳۹۶

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔ بصورت دیگر قانونی کاروائی کی جائے گی۔

نظر ثانی : شاہ محمد تبریزی
سرورق : غلام محی الدین
تاریخ اشاعت: ۲۳؍ربیع الاوّل ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۲؍اپریل ۲۰۰۷ء
کمپوزنگ : محمد عبدالعقیل / ابوالاسعد
قیمت : ۴۵۰ روپے
باراوّل : ۱۰۰۰
ناشر : مکتبۂ الحق کراچی
رابطہ : 4/A صوفی منزل امام بارہ اسٹریٹ صدر ٹاؤن کراچی۔
Cell #: 0346-2395535, Ph (021)5689418

ملنے کے پتے:

- ☆ فضلی بک۔ سپر مارکیٹ اُردو بازار کراچی۔
- ☆ مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ لائٹ ہاؤس، ایم اے جناح روڈ کراچی۔
- ☆ عباسی کُتب خانہ۔ جونا مارکیٹ کراچی۔
- ☆ کتبۂ رضویہ۔ فیروز شاہ اسٹریٹ گاڑی کھاتہ آرام باغ روڈ، کراچی
- ☆ مکتبہ غوثیہ۔ پرانی سبزی منڈی، محلہ فرقان آباد کراچی نمبر۵۔
- ☆ مکتبہ البخاری۔ لیاری ٹاؤن کراچی۔

فہرست

حرف آغاز ۱
تعارف ۲
مقدمہ ۵
تمہید ۱۰

باب اوّل : احوال وآثار شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ

فصل اول ۔ برصغیر میں اسلامی سیاسی فکر کا تاریخی ارتقاء ۲۴
فصل دوم ۔ دور شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی سیاسی ثقافت ۳۸
فصل سوم ۔ حیات وخدمات شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ ۹۰

باب دوم: شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے دینی سیاسی نظریات

فصل اول ۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کا سیاسی فلسفہ ۱۵۸
فصل دوم ۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ اور دینی سیاسی اصطلاحات ۱۹۷
فصل سوم ۔ نظریۂ ریاست ۲۳۱
فصل چہارم ۔ نظریۂ حکومت ۲۶۱
فصل پنجم ۔ نظریۂ علم ۳۱۰
فصل ششم ۔ نظریۂ اُمّت ۳۲۴
فصل ہفتم ۔ نظریۂ جہاد ۳۴۱

وصل اول۔ افکار شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا تسلسل	۳۵۲
وصل دوم۔ افکار شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا عصرِ حاضر میں اطلاق	۳۹۱
حاصلِ کلام	۴۳۵
کتابیات	۴۵۹
ممتحنین کی آراء	۴۸۲
اشاریہ	۴۸۶

حرف آغاز

سابق شیخ الجامعہ، جامعہ کراچی

مجھے انتہائی مسرت ہے کہ میرے شاگرد رشید پروفیسر ڈاکٹر محمد احمد قادری (حال مقیم کینیڈا) کے زیر نگرانی "شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بحیثیت دینی سیاسی مفکر (۱۵۵۱-۱۶۴۲ء)۔ موضوعاتی مطالعہ" کے موضوع پر ڈاکٹر محمد یونس قادری نے پی ایچ۔ڈی کا مقالہ شعبہ سیاسیات، جامعہ کراچی سے پیش کر کے سند حاصل کر لی ہے۔ یہ مقالہ تحقیقی کام کا اعلیٰ نمونہ ہے جس میں ان کی دلچسپ اختراعی رسائی کا مرکز عہد اکبر کے دینی علماء کی تحریریں ہیں۔ مقالہ ٔ مذکور میں علمی تلاش و جستجو کے جدید طریقوں کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ مقالے کی بیرونی ممتحنین نے بھی تعریف کی ہے۔ اس سلسلے میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ مطالعہ جدید اسلامی سیاسی فکر میں ایک نمایاں اضافہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سرکاری سطح پر مقالے کی فی الفور اشاعت کر کے اسے شامل نصاب کیا جائے۔

کراچی پروفیسر ڈاکٹر منظور الدین احمد

تعارف

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

مسلم معاشرے میں صرف علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ اسلام میں سیاست اور مذہب لازم وملزوم ہیں اس لیے اسلامی سیاسی مفکرین نے سیاسیات کو اخلاقیات کا جزو مانتے ہوئے سیاست پر کتب لکھی ہیں۔ ابتدائی دور اسلامی میں ہی یونانی، ساسانی اور ایرانی افکار سے مسلمان مفکرین متاثر ہو گئے تھے لیکن انہوں نے ان افکار سے استفادہ کرتے ہوئے اسے 'حکومت امانت ہے' کے اصول کے تحت اسلامی سانچے میں ڈھالا کیونکہ تمام اسلامی خیالات کی بنیاد قرآن کریم اور احادیث طیبہ ﷺ ہیں۔ علم سیاسیات پر دو قسم کی کتب لکھی گئی ہیں ایک میں نظریاتی وفکری نقطہ نظر جبکہ دوسری میں عملی سیاست پر بحث کی جاتی ہے مؤخرالذکر میں کار آمد ہدایت، تجربات کا نچوڑ اور نصائح شامل ہیں جسے مرآۃ الملوک کہتے ہیں۔ ان میں الماوردی کی الاحکام السلطانیہ، امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج، مسلم بن قتیبہ کی عیون الاخبار، ابن عبدربہ کی العقد الفرید، جہشیاری کی کتاب الوزراء، طرطوسی کی سراج الملوک، الجاحظ کی کتاب التاج، طوسی کی سیاست نامہ، امام غزالیؒ کی نصیحۃ الملوک، ابن طقطقا کی فخری فی آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی نوریہ سلطانیہ شامل ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ نے دین کی مختلف جہتوں کو سامنے رکھتے ہوئے جہاں فقہی امور پر استنباط کیا وہیں اس بات

کو بھی پیش نظر رکھا کہ معاشرے کی دینی سیاسی نفسیات کیا ہے۔ آپ کی تصانیف کے حوالے سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان تصانیف کا یوں تو مرتبہ بہت اعلیٰ ہے اور انہیں بنیادی ماخذ میں شمار کیا جا سکتا ہے لیکن سب سے اہم ترین بات علم سیاسیات کے حوالے سے یہ کہی جا سکتی ہے کہ اپنے دینی سیاسی افکار کو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہوئے ایک تقابلی طرز استدلال ہندوستان میں متعارف کرایا جو یقیناً سماجی علوم میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ اس کے علاوہ سیاست کو دینی تقاضوں کے مطابق پرکھنے کے لئے فن اسماء الرجال کو بھی مؤثر طور پر متعارف کرایا کہ تحقیق کے ضابطے اور سماجی علوم کے مطالعے میں ایک نئی جہت کا آغاز ہو سکے۔ آپ کی ایک سو چونتیس سے زائد کتب، مکتوبات و دیگر حوالہ جات اس درجہ اہم ہیں کہ انہیں کسی بھی طور دیگر اسلامی سیاسی مفکرین کے ساتھ شامل کر کے اسلامی سیاسی فکر کے موضوع میں نمایاں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ ان افکار کی اہمیت اس بناء پر بھی ہے کہ آپ اور حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانی) کا دور بھی ایک ہی ہے۔ اس طرح ایسے معاشرے کا مطالعہ جس میں سیاسی گروہ بندی، فشاری گروہوں کے تعلقات، مقتدر اعلیٰ کے غیر قانونی و غیر اسلامی احکامات اور ساتھ ہی ملت اسلامیہ کی ابتر حالت ایسی وجوہات ہیں جن سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

ہر مفکر کے خیالات میں دو عنصر ہوتے ہیں ایک کا حوالہ اس زمانے سے ہوتا ہے اور دوسرے کا مستقبل بعید سے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے خیالات میں بھی ایک دوامیت ہے۔ آپ کا سیاسی پس منظر مغل سلاطین کی تاریخ اور سیاسی نکتہ نظر مثالی ریاست ہے۔ سیاسی حصے میں پیش کردہ نظریات میں سب سے زیادہ اہمیت بادشاہ دیندار عادل کو دی گئی ہے جبکہ مخالف سمت میں سن تزو، چانکیہ اور مکیاولی ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ شعبہ سیاسیات جامعہ کراچی سے، بعنوان ''شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بحیثیت دینی سیاسی مفکر (۱۵۵۱-۱۶۴۲عیسوی)۔ موضوعاتی مطالعہ'' راقم کی نگرانی میں ڈاکٹر محمد

یونس قادری نے تحریر کیا ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق آج تک صرف تین کتب شیخ ممدوح پر تحریر کی گئی ہیں اس لحاظ سے صرف سیاسی افکار ہی نہیں بلکہ سوانح حیات پر بھی تحقیق کام پہلی مرتبہ کیا گیا ہے جو استقرائی و استخراجی طرز استدلال کو استعمال کرتے ہوئے جدید آلات تحقیق جیسے علماء و دانشوروں کی آراء، لائبریریوں، سائنسی و ریاضیاتی فارمولوں، جداول و گراف کی مدد سے معاصر کتب جیسے اکبر نامہ، آئین اکبری، تزک جہانگیری، منتخب التواریخ، طبقات الکبریٰ کے علاوہ مونسیرات، پیلیسے رَٹ، سر تھامس رو، ڈاکٹر برنئیر، مکیاولی، ہابس، لاک، روسو اور مانٹسکیو کے افکار کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے جیسا کہ کتاب میں موجود ممتحنین کی آراء سے بھی ظاہر ہے۔ بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ صاحبِ مقالہ نے صرف یہ تاریخ ساز مقالہ ہی نہیں لکھا بلکہ ۳۷۷ سال سے علماء پر جو قرض تھا وہ چکایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر محمد احمد قادری

پروفیسر۔ شعبۂ سیاسیات جامعہ کراچی
وین کور، برٹش کولمبیا۔ کینیڈا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مقدمہ

سپاس بے قیاس اُس خالقِ جن و انس کا جس نے دین اسلام عطا کیا اور حمد بے حد اس احد الصمد کی جس نے بنیادِ ملت کفار کی اس بے بدل دین کے ذریعے بیخ کنی کی اور صلوات ِ نامیات ، ذبدۂ مخلوقات، خلاصہ موجودات، بہتر و مہترِ عالم، سیدِ اولادِ آدم، محمد ﷺ بن عبداللہ پر، ان کی طیب و طاہر اور نیک اولاد پر، چار یار برگزیدۂ حضرت پروردگار پر اور ان دو جگر گوشہ رسول ، نورِ چشم زہراء بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا امیر المومنین الحسن والحسین پر، تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ، تابعین، آئمہ، بزرگانِ سلاسل بالخصوص الشیخ سیّد عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ وعلمائے دین وفقہائے امت پر۔

چہ فروشی باو متاع سخن   کہ مبیع تو از خزینہ اوست
آنچہ تو بردکانِ لب داری   این ہمہ از دعای سینہ اوست

(ترجمہ) جس کے خزانے سے متاع سخن حاصل کی ہے اسی کے ہاتھ اسے بیچنا کس قدر نامناسب بات ہے، تیرے ہونٹوں کی دکان میں جو مال و متاع ہے یہ سب اس کی دعاؤں کی اثر ہے۔

لیکن اس قول کے بموجب کہ اگر کسی کو کل حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا تو جز کا ادراک تو ہو ہی جاتا ہے۔ آپ کے احوال جو تعریف و توصیف سے بالاتر ہیں، اشارات میں ہی تحریر کیے جا سکتے ہیں۔ آج دہلی ہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان میں جو برکت، رونق اور خوبی نظر آتی ہے آپ ہی کی ذات والا صفات کی بدولت ہے جو اس عہد میں اہلِ معرفت اور اہل حقیقت کی سردار اور پیشوا ہے اور جو مختلف علوم وفنون پر کامل عبور رکھتی ہے۔

مذکورہ الفاظ مولانا محمد صادق دہلوی کشمیری ہمدانی کی کتاب کلمات الصادقین (تالیف ۱۰۲۳ھ/۱۶۷۱۴ء) سے موخوذ ہیں جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے معاصر اور

شاگرد ہیں۔

حضرت شیخ محقق علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ کا شمار عالم اسلام کے ان علماء میں ہوتا ہے جو بلا شبہ مجددیت کے درجے پر فائز ہیں۔ سولہویں صدی عیسوی کے اس پر آشوب دور میں جبکہ نہ صرف سیاسی مقتدر اعلیٰ بلکہ کئی علماء، صوفیاء، خواص، عوام کی اکثریت اسلامی تعلیمات سے دور ہٹی ہوئی تھی بلکہ ناموس و مقام مصطفیٰ ﷺ پر نظریاتی حملے بھی جاری تھے، ایسے میں اللہ تعالیٰ نے آپکی مساعی جلیلہ سے ہندوستان میں جدید دور کے حوالے سے علوم نقلی و عقلی کا احیاء ہوا اور اسطرح آپ دور جدید کے اسلامی علوم کے بانی قرار پائے جس کے اثرات آج (۲۰۰۷ء) آپ کی وفات کو ۳۷۷ برس گزرنے کے بعد بھی پوری ملت اسلامیہ میں واضح ہیں۔

اس بناء پر میں نے ایک تحقیقی مطالعہ بعنوان "حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ بحیثیت دینی سیاسی مفکر (۱۵۵۱ء تا ۱۶۴۲ء) ایک تحقیقی جائزہ" پیش کرنے کی سعی کی ہے تاکہ جدید علم سیاسیات اور قدیم اسلامی سیاسی افکار کے امتزج سے ملت اسلامیہ کو ان کے ایک عظیم تر مفکّر کے فکری، دینی اور سیاسی رویوں سے آگاہ کیا جا سکے۔ ابتداً مقالہ مذکورہ عنوان کے تحت شروع کیا گیا تھا لیکن دورانِ تحقیق ناگزیر ہو گیا کہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی سوانح حیات پر بھی تحقیقی کام ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ سیاسیات کے طلباء کے لیے تمہیدی طور پر مختصراً اسلامی و مغربی سیاسی افکار نیز تقابلی و موضوعی طور پر عصر حاضر تک افکار شیخ محدّث کا جائزہ لیا گیا ہے، لہٰذا اپنے ممتحنین و نگراں کے مشورے سے مقالے کا نام "شیخ عبدالحق محدّث دہلوی بحیثیت دینی سیاسی مفکر (۱۵۵۱-۱۶۴۲عیسوی)۔ موضوعاتی مطالعہ" رکھا گیا۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل طرز ہائے استدلال تحقیق میں استعمال کیے گئے۔

(ا) مذہبی طرز استدلال (ب) تاریخی طرز استدلال (ج) عمرانی طرز استدلال
(د) تقابلی طرز استدلال (ہ) معاشی طرز استدلال (و) استقرائی طرز استدلال
(ز) استخراجی طرز استدلال (ح) نفسیاتی طرز استدلال (ف) سائنسی طرز استدلال

مذکورہ طرز ہائے استدلال کے علاوہ مقالہ ھذا جو کہ تمہید، دوابواب (جن میں دس فصول اور دو وصلیں شامل ہیں) حاصلِ کلام پر مشتمل ہے۔ تین بنیادی مآخذات مرآۃ الحقائق (۱۹۰۱ء)، تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۹۵۰ء) اور حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۹۵۳ء) سے استفادہ کرنے کے علاوہ غیر مطبوعہ مخطوطات مثلاً تاریخِ حقی، زبدۃ التواریخ، رسالہ تکسیر الصلوۃ علی سید الکائنات ﷺ، بحرالسرائر سے مدد لی نیز معاصر سیاحوں، مؤرخوں اور سفارت کاروں جیسے سرتھامس رو، مینوکی، پیلسے رُٹ، ڈاکٹر برنیر وغیرہ کی تحریرات سے استفادہ کرتے ہوئے، ریاضیاتی فارمولوں اور گرافس اور جداول کے ذریعے آپ کے احوال و آثار پر کام کیا۔ اس ضمن میں خصوصی طور پر قائدِ اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کی ذاتی کاوشوں کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ آپ نے دامے، درمے، سخنے، قدمے راقم کی مدد فرمانے کی علاوہ اپنے ذاتی کتب خانے سے بھی استفادہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس سلسلے میں الحمدللہ راقم لاہور، ملتان، اُچ، بہاولپور، حیدرآباد اور سردارپور جھنڈیر (میلسی) میں مختلف شخصیات و کتب خانوں سے مستفیض ہوتے ہوئے مختلف علمائے کرام کی آراء کو انٹرویو کی شکل میں مرتب کیا اور ساتھ ہی کوائف و معطیات کے تجزیے کمپیوٹر کی مدد سے کیے تاکہ قدیم افکار کو جدید نہج کے تحت مطالعے میں لاکر اکیسویں صدی کے لئے مسلم اثاثے کے طور پر متعارف کرایا جاسکے۔ اس سلسلے میں میرا تحقیقی مطالعہ قطعی غیر جانبدارانہ اور حقیقت پر مبنی ہے۔ 1991ء میں سب سے پہلے شعبہ فارسی، جامعہ کراچی سے ڈاکٹر سید منصور علی سہروردی (مرحوم) نے حضرت شیخ کی کتاب اخبارالاخیار کے ۵ویں حصہ کے حوالے سے بحیثیت تذکرہ نگار تحقیقی کام کرکے پی ایچ۔ ڈی کی سند حاصل کی آپ کی سوانح پر ڈاکٹر سہروردی نے بھی کام نہ کیا تھا۔ امریکہ کی ریاست نارتھ کیرولینا کی ڈیوک یونیورسٹی سے ۲۰۰۰ء میں ڈاکٹر اسکاٹ کیوگل نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی پر اپنا پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ تحریر کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ہندوستان تشریف لاکر حضرت شیخ سے متعلق بنیادی ماخذات سے براہِ راست استفادہ کیا۔ فی الوقت آپ کا

مقالہ دستیاب نہیں لیکن اُمیدِ واثق ہے اس سے تحقیق کے مزید دروازے کھلیں گے۔

میں ذاتی طور پر جن شخصیات کا ممنون احسان ہوں ان میں پروفیسر ڈاکٹر منظورالدین احمد سرفہرست ہیں جنہوں نے خصوصی شفقت اور توجہ سے میرے تحقیقی مسائل میں اعانت فرمائی آپ کی ہمہ جہت شخصیت کی وجہ سے ہی میرے لیے یہ ممکن ہوا میں حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے فکری اسلوب کا تجزیہ سیاسی عنوانات کے تحت کرسکا۔ اپنے ریسرچ سپروائزر پروفیسر ڈاکٹر محمد احمد قادری کا ممنون احسان ہوں جن کی اعانت، خصوصی توجہ اور علمی رہنمائی نے میری مشکل سے مشکل لمحات میں بھی رہنمائی کی خاص طور پر سیاسی افکار کی جدید تاویلات اور تنقیدی تجزیات میں ان کے بیان کردہ نکات نے میری تحقیق کی سمت کا تعاون کیا۔ اس مرحلے پر وہ اکابرین جو آج ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی دعاؤں اور شفقتوں سے اللہ تعالیٰ نے اس کام کی تکمیل کی ان کا تذکرہ ناگزیر سمجھتا ہوں ان میں مرشدی حضرت الحاج پیر محمد شرف الدین قادریؒ، حضرت بادشاہ میاں قادریؒ، ڈاکٹر سید رضوان علی رضویؒ، محمد اسماعیل نقشبندیؒ (والد محترم) اور محمد یعقوبؒ (برادر اصغر) شامل ہیں۔

میں ان علماء و فقہاء کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے تحقیق کے مختلف مراحل پر میری خصوصی مدد فرمائی ان میں پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ قادری جن کی علمی اعانت اور وقتاً فوقتاً تحقیقی کاموں میں مختلف مراحل میں مدد، مفتی نصراللہ افغانی، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری (جن کی وساطت سے میں ڈاکٹر محمد احمد قادری تک پہنچا)، ڈاکٹر سیدّہ صاعقہ زبیدہ جن کی خصوصی علمی توجہ اور تحقیقی نکات نے میری براہ راست رہنمائی فرمائی، سیّد شاہ تراب الحق قادری، سیدّ وجاہت رسول قادری، مفتی جمیل احمد نعیمی، مفتی اطہر نعیمی، علامہ حلیم احمد اشرفی، شاہ محمد تبریزی، ڈاکٹر سیدّ شاہد حسن رضوی، ڈاکٹر سیّد وسیم الدین، ڈاکٹر حافظ محمد ثانی اور شاہ انجم بخاری شامل ہیں۔

میرے شکریہ کے خصوصی مستحق نبیرۂ حضرت موسیٰ پاک شہید (شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے مرشد پاک) کے وہ افراد ہیں جنہوں نے ملتان، اچ شریف میں میری ہر طرح

سے مدد کی اور اپنے آبائی کتب خانے سے مجھے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ مخطوطہ بحرالسرائر کی نقل بھی عنایت کی۔ ان میں حضرت سید حامد شاہ، سید سبطین رضا گیلانی، ملتان کے سجادہ نشین محترم سید وجاہت حسن گیلانی، اُچ شریف کے سجادہ نشین محترم سید افتخار حسین گیلانی شامل ہیں جنکی دعاؤں اور تعاون سے کام تکمیل کو پہنچا۔ سرورق ڈیزائن کرنے پر محترم غلام محی الدین صاحب کا بے حد ممنون ہوں۔

درجِ ذیل اداروں اور لائبریریوں کے منتظمین ونگراں کا بھی راقم خاص طور پر مشکور ہے:

ادارہ ورلڈ اسلامک مشن، ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی، بیت الحکمت (ہمدرد یونیورسٹی)، دارالعلوم بنوری ٹاؤن، لیاقت نیشنل لائبریری، دیال سنگھ لائبریری ۔ لاہور، نیشنل میوزیم لائبریری۔ کراچی، نیشنل لائبریری ۔ اسلام آباد، برٹش میوزیم لائبریری، کراچی، باغ لانگے خان ۔ ملتان، سینٹرل لائبریری جامعہ کراچی، مجلس علمی لائبریری ، کتب خانہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری، اسٹیٹ بنک سینٹرل لائبریری، سردار پور جھنڈیر لائبریری بہاولپور (میلسی) دارالعلوم کراچی۔

ناسپاسی ہوگی اگر اپنے پیارے دوست چوہدری محمد علی بن چوہدری محمد صدیق الزماں کا شکریہ ادا نہ کروں کہ انہوں نہ صرف وقتاً فوقتاً میری ہمت افزائی کی بلکہ بیرون شہروں میں کام کے سلسلے میں ہر جگہ میرے ساتھ رہے۔ ساتھ ہی محمد سہیل شفیق، محمد عقیل، نعیم احمد کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے تحقیق کے کئی مراحل پر میرا ساتھ دیا۔ اس موقعے پر اپنے اہلِ خانہ خصوصاً والدہ صاحبہ، بڑے بھائی محمد مبین قریشی، محمد یوسف پیرزادہ، اہلیہ اور بہنوں کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے بھی مجھ سے ہر ممکن تعاون کیا اور ہمت افزائی کی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

راقمِ مقالہ (پی ایچ۔ ڈی)
ڈاکٹر محمد یونس قادری
شعبہ سیاسیات، جامعہ کراچی

تمہید

رب یسّرو لاتعسّر وتمّم بالخیر وبک نستعین
یا فتاح افتح لی ابواب رحمتک (آمین)

آج کی دنیا ہمیشہ سے دو حصوں میں تقسیم رہی ہے۔ ایک روحانی دوسرے مادّی۔ عصری حالات نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ماضی کی متمدّن ریاستیں، سیاسی ثقافت کے حوالے سے جن فلسفیانہ مکاتیب فکر سے متاثر تھیں انہی کے اثرات آج بھی نمایاں طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ اسی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے مفکرین مختلف جہتوں سے اس بات کے لیے کوشاں ہیں کہ فلسفے کے وہ بنیادی رجحانات جو ریاستوں کی تقسیم در تقسیم کا سبب بنتے ہیں یا ریاستوں کو متاثر کر کے ان کے سیاسی نظام کو متزلزل کرتے ہیں، ان کا مطالعہ حقائق کی بنیاد پر کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ افلاطون، ارسطو، سینٹ تھامس ایکوناس، مارسگلیو آف پڈوا، تھامس ہابس، جان لاک، روسو، میکیاولی، ٹی۔ ایچ۔ گرین، بینتھم، آدم اسمتھ اور کارل مارکس کے افکار کو آج بھی علم سیاسیات میں اہم جانتے ہوئے ان کے مکاتیب کا تقابلی مطالعہ دنیا کے ہر تعلیمی ادارے میں کیا جاتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ تمام مفکرین مادّیت پسند مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ جب مادّے اور روح کے تقابلی عناصر کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ مادّہ فنا پذیر ہے اور روح اپنی حقیقتوں کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ اسی سچائی کو جان لینے کے بعد روحانی مفکرین نے اپنے فلسفیانہ مکاتیب فکر مرتب کیے اور ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت کو بھی واضح کیا کہ اگر مادّہ روح کے تابع ہو جائے تو آفاقی رہنمائی حاصل ہوتی ہے جس کے نتیجے میں فکری تذبذب ختم ہو کر نظام حیات میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر رسول کریم ﷺ کی ذات کائنات کی رہنمائی کے لیے مبعوث کی گئی جس کے لیے قرآن کریم نے واضح طور پر فرمایا:

یٰسین. والقرآن الحکیم. انک لمن المرسلین. علیٰ صراط المستقیم. (۱)
یٰسین، حکمت والے قرآن کی قسم بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یٰسین، رسول اکرم ﷺ کا نام ہے۔ (۲)

وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما. (۳)

(اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔)

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف الرحیم. (۴)

(بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان، مہربان)

مذکورہ بالا آیت کی تشریح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: اور تم ان (ﷺ) کے باپ و دادا کو بھی جانتے ہو کہ وہ سارے کے سارے اشرف، افضل، ارفع، طاہر اور مطہر تھے۔ ان میں کوئی بدکار اور جاہلیت کی خباثتوں والا نہ تھا۔ (۵)

لادینی سیاسیات کے بنیادی مباحث

علم سیاسیات اپنی خصوصیات کے اعتبار سے دو سیاسی افکار کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتا ہے مغربی اور اسلامی سیاسی فکر۔ ان کے مطالعہ کے ذریعہ یہ علم، سیاست اور اس کے عناصر ترکیبی سے بحث کر کے سیاست کی ترقی کے لیے اصول واضح کرتا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلامی سیاسی فکر اور مغربی سیاسی نظریات کے بغیر علم سیاسیات نہ صرف ادھورا بلکہ غیر مؤثر بھی نظر آتا ہے۔ اس بناء پر علم سیاسیات سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اسلامی اور مغربی سیاسی فکر کا مطالعہ تقابلی اصولوں پر کرتے ہیں تاکہ منتہائے مقصد تک بآسانی پہنچ سکیں۔ علم سیاست، ریاست و حکومت سے بحث کرتا ہے جس میں سیاسی اداروں کی تقسیم، ان

اداروں کا ارتقاء وساخت سے بحث کی جاتی ہے کہ کس طرح جائیداد اور دیگر ریاستی وسائل کی تقسیم شہریوں کے درمیان کی جائے نیز کیا ممبران اسمبلی کو محض ''ربراسٹیمپ'' کی حیثیت سے کام کرنا چاہئے یا اپنے عوامی حلقوں کی نمائندگی کرتے ہوئے آزاد رہنا چاہئے۔ (۶)

تعریفات

علم سیاسیات کی چند مفکرین نے درج ذیل تعریفات کی ہیں۔

آر۔ این۔ گلکرائسٹ: علم سیاسیات ریاست اور حکومت سے بحث کرتی ہے۔

گیٹل: یہ ریاست سے متعلق ماضی، حال اور مستقبل میں سیاسی تنظیمات اور سیاسی نظائر کا مطالعہ ہے۔ (۷)

ابن خلدون: سیاست مدینہ خانگی یا شہری انتظام کو کہتے ہیں جو اخلاق وحکمت کے تقاضوں کے مطابق واجب ہوتا ہے تاکہ عوام کے لیے ایک ایسی راہ کھول دی جائے جس سے حفاظت اور بقائے نوع ہو سکے۔ (۸)

ریاست

انگریزی میں ریاست کے لیے اسٹیٹ (STATE) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے علم سیاسیات کی زبان میں ریاست کا موجودہ تصور میکیاولی نے اپنی کتاب بادشاہ (THE PRINCE) میں دیا۔ (۹) میکیاولی کے مطابق ''تمام طاقتیں جو انسانوں پر قبضہ یا اقتدار رکھتی ہیں، ریاستیں ہیں یا بادشاہتیں ہیں یا جمہوریتیں''۔ (۱۰)

گارنر: ریاست، علم سیاست اور عوامی قانون کے نظریہ کی حیثیت سے بنی نوع انسان کا ایک ایسا اجتماع ہے جو معین علاقہ پر مستقل قابض ہو۔ بیرونی دباؤ سے آزاد ہو یا اسکے قریب ہو اور ان کی اپنی ایک منظم حکومت ہو جس کی اطاعت ایک کثیر تعداد عادتاً کرتی ہو۔ (۱۱)

لاسکی: ایک علاقائی معاشرہ جو حکومت اور رعایا میں بٹا ہوا ہو اور اپنے طبعی مخصوص رقبہ کے اندر تمام دوسرے اداروں پر برتری کا دعویدار ہو۔ (۱۲)

چوتھی صدی عیسوی کے اواخر تک عیسائیت مغرب میں واحد مذہب تھی۔ اسے جب سلطنت

روم کے سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہوگئی تو یہ سیاست میں ملوث ہوگئی۔ بادشاہ کو مذہبی امور میں تمام اختیارات حاصل ہوگئے اور کلیسا کی تنظیم حکومت کے فرائض کی طرف بڑھنے لگی۔ یہودیوں کے نظریہ ''بادشاہت الوہیت'' کے تحت پاپائے روم نے کہا کہ کلیسا کے بعض اختیارات اور حقوق کو غیر مذہبی (سرکاری) اختیارات کے ذریعے کسی صورت بھی چیلنج نہیں کیا جاسکتا (۱۳) اس کی پُر زور تائید سینٹ آگسٹائن (۳۵۴۔۴۳۰ بعد از مسیح) نے کی۔ (۱۴) ابتدائی ازمنۂ وسطیٰ میں عیسائیت نے انسان کی روحانی اور مادّی دل چسپیوں میں اس قول کے مطابق حد فاصل قائم کی کہ: جو سیزر کا ہے وہ سیزر کے لیے ہے جو خدا کا ہے وہ خدا کے لیے ہے (۱۵) اس طرح کلیسا نے بادشاہوں کو کمزور کر کے غیر مذہبی اختیارات پر بھی کنٹرول حاصل کرلیا۔ گیارہویں صدی میں کلیسا اور ریاست کے درمیان اختیارات کا سلسلہ مزید بڑھتا گیا جب گریگوری ہفتم نے اصلاحات کا آغاز کیا اس طرح پاپائیت اور شاہیت کے درمیان مقابلہ بازی کا سلسلہ دو صدیوں تک جاری رہا۔ فتح بالآخر پاپائیت کی ہوئی اور پاپائیت کو مغربی حلقۂ عیسائیت کا بے تاج بادشاہ تسلیم کرلیا گیا۔

سیکولرازم

وہ چیزیں جن کا تعلق موجودہ دنیا سے ہے یا وہ چیزیں جو مذہبی، روحانی اور مقدس نہ ہوں یا جن کا تعلق ابدی فائدوں کے بجائے وقتی، عارضی اور دنیاوی مفادات سے ہو سیکولر کہلاتی ہیں، جبکہ سیکولرسٹ سے مراد وہ شخص ہے جو نظریاتی طور پر عبادت اور مذہبی عقیدے کی ہر شکل کو رد کرتا ہو اور صرف ان حقائق واثرات کو قبول کرتا ہو جو موجودہ (دنیاوی) زندگی سے ماخوذ ہیں۔ نیز اس سے مراد وہ شخص بھی ہے جو اس امر پر یقین رکھتا ہو کہ کسی قسم کے مذہبی عنصر کو درمیان میں لائے بغیر تعلیم اور دیگر تمام شہری اور تمدنی امور کا انتظام کیا جائے۔ (۱۶) گویا لغوی معنی میں سیکولر کا استعمال ہر اس چیز کے لیے ہوتا ہے جس کا تعلق ظاہری دنیا سے ہو۔ لہٰذا اس لفظ کو دنیاوی، غیر روحانی یا غیر مذہبی معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے، لیکن اصطلاحی معنی میں سیکولرازم سے مراد وہ نقطہ نظر ہے جس میں سیاست اور انتظامیہ کی مذہبی

اور کلیسائی امور سے جدائی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

پس منظر

سیکولرازم کی اصطلاح کا اولین استعمال ایک برطانوی دانشور جارج جیک ہولی اوک نے کیا تھا۔ وہ مذہباً عیسائی تھا لیکن معاشرتی اور اجتماعی معاملات میں مذہب کی دخل اندازی کا قائل نہیں تھا اور اپنے نظریے کی ترویج وترقی کے لیے ہر شخص کا تعاون حاصل کرنا چاہتا تھا، خواہ وہ مذہب کو مانتا ہو یا اس کا انکار کرتا ہو۔ ۱۸۴۹ء میں اس نے باقاعدہ یہ تحریک شروع کی اور لادینی تصور کو الحاد اور دہریت کا بدل قرار دیا۔ مغرب میں لادینیت کی بنیاد، مذہب اور سیاست کی جدائی یا کلیسا اور حکومت کی علیحدگی کے اصول پر قائم ہوئی۔ مسیحی کلیسا کی تعلیمات منطقی تضادات اور توہمات وخوارق پر مشتمل تھیں۔ کلیسا کا اقتدار معصوم عن الخطا ہونے کے مدعی اور بددیانت پاپائیت کے ایک انتہائی مرکزی اور منظم ادارے کے ہاتھوں میں تھا۔ (۱۷) سینٹ پال کی عیسائیت کی رُو سے خدا اور قیصر (اخلاق وسیاست) کی الگ الگ حکومتیں قائم ہوگئیں۔ حالانکہ حکمت یونان کی رُو سے اخلاق وسیاست دو الگ الگ شعبے نہیں تھے۔ جس کا ثبوت افلاطون وارسطو کی تصانیف ہیں۔ سولھویں صدی کے شروع میں میکیاولی نے ''THE PRINCE'' لکھ کر اس رجعی طلاق کو بائن میں تبدیل کر دیا۔ (۱۸)

لادینیت کی چند تعریفات مندرجہ ذیل ہیں۔

دی نیو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا

معاشرے کی ایک تحریک جو دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی سے الگ کرتی ہے۔ پچھلے دور قدیم میں روحانی طبقے کے ردّ عمل کے طور پر انسانیت کی بیداری ونشوونما کے لیے اس نظریہ و پیش کیا گیا جس میں فرد کی اس دنیا میں تکمیل اور انسانی ثقافت کے حصول میں زیادہ دل چسپی دکھائی گئی یہ تحریک لادینیت کی طرف بڑھتی گئی اور جدید تاریخ پر چھا گئی اور اس طرح لوگ دین اور عیسائیت کے مخالف ہوتے چلے گئے۔ (۱۹)

لادینیت ہی کی بناء پر سولھویں صدی کے آخر میں ایک باہمی معاہدے کے تحت ایک

مقتدر اعلیٰ کے وجود کو تسلیم کر لیا گیا اس معاہدے کا نام ''عمرانی معاہدہ'' رکھا گیا۔ (۲۰) جس کی رو سے افراد اپنے ذمہ کچھ فرائض لے لیتے ہیں اور ان کے بدلے میں مملکت، اپنے ذمے افراد کے حقوق لے لیتی ہے لیکن مملکت کوئی الگ چیز نہیں ہوتی جس سے افراد معاہدے کرتے ہیں بلکہ وہ خود افراد ہی پر مشتمل ایک اجتماعی ادارہ ہوتا ہے۔ (۲۱) اس نظریے کے حاملین تھامس ہابز (۱۵۸۸۔۱۶۷۹ء)، جان لاک (۱۶۳۲۔۱۷۰۴ء) اور جان جیکویس روسو (۱۷۱۲۔۱۷۷۸ء) ہیں۔ گو موجودہ جمہوری طرز حکومت کا ابوالآباء جان لاک کو کہا جاتا ہے یہ نظریہ دراصل جان لاک اور روسو کے نظریوں کا امتزاج ہے اس کی بنیاد روسو کے اس نظریے پر ہے کہ: آواز خلق درحقیقت خدا کی آواز ہوتی ہے۔ (۲۲) اس کی عملی شکل لاک کے اس تصور پر ہے کہ اکثریت کی آواز خلق کی نمائندگی کرتی ہے۔ مغربی مفکرین کے نزدیک اس سے بہتر نظام حکومت کا تصور ناممکن ہے۔ (۲۳) دراصل مغرب کو جمہوریت دو ذریعوں سے ملتی ہے۔ یونانی اور یہودی و نصرانی روایات سے۔ گویا مغربی جمہوریت انتہائی بامعنی مفہوم میں عیسائی ہے۔ (۲۴)

ویبسٹر زتھرڈ نیو انٹرنیشنل ڈکشنری

افراد کی حکومت، حکومت کی ایک قسم جس میں عوام کو برتر اختیارات حاصل ہوتے ہیں جس میں عوام یا ان کے منتخب نمائندے اپنا حق استعمال کرتے ہیں۔ ایک ریاست میں اس قسم کی حکومت جس میں برتر اختیارات عوام کو حاصل ہوں اور وہ براہ راست اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق استعمال کریں، نیز معاشرے کی وہ ریاستی خاصیت جو مساوات، سیاسی وسماجی حقوق جمہوری روح کے مطابق بغیر کسی امتیاز کے عوام حاصل کریں۔ (۲۵)

جمہوریت کی اصل لادینیت ہی ہے۔ یہ اپنے صدیوں پرانے تاریخی پس منظر اور راہنما اصولوں کے ساتھ ایک الگ تعارف اور وجود ہے جبکہ اس کی بنیاد میں مذہب سے بیزاری نہ صرف شامل ہے بلکہ جمہوریت کا پہلا ہدف ہی مذہب ہوا کرتا ہے کیونکہ جمہوریت خود مذہب کے تصادم سے ہی وجود میں آئی ہے۔ اس کی پیدائش اس وقت ہوئی جب عیسائیت بانجھ پن

کا شکار ہوگئی، کلیسا تقسیم ہوگیا، پادری متشدّد بن گیا، عیسائیت اپنے ماننے والوں کو وقت کے ساتھ ساتھ رہنمائی دینے کے بجائے عقل پر پہرے بٹھانے کا کام کرنے لگی تب ایسے حالات میں مذہب اور سیاست میں کشیدگی پیدا ہوئی جو آگے چل کر ''عوام کی حاکمیت'' یعنی جمہوریت کا سبب بنی اور اس طرح مذہب کو پادری کی صلیب کے ساتھ لٹکا دیا گیا۔ (۲۶)

قومیت

لفظ قومیت عام طور پر اپنے اصل معنی اور صفت کے طور استعمال ہوتا ہے اصل معنی سے مراد یہ ہے کہ قومیت کا اطلاق ایسی آبادی پر ہوتا ہے جو نسلی یا دوسرے رشتوں کے ذریعے متحد ہو قومیت آزاد ہو کر ایک علاقے میں متحد ہو جائے تو وہ قوم بن جاتی ہے۔ صفت کے طور پر تو یہ کسی آدمی کے شہری یا غیر شہری ہونے کی وضاحت کرتا ہے مثلاً اگر کوئی غیر ملکی پاکستان کی شہریت حاصل کرے تو کہا جائے گا کہ اسے پاکستان کی قومیت حاصل ہوگئی۔ (۲۷)

لیگ آف نیشنز نے قوم کی جو تعریف متعین کی ہے اسکی رُو سے قوم کے معنی ہیں ایسی سوسائٹی جسے جنگ کے لیے منظم کیا جائے۔ اس میں کمیونسٹ، نازی فاشسٹ یا عام نیشنلسٹ سب یکساں ہیں۔ سب کا ایمان یہ ہے کہ حصول مقصد کے لیے ہر قسم کا ذریعہ اختیار کر لینا جائز ہے اور سب کے نزدیک ''مقصد'' سے مراد انسانوں کے ایک گروپ کا دوسرے گروپ پر غلبہ و تسلّط ہے۔ اس کے لیے ہر قسم کا تشدّد اور فریب جائز ہے۔ یہ سب یہی وعظ کہتے ہیں کہ ہر فرد کو اپنا سب کچھ ریاست کے سپرد کر دینا چاہیے۔ (۲۸)

بین الاقوامیت

ایمری ریوز اپنی کتاب (The Anatomy of Peace) کے ایک باب فریب بین الاقوامیت میں لکھتا ہے: لیگ آف نیشنز ناکام رہ گئی اس لیے کہ وہ انٹر نیشنلزم کے غلط عقیدے پر قائم ہوئی تھی۔ اس عقیدہ پر کہ مختلف قوموں کے درمیانی صلح قائم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے نمائندوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تا کہ وہ اپنے اختلافی معاملات کا تصفیہ بحث و تمحیص کے ذریعہ کر لیا کریں ان تنازعات کا حل ممکن ہی نہیں جب تک قوموں کے باہمی تعلقات کی

بنیاد میں اصلاح نہ ہو جائے۔

اس باب کے آخر میں وہ لکھتا ہے:

ہم انٹرنیشنلزم سے کافی کھیل چکے ہیں جو مسئلہ دنیا کے سامنے وہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو قوموں کے حل کرنے کا ہو وہ مسئلہ یہ ہے کہ نیشنلزم کے نظریہ نے انسانی معاشرہ میں ایک فساد برپا کر رکھا ہے، لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ خود نیشنلزم خواہ وہ انٹرنیشنلزم ہی کیوں نہ بن جائے اس کا حل دریافت کر دے اس مسئلے کا حل انسانی عالمگیریت میں ہے۔ ایک ایسا عقیدہ یا تحریک جس کا مقصد یہ ہو کہ وہ قومیت اور بین الاقوامیت کی سطح سے اوپر جا کر خالص انسانی سطح پر دنیا میں امن قائم کرنا چاہتی ہو۔(۲۹)

اسلامی سیاسی فکر کی تعریف

فکر اسلامی سے مراد ایسی فکر ہے جس کے ذریعے امور معلومہ کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ ان کے ذریعے امورِ مجہولہ کا ادراک با آسانی ہو سکے۔(۳۰)

اسلامی سیاسی فلسفے سے مراد طاقتِ بشریہ کا وہ استعمال جو فلاح انسانی کے لیے استعمال کرے جس کا بنیادی مقصد سعادتِ ابدی کا حصول ہو۔(۳۱)

اسلامی سیاسی فکر اس قوت کو کہتے ہیں جو علم کو معلوم کی طرف لے جاتی اور تفکر کے معنی نظر عقل کے مطابق اس قوت کو جولانی دینے کے لیے ہے اور غور و فکر صرف انسان کو دی گئی ہے، دوسرے حیوانات اس سے محروم ہیں۔(۳۲)

اسلامی سیاسیات کی اہم خصوصیات

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اقتدار اعلیٰ کا اقرار کہ وہ جسے چاہے ملک دے جس سے چاہے ملک چھین لے۔(۳۳) اسلامی ریاست میں ہر قانون خدا ہی کا بنایا ہوگا کسی انسان کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ اس میں کسی قسم کی ترمیم کرے، نیز اسلامی ریاست نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں پر قائم ہوگی۔ جسے ایک محدود عمومی حاکمیت حاصل ہوگی۔ ریاست کا حاکم خلیفہ ہوگا۔ جو ہر حال میں مسلمان ہوگا اور جسے عوام منتخب کریں گے جس کے اہل نیک اور صالح لوگ ہی

ہونگے ۔ عوام کو خلیفہ کے خلاف بغاوت کرنے کی اسی وقت اجازت دی گئی ہے جب وہ کھلے بندوں اسلام کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کرے یا مرتد ہو جائے۔ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تمام امور مملکت میں مشورہ کرے (۳۴) اسلامی ریاست کے قیام کے دیگر مقاصد یہ ہوں گے کہ اللہ کی حاکمیت کا تصور قائم کر کے لوگوں کو برائی سے روکے، اچھائی کی طرف بلائے، نماز قائم کرے زکوٰۃ لے کر اہل لوگوں میں تقسیم کرے، عدل و انصاف قائم کرے، دفع فساد، قیام امن اور فرد کے بنیادی حقوق ادا کرے، باغیوں کی سرکوبی کرے وغیرہ۔

دینی ولادینی سیاسیات کا تقابلی جائزہ

مادہ درحقیقت کیا چیز ہے یہ ایک ایسی گتھی ہے جسے بہترین دماغی کوششوں کے باوجود سلجھایا نہیں جاسکا ہے ۔ مادے کا کیمیائی تجزیہ تو الگ رہا سائنسدان اس کے وجود کی حقیقی تصویر بھی پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں ۔ علامہ اقبال کی رائے میں مسلمانوں میں ’’تجربہ اور مشاہدہ‘‘ کی بناء پر یونانی افکار سے مفاہمت نہیں بلکہ مسلسل اور لگاتار فکری تصادم تھا اسلیے انہوں نے کہا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی

(مصطفیٰ ﷺ کے چراغ (خیر کی قوت) کا شرارِ بولہبی (بدی کا شعلہ)
سے روز اول سے آج تک جھگڑا رہا ہے)

مذکورہ نظریہ کی مائیکل ہارٹ اس طرح تائید کرتے ہیں:

دنیا کے بے حد اور بااثر لوگوں کے زمرے میں محمد ﷺ کو سرِ فہرست رکھنے کے لیے میرا انتخاب بعض قارئین کے لیے باعث حیرت ہو سکتا ہے اور دوسرے اس پر معترض ہو سکتے ہیں لیکن یہ تاریخ کی وہ واحد شخصیت ہیں جو مذہبی اور غیر مذہبی دونوں سطحوں پر شاندار طور سے کامیاب و فتح مند ہیں ۔ دنیا میں مسلمانوں کی بہ نسبت عیسائی دگنے ہیں اسلیے یہ بات تعجب خیز لگتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو (اس کتاب مین) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے جگہ دی گئی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جو کردار ادا کیا اس کے

مقابلے میں حضرت محمد ﷺ کا اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں کردار زیادہ اہم اور فعال ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخلاقیات و کردار کے احکام وہدایات لائے جبکہ سینٹ پال نے دینیات کو ترقی دینے، لوگوں کو تبدیلی مذہب پر آمادہ کرنے اور نئے صحیفہ کی تصنیف وتالیف میں اہم کردار ادا کیا اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سینٹ پال دونوں کی ذمہ داریاں حضرت محمد ﷺ نے انجام دیں اوران کا کردار زیادہ مؤثر اور زیادہ فعال ہے۔ اسلام پر حضرت محمد ﷺ کے اثرات عیسائیت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سینٹ پال کے مشترکہ اثرات سے بھی زیادہ ہیں نیز حضرت محمد ﷺ ایک مذہبی لیڈر ہونے کے ساتھ ساتھ غیر مذہبی لیڈر بھی تھے اوران کی لائی ہوئی شریعت زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ (۳۵)

اسلام کے نظامِ زندگی میں مذہبی معاملات اور دنیوی معاملات کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ چونکہ مخصوص مذہبی لوگوں پر مشتمل کوئی کلیسائی نظام موجود نہیں ہے اس لیے اس کے مقابلے میں باقی ماندہ دنیاداروں کے نظام کا بھی کوئی تصور نہیں ہے اس لحاظ سے اسلام ایک ایسا ہمہ گیر مذہب ہے جس میں دنیوی معاملات کی تہذیب و تنظیم بھی شامل ہے۔ پوری ملتِ اسلامیہ غیر پروہتی انسانوں پر مشتمل ہے جو ایک بنیادی مذہبی مقصد کے لیے منظم ہوئے ہیں۔ وہ مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو تعلیماتِ اسلامی کے مطابق گزاریں۔ یہ تعلیمات ایک مسلمان کی پوری زندگی پر محیط ہوتی ہیں۔ جب وہ اپنی اور اپنے خاندان کی گزراوقات کے لیے حلال کمائی میں مشغول ہوتا ہے یا اپنی ملت کو ایک زندہ اور فعال جماعت کی حیثیت سے قائم رکھنے کے لیے کوئی عمل کرتا ہے تو وہ ایک مسلمان کے مذہبی فرائض اسی طرح انجام دیتا ہے جیسے اس وقت جب وہ نماز پڑھتا ہے یا روزہ رکھتا ہے۔ اس طرح بہت سی ایسی سرگرمیاں جو دوسرے مذاہب میں خالصتاً دنیوی سمجھی جاتی ہیں اسلام میں مذہبی ہو جاتی ہیں بشرطیکہ وہ شریعت کے مطابق جائز ہوں اور شخصی یا ملّی زندگی پر اسلام انسانی زندگی کی مکمل تصویر کے ہر حصے سے تعلق رکھتا ہے۔

اس بات کی منطقی تائید کرتے ہوئے والٹرلپ مین رقمطراز ہیں: انسان اس دنیا کا نظم نسق

اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں جو پہلے ہی سے موجود ہے یہ ایک ایسے نظم میں دخل اندازی ہے جو انکے اختیارات اور فہم سے بلند ہے۔ (۳۶)

کیا والٹرلپ مین یہ نہیں جانتے تھے کہ انسان کے علاوہ وہ کونسی قوت ہے جو اس دنیا کے اختیارات کو سنبھال سکے؟ بقول ایمری ریوز ہماری نجات کا راز لیڈروں کی دانش اطواری میں مضمر نہیں بلکہ قوانین کی صحت مندی میں مضمر ہے ہمیں بنیادی اصولوں کا اعلان کر دینا چاہئے اور ان اصولوں پر قانون سازی کی بنیاد رکھنی چاہیے۔ (۳۷)

لوتھر اور اٹھارویں صدی کے ان مفکرین کے درمیان ہمیں ایک بہادر اور اخلاقی جرأت کا حامل فرانسیسی مفکّر مانٹسکیو ملتا ہے جو دوٹوک اسلامی طرز حکومت کو اچھا جمہوری طرز حکومت کہہ دیتا ہے کیونکہ اس کے خیال میں اسلام نے اخوت، مساوات اور آزادی کو حکومت میں نمایاں اور ارفع مقام دیا ہے۔ (۳۸) مملکت کا فریضہ ہے کہ مستقل اقدار کے حصول کہ ممکن بنانے والے احوال پیدا کرے۔ (۳۹) لندن یونیورسٹی کے پروفیسر الفریڈ کوبن اپنی کتاب The Crises of Civilization میں مغربی تہذیب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ رضائے عامہ کو قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ رضائے عامہ مستقل وجود رکھتی ہے تاریخ اوّل سے آخر تک گواہ ہے اس کا منطقی نتیجہ آمریت ہے۔ (۴۰)

پروفیسر ٹوئن بی انیسویں صدی کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کم از کم مسلمانوں سے یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے عالمگیر محبت و اخوت کے تصوّر کو چھوڑ کر یورپ جیسا تنگ نظری کا تصوّر (قومیت) اپنے ہاں رائج کریں گے۔ ایک عالمگیر برادری کا تصوّر ویسے تو انسانی فلاح کے لیے ہمیشہ ضروری رہا ہے لیکن ایٹم کے دور میں اسکی اہمیت و ضرورت اور بھی شدید ہو گئی ہے۔ (۴۱) جبکہ انسانی تمدن کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ وہ حیات انسانی کے حشو و زوائد کو حسین و جمیل بنائے۔ اس کا مقصد خاص یہ ہے کہ خود انسانی زندگی کو حسین و رعنا بنائے اور بلند کر دے۔ (۴۲) لہٰذا اسلام اور جمہوریت کو گڈ مڈ کرنا ان کے مقصد وجود اور تہذیبی و تاریخی پس منظر کا انکار ہوگا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔القرآن: سورۂ یٰسین۔آیات ۱تا۴

۲۔بریلوی، احمد رضا (امام)۔(س ن) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن ۔ لاہور: قدرت اللہ کمپنی۔ص ۵۷۱

۳۔النساء:۱۳ ۴۔توبہ:۱۲۸

۵۔دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔(س ن)۔ مدارج النبوت (ج۔۱)۔(مترجم، عبدالمصطفیٰ محمد اشرف نقشبندی)۔لاہور: مکتبہ اسلامیہ۔ص ۹۸

۶۔قادری، محمد عبداللہ (ڈاکٹر)۔(اکتوبر۔نومبر ۱۹۹۹ء)۔حنفی سیاسی فکر کی خصوصیات اور عصری تقاضے۔ماہنامہ آگہی۔کراچی۔ص ۵۴

۷۔ Sachdeva & Gupta .(1987). A Simple Study of Political Science .India p 2

۸۔مقدمہ ابن خلدون (جلد اول)۔ص ۲۱۳

۹۔ Garner, James Wilford. (1951/1952) 2nd Impression. Political Science and Government . Calcutta : The World Press, Ltd.p 47

۱۰۔میکیاولی، نکولو۔(۱۹۸۵ء)۔بادشاہ۔(مترجم ڈاکٹر محمود حسین)۔کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی۔ ص ۱۹

۱۱۔ Garner, James Wilford. (1951/1952) 2nd Impression Political Science and Government . Calcutta : The World Press, Ltd.p 52

۱۲۔فریدالحق (پروفیسر)۔(۱۹۷۴ء)۔نظری سیاسیات۔کراچی: سرسید بک کمپنی۔ص ۶۰

۱۳۔ناسک، صلاح الدین۔(۱۹۸۰ء)۔افکار سیاسی مشرق ومغرب۔لاہور: عزیز پبلشرز۔ص ۱۴۲

۱۴۔ایضاً۔ص ۱۴۴

۱۵۔ Sabina,G.H.(1951). A History of Political Theory. New

York: Henry Holtd company.p 93

۱۶- Webster's New Internation Dictionary of English Language. p 191

۱۷- صدیقی، کلیم (ڈاکٹر)۔ (س ن)۔ مغرب کے زیر اثر مسلمانوں کا سیاسی مسلک فکر و عمل۔ کراچی: دی مسلم انسٹی ٹیوٹ۔ ص ۲۱

۱۸- پرویز۔ (۱۹۵۵ء)۔ انسان نے کیا سوچا۔ کراچی: ادارہ طلوع اسلام۔ صص ۱۹۲ تا ۱۹۳

۱۹- The New Encyclopedia Britannica.(Vol-I) 15th Edition, Chicago. Encyclopedia Britannica, Inc.1992. p 594

۲۰- جعفری، سید اصغر علی شاہ۔ (۱۹۷۲ء)۔ مشرق و مغرب کے سیاسی افکار۔ لاہور: نیو بک پیلس۔ ص ۱۴۶

۲۱- انسان نے کیا سوچا۔ ص ۱۸۰

۲۲- Bluhm, Wt.(1978). Theories of the Political Sustem. New Jersy: Prentric-Hale, Inc., Englewood Cliffs.p 334

۲۳- انسان نے کیا سوچا۔ ص ۳۵

۲۴- Smith, Wilferd K. (1954). Pakistan as an Islamic State. Lahore.p 49

۲۵- Webster's Third New International Dictionary.p 417

۲۶- روزنامہ جنگ۔ کراچی ۔ ۲۹ اپریل ۱۹۹۹ء۔ (اسلام اور جمہوریت ۔ ایک تقابلی جائزہ از حسین، ملک الطاف)

۲۷- نظری سیاسیات۔ ص ۱۹۷

۲۸- Huxlay, Aldous.(1965). Ends and Means. London. Chato and Windus..pp 182-187

۲۹- Reves, Emery.(n.d.). The Anatomy of Peace. N.Y : Harper & Brothers. p 161

۳۰- الجرجانی، علی بن محمد۔ (۱۳۰۷ھ)۔ کتاب التعریفات وانتشارات۔

119394

طہران: ناصر خسرو۔ ص ۴۷

۳۱۔ ابلاغ، عنایت اللہ۔ (س ن)۔ امام اعظم ابو حنیفہ و افکار۔ (مترجم، فضل من اللہ فضلی)۔ ص ۲۰

۳۲۔ اصفہانی، امام راغب۔ (۱۹۷۱ء)۔ المفردات القرآن۔ (مترجم، مولانا محمد عبدہ فیروز پوری)۔ لاہور: اہل حدیث اکیڈمی۔ ص ۸۰۸

۳۳۔ آل عمران: ۲۶

۳۴۔ الشوریٰ: ۳۸

۳۵۔ Michael, H.Hart. (1996). The 100 -A Ranking of the most Influential Persons in History .N.Y: Acitad Press Book.p 3

۳۶۔ Walter, Lippmann. (1944). The Good Society. London: George Allen & Unwin.p 216

۳۷۔ Reves, Emery.(n.d). The Anatomy of Peace. N.Y : Harper & Brothers. p 20

۳۸۔ افکار سیاسی مشرق و مغرب۔ ص ۲۵

۳۹۔ Joad, C.E.M. (1948). Guide to the Philosophy. London: Victor Gallenez. p 806

۴۰۔ انسان نے کیا سوچا۔ ص ۱۸۵

۴۱۔ Toyn Bee,Arnold J. (1953).The World and the West.London:Oxford University Press.p 30

۴۲۔ Pickthal, Mohammad Marmaduke. (n.d.). Islamic Culture .Lahore. p 3

باب اوّل۔ فصل اوّل

برصغیر میں اسلامی سیاسی فکر کا تاریخی ارتقاء

ہندوستان کا حدود اربعہ

کچھ حکمائے عالم نے زمین کو مشرقی، مغربی، شمالی اور جنوبی چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے اور پھر ہر حصّے کو مزید دو حصّوں یعنی مسکونہ (آباد) وغیرہ مسکونہ (غیر آباد) میں تقسیم کیا ہے۔ مسکونہ حصہ سات حصوں (اقالیم) میں بٹا ہوا ہے۔ (۱) دوسری اقلیم ہند، سندھ اور سوڈان پر مشتمل ہے اس کا بُرج جدی اور سات ستاروں میں سے ایک ستارہ زحل ہے۔ (۲) ہندوستان (بھارت) ۸ درجے ۴ منٹ شمالی عرض البلد سے ۳۷ درجے ۶ منٹ شمالی عرض البلد کے درمیانی اور ۶۸ درجے ۷ منٹ مشرقی طول بلد سے ۹۷ درجے ۲۵ منٹ مشرقی طول بلد کے درمیان ہے اس کے شمال میں نیپال، بھوٹان اور چین، مشرق میں برما، مغرب میں اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ اس نے بنگلہ دیش کو تین جانب سے گھیر رکھا ہے۔ (۳) اس کے جنوب مغرب میں بحیرہ عرب، جنوب مشرق میں خلیج بنگال اور جنوب میں بحیرہ ہند واقع ہے۔ سری لنکا کا جزیرہ جنوبی کی جانب سے ایک تنگ راستے سے ہوتا ہوا علیحدہ ہو جاتا ہے۔ (۴)

اہل ہند ابتدائے کائنات اور تخلیق موجودات عالم کے بارے میں اپنے جداگانہ مخصوص نظریات رکھتے ہیں۔ قدیم حکمائے ہند کی رائے میں دنیا کی قدیم ترین سرزمین ہند ہے جہاں سے کوہ، صحرا، جنگلات اور جملہ حیوانات کی ابتدا ہوئی اور علمی قدامت کے لحاظ سے ارض ہند قدیم ترین ہے۔ ان کے نزدیک ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام پہلی بار انہی کی سرزمین پر اُترے تھے (۵) انہوں نے اپنا پہلا قدم راہون (۶) نامی پہاڑ پر رکھا جو جزیرہ سراندیپ (لنکا۔ سیلون) میں ہے۔ اسے صاحب تاریخ فرشتہ نے مسلمانوں کا پہلا مرکز قرار دیا ہے (۷) اس لیے مسلمان، بھارت کو اپنا موروثی پدری وطن سمجھتے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے پہلی مخلوق نورِ محمدﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا۔ (۸) اس سے ثابت

ہوتا ہے کہ محمد ﷺ کا ابتدائی ظہور اسی سرزمین میں ہوا (۹) اس لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے۔ (۱۰)

ہندوستان میں عربوں کی آمد

عرب کا مشرقی ساحلی علاقہ بحرین ہمیشہ سے چین اور ہندوستان کی تجارت کا مرکز تھا۔ اس کے تمام علاقوں میں ہندوستان کے لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ سندھ کی فتح سے بھی پہلے ہندوستان سے مسلمانوں کے علمی، مذہبی اور تجارتی تعلقات تھے بلکہ تجارتی تعلقات تو اسلام سے بھی صدیوں پہلے چلے آرہے تھے۔ ابتداء میں عرب مسلمان فاتح کی حیثیت سے نہیں بلکہ تاجر کی حیثیت سے جنوبی ہندوستان میں آئے اور آج بھی ان کی اولاد وہاں موجود ہے جو موپلا یا نائت کہلاتی ہے۔ (۱۱) اس کی مرکزیت واہمیت کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ نے یہاں اپنے دو حکام مقرر فرمائے ایک حضرت علاء حضرمی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرت ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں حضرت علاء حضرمیؓ کی جگہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کی حکومت دیدی، لیکن اس کے کچھ ہی عرصے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ/۶۳۶ء میں عثمان بن ابی العاص الثقفی کو بحرین اور عمان کی ولایت پر مقرر کیا۔ (۱۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر عثمان ثقفی نے اپنے بھائی مغیرہ بن الثقفی کو دریائی راستے سے دیبل پر حملہ کرنے کا حکم دیا جہاں سے اسلامی لشکر کامران لوٹا اور اپنے دوسرے بھائی حکم بن ابی العاص الثقفی کو تھانہ (بمبئی) اور بھڑوچ (گجرات) پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا وہاں سے بھی اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس ہوا۔ (۱۳) ۲۳ھ/۶۴۴ء میں الحکم بن عمرو التعلبی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں زمینی راستے سے مکران کی طرف بڑھے اور یہاں کے فرمانروا راسل (۱۴) نے حاکم سندھ کے ساتھ مل کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ اس طرح مکران بھی فتح ہوا۔ (۱۵) ۳۸ھ یا اوّل ۳۹ھ/۶۵۹ء میں حارث بن مُرّہ العبدی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر بحیثیت مطوع سرحدِ ہند پر حملہ کیا، فتح یاب ہوئے اور کثیر غنیمت ہاتھ آیا۔ (۱۶) کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو

ان کا علاج کسی جاٹ طبیب نے کیا تھا۔ (۱۷)

ولید اوّل عبدالملک بن مروان کے دور (۸۶۔۹۷ھ/۷۰۵۔۷۱۵ء) میں عراق کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کے بھانجے اور داماد عماد الدین محمد بن قاسم بن الحکم بن ابی عقیل ثقفی (۱۸) نے سترہ سال کی عمر میں بروز جمعرات دس رمضان المبارک ۹۳ھ/۷۱۱ء کو سندھ (۱۹) کے راجہ داہر کو شکست دی اور دیبل (موجودہ کراچی کے قریب علاقہ) کا قلعہ فتح کیا۔ ساتھ ہی ارور، ملتان اور پنجاب کے دیگر شہروں کو فتح کرتا سرحدِ کشمیر تک پہنچ گیا۔ محمد بن قاسم نے سندھ فتح کرنے کے بعد یہاں کی غیر مسلم رعایا کو وہی حیثیت دی جو صحابہ کرامؓ نے اہل فارس کو دی تھی یعنی ان کو شبہ اہل کتاب تسلیم کیا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ دو باتوں نکاح و ذبیحہ کے علاوہ تمام امور میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا برتاؤ کیا اور ان کے مندروں کی حیثیت ایران کے آتشکدوں کی طرح رکھی گئی اور جس طرح صحابہ کرامؓ نے آتش کدے نہیں توڑے اسی طرح مندر بھی محفوظ رہنے دیئے گئے۔ (۲۰) ایک بہادر سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ محمد بن قاسم جہانبانی کی صفات سے بھی مالا مال تھا۔ اپنی مذہبی رواداری اور عادلانہ حکومت کے باعث اس نے اہل سندھ کے دلوں کو مسخر کیا۔ وہ اسے رحمت کا فرشتہ سمجھتے اور اس کی تصویریں بنا بنا کر اپنے پاس رکھتے چنانچہ جب انہیں سلیمان بن عبدالملک کی ذاتی مخاصمت کی وجہ سے محمد بن قاسم کی موت کا پتہ چلا تو سارے ملک نے سوگ منایا۔ (۲۱)

عرب حکومت کے قیام کے ساتھ ساتھ مسلم نو آبادیاں وہاں بھی وجود میں آئیں اور ان میں مساجد، مکاتب اور مدارس بھی کھولے گئے۔ ان نو آبادیوں میں سے ایک نو آبادی منصورہ بھی تھی۔ اس شہر کو بسانے کا مقصد یہ تھا کہ دوسرے مستحکم مقامات کی طرح یہاں بھی عربوں کی فوجی طاقت کا مرکز بنایا جائے۔ اس کا بانی محمد بن قاسم کا مشہور فرزند عمر تھا۔ (۲۲) جب عربوں نے سندھ مسخر کیا تو ملتان کا شہر موجود تھا اس نے سخت مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈالے تھے نویں صدی عیسوی کے وسط تک ملتان اپنی ہمنام امارت کا دارالحکومت ہو گیا۔ اس مسلم ریاست کو ہمسایہ ہندو ریاستوں کے حملے کا اکثر خطرہ رہتا تھا۔ اس وجہ سے مسلم حکمران وہاں ایک اچھی

خاصی طاقتور فوج رکھتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ سیاسی تدبر سے بھی کام لیتے تھے۔ ملتان کے سب سے بڑے ہندو مندر کی سرپرستی حکمرانوں نے اپنے ذمہ لے کر اس کا ایک حصہ پروہتوں کے وظائف اور مندر کے رکھ رکھاؤ پر خرچ کرنے کے لیے وقف کیا۔ (۲۳) الغرض عہد فاروقی کی ابتداء سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے تک ہندوستان اور عرب کے تعلقات کی نوعیت وقتی معرکہ آرائی اور غالب ومغلوب کی رہی جس میں خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام وتابعین عظام نے حصہ لیا۔ (۲۴) مسلمانوں نے یہاں پر دوسو سال تک اپنا اقتدار قائم رکھا۔ اگرچہ ان کی سیاسی حیثیت، خلفائے بنوامیہ کے اس علاقے کی طرف توجہ نہ دینے پر کوئی پچاس، ساٹھ سال ہی میں کمزور ہوگئی تھی۔ (۲۵)

جب ہم انڈیا میں (Muhammadan Empire) کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ترکوں کا کردار ہے۔ (۲۶) آٹھویں صدی عیسوی میں اس سارے علاقے میں جوہرات سے دہلی تک پھیلا ہوا تھا، ہندو مذہب، بدھ مت، مجوسی، صابی اور آفتاب پرست لوگ آباد تھے۔ خراسان میں خلفائے عباسیہ کے ماتحت نیم آزاد حکومت تھی، جس کا بادشاہ یعقوب بن لیس صفاری تھا اس نے کابل فتح کر کے کابل میں پہلا مسلمان حاکم مقرر کیا۔ اس سے پہلے وہاں ہندو راجاؤں کے عامل حکمرانی کرتے تھے۔ صفاریوں (۲۵۴ھ/۸۶۸ء تا ۲۹۰ھ/۹۰۳ء) کے بعد سامانی نسل کے ایرانی بادشاہ اس علاقے پر حکمرانی کرتے رہے۔ عہد امارت عبدالملک نوح سامانی میں ایک تاجر حاجی نصر (۲۷) نے سبکتگین نامی ایک غلام خریدا۔ حاجی نصر سے ایک سامانی سردار الپتگین کے حاجب نے خرید کر الپتگین تک پہنچایا۔ اسی الپتگین نے ۳۵۱ھ میں غزنی میں غزنوی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ الپتگین کے جانشین سلطان ناصر الدین سبکتگین (م ۳۸۷ھ/۹۹۷ء) نے پنجاب کے ہندو راجہ جے پال کی آئے دن کی دست درازیوں سے تنگ آ کر اس کو خیبر کے اس پار دھکیل دیا۔ بیس برس کی حکمرانی کے دوران وہ رعایا سے نہایت شفقت سے پیش آیا اس کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا اسماعیل تخت نشین ہوا۔ دو سال بعد محمود، اسماعیل کو تخت سے اتار کر خود تخت نشین ہوا۔ (۲۸) سلطان اعظم نظام الدین ابوالقاسم محمود بن سبکتگین (م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) بہت بڑا

فرمانروا تھا۔ بادشاہان اسلام میں وہ پہلا شخص ہے جسے خلافتِ بغداد نے سلطان کا لقب دیا۔ اس وقت مسند خلافت پر امیر المومنین القادر باللہ بیٹھا تھا۔ (۲۹)

سلطان سبکتگین اپنے بعد والوں کے لیے ہندوستان کی سمت کمزور کرتے رہنے کے واسطے ایسی راہیں بنا گیا جس پر محمود تیس برس کے عرصے تک چلتا رہا محمود نے ان حملوں سے ہندوؤں کی سرزمین کو تباہ کیا جن سے ہندو غبار کی طرح پراگندہ ہو گئے اور جو لوگ بھاگ کر بچ رہے ان کو مسلمانوں سے سخت نفرت اور دوری ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام علوم سمٹ کر بنارس اور کشمیر وغیرہ کی طرف چلے گئے اور جہاں سیاسی اور دینی وجوہ سے کلی اجنبیوں کے ساتھ بشدت بے تعلقی رکھی جاتی تھی۔ (۳۰) ہندوستان میں سفر کے دوران محمود اور اس کے لشکر کو ایک ہندو راہبر نے گجرات سے سندھ اور منصورہ لے جانے کے بہانے صحرا میں بھٹکا دیا لیکن تائید ایزدی سے محمود اس مشکل سے نکل آیا۔ (۳۱) محمود نے ۳۹۵ھ/۱۰۰۵ء میں ملتان فتح کیا اور شہر کو اسماعیلیوں سے خالی کرایا۔ (۳۲) بت شکن ہونے کے ساتھ ساتھ محمود ایک کامیاب سیاسی مدبر بھی تھا۔ اس نے اپنی ساری عمر میں کسی ایک ہندو کو بھی جبراً مسلمان نہیں بنایا اور نہ امن کی حالت میں کسی ایک مندر یا بت توڑنے کا کوئی واقعہ پیش آیا۔ اس نے ہندوستانی مقبوضات کے لیے اپنا سکہ ہندی زبان میں جاری کیا اور اپنی فوج میں ہندوؤں کو معزز عہدوں پر سرفراز کیا۔ ہندو راؤ اس کی فوج کا ایک اعلیٰ افسر اور تو لک رکنِ سلطنت تھا۔ (۳۳)

۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں سلاطین غزنویہ پر تباہی آئی۔ غزنین کے تخت پر غوری خاندان قابض ہوا۔ (۳۴) ملوک غور کے خاندان کو ایک عالی ایرانی نسل سے ہونے کا دعویٰ تھا۔ (۳۵) اس وقت علی کرماخ غوریوں کی طرف سے سپہ سالار تھا جس نے مولانا منہاج سراج کے باپ کو قاضی مقرر کیا۔ انہی غوری حکمرانوں میں سلطان شہاب (معز) الدین محمد بن سام (۵۶۹۔۶۰۲ھ/۱۱۷۴۔۱۲۰۶ء) جو کہ حنفی (۳۶) تھا، نے ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء میں ہندوؤں کے مشہور ہیرو پرتھوی راج چوہان کو ترائن کی دوسری جنگ میں شکست فاش دے کر ہندوستان کے قدیمی پایۂ تخت دہلی پر قابض ہوا۔ اسی تاریخ سے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی ابتدا ہوئی (۳۷)

اپنے معتمد ترین غلام قطب الدین ایبک کو سلطان غوری اپنا نائب السلطنت بنا کر واپس غزنی چلا گیا۔ اسی دور میں چشتیہ سلسلے کے بانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی (م ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء) بھی ہندوستان تشریف لائے۔

برعظیم ہندو پاکستان میں خود مختار اسلامی سلطنت کا قیام

برعظیم ہندو پاکستان میں اسلامی عہد ۶۰۲۔۱۲۷۶ھ/۱۲۰۶۔۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔ مورخین نے انہیں دو عہدوں میں تقسیم کیا ہے۔

الف۔ عہدِ سلاطین (۶۰۲۔۹۳۲ھ/۱۲۰۶۔۱۵۲۶ء)

ب۔ عہدِ مغلیہ (۹۳۲۔۱۲۷۶ھ/۱۵۲۶۔۱۸۵۷ء)

عہدِ سلاطین

وہ تمام سلاطین جو سلطان قطب الدین ایبک (۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء) سے ظہیر الدین بابر تیموری (۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء) کے برسرِ اقتدار آتے تک دہلی پر جلوہ افروز رہے "سلاطین دہلی" کہلاتے ہیں اور ان کا عہد "عہدِ سلطنت" یا "عہدِ سلاطین" کہلاتا ہے۔ یہ عہد ۳۲۰ (سن عیسوی کے مطابق) سال پر محیط ہے جس میں مندرجہ ذیل خاندان برسرِ اقتدار رہے۔

خاندانِ غلامان	(۶۰۲۔۶۸۹ھ/۱۲۰۶۔۱۲۹۰ء)
خاندانِ خلجی	(۶۸۹۔۷۲۰ھ/۱۲۹۰۔۱۳۲۰ء)
خاندانِ تغلق	(۷۲۰۔۸۱۷ھ/۱۳۲۰۔۱۴۱۴ء)
خاندانِ سادات	(۸۱۷۔۸۵۵ھ/۱۴۱۴۔۱۴۵۱ء)
خاندانِ لودھی	(۸۵۵۔۹۳۲ھ/۱۴۵۱۔۱۵۲۶ء)

خاندانِ مغلیہ

مغلیہ خاندان کا مؤسسِ اعلیٰ ظہیر الدین محمد بابر بن عمر شیخ میرزا بن سلطان ابوسعید میرزا بن سلطان محمد میرزا بن جلال الدین میران شاہ میرزا بن صاحب قرآن امیر تیمور گورگان۔ (۳۸) ۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء میں پانی پت کی جنگ میں ابراہیم لودھی کو شکست دینے کے بعد ہندوستان کا

حکمران ہوا (۳۹) ترکستان میں اپنے والد کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا اور سمرقند، شادمان، بلخ، بدخشاں، غزنین و کابل (افغانستان) کو بھی ہندوستان فتح کرنے کے بعد شامل کر لیا (۴۰) اس کی ذات پسندیدہ اوصاف و اعمال سے آراستہ تھی وہ بہادری، انصاف اور دوسرے فضائل و کمالات میں تمام بادشاہوں سے ممتاز تھا۔ ہندوستان فتح کرنے کے بعد اس کے نام اور لقب کا خطبہ اور سکہ جاری ہوا (۴۱) وہ علماء کی استعداد اور قابلیت کا قدردان تھا، اس لیے اس کے دربار میں علماء و فضلاء جمع رہتے تھے۔ رانا سانگا سے جنگ کے موقع پر بابر نے شیخ زین الدین کے سامنے اپنے گناہوں سے آئندہ کے لیے توبہ کی، فتح پانے کے بعد وہ اپنے عہد پر قائم رہا (۴۲) مولانا سید رفیع الدین صفوی (م ۹۵۴ھ/۱۵۴۷ء) جو کہ بڑے دانشمند محدث (۴۳) تھے، کو ان کی تبحر علمی کی بناء پر حضرت مقدس کا خطاب دیا تھا (۴۴) بابر کا انتقال ۹۳۷ھ/۱۵۳۰ء میں ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نصیر الدین محمد ہمایوں تخت پر بیٹھا صرف تیرہ سال کی عمر میں وہ بدخشاں کا والی مقرر کیا گیا تھا، بابر کے ہمراہ ہندوستان فتح کرنے میں اس کی عظیم کوششیں ظہور میں آئیں۔ وہ صاحب علم و عرفان، فیاض، حلیم الطبع، انصاف پرور، سخی اور بہادر فرمانروا تھا۔ ہمیشہ روزہ رکھنا اور راتوں کو عبادت کرنا اس کا شیوہ تھا۔ روزہ افطار کرتا تو سادہ غذا استعمال کرتا اور گوشت بالکل نہیں کھاتا تھا۔ (۴۵) درویشوں، عالموں اور نیک لوگوں کا بہت احترام کرتا تھا وہ ریاضی اور فلسفے کا ایک اچھا عالم تھا (۴۶) قندھار سے گجرات تک تمام علاقہ اس کے تصرف میں آیا۔ ۹۴۶ھ/۱۵۳۹ء میں شدید بارشوں کی وجہ سے وبائی امراض پھوٹ پڑے۔ جس سے عوام میں بددلی پھیل گئی ساتھ ہی ہمایوں کے بھائیوں کی نااتفاقی، امیروں کی بددلی اور شیر خان کا ہمایوں سے جنگ کرنے کے سبب (۴۷) ہمایوں کو تخت سے دستبردار ہونا پڑا اور وہ سندھ میں اقامت پذیر ہوا۔ یہاں اس نے ایک ایرانی بی بی (۴۸) حمیدہ بانو بیگم (۴۹) سے شادی کی جس کے بطن سے عمرکوٹ کے مقام پر ۹۴۹ھ/۱۵۴۲ء میں بادشاہ اکبر پیدا ہوا۔ سندھ اور راجستھان کی سرگردانی کرتے ہوئے سیستان کے راستے اس

نے شاہ ایران کی پناہ لی۔ وہاں صفویوں کی شاہانہ مہمانی اور کبھی مذہبی بدگمانی کے تماشے دیکھے۔ دو سال کی کاوشوں کے بعد دس ہزار ایرانی قزلباشوں کو لے کر پہلے قندھار پھر کابل و بدخشاں پر قابض ہوا اور چودہ سال بعد پھر وہ تخت دہلی پر متمکن ہوا۔ (۵۰) اس کے بعد بالترتیب جلال الدین محمد اکبر، محمد سلطان سلیم جہانگیر، محمد شہاب الدین شاہجہاں، اورنگزیب عالمگیر وغیرہ تخت نشین ہوئے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مسلمان ہندوستان میں حکمراں کی حیثیت سے آئے تھے اس ملک میں ان کا جو طرز حکومت رہا تھا اس کا غیر جانبدارانہ مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں کی حکومت اس ملک کی تاریخ کا ایک زرّیں باب ہے۔ ہندوستان کے ساتھ مسلمانوں کا حاکمانہ تعلق کم و بیش ایک ہزار سال تک رہا۔ اب سے ایک ہزار سال پہلے دنیا میں قومی حکومتوں اور قومی آزادی کا کوئی تصور نہ تھا۔ جس طرح مسلمانوں سے پہلے بہت سی قومیں ہندوستان پر حملہ کرتی رہی تھیں اور جن میں بعض قومیں اسی ملک میں آباد ہوگئی تھیں اسی طرح مسلمانوں نے بھی جذبہ جہاد کے تحت اس ملک کو فتح کر کے اپنی حکومت قائم کی اور یہاں آباد ہوئے۔ اسی لیے انہیں کسی لحاظ سے بھی غیر ملکی نہیں کہا جا سکتا۔

سیاسی اور انتظامی اعتبار سے مسلمانوں کی حکومت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار اس ملک کو متحد اور منظم کیا۔ مسلمانوں سے پہلے ہندوستان میں کوئی مرکزی حکومت موجود نہیں تھی اور یہ ملک چھوٹی چھوٹی سیکڑوں ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ یہ صورتحال ملک کے سماجی اتحاد اور صنعتی و تجارتی ترقی کے راستہ کی رکاوٹ تھی۔ مسلم حکمرانوں نے اس صورتحال کو ختم کر کے ملکی ترقی کی نئی راہیں کھولیں۔ ہندوستان ہزاروں سال تک بیرونی دنیا سے علیحدہ رہا تھا حتی کہ یہ بات اس ملک کے باشندوں کے مذہبی عقیدے میں شامل ہوگئی تھی کہ انہیں سمندر کا سفر نہیں کرنا چاہئے۔ بیرونی دنیا سے رابطہ نہ ہونے کی بناء پر وہ دنیا میں ہونے والی ترقی سے بھی نابلد تھے۔ مسلمانوں نے انہیں بیرونی دنیا اور اس کے ثمرات

سے آشنا کرایا۔ ان کی اس حکمت عملی سے ہندوستان کی تجارت اور صنعت وحرفت کو فروغ حاصل ہوا اور تجارت اور تبادلۂ اشیاء کی بدولت ملک کی اقتصادی زندگی میں تنظیم پیدا ہوگئی ۔ ایک قدیم ملک ہونے کے ناتے ہندوستان کے علوم بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن ہندو باشندوں کی علیحدگی پسندی کی بدولت دنیا اس سے ناواقف تھی۔ مسلم حکمرانوں نے ملکی وغیر ملکی علماء وفضلاء کی آمد ورفت کے ذریعے ان علوم کو پھیلایا۔ سنسکرت زبان سیکھی۔ ان کی اعلیٰ کتب کے فارسی وعربی میں تراجم لکھے، نیز کتابوں کے حاشیے لکھ کر ان کی وضاحت اور اصلاح کی۔

ہندوستان میں ذات پات کا مسئلہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے جو کہ نہ صرف انسانیت کے خلاف ہے بلکہ خود ملکی ترقی کے لیے بھی نقصان دہ تھا۔ (۵۱) مسلم حکمرانوں نے اپنے طرز عمل و کاوشوں کی بناء پر اس ملک میں ذاتوں کی پستی اور بلندی کے تصور کو ختم کر کے محض انسانیت کی بناء پر نئے سماج کی تعمیر کی ابتدا کی، جسے اس ملک کی سماجی تحریکات کی بنیاد کہا جا سکتا ہے۔ مسلم دورِ حکومت میں مندر بالکل محفوظ رہے۔ ایک مندر کا مسجد میں تبدیل کرنا تشکیلی حیثیت سے بھی ناممکن تھا۔ ہر مسجد کے لیے ایک وسیع کمرہ جس کا رخ مغرب کی طرف ہو اور نمازیوں کے لیے صحن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس دور میں اکثر وبیشتر مندروں میں ایسی کوئی صورت نہ تھی کہ ان کو باآسانی مسجد بنایا جا سکے۔ غوری فتوحات کے دور میں بعض سلاطین نے مندروں کو منہدم کیا لیکن بعد میں ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر ان کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ (۵۲)

مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ ایک ہی مذہب کے ماننے والے تھے اس لیے ان کے ذہن میں ملی جلی اور وسیع النظر حکومت (سیکولر حکومت) کا کوئی تصور نہ تھا۔ اسلام نے انہیں مذہبی رواداری، انسانی مساوات اور عدل و انصاف میں غیر جانبداری سکھائی اور چونکہ مسلمانوں کے پورے دور حکومت میں حکومت کا یہ سیکولر کردار قائم رہا جس کی وجہ سے خود اس ملک کے باشندوں کی ذہنی اصلاح وتربیت کے باعث ان کے کٹر مذہبی پن میں بھی اعتدال پیدا ہوگیا۔ (۵۳) مذہبی رواداری کا ایک اہم

ثبوت وہ مندر ہیں جو بادشاہ اکبر کے جنرل اور گورنر. راجا مان سنگھ کچھواہا نے برندابن میں گووند دیو، اکبر کے ایک سردار رائے سل (جس کا تعلق شیخاوتی خاندان سے تھا)، نے گوپی ناتھ کا مندر، اور راجا بھگوان داس نے گووردھن میں ہری دیو کا مندر تعمیر کرایا تھا۔ (۵۴) اس رواداری کا اعتراف مشرق و مغرب کئی سیاسی مفکرین جیسے ابن حسن (۵۵)، ایشوری پرشاد (۵۶)، صلاح الدین ناسک (۵۷)، محمود احمد الساداتی (۵۸)، بنی پرشاد سکسینہ (۵۹)، پروفیسر وی ڈی مہاجن (۶۰)، سری رام شرما (۶۱)، آر سی ماجمدار (۶۲) اور جی بی میلسن (۶۳) نے کیا ہے۔

علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ء) امیر خسرو کے اس شعر کو بہت پسند کرتے تھے کہ مذہبی رواداری اور بے تعصبی کے جذبات کا بہترین آئینہ دار ہے۔

اے کہ زبت طعنہ بہ ہندو بری ہم زوے آموز پرستش گری (۶۴)

مسلمانوں کی فراخدلی اور وسیع النظری کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب مسلمان اس ملک پر حکمراں تھے تو انہوں نے محض مذہبی رواداری کی بناء پر گاؤکشی کو پورے ہندوستان میں قطعاً ممنوع قرار دیدیا تھا، لیکن اس کا کیا علاج کہ اب یہ وباء خود ہندوؤں میں نہایت تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ ماہنامہ دین دنیا (۶۵) کی ایک اطلاع کے مطابق بھارتیہ جن سنگھ کے جنرل سیکریٹری نے اپنے ایک بیان میں بتایا ہے کہ میں نے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ پھلوار کے قریب دو اشخاص کو گائے ذبح کرتے ہوئے پکڑا ہے جن کے نام بھگت رام اور چنا بتائے گئے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن (علامہ)۔ (۱۹۷۸ء)۔ طبع دوم۔ مقدمہ کتاب العبر دیوان المبتداء والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر المعروف بہ مقدمہ ابن خلدون۔ (مترجم، مولانا غالب رحمانی دہلوی)۔ کراچی: نفیس اکیڈمی۔ ص ۲۲۴

۲۔ المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی۔ (۱۹۸۵ء)۔ مروج الذہب ومعاون الجواہر۔ (مترجم، پروفیسر کوکب شادانی)۔ کراچی: نفیس اکیڈمی۔ ص ص ۱۰۰۔ ۱۰۱

۳۔ عباسی، بشریٰ افضال۔ (۱۹۹۶ء)۔ جنوبی ایشیا کا جغرافیہ۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ۔ ص ۱۳

۴۔ برٹ اسٹوڈنٹس نسائکلو پیڈیا: (حصہ نہم)۔ ص ۲۹۷

۵۔ تاریخِ مسعودی۔ ص ۹۲

۶۔ ندوی، مسعود علی (مولانا)۔ (۱۹۶۲ء)۔ ہندوستان عربوں کی نظر میں (جلد دوم)۔ انڈیا: دار المصنفین اعظم گڑھ۔ ص ۱۳۲

۷۔ فرشتہ، محمد قاسم ہندوشاہ۔ (س ن)۔ تاریخ فرشتہ (جلد دوم)۔ لکھنو: نولکشور۔ ص ۳۱۱

۸۔ مدارج النبوت (جلد دوم)۔ ص ص ۱۔ ۳

۹۔ ندوی، سیّد سلیمان (علامہ)۔ (۱۹۷۶)۔ عرب وہند کے تعلقات۔ کراچی: کریم سنز۔ ص ۳

۱۰۔ ہندوستان عربوں کی نظر میں۔ (جلد اوّل)۔ ص ۱

۱۱۔ مبارکپوری، قاضی اطہر۔ (۱۹۷۵ء)۔ عرب وہند، عہد رسالت ﷺ میں۔ کراچی: مکتبہ عارفین۔ ص ۱۹۲

۱۲۔ بلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر۔ (۱۹۴۰ء)۔ فتوح البلدان (جزو دوم)۔ (مترجم، مولوی سیّد ابوالخیر مودودی)۔ حیدر آباد دکن: مطبع جامعہ عثمانیہ۔ ص ۱۷۶

۱۳۔ عرب وہند۔ عہد رسالت ﷺ میں۔ ص ۱۹۳

۱۴۔ ندوی، معین الدین احمد۔ (۱۹۹۳ء)۔ تاریخِ اسلام (جلد اوّل)۔ اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن۔ ص ۱۹۲

۱۵۔ ٹھٹوی، میر علی شیر قانع۔ (۱۹۷۱ء)۔ تحفۃ الکرام (فارسی)۔ حیدآباد سندھ: سندھی ادبی بورڈ۔ ص ۶۱۹

۱۶۔ فتوح البلدان۔ ص ۱۷۷

۱۷۔ صحیح بخاری۔ باب بیع الخادم۔ ص ۸۴

۱۸۔ الکوفی، علی بن حامد بن ابوبکر۔ (۱۹۳۹ء)۔ چچ نامہ (فارسی)۔ دہلی: مطبع لطیفی۔ ص ۹۴

۱۹۔ اس وقت سندھ میں پورا شمال مغربی حصہ، پنجاب، افغانستان (وہ حصہ جو دریائے ہلمند تک ہے)، سارا بلوچستان اور موجودہ سندھ مع کچھ حصہ خلیج شامل تھا۔ (بحوالہ۔ حاشیہ: ہندوستان عربوں کی نظر میں (جلد دوم)۔ ص ۱۳

۲۰۔ عبدالرحمٰن، سید صباح الدین۔ (۱۹۶۴ء)۔ ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر۔ انڈیا: معارف پریس اعظم گڑھ۔ ص ۴۳

۲۱۔ حمیدالدین (ڈاکٹر)۔ (س ن)۔ تاریخ اسلام۔ (طبع چہارم)۔ لاہور: فیروز سنز۔ ص ۲۷۷

۲۲۔ فتوح البلدان۔ ص ۴۴۴

۲۳۔ قریشی، اشتیاق حسین (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۳ء)۔ برعظیم پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ۔ (مترجم، ہلال احمد زبیری)۔ کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی۔ صص ۴۶۔ ۴۷

۲۴۔ عرب وہند۔ عہد رسالت ﷺ میں۔ ص ۱۹۹

۲۵۔ ناموس، محمد شجاع (ڈاکٹر)۔ (س ن)۔ سائنس اور فلسفہ کی تحقیق۔ لاہور: تاج بکڈپو۔ ص ۷۷۹

۲۶۔ اسٹینلے لین پول۔ (۱۹۵۱)۔ فرسٹ انڈین امپریزن۔ مڈیول انڈیا (ج ۱)۔ انڈیا۔ سوسل گپتا لمیٹڈ۔ ص ۹

۲۷۔ منہاج سراج، منہاج الدین بن سراج الدین جوزجانی۔ (۱۸۹۹ء)۔ تاریخ طبقاتِ ناصری: طبقہ گیارہواں وسترہواں۔ (مترجم، حافظ احمد علی خان شوق)۔ انڈیا: مطبع احمدی ریاست رامپور۔ ص ۲۹

۲۸۔ ایضاً۔ ص ۳۲

۲۹۔ منہاج سراج۔ ابوعمرو منہاج الدین عثمان۔ (۱۹۷۵ء) طبقاتِ ناصری (جلد اوّل)۔
(مترجم، غلام رسول مہر)۔ لاہور: مرکزی اردو بورڈ۔ ص ۴۱۱

۳۰۔ البیرونی، محمد بن احمد ابوریحان۔ (۱۹۴۲ء)۔ کتاب الہند (جلد اوّل)۔
(مترجم، سید اصغر علی)۔ دہلی: انجمن ترقی اردو۔ ص ۱۸

۳۱۔ طبقات ناصری (جلداوّل)۔ ص ۴۱۲

۳۲۔ برعظیم پاک وہند کی ملّتِ اسلامیہ۔ ص ۴۷

۳۳۔ شہابی، انتظام اللہ (مفتی)۔ (۱۹۵۵ء)۔ تاریخ ملّتِ (جلداوّل)۔ دہلی: ندوۃ المصنفین۔ ص ۳۰۲

۳۴۔ طبقات ناصری (جلداوّل)۔ ص ۹

۳۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد۲/۱۴)۔ (۱۹۸۲ء)۔ لاہور: دانش گاہ پنجاب۔ ص ۵۹۹

۳۶۔ طبقات ناصری (جلداوّل)۔ ص ۷۷

۳۷۔ دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۴۱۸ھ)۔ اخبار الاخیار۔ (مترجم، محمد منیر رضا قادری)۔ لاہور: شبیر برادرز۔ ص ۶۷

۳۸۔ حسین، سیّد غلام۔ (ر۔ن)۔ سیرالمتاخرین (فارسی)۔ لاہور: تاج بک ڈپو۔ ص ۵

۳۹۔ قریشی، آئی ایچ۔ (۱۹۶۶)۔ دی ایڈمنسٹریشن آف مغل امپائر۔ کراچی۔ ص ۲۹۵

۴۰۔ تمدّن ہند۔ ص ۱۵۹

۴۱۔ کلمات الصادقین۔ ص ۱۴۰

۴۲۔ خافی خان، نظام الملک (ہاشم علی خان)۔ (۱۹۶۴ء)۔ منتخب اللباب (حصہ اوّل)۔ (مترجم: محمود احمد فاروقی)۔ کراچی۔ ص ۸۲

۴۳۔ اخبار الاخیار۔ ص ۵۹۵

۴۴۔ اکرام، شیخ محمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۶۸ء)۔ رودِ کوثر۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ ص ۲۲

۴۵۔ کلماتُ الصادقین۔ ص ۱۴۵

۴۶۔ تاریخ حقی۔ ورق: ۵۰ (الف)

۴۷۔ فرید آبادی، سیّد ہاشمی۔ (۱۹۸۹ء)۔ تاریخ مسلمانان پاکستان وبھارت۔ لاہور: ادارہ معارف اسلامی۔ صص ۴۰۶ تا ۴۰۷

۴۸۔ تمدّن ہند۔ ص ۱۶۰

۴۹۔ سیرالمتاخرین۔ ص ۲۷

۵۰۔ تاریخ مسلمانان پاکستان وبھارت۔ ص ۴۰۹

۵۱۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ص ۹۳

۵۲۔ ایضاً۔ ص ۲۱

۵۳۔ سنہا، راجکمار۔ (مئی، ۱۹۶۱ء)۔ ہندوستان کی ترقی میں مسلمان کا حصہ۔ ماہنامہ دین و دنیا۔ دہلی۔ صص ۲۷۔۲۹

۵۴۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات۔ صص ۳۸۸۔۳۹۰

۵۵۔ Hassan,Ibn.(1958). Centeral Structure of the Mughal Empire in Northern India. Lahore:Majlis Tarraqi Adab.p 310

۵۶۔ Parasad,Ishwari.(1964). A Short History of Muslim Rule in India. Allahabad: The Indian Press.p 244

۵۷۔ ناسک، صلاح الدین۔ (۱۹۷۳ء)۔ دور مغلیہ (۱۵۲۶تا۱۷۴۸ء)۔ لاہور: عزیز بک ڈپو۔ ص ۳۴

۵۸۔ الساداتی، محمود احمد۔ (س ن)۔ تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الھندیہ وحضارتھم. القاہرۃ: مکتبۃ الادب بالجمامیز۔ ص ۲: ۱۱۴

۵۹۔ سکینہ، بنی پرشاد۔ (۱۹۸۸ء)۔ تاریخ شاہجہاں۔ لاہور: پروگریسو بکس۔ ص ۲۱۸

۶۰۔ Mahajan, V.D.(1962). The Muslim Rule in India. New Delhi: S.Chand & Co. p 207

۶۱۔ Sharma, Sri Ram.(1940). The Religious Policy of the Mughal Emprors. Bombay: Munshiram Manoharlal Publishers (pvt.) p 181

۶۲۔ Majumdar,R.C.(1974).The History and Culture of the India people of the Mughal Empire. Bombay: Bhartiya Vidya Bhavan.p 544

۶۳۔ Melleson,G.B. (1903/1979). Rulers of India: Akbar and the Rise of Mughal Empire. Lahore: Islamic Book Service. p 75

۶۴۔ نظامی، خلیق احمد (ڈاکٹر)۔ (فروری، ۱۹۵۸ء)۔ مشائخ چشت اور ہندو مسلم اتحاد۔ ماہنامہ منادی۔ نئی دہلی۔ صص ۱۵۔۱۶

۶۵۔ فہمی، شوکت علی۔ (مئی، ۱۹۶۱)۔ رفتار زمانہ۔ ماہنامہ دین دنیا۔ دہلی۔ ص ۱۴

باب اوّل

فصل دوم

دورِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی سیاسی ثقافت

☆ ہندوستان کی سیاسی ثقافت

☆ عوامی حالات

☆ علمی حالاتِ (قرآن، حدیث، فقہ)

☆ معاصر تحریکیں

......مذہب اکبری
......ذکری تحریک
......نظریہ الفی
......مہدوی تحریک
......فرقہ روشنیہ
......نقطوی تحریک
......شیعیت

پہلا باب فصل دوم

دور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کی سیاسی ثقافت

ہندوستان کی سیاسی ثقافت

جس طرح دوران خون ہماری زندگی کی علامت ہے، اسی طرح کلچر معاشرے کے لیے دوران خون کا درجہ رکھتا ہے۔ گویا کلچر اس ذہنی، مادّی اور خارجی طرز عمل کے اظہار کا نام ہے جو باضابطگی کے ساتھ معاشرے کے افراد میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔(۱) اردو انسائیکلوپیڈیا میں کلچر (ثقافت) کی تعریف اسطرح کی گئی ہے:

عربی لفظ جس سے مراد کسی قوم یا طبقے کی تہذیب ہے۔ علماء نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ ثقافت اکتسابی یا ارادی یا شعوری طرزِ عمل کا نام ہے۔ اکتسابی طرز عمل میں ہماری وہ تمام عادات، افعال، خیالات، رسوم اور اقدار شامل ہیں جن کو ہم ایک منظم معاشرے یا خاندان کے رکن کی حیثیت سے عزیز رکھتے ہیں یا ان پر عمل کرتے ہیں یا ان پر عمل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔(۲)

سیاسی ثقافت

سیاسی ثقافت کی اصطلاح کو علم الانسان سے لیا گیا ہے۔(۳) ثقافت کا وہ حصہ جو سیاست کو متاثر کرے اور اس سے برتاؤ مختلف ہو۔ اس کو ہم سیاسی ثقافت کہیں گے۔ مثلاً زبان، علاقہ، مذہب، یہ سب سیاسی ثقافت ہیں۔ کیونکہ یہ عوامل سیاست پر اثر انداز ہوتے ہیں۔(۴) سیاسی ثقافت کی چند اور تعریفات درج ذیل ہیں۔

المنڈ: یہ ایسے رجحانات، عقائد، اقدار اور مہارتوں کا مجموعہ ہے جو تمام معاشرے یا آبادی میں موجود ہوتی ہیں۔(۵)

سڈنی وربا: سیاسی ثقافت موضوعی رجحان پیش کرتی ہے۔(۶)

لیوسیئن پائی: یہ رویے یقین اور جذبات کا ایسا مجموعہ ہے جو سیاسی نہج میں ترتیب اور معنی پیدا کرتا ہے۔ (۷)

اس وقت دنیا خصوصاً ہندوستان میں مشہور غیر الہامی مذاہب ہندو مت، جین مت، بدھ مت، زرتشتی مت اور سکھ مت ہیں۔ (۸)

ہندومت

تاریخی اعتبار سے اسے ساڑھے تین ہزار سالہ قدیم مذہب کہا جاتا ہے۔ ہندو اقوام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر گستاؤلی بان، ''تمدن ہند'' میں لکھتے ہیں: ہندو کئی بڑی اقوام کا مرکب ہیں۔ ہند کے قدیم باشندے سیاہ فام تھے۔ اگرچہ ہمیں وہ زمانہ قطعی طور پر نہیں معلوم ہے جب باہر کی قوم تورانی اس ملک میں آئے جن کے رنگ زرد تھے۔ پھر سفید رنگ قوم آریہ شمالی ہند میں داخل ہوئے، چوتھی صدی مسیحی میں ہند پر پھر ایک نئی فوج کشی راجپوتوں کی ہوئی۔ یہ قوم جو بادشاہوں کی اولاد تھی اور جن کا ہر فرد بہادر اور آپس میں برابر تھا چھتری کے نام سے مشہور ہوئی جس نے ایک خطہ راجپوتانہ قائم کیا۔ جاٹ، گوجر اور سکھ تورانی اقوام سے ہیں۔ گیارہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی فتوحات شروع ہوئیں، یہ فاتحین بھی نہایت مختلف الاصل تھے۔ ان میں عرب، ایرانی، افغانی اور مغل ملے جلے تھے اور انہوں نے ہند کی اقوام کو جو پہلے ہی سے مخلوط تھی اور بھی زیادہ مخلوط بنا دیا۔ (۹) ویدیں ان کی مقدس کتب ہیں۔ (۱۰) جن کے ساتھ ساتھ اپنشدز، پران، گیتا اور سماجی قوانین کے مجموعے شاستر بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ ''تری مورتی'' اس کا بنیادی عقیدہ ہے جس کے تحت تین خداؤں کا تصور کیا جاتا ہے۔ کائنات کا خالق، کائنات کی بقاء کا ذمہ دار اور کائنات کی تباہی و بربادی کا سبب جسے برہما، وشنو اور شیو کا نام دیا جاتا ہے۔ ہندو عقیدہ کے مطابق تمام بڑے بڑے مصلحین وشنو کے اوتار تھے اور ابھی ایک اوتار باقی ہے۔ (۱۱) ہندو اپنے مذہب کو نجات کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں جس کے حصول کے لیے وہ تین راہیں مانتے ہیں راہِ عمل، راہِ علم اور راہِ تسلیم۔ ابتدائی زمانے میں راہِ عمل ہی کو سب سے زیادہ مذہبی اہمیت حاصل تھی، بعد ازاں راہِ علم اور پھر راہِ تسلیم کی اہمیت تھی لیکن

اب راہِ عمل اور راہِ علم کا اثر کم ہوتا جا رہا ہے اور راہِ تسلیم کا اثر بڑھ گیا ہے۔ (۱۲)

خسرو ہندوؤں کے تصورِ وحدانیت کے بھی معترف تھے اور کہتے ہیں: ہندو ہمارے مذہب کے قائل نہیں لیکن ان کے بہت سے عقائد ہم سے مشابہ ہیں۔ وہ خداوند تعالیٰ کی وحدت، اس کی ہستی اور قدم کے معترف ہیں۔ (۱۳) وہ پتھر، جانور، آفتاب اور درخت کو ضرور پوجتے ہیں لیکن وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں اور وہ ان کی پوجا اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے آباء واجداد اس کی پوجا کرتے آئے ہیں۔ ہندوؤں کے ۳۳ کروڑ دیوتا ہیں۔ (۱۴)

بقول صاحب مذاہب عالم: وہ (برہمن) بھی ہماری طرح توحید کے قائل ہیں سوائے اس کے کہ نبوت سے انکار کرتے ہیں۔ یہ براہمہ (برہمنوں) کا مذہب ہے۔ (۱۵)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہندوؤں کے ایک فرقے کے بارے میں لکھتے ہیں:

کافروں کی ایک قوم ہے جنھیں بشنو کہا جاتا ہے ان کے ہاں گانا، رقص اور ایسے حالات ہیں جن کے ذریعے شیطان انہیں گمراہ کرتا ہے یہ لوگ کرشن کے معتقد ہیں ان کا حال یہ ہے کہ شہر میں دہی بیچنے کے لیے آنے والی عورتوں کے پیچھے پھرتے ہیں ان سے عشق لڑاتے ہیں انہیں بہلاتے پھسلاتے ہیں اور ان کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ (۱۶)

البیرونی نے کتاب الہند (ج۔۱) میں ہندوؤں کی چند علامات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:
نہار منہ شراب پیتے ہیں۔ گائے کا پیشاب تھوڑا تھوڑا پیتے ہیں اور اس کا گوشت نہیں کھاتے۔ منہ سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں۔ غسل کر کے ہمبستری کرتے ہیں۔ سارا کام عورتیں کرتی ہیں ان کے شوہر آرام کرتے ہیں۔ اپنی عیدوں میں بدن پر عطر کی جگہ کیچڑ ملتے ہیں۔ مرد عورتوں جیسا لباس پہنتے ہیں۔ کان میں آوزے، ہاتھوں میں کنگن اور ہاتھ و پاؤں کی انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہنتے ہیں۔ (۱۷) ان کے جسموں پر گھنے بال ہوتے ہیں اور یہ رقص و سرور کے رسیا ہوتے ہیں (۱۸) ہندو قوم کمزور، پست ہمت اور کائیاں ہوتی ہے نیز ان کے اخلاق میں خوشامد اور لجاحت ہے۔ (۱۹) مرنے کے بعد ہندو اپنے مردوں کو جلا دیتے ہیں (۲۰) اور اپنے

مردوں کی راکھ دریائے گنگا میں بہا دیتے ہیں۔ (۲۱)

بدھ مت

سن عیسوی سے چھ سو برس پیش تر ہندوستان میں عقلائے ہند کا مذہب محض رسم و رواج کا مجموعہ رہ گیا تھا۔ برہمنوں کے مذہبی استبداد کے سامنے قدیم رشیوں کی روحانی تعلیمات سلب ہو گئی تھیں۔ تینتیس کروڑ دیوتاؤں کی پرستش اور روحوں کے آواگون کے چکر نے دماغوں کو مختل کر دیا تھا۔ ایسی جہالت کے زمانے میں سرزمین ہند کا لقمان یعنی گوتم بدھ نے ادنیٰ اور اعلیٰ سب پر سچی دینی تعلیم کے ذریعے سے نجات ابدی کا دروازہ کھول دیا۔ (۲۲) بدھ مت کے بانی گوتم ہیں جن کا لقب ساکھیا منی تھا جو بعد میں بدھ کے نام سے موسوم ہوئے۔ (۲۳) یہ نیپال کے جنوب میں واقع کپلا وستو کے مقام پر پانچویں صدی قبل مسیح پیدا ہوئے۔ بدھ مت کے ابتداء کا زمانہ قصص و حکایات کا زمانہ ہے اور اس مذہب کے ابتداء کے جو حالات ہم تک پہنچے ہیں ان کا شمار بھی کہانیوں میں ہے۔ سکندر کی فوج کشی کے بعد تقریباً ۲۵۰ قبل مسیح میں جب بدھ مذہب تمام ہندوستان کا شاہی مذہب ہو گیا اس وقت سے ہمیں اصلی حالات معلوم ہونے لگے۔

صاحب کتاب الہند بدھ مذہب کے بارے میں لکھتے ہیں:

فرقہ شمینہ (بدھ مذہب) اگرچہ برہمنوں سے سخت عداوت رکھتا ہے پھر بھی بمقابلہ دوسرے غیر مذہب کے ہندوؤں سے زیادہ قریب ہے۔ قدیم زمانے میں خراسان، فارس، عراق، موصل (حدود شام) تک بدھ مذہب کے پیروکار تھے۔ زردشت کے ظہور ہونے کے بعد مذکورہ علاقوں میں مجوسیوں کی تعداد بڑھنے پر یہ مذہب بلخ سے مشرقی اطراف میں ہٹ آیا۔ (۲۴)

ہندوستان میں بدھ مت کا زور شور ۳۲۰ قبل مسیح تا ۵۰۰ عیسوی تک شمار کیا جا سکتا ہے۔ گوتم کی تعلیم کا ملخص یہ ہے کہ حیات مایہ آلام ہے اور تمنائے حیات جس کی بناء لذات جسمانی پر ہے، مصائب کا پیش خیمہ ہے۔ اسی لیے تمنا کا خون ہو جانا دراصل مصائب کا خاتمہ کر دیتا ہے لیکن یہ طریق سخت دشوار ہے۔ اسی لیے انسان کو چاہیے کہ اعمال ہشتگانہ کے ذریعہ اس منزل کو

طے کرے۔ وہ اعمال یہ ہیں۔ درستی ایمان، خلوص نیت، حق گوئی، راست روی، اکل حلال، صدق طلب، تصفیۂ باطن اور استغراق کامل۔ (۲۵) بدھ ایک طرح سے تناسخ کے قائل ہیں لیکن یہ روح کے قائل نہیں۔ ظاہر ہے روح کے بغیر تناسخ کیا ہوسکتا ہے۔ اس کا جواب بدھ مت کے پیروکار یہ دیتے ہیں کہ انسان کے اعمال فنا نہیں ہوسکتے جب انسان مرجاتا ہے تو اعمال کے لحاظ سے نیا وجود پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ بدھ کی تعلیمات کے جس میں نیکی، عام ہمدردی اور تزکیہ نفس کی تلقین تھی بدھ مت کی اشاعت وترقی کا بڑا باعث راجہ اشوک کے بدھ مذہب قبول کرنے کی وجہ سے ہوا جس کی بناء سے یہ راج دھرم (سلطنت کا مذہب) ہوگیا۔ چینی سیاح ہیون سانگ نے اپنے سفرنامے میں بدھ دارالعلوموں کا ذکر کیا ہے۔ نالندہ کی خانقاہ جو کہ ایک بہت بڑا دارالعلوم تھا یہاں کئی ہزار مانک (بدھ درویش) تھے جو بلحاظ علم وفضل خاص امتیاز رکھتے تھے۔ لوگ ان کی بہت وقعت وتوقیر کرتے تھے۔ اب بھی دنیا کی آبادی کا ایک تہائی حصہ اس کے نام لیواؤں میں سے ہے اور ان کی خانقاہیں اسپین سے بحرالکاہل تک برابر چلی گئی ہیں۔ (۲۶) بدھ مت کے پیروکار لاش کو دریا میں ڈال دیتے ہیں۔ (۲۷)

زرتشتی مذہب

مؤرخین اس مذہب کی تاریخ چھ ہزار سے دو ہزار سال قبل مسیح متعین کرتے ہیں۔ اس مذہب کے بانی زردشت اعظم ہیں۔ جنوب مشرقی ایشیا میں زردشت کے پیروکار پارسی کہلاتے ہیں۔ (۲۸) زردشت آذر بائیجان کا رہنے والا تھا۔ وہ مجوسیوں کے نبی کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہے۔ جس پر عوام الناس کے مطابق کتاب ''زمزمہ'' اتری تھی۔ (۲۹) زردشت نے بلخ آکر مجوسیت کی تبلیغ شروع کی اور گشتاسب نے اس کا دین اختیار کیا۔ گشتاسب کے بیٹے اسفند یار نے مشرق ومغرب کے شہروں میں بجبر اور بصلح چین سے روم تک مجوسیوں کے آتش خانے قائم کیے پھر بعد کے بادشاہوں نے فارس اور ایران کو اپنے دین کے لیے مخصوص کرلیا۔ (۳۰) زرتشتیوں کی مقدس کتاب ''اوشا'' ہے جس کی متعدد تفسیروں کو ژند کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ دین کرد، بندیش، ارداویراف نامہ، دادستان دینک وغیرہ خاص الہامی کتب سمجھی جاتی ہیں۔

(۳۱) ان کے ہاں دو خداؤں کا تصور ہے۔ خدائے خیر اور خدائے شر۔

خدائے خیر یعنی اہورا مزدا کی سات صفات جو امیاز سپنتا کہلاتی ہیں یعنی حقیقت اعلیٰ، غیر فانی، متقی، قوی، عقل کل، تمام نعمتوں کے مالک اور راستی پر قائم رہنا، پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ حیات بعد الممات، حساب و اعمال اور جنت و دوزخ کے قائل ہیں۔ زردشتی مذہب میں پاک و صاف رہنا، محنت و مشقت سے روزی کمانا اور غریبوں کی مدد کرنا نیک آدمی کی پہچان ہے۔ سستی و کاہلی اور بے کاری قابل نفرت ہے۔ یہ اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرتے اسی لیے دنیا میں بہت کم ہیں۔ اب یہ مذہب ہندوستان کے کچھ علاقوں، گجرات، بمبئی اور کراچی (پاکستان) تک محدود ہے۔ پارسیوں کی عبادت گاہ جو کہ علاقہ صدر بمقام کراچی میں ڈاکٹر داؤد پوتا روڈ پر واقع ہے جس کے دروازوں پر تا حال یہ بورڈز آویزاں ہیں۔

H.J. BEHRANA PARSI DAR-E-MEHAR

جین مت

اس مذہب نے بھارت میں پانچویں صدی قبل مسیح میں جنم لیا۔ جیوء ہتھیا کے خلاف اہنسا کا پیامبر اور سماجی اصلاح، اس کا مسلک تھا۔ اسکے بانی وردھمان مہاویر (۴۷۷ ق م) تھے۔ ان کے پیرو چوبیس جنوں یا سنتوں کو مانتے ہیں، خدا کے قائل نہیں۔ ذات پات اور ویدوں کو نہیں مانتے۔ نروان حاصل کرنا ان کا آدرش ہے۔ اس مذہب کے ماننے والون کی موجودہ تعداد سولہ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ ان کے بعض مندر ہندوستان میں فن تعمیر کا نادر نمونہ ہیں۔ جین مت کے پیرو جنی یا جین کہلاتے ہیں۔ گوشت نہیں کھاتے، چھنا ہوا پانی پیتے ہیں، ناک کے نتھنوں پر تہہ کیا ہوا کپڑا باندھے رکھتے ہیں اور چلتے وقت کپڑے کی دھجیوں کی ایک چنور سے راستہ صاف کرتے جاتے ہیں کہ کہیں جیوء ہتھیا نہ ہو جائے۔ (۳۲) یہ فرقہ مسلم فتوحات کے وقت برصغیر ہند میں زمانہ مابعد کی بہ نسبت زیادہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا ان کا بڑا مرکز جزیرہ نما گجرات تھا۔ انکی سب سے بڑی معاشرتی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے جاندار کی جان کا حد سے زیادہ احترام کرتے ہیں اور جیوء ہتھیا سے بچتے ہیں۔ مغل شہنشاہ اکبر نے ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء

میں جینیوں کے ساتھ مذہبی رابطہ پیدا کیا اور ان کے بزرگ بھانو چندر کو دربار مغلیہ میں بلایا۔ جینیوں کے حق میں بہت سے اکبری فرامین کی توثیق اس کے جانشین بادشاہ جہانگیر نے کی۔ (۳۳)

سکھ مت

سکھ مذہب ہندوستان کی پیداوار ہے۔ اس کے بانی گرونانک (۱۴۶۹۔۱۵۳۹ء) کی پیدائش لاہور سے پچاس میل دور ایک گاؤں ننکانہ صاحب میں ہوئی۔ (۳۴) ان کے والد ایک مسلمان زمیندار کے یہاں ملازم تھے۔ میکنیکن متعدد حوالوں سے شہنشاہ اکبر کا یہ قول نقل کرتا ہے:

کھتری کٹر ہندو ہوتے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انہوں نے سکھوں کو ایک مذہب اور بانی مذہب عطا کیا حالانکہ وہ شاذ ہی سکھ مذہب کے پیروکار ہیں۔ (۳۵)

کبیر کی طرح نانک کی تعلیمات کا بنیادی مقصد بھی ہندو مسلم اتحاد تھا۔ فرماتے ہیں:

م محمد من تو من کتاباں چار من خدائے پاک نوں سچا ہے دربار

اپنے متعلق نانک کا کہنا ہے کہ کائنات میں صرف ایک خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور نانک اس کا خلیفہ ہے جو حق کی تعلیم دیتا ہے۔ دراصل نانک نے حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو اپنا اسوہ حیات بنایا۔ نانک کے پیروکار سکھ کہلاتے ہیں۔ "گرنتھ صاحب" انکی مذہبی کتاب ہے۔ نانک کو گرو جی کہتے ہیں۔ انکے بعد نو گرو ہوئے۔ پانچویں گرو ارجن سنگھ نے نانک کے ملفوظات کو یکجا کیا۔ سکھ تناسخ کے قائل ہیں۔ خوب شراب پیتے ہیں اور ہندوؤں کے تہوار بھی مناتے ہیں۔ انکی عبادت گاہوں میں بت نہیں ہوتے بلکہ یہ گرنتھ صاحب (مقدس کتاب) کو سجدہ کرتے ہیں۔ عام سکھوں میں پانچ کاف یعنی کیس، کنگھا، کرپان، کچھ اور کڑا کی پابندی ضروری ہے۔ اس وقت دنیا میں سکھوں کی تعداد پانچ کروڑ سے زائد ہے۔ (۳۶)

دور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بادشاہان ہند

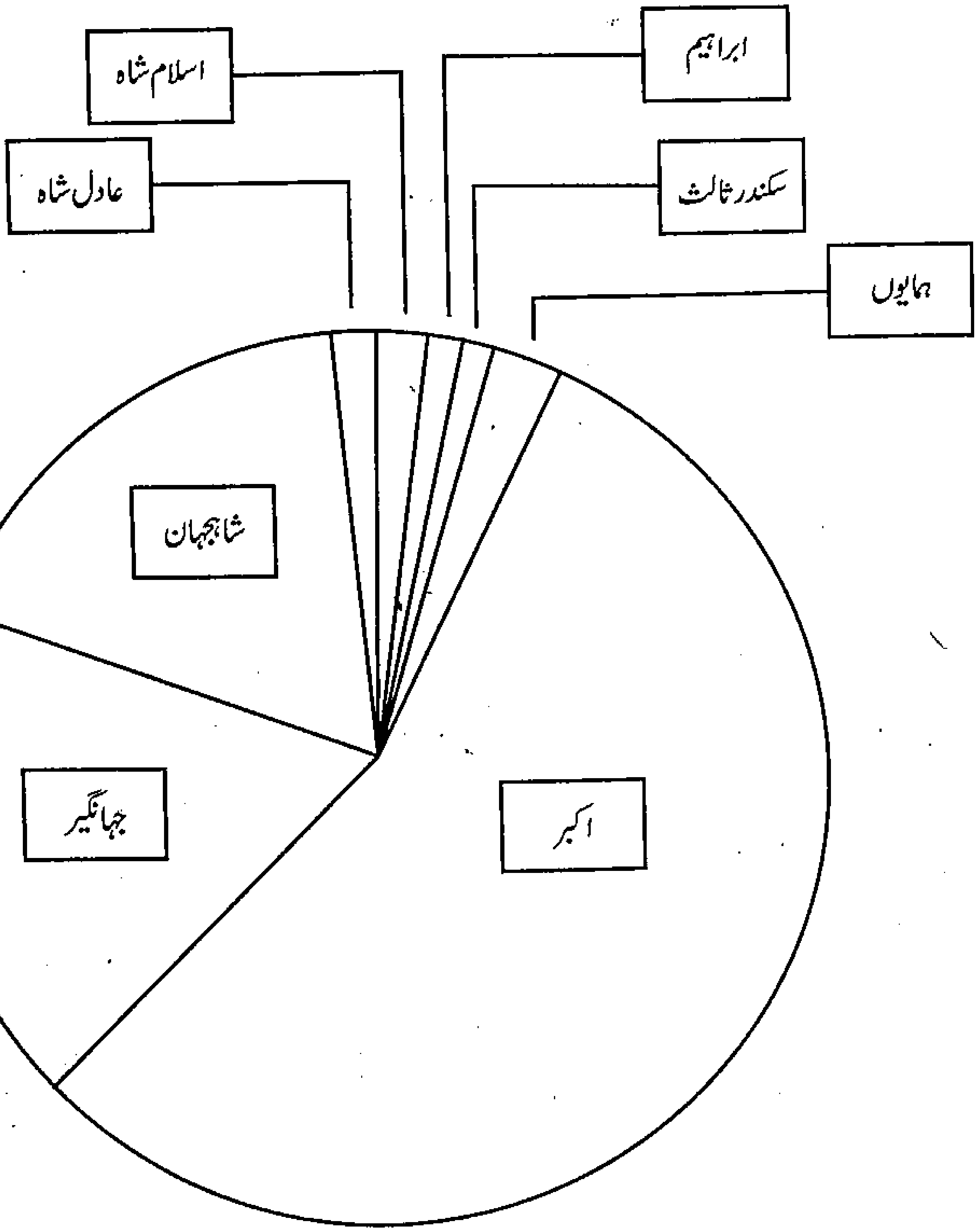

شکل: ۱۰۲۰۱

عوامی حالات

علماء: اکبر کے دوسرے دور کا آغاز عبادت خانے کی سرگرمیوں سے ہوتا ہے جہاں ہر جمعہ کو رات کے وقت ایک مجلس ہوا کرتی تھی جس میں ہر مکتب فکر کے علماء و مشائخ شریک ہوتے تھے، بادشاہ الطاف خسروانہ سے بھی نوازتا تھا۔ ان ہی خسروانہ نوازشوں نے علماء کے اندر بغض وعناد کا بیج بویا۔ اس مجلس میں سو سے زیادہ علماء شریک ہوتے تھے۔ علماء میں سب سے پہلے نشستوں پر باہمی چپقلش شروع ہوئی، اس قسم کی لچر باتوں سے اکبر کے دل میں علماء کا وقار کم ہونے لگا، اس کے بعد مسائل مختلف فیہ پر بجائے حکیمانہ اور عالمانہ تبادلہ خیال کے اس طرح لڑنے جھگڑنے لگے گویا ایک دوسرے کو کھا جائیں گے، بقول ملا عبدالقادر بدایونی:

> غصہ سے علمائے عصر کی رگیں پھول جایا کرتی تھیں اور پھر خوب ہی غل وشور مچتا آپس میں تیغ زبان کھینچ کر مقابلے پر آجاتے اور ایک دوسرے کو کھلم کھلا کافر و گمراہ کہا کرتے تھے۔ (۴۷)

حاجی ابراہیم سرہندی (م ۹۹۴ھ/۱۵۸۶ء) کے فتوی پر تو علماء اتنے برہم ہوئے کہ ایک دوسرے کو مارنے کے لیے اپنے اپنے عصا اٹھا لیے اس قسم کی مذہب و اخلاق سے گری ہوئی باتوں کو دیکھ کر اکبر، علماء سے بدظن ہوگیا۔ اب علماء کے دو گروہ ہوگئے، حاجی ابراہیم سرہندی اور ابوالفضل ایک طرف اور مخدوم الملک اور مولانا عبداللہ سلطان پوری دوسری طرف اور پھر خوب خوب مقابلے ہوئے ان میں شیخ مبارک اور فیضی بھی شریک تھے، بہرکیف ایک طرف متشدد سنّی علماء اور دوسری طرف آزاد منش علماء تھے۔ پوویل پرائس لکھتا ہے:

> اول یہ مباحثے اور مناظرے مسلم علماء تک محدود رہے، چنانچہ علمائے اہل سنّت کے صدر مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی خاص مناظرین میں تھے، ان کے برخلاف شیخ مبارک اور ان کے صاحبزادگان فیضی اور ابوالفضل ایسی رواداری کے حامی تھے جس میں آزادی فکر کی پوری پوری اجازت ہو، اس طرح ان مباحثات کی تیزی اور تندی بڑھتی گئی۔ سنّی علماء کے تشدد اور باہم سبّ وشتم نے اکبر کو ان سے بیزار کردیا، چنانچہ اس نے مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کو جلاوطن کر

کے مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ (۳۸)

۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء میں گیلان سے حکیم ابوالفتح اور ان کے دونوں بھائی حکیم ہمام اور نور الدین قراری ہندوستان آئے اول الذکر ندیم شاہی ہوئے، اکبر کے بگاڑنے میں یہ بھی ابوالفضل کے شریک کار ہوگئے، حتی کہ اس کو وحی اور نبوت سے بھی منکر کردیا۔ (۳۹) بہرحال علماء سے بادشاہ کی بدگمانی زیادہ تر خود ان کی اپنی روش کی وجہ سے تھی، چوں کہ اکبر ان پڑھ تھا، اس لیے اس نے ان ہی ''مغضوب'' علماء کے حال کو اسلاف کے حال پر محمول کرلیا اور ان سے بھی بدظن ہوگیا۔ بقول ملا عبدالقادر بدایونی:

اکبر اپنے عہد کے علماء کو امام غزالیؒ اور امام رازیؒ سے بھی بہتر جانتا تھا، جب اس نے ان کی حرکات کو دیکھا تو پھر حاضر کو غائب پر قیاس کر کے اسلاف سے بھی بیزار ہوگیا۔ (۴۰)

صوفیاء: عنوان ہٰذا کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مجدّد الف ثانی اپنے مکتوبات میں معاصر حالات اسطرح بیان کرتے ہیں:

......بعضے بے دین لوگوں نے جنھوں نے بزعمِ باطل خویش شیخی کی مسند حاصل کررکھی ہے تناسخ کے جواز کا حکم کرتے ہیں یہ بات صاف کفر ہے افسوس ہزار افسوس کہ اس قسم کے جھوٹے لوگ اپنے آپ کو شیخی کی مسند کے لائق سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں یہ خود بھی گمراہ ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کررہے ہیں۔ (۴۱)

......خصوصاً اس وقت میں کہ پیری اور مریدی اب رسم اور عادت کے سوا اور کچھ نہیں رہی ہے اس وقت کہ اکثر پیر اپنے آپ کی خبر نہیں رکھتے اور ایمان و کفر میں کوئی امتیاز نہیں کرسکتے وہ خداوند تعالیٰ سے کیا خبر دے سکیں گے اور مرید کو کون سی راہ دکھائیں گے۔ (۴۲)

......اس زمانے کے کچّے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ کرکے سرود و رقص کو اپنا دین وملت بنالیا ہے اور اسی کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے۔ (۴۳)

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ مختلف مقامات پر اس کا تذکرہ اسطرح کرتے ہیں:

......ہم جس زمانے میں ہیں اس میں خدا کا راستہ چلنے والوں کے لیے راستہ کا نہ جاننا

آفت، طریقہ کا نہ پہچاننا مصیبت و گمراہی ہے افسوس ہے کہ یہ (علماء وصوفیاء) نہ تو اصلی طریقہ پر چلتے ہیں نہ درست اتباع میں ٹھیک پیروی پر کاربند ہیں یہی وجہ ہے کہ نہ ان میں سلوک حقیقت ہے نہ پیروی سنّت، نہ مشائخین کے آداب ہیں نہ شرائط، بلکہ نئے نکالے ہوئے طریقے ایجادِ بندہ میں گھرے ہوئے ہیں۔ (۴۴)

......عوام غفلت میں ہیں، علماء بحث اور مناظروں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ صوفی حضرات زبانی ڈینگیں مارنے پر اکڑے ہوئے ہیں مگر اس عالم آخرت کی حقیقت سے کچھ خبر نہیں رکھتے کہ آخر کار کیا ہوگا۔ (۴۵)

......ہمارے علاقے کے صوفیاء کا مخصوص ٹولہ کرشن کے ساتھ عشق کی حد تک محبت کرتا ہے اس کے افعال و اطوار سے ذوق وشوق اور عقیدت کے ساتھ لطف اندوز ہوتا ہے یہاں تک کہ میں نے انہیں میں سے ایک شخص سے سنا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے سہولت عطا فرما دے تو میں متھرا ہندوؤں کے مقدس مقام) کے علاوہ کہیں قیام نہ کروں۔ (۴۶)

......ہندوستان کا قاعدہ یہ ہے کہ مجلس قوالی میں ہر قسم کے لوگ اہل و نااہل، صالح و منافق اکٹھے ہوتے ہیں اور چناں چنیں کرتے ہیں۔ (۴۷)

......مصلحت اسی میں سمجھتا ہوں کہ اس آستانے کی خدمت میں اپنا وقت گذر جائے تاکہ اس ملک کی پریشانی اور اس زمانے کے لوگوں کی لاپروائی اور انجان پن سے نکل جائے۔ (۴۸)

بادشاہ جہانگیر تزک جہانگیری میں معاصر حالات بیان کرتے ہوئے عوام و خواص کے بارے میں لکھتے ہیں:

......۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء میں چونکہ میری تخت نشینی کا پہلا نوروز تھا اسلیے میں نے حکم دیا کہ میرے والد کے عہد کے دستور کے مطابق دولت خانہ خاص و عام کی عمارات کو مختلف قسم کی سامان آرائش سے آراستہ و پیراستہ کریں۔ نوروز کے پہلے دن میری رعایا نے فراخ دلی سے عیش وعشرت منائی۔ ہر قسم کے سازندے اور موسیقار دربار میں حاضر تھے۔ ایسی حسین رقاصہ جو ناز وادا سے فرشتوں کے دل موہ لیں محفل کو رونق دیتی رہیں۔ میں نے حکم دیا کہ شراب اور دیگر

نشہ آور اشیاء ہر شخص کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

......۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء میں نوروز کے جشن کی محفل منعقد کی گئی۔ اس سال میرے وزن قمری کی محفل میری والدہ مریم زمانی کے محل میں مرتب کی گئی جو کچھ مال وزر میرے وزن کے برابر تولا گیا تھا وہ مستحق عورتوں میں تقسیم کردیا گیا نیز لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر نیا گھر بنوانا ہو تو اس جگہ تھوڑا گڑھا کر کے دوبارہ مٹی ڈالنے پر اگر مٹی بچ رہے تو گھر مبارک ثابت ہوگا۔

...... ہندوؤں کے پہلے طبقے، برہمنوں کا تہوار راکھی، دوسرے طبقے کھتری کا تہوار دسہرہ، تیسرے طبقے ویش کا تہوار دیوالی اور ہندوؤں کے چوتھے طبقے شودر کا تہوار ہولی ہے۔ میرے والد کے زمانے میں ہندو امراء میرے والد کو راکھی باندھا کرتے تھے، لیکن بعد میں انہوں نے اس رسم کو بند کروا دیا تھا۔ دسہرہ کے تہوار کے موقع پر میں نے ہاتھیوں اور گھوڑوں کو حسب سابق آرائش کروا کر ملاحظہ کیا۔

......انہی ایام میں مجھے اطلاع ملی کہ فرنگیوں نے سورت کی بندرگاہ پر مال ومتاع سے بھرے ہوئے چار جہازوں کو لوٹ لیا ہے۔

......جلوس کے بعد چودھواں جشن نوروز ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں منایا۔ اس سال شب برأت کی وجہ سے کشتیوں کو چراغاں کر کے میری نظر سے گزارا گیا اور مختلف قسم کی آتش بازیاں چھوڑی گئیں۔

......میری عمر کا اکیاون واں مبارک سال شروع ہوا سلیے حضرت زمانی کے دولت کدے پر وزن شمسی کا جشن منعقد کیا۔

دسہرہ کا جشن نہایت شان وشوکت سے منایا گیا۔

......بروز جمعرات مع بیگمات اور اہل محل حضرت آشیانی (شہنشاہ اکبر) کے روضے کی زیارت کو گیا۔ دوسرے دن مشائخ، علماء، حفاظ، اور قوالوں کو طلب کر کے محفل سماع منعقد کرائی۔

......۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱ء میں قلعہ کانگڑھ کی سیر کے دوران ایک مندر کے بارے میں تحقیقات کیں معلوم ہوا کہ وہ مندر بت پرستی کا اڈہ ہے مسلمان بھی یہاں گروہ در گروہ آ کر نذرانے چڑھاتے ہیں۔

......۱۰۳۲ھ/۱۶۲۲ء میں اپنے بچپن ویں سال کے آغاز پر اپنے آپ کو سونا، چاندی اور دیگر اجناس میں تلوا کر مستحق لوگوں میں تقسیم کرا دیا۔ (۴۹) اس بات کی تصدیق کا ذریعہ وہ پینٹنگز بھی ہیں جو اس دور کے نامور مصوروں نے بنائی ہیں۔ (۵۰)

خواص: یہاں امیر لوگوں سے پاس بے انتہا دولت اور لامحدود طاقت ہے۔ یہ دولت غریبوں کے خون پسینے کو بہا کر حاصل کی گئی ہے۔ ان کے محلات کی اندرونی آرائش میں شہرت پرستی، شوخی اور بے ڈھنگے پن کی زیبائش، سطحی قسم کی شان، بے جا غرور مگر ساتھ میں نفیس قسم کے نقش و نگار نظر آتے ہیں۔ ان کے ملازمین ظالم و جابر، لالچ و طمع سے بھرے، اپنے آقاؤں کی طرح ہر موقع پر لوگوں سے پیسہ اینٹھتے ہیں۔ دستور کے تحت یہ تین سے چار بیویاں رکھتے ہیں جو کہ ان کے طبقہ امراء سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہر بیوی کے لیے علیحدہ رہائش گاہ ہوتی ہے جہاں وہ اپنی کنیزوں کے ساتھ رہتی ہے ان کنیزوں کی تعداد اس کے رتبہ کے مطابق ۲۰ سے ۱۰۰ ہو سکتی ہے۔ رات کی ٹھنڈک میں وہ بڑی مقدار میں شراب پی جاتے ہیں ان کی بیگمات بھی شوہروں کی وجہ سے شراب کی عادی ہو جاتی ہیں اس لیے پچھلے چند سالوں کے اندر اندر شراب نوشی مقبول عام فیشن ہو گئی ہے۔ دو تین یا ان سے زیادہ خواجہ سرا، جو کہ بنگال سے خریدے جاتے ہیں اور جن کی وفاداری اپنے مالک سے ہوتی ہے انہیں ہر بیگم کی نگرانی پر رکھا جاتا ہے کہ اس کے کسی اور مرد سے تعلقات قائم نہ ہوں۔ غرض ہر شخص دولت کی ہوس میں اس قدر گرفتار ہے کہ اسکی خواہش کبھی پوری ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ اسلیے اگر کسی شخص کو عامل سے یا کسی سرکار سے کچھ کام ہو تو اسکے لیے ضروری ہے کہ وہ رشوت کے لیے پیسوں کا انتظام کرے بغیر تحفے تحائف کے اس کی درخواست پر عملدر آمد ہونا ناممکن ہے۔ (۵۱)

عوام: تلا دان (شمس و قمری) کی رسومات صرف بادشاہان تک موقوف نہ تھیں بلکہ خاندان شاہی کے تمام مردوں بلکہ مرحومؒ کے وزن کی تقریبیں بھی منائی جاتی تھیں جنھیں تلا دان کہتے تھے۔ اکبر اور جہانگیر کو کئی بار شیاء میں تولا گیا اور تلا ہوا سامان خیرات کر دیا گیا۔ اس کا ذکر سر ٹامس رو نے اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔ (۵۲) ہولی، دیوالی اور دسہرہ کی رسومات

صرف ہندوؤں تک محدود نہ تھیں بلکہ عام مسلمان مردوں اور عورتوں کو بھی ان ہندوانہ تہواروں سے اتنی ہی دلچسپی تھی جتنی ہندوؤں کو۔ وہ لوگ بھی خصوصاً دیوالی کی اتنی ہی پابندی کرتے تھے جتنے ہندو۔ عام طور پر جاہل مسلمان عورتیں اس کی پیروی کرتی تھیں۔ اورنگزیب نے ان تمام قبیح رسموں کو بند کردیا تھا لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کے نااہل جانشینوں نے دوبارہ ان قبیح رسوم کو جاری کیا۔ (۵۳) ہندو اور مغل دونوں ان نجومیوں کے بے حد معتقد ہیں جو بازار میں بکثرت ہیں۔ (۵۴) مسلمان ہر کام نیک ساعت میں کرنا مبارک خیال کرتے ہیں۔ (۵۵) ساتھ ہی مسلمانوں میں ماہ محرم میں تعزیہ داری بھی عام تھی۔ (۵۶)

حضرت مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

......غرض قول وفعل میں بڑی محافظت کریں کیونکہ اس زمانے میں اکثر لوگ فساد و ہنگامہ کے درپے ہیں کوئی ایسا کام سرزد نہ ہونے پائے جو اس مقام کے منافی ہو اور جاہل لوگوں کو بزرگوں کے طعن کا موقع مل جائے۔ (۵۷)

......وہ مسلمان جو باوجود ایمان کے کافروں کی رسمیں بجالاتے اور انکی تعظیم کرتے ہیں جیسے کہ آج اسی پر عمل ہے۔ (۵۸) بچّے کی پیدائش کی ابتداء (زمانہ حمل) سے لے کر اسکے چالیس دن کے ہونے تک ستوانسا، ماسا، شہد چٹانا، پتی، چھٹی، زچہ کو تارے دکھانا، رسم دھمن اور چلے جیسی ہندوانہ رسوم مسلمانوں میں بھی رائج تھیں۔

شادی بیاہ کے موقعے پر منگنی، شادی کی لگن دھرنا، مائیوں بٹھانا، ابٹنا کھیلنا، حنا بندی، بندھوار، تیل چڑھانا، کنگن باندھنا، سہرا، زیورات، رقص وسرور کی محافل، دھنگانا، آرسی مصحف، رخصتی کے موقع پر قسم قسم کے ٹوٹکے کرنا، واپسی برات، رونمائی، ولیمہ کے موقع پر ہندوانہ رسوم، چوتھی کی رسمیں مروّج تھیں۔ موت کے موقع پر جس مسلمان عورت کا شوہر مر جاتا وہ ہندوؤں کی طرح اپنی بقیہ زندگی رنگین، سرخ کپڑے، نتھ وغیرہ نہیں پہنتی نہ ہی خوشبو کا استعمال کرتی۔ اس کے ہاں بہت دنوں تک گوشت نہ پکتا، کوئی چار پائی پر نہ سوتا۔ بریاں اور سویّاں نہ بنتیں اور اسی قبیل کی ہندوانہ رسوم مروّج تھیں۔ (۵۹) پیلیسے رُٹ عام آدمی کے حالات اسطرح بیان کرتا ہے:

عام لوگ انتہائی غربت اور مفلسی کی زندگی گذارتے ہیں ان کے پاس مشکل سے دو وقت کے کھانے کے لیے کچھ ہوتا ہے ان کے رہنے کے گھروں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ عبرت کا نمونہ ہیں۔ ان میں سے مشکل ہی سے کوئی اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنی زندگی کو تبدیل کرے اور اپنی موجودہ حالت کو بہتر بنائے یہ اسلیے بھی مشکل ہے کہ ذات پات کی وجہ سے لڑکے کو وہی پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے جو اسکے باپ کا ہے۔ یہاں پر مزدوروں اور دست کاروں کے لیے دو عذاب ہیں۔ پہلا عذاب تو یہ ہے کہ انکی تنخواہیں بے انتہا کم ہوتی ہے سنار، رنگریز، کشیدہ کاری کرنے والے، قالین بننے والے جولاہے، لوہار، درزی، معمار، پتھر توڑنے والے اور اسطرح سے دوسرے پیشہ ور دستکار و ہنرمند یہ اس کام کو جو ہالینڈ میں ایک آدمی کرتا ہے چار مل کر کرتے ہیں۔ ایک دوسرا عذاب انکے لیے گورنر، امراء، دیوان، کوتوال، بخشی (فوجی افسر) اور دوسرے شاہی عہدے داروں کی شکل میں آتا ہے اگر ان میں سے کسی کو کام کروانے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ کام کرنے والے کو چاہے وہ چاہے یا نہ چاہے، زبردستی پکڑ کر بلوا لیتے ہیں سارا دن کام لینے کے بعد اسے معمولی سی اجرت دی جاتی ہے یا بغیر کسی ادائیگی کے رخصت کر دیا جاتا ہے۔ بڑے امراء کے گھروں میں ہر ملازم اپنی مخصوص ذمہ داری پوری کرتا ہے۔ اکثر بڑے امراء تو ۴۰ دن کو ایک مہینہ گنتے ہیں اور کئی کئی مہینے کی تنخواہ چڑھ جاتی ہیں تو انکی ادائیگی پہلے پرانے کپڑوں یا ٹوٹے برتنوں کی شکل میں کی جاتی ہے۔ (۶۰)

شہنشاہ بابر، تزک بابری میں سولہویں صدی عیسوی کے ہندوستان کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں تشریحات بہت کم ہیں۔ یہاں کے باشندے بھی قبول صورت نہیں ہیں۔ انہیں دوستانہ مجلسوں اور بے تکلفانہ صحبتوں یا مخلصانہ ربط وضبط کے لطف کا کوئی اندازہ نہیں۔ یہ ذہنی صلاحیتوں سے عاری ہیں۔ روحانی کیفیتوں سے ناواقف ہیں اور شائستہ آداب یا مہربانی و ہمدردی کے احساسات سے مبرا ہیں۔ یہ اپنی دستکاری کی تخلیقات کے متعلق کوئی نیا منصوبہ نہیں سوچ سکتے نہ کوئی نئی ایجاد کر سکتے ہیں۔ انہیں تعمیرات کے کام میں

بھی مہارت حاصل ہے نہ علم۔ نہ یہاں گھر اچھے ہیں نہ یہاں گوشت عمدہ ملتا ہے۔ ان کے بازاروں میں نہ اچھی غذا ہے نہ روٹی۔ نہ حمام ہیں نہ کالج۔ نہ شمعیں، نہ مشعلیں، نہ کوئی شمع دان۔ باغوں اور مکانوں میں نہریں نہیں ہوتیں۔ عوام ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔ ناف سے دو مٹھی نیچے ایک کپڑا باندھتے ہیں اس کو لنگوٹا کہتے ہیں۔ جب لنگوٹا باندھتے ہیں تو کونے کو دونوں رانوں کے بیچ میں سے لے کر پیچھے اڑس لیتے ہیں۔ (۶۱)

بابر نے جن الفاظ میں جس حالت اور کیفیت کا ذکر کیا ہے اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہندو معاشرہ اس وقت ایک بے روح معاشرہ تھا جس میں خیال کا ارتقاء بند ہو گیا تھا اور نتیجے کے طور پر معاشرے کا سارا کلچر اس درجہ مردہ ہو گیا تھا کہ زندگی کی کسی سطح پر تخلیقی قوت کا نام و نشان نظر نہیں آتا تھا۔ سارا معاشرہ ایک ایسی تنگ نظری میں مبتلا تھا جس سے زندگی کے مسائل اور اُلجھ رہے تھے۔ ناانصافیاں، نامساوات، ظلم و جبر، اجارہ داریاں سب سے اہم معاشرتی اقدار بن گئی تھیں۔ حوصلے اتنے پست کہ لوگوں نے انہیں مقدر سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔

علمی حالات

برصغیر پاک و ہند میں فیروز شاہ کی وفات (۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء) سے لے کر بہلول لودی کی وفات (۸۹۴ھ/۱۴۸۹ء) تک کا عرصہ جو پوری ایک صدی پر مشتمل ہے، علمی و ادبی لحاظ سے بالکل مایوس کن ہے۔ نااہل جانشینوں کی وجہ سے مرکزی حکومت کمزور ہو گئی۔ صوبے خود مختار ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئے۔ وہ امن و سکون اور یکسوئی کی فضا باقی نہیں رہی جو علم و ادب کے پھلنے پھولنے کے لیے سازگار ہوتی ہے لہٰذا خسرو کے بعد کوئی بڑا شاعر، ضیاء الدین برنی کے بعد کوئی مؤرخ، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے بعد کوئی روحانی پیشوا اور مولانا احمد تھانیسری کے بعد کوئی بڑا عالم سلطنت ہند میں پیدا نہ ہو سکا۔ یہ پوری صدی گویا علم اور عرفان کے سلسلے میں سکوت اور سکتے کی صدی رہی ہے۔ بہلول کے بعد اس کا بیٹا نظام خاں سکندر تخت نشین (م۸۹۴ھ/۱۴۸۹ء) ہوا۔ یہ بہت بہادر اور مضبوط کردار کا پڑھا لکھا بادشاہ تھا اسے علم و ادب سے بہت شغف تھا۔ خود شاعر تھا اور شعراء اور علماء کا دوست اور سرپرست تھا۔ اس

نے علوم کو مروّج کرنے اور ادھر ادھر سے اہل علم کو بلا کر اپنے پاس جمع کرنے کی طرف توجہ دی۔ مدرسے کھلے، علمی محفلیں اور عرفانی مجلسیں پھر سے قائم ہوگئیں اور تقریباً سوا سو سال کے بعد اجڑی ہوئی دہلی دوبارہ آباد ہوگئی۔ سکندر نے ملک میں بہت سی اصلاحات کیں۔ جتنی انتظامی اور سماجی برائیاں تھیں ان کو ختم کیا۔ انتظامی اصلاحات میں اس نے حساب اور بہی کھاتے کی زبان فارسی کردی۔ (۶۲)

اس عمل کے بعد سوائے فارسی کے کسی اور مقامی زبان کا عمل دخل نہ رہا۔ سکندر کی علم دوستی اور ادب پروری کی وجہ سے پورے ملک میں علوم وفنون کا چرچا ہوگیا جس سے ایسی فضا تیار ہوگئی کہ بادشاہ کی دیکھا دیکھی شہزادے، امیر اور دیگر اہل دولت بھی علمی سرپرستی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں کوشاں ہوگئے۔ طبقات اکبری کے مؤلف نے لکھا ہے:

درعہد فرخندہ او، علم رواج یافت وامرازادگان دولت وسپاہیاں بکسب فضل اشتغال نمودند (۶۳)

اس سرپرستی کی وجہ سے دور دراز فاصلوں اور ممالک سے اہل علم وفن سمٹ کر دہلی اور اس کے نواح میں آکر بسنے لگے اور غیر ممالک سے علماء اور فضلاء کے آنے کا سلسلہ بند ہو چکا تھا، دوبارہ جاری ہوا۔ درس کی بساط از سرنو بچھائی اور مدارس کے مردہ جسم میں نئے سرے سے جان آگئی۔ نصاب میں تبدیلیاں کی گئیں۔ علوم کی مختلف شاخوں کو درس میں داخل کیا گیا۔ قاضی عضد کی تصانیف مطالع اور المواقف فی علم الکلام اور سکاکی کی مفتاح العلوم کو داخل درس کیا گیا۔ معقول کو پہلی مرتبہ رائج کیا گیا۔ علم منطق اور کلام میں اس سے پہلے شرح شمسہ اور شرح صحایف کے سوا کوئی کتاب رائج نہیں تھی (۶۴) بقول صاحب تاریخ داؤدی فقط صرف ونحو پر زور دیا جاتا تھا۔ ملتان سے اسی دور میں شیخ عبداللہ تلنبی اور شیخ عزیز تلنبی نامی دو بڑے عالم سکندر لودھی کا شہرہ سن کر ترک وطن کرکے دہلی آئے۔ تعلیمی نصاب میں انہوں نے نمایاں تبدیلی کی۔ عبداللہ تلنبی جید عالم تھے۔ بادشاہ ان کا بہت ادب کرتا تھا۔ دبے پاؤں ان کے درس میں آکر بیٹھ جاتا تھا۔ ان کے درس سے چالیس بڑے عالم تیار ہوکر نکلے (۶۵) اس علم پرور بادشاہ نے ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء میں انتقال کیا۔ مملکت ہند جو سوا صدی کے تنزل کے

بعد بہ مشکل مستحکم ہوئی تھی پھر ڈانواڈول ہونے لگی۔ امن وسکون دوبارہ درہم برہم ہوا اور ایسا طوفان اٹھا کہ آئندہ چالیس برس یعنی اکبر کی تخت نشینی تک جمعیت خاطر نصیب نہ ہوئی۔ بادشاہ گردی، جنگ وجدل افراط وتفریط کی وجہ سے نہ فقط صرف ملکی استحکام ڈانواڈول ہوا بلکہ بہت سا علمی سرمایہ جو سلطان سکندر کے دور میں اکٹھا ہوا تھا، اس طوفان کی لپیٹ میں آ کر منتشر اور معدوم ہوگیا۔ (٦٦)

علوم قرآن: قران پاک ہمیشہ سے مسلمانوں کے لیے غور وفکر کا مرکزی نقطہ رہا ہے، ہندوستان میں مسلمان بچوں کی تعلیم کی ابتداء ہمیشہ قرآن پاک سے ہوتی تھی اس کے حفظ کرنے اور قرأت کے لیے بڑا اہتمام کیا جاتا تھا۔ قرآن کا سب سے پہلا ترجمہ ہندوستان میں سندھی زبان میں ۲۷۰ھ/۸۸۳ء میں ارور کے راجہ کے لیے کیا گیا تھا۔ تفسیر پر لکھی گئی کتب کی افادیت کا دائرہ علماء تک محدود رہا عوام ان سے استفادہ نہ کر سکے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے قبل علوم قرانیہ پر حسب ذیل کتب لکھی گئیں: (٦٧)

الف۔ الرسالة فی الناسخ و المنسوخ: امیر کبیر سید علی ہمدانی (م ۷۸٦ھ/۱۳۸۴ء)

ب۔ خلاصة جواهر القران فی بیان معانی القران: مولانا ابوبکر اسحاق ملتانی (ابن تاج) کی تصنیف ہے۔

ج۔ تبصیر الرحمن وتیسیر المنان: شیخ علی بن احمد المہائمی (م ۸۳۵ھ/۱۴۳۲ء)

د۔ بحر مواج: قاضی شہاب الدین دولت آبادی (۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء)

ہ۔ شؤن المنزلات: شیخ علی متقی (م ۹۷۵ھ/۱۵٦۷ء)

و۔ التفسیر المحمّدی المسمّٰی به کاشف الحقائق: ابوصالح محمد بن احمد میاں (م ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء) (٦۸)

نصاب تعلیم میں کشاف، مدارک، بیضاوی، ناصری، زاہد، حقائق تفاسیر کی کتب شامل تھیں، نیز بیضاوی اور مدارک پر کئی حاشیے لکھے گئے۔

علم حدیث: اسلامی ہند نے اپنے ابتدائی دور میں سیکڑوں علماء حدیث پیدا کیے جنھوں نے علم حدیث پر متعدد کتب لکھیں۔ دسویں صدی ہجری میں یو۔ پی، دہلی اور پنجاب کے علاقوں میں صرف دو محدثین کے نام نظر آتے ہیں۔ حاجی ابراہیم قادری محدث (۶۹) اور مولانا اسماعیل لاہوری (۷۰) ہندوستان کے ساحلی علاقوں اور سرحدی صوبوں کی حالت کا اس پر قیاس نہیں کرنا چاہے وہاں اس علم کا بہت زیادہ چرچا تھا اور احادیث کی شرحوں اور خلاصوں کا کام بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ہورہا تھا۔ گجرات میں میر سید عبدالاول نے صحیح بخاری کی شرح فیض الباری (۷۱) شیخ محمد طاہر نے صحاح ستہ کی شرح مجمع البحار اور مشکوٰۃ کی لغات پر رسالہ (۷۲) برہان پور میں شیخ طیب نے مشکوٰۃ پر حاشیہ، سید ہبۃ اللہ المعروف بہ شاہ میر شیرازی گجراتی (م ۱۰۰۵ھ ر۱۵۹۷ء) نے تمام اقسام حدیث کو جمع کر کے رسالہ ''سود مند'' تحریر کیا تھا۔ مذکورہ باتوں کے ضمن یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس دور میں مشکوٰۃ المصابیح مشہور و متداول تھی۔ (۷۳)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس زمانے میں ہندوستان کا شمالی علاقہ اس علم سے خالی کیوں تھا۔ دیگر اسباب کے علاوہ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ محمد بن تغلق نے جب علماء و مشائخ کو ملک کے دور دراز حصوں میں بھیج دیا تو شمالی ہندوستان میں علمی محفلیں سرد پڑ گئیں۔ فیروز تغلق نے اس بکھری محفل کو سمیٹنے کی کوشش کی لیکن اس کے بعد سیاسی ابتری سے تنگ آ کر علماء دیگر صوبوں میں چلے گئے اور یہ علاقہ علماء سے یکسر خالی ہوگیا۔ تیمور کے حملے نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی۔ سکندر لودھی نے اس بزم کو پھر رونق دینا چاہی لیکن اس کے بعد پھر غیر یقینی حالات کے تحت علماء نے کوچ کیا پھر اکبر کی بے راہ روی سے متاثر ہوکر اکثر علماء و مشائخ یہاں سے ہٹ کر حرمین شریفین چلے گئے یا ساحلی علاقوں میں جاگزیں ہوئے۔ (۷۴)

فقہی علوم: ہندوستان میں ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ سلاطین بعض اہم فقہی مسائل پر علماء سے مشورہ طلب کرتے اور بعض اوقات محضر بھی طلب کرتے ان محافل میں شرکت کے لیے سیکڑوں علماء دور دور سے آتے تھے۔ اس خطے میں گو ابتداء سے فقہ حنفی کا عروج رہا ہے لیکن اور مذاہب کے لوگوں کے ساتھ بھی نہایت روا داری کا سلوک کیا جاتا۔ علاؤ الدین خلجی نے ایک شافعی

المذہب عالم شیخ فرید الدین کو اودھ کا شیخ الاسلام بنایا تھا۔ محمد بن تغلق نے مالکی مذہب کے عالم و سیاح ابن بطوطہ کو قاضی بنایا تھا۔ اسی کے زمانے میں دہلی میں شافعیوں کا ایک مدرسہ بھی تھا اور شافعی فقہ پر دو کتابیں شیخ علی بن احمد مہائمی اور دوسری زین الدین بن عبدالعزیز صاحب نے لکھی تھیں۔ اسلامی ہند کی تاریخ پر اگر فقہ کی نشو و نما کو سمجھنے کے لیے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کی کتابوں میں اجتہادی فکر و نظر بہت کم تھا۔ ہندوستان میں گو علم فقہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں لیکن ان میں ہندوستان کے مخصوص حالات کو سامنے رکھ کر مسائل کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ہندوستان سے باہر لکھی گئی فقہی کتب کے گرد ساری ہندوستانی فقہی دنیا گردش کرتی رہی ان کے حواشی و شروح سے باہر نکلنے کی جرأت ہندوستان کا کوئی عالم نہ کر سکا۔ (۷۵)

معاصر تحریکیں

مذہبِ اکبری: سلطان عظیم الشان رفیع المکان ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ فی مراضیہ ملکہ وسلطانہ افاض علی العالمین برہ و احسانہ کہ خلیفہ عہد و سلطان زمانہ و شہنشاہ آفاق و حاکم علی الاطلاق (۷۶) عرش آشیانی، ہمایوں (م ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء) کے بعد ۱۳ سال ۴ ماہ ۱۰ روز (بحساب شمسی) کی عمر میں تخت پر بیٹھا اسے تخت پر بٹھانے میں اس کے اتالیق اور جنرل بیرم خان (م ۹۶۸ھ/۱۵۶۱ء) کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ اپنے دور حکومت کے ابتدائی حصہ میں وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دیتا، متقی و پرہیزگار، بزرگان دین کو خراج عقیدت پیش کرتا اور ان کا احترام کرتا تھا (۷۷)

بقول شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ: ایک وقت وہ تھا کہ بادشاہ اتباع شریعت اور عبادت کا پابند تھا مشائخ کا بہت عقیدت مند تھا۔ ایک وقت تک خطبہ بھی خود پڑھا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ دور حکومت کے اکیسویں برس تک وہ سنجیدگی سے مکہ مکرمہ کے حج کی بات کرتا تھا، مگر حکومت کے چوبیسویں برس (۹۸۷ھ/۱۵۷۹ء) میں اس کے مذہبی خیالات میں تبدیلی رونما ہونے لگی۔ (۷۸)

اس تبدیلی کا سبب مبحث خانہ (۷۹) میں شریک علماء و مشائخ کا رویہ اور مباحث ہیں۔ صورت مذکور کا اکبر کے ذہن پر بڑا اثر پڑا اور ان (علماء سوء) کے چھچھور پن کو دیکھ کر سامنے

والوں پر غائبوں کو قیاس کر کے سلف کا بھی منکر ہو گیا۔ اس بناء پر ۹۸۷ھ/۱۵۷۹ء میں اس نے شیخ مبارک ناگوری (م ۱۰۰۱ھ/۱۵۹۳ء) کا مرتب کردہ محضر نامہ کا اعلان کیا۔ جس پر اکبری دربار کے مذہبی امور کے تمام ذمہ دار افراد نے دستخط کئے۔ یوں تو دربار اکبری میں کئی اشخاص ہوتے تھے جو کہ اپنے کاموں میں ماہر تھے ان میں علماء، مدبر، فوجی کمانڈر، ماہر مالیات، موسیقار اور گوئیے شامل تھے، ان افراد میں اکبر کے نورتن زیادہ مشہور تھے۔ ان کے نام ابوالفضل، فیضی، راجہ بیربر، عبدالرحیم خان خانان، راجہ ٹوڈرمل، راجہ مان سنگھ، تان سین، عزیز مرزا کوکلتاش اور حکیم ابوالفتح گیلانی ہیں۔ (۸۰)

معاصر مؤرخ مینوکی لکھتا ہے: اسے بانی مذہب کہلانے کا ایسا شوق تھا کہ یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب سے کچھ باتیں انتخاب کر کے اور کچھ اپنی طرف سے ملا کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ (۸۱) ۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء میں سورت کی مہم کے دوران اکبر ایک زرتشتی عالم دستور مہر جی رانا سے ملا تھا وہ بھی عبادت خانہ کی بحثوں میں شریک ہوا بعد ازاں اس کا بیٹا اور شاگرد اکبر کو اپنے مذہب میں شامل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ (۸۲) اکبری رجحان کی آتش پرستی، آفتاب پرستی (۸۳) اسی (پارسی) مذہب سے مستعار شدہ تھی۔ سود کی حلت یہودیوں سے، شراب کی حلت، خنزیر و کتوں کا احترام (۸۴) عیسائیوں سے لیا ہوا تھا۔ سورت ہی کی مہم کے دوران اسے مسیحی علماء سے ملنے کا موقع بھی ملا۔ معاصر مؤرخ مونسیرات لکھتا ہے:

> ایسٹر کے موقع پر فادرز نے بادشاہ کو اپنے محل میں دی گئی رہائش گاہ کے چیپل میں عبادت کے لیے لے گئے جہاں اس نے پگڑی اتار کر حضرت عیسیٰؑ و بی بی مریمؑ (کی تصویر) کے سامنے سجدہ کیا ایک ہفتہ بعد وہ اپنے تینوں بیٹوں اور کچھ امراء کو چیپل دکھانے کے لیے لایا۔ (۸۵)

غرض بقول سر ایڈورڈ میکلیگن: مغل اعظم کی بے چین روح نے ان لوگوں کے حوالے سے بہت سے مسیحی عقائد قبول کئے۔ (۸۶) حالات کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر بادشاہ سن شعور کے آغاز ہی سے ہندوستان کے رسوم و رواج کا بہت شوقین تھا۔ اس کے علاوہ ہمایوں کی وصیتوں

اور شاہ ایران طہماسپ صفوی کے کہنے پر کار بند رہا۔ ہمایوں سے جب طہماسپ صفوی نے حالات دریافت کیے اور خاص طور سے ہندوستان کی کیفیت اور سلطنت کی بدنظمی کا ذکر آیا تو شاہ (صفوی) نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان میں دو فرقے ہیں جو سپاہ گری اور فوج کی سرداری کے لیے مخصوص ہیں یعنی افغان اور راجپوت۔ اس زمانے میں افغانوں کو اپنے ساتھ نہیں ملایا جاسکتا کہ ان پر اعتماد نہیں رہا ہے۔ ان کو سپاہی سے سوداگر بنا دیا جائے اور راجپوتوں کو موافق بنایا جائے۔ اکبر بادشاہ نے راجپوتوں کی دلدہی کو ملک کا سب سے اہم معاملہ سمجھا اور وہ اس سلسلے میں انتہائی کوشش کرتا تھا اکبر کے راجپوتوں سے تعلقات کی بناء پر ہی راجا ٹوڈرمل اعتماد سے کہہ سکا کہ ''سلطنت ہماری ہے'' (۸۷) اس نے راجپوتوں کے ساتھ ایسی شفقت اور محبت و یگانگت کا برتاؤ کیا کہ وہ نہ صرف اس کے دلی دوست ہوگئے بلکہ بخوشی خراج ادا کرتے بادشاہ کے حکم سے ہندو راجاؤں سے لڑتے اور اپنی بیٹیاں شاہ کی نذر کرتے تھے۔ (۸۸) پرکھوتم کے زیر اثر اکبر تناسخ (۸۹) کا قائل ہوا اور دیوی نے اسے آفتاب پرستی کی تعلیم دی۔ اس کے بغیر عذاب اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ (۹۰)

سولہویں صدی میں آگرہ جینیوں کا ایک اہم مرکز تھا یہیں پہلے پہل اکبر کا تعارف ان سے ہوا، عبادت خانے کی تعمیر سے پہلے بھی اکثر جینی و دیادان اکبر کے دربار میں باریاب ہوتے رہتے تھے ان میں بدہی ساگر، سادھو کیری اور پدما سندر نامی جینی پنڈتوں کا ذکر ملتا ہے۔ ۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء میں ان کے سب سے بڑے مذہبی رہنما ہیراو جیا سوری سے ملاقات کی اور اس کی خوشنودی کی خاطر قیدیوں کو رہا اور پرندوں کو پنجروں سے آزاد کرنے کا حکم صادر کیا۔ (۹۱) فتح پور سیکری میں اپنے دو سالہ قیام کے دوران جینی مذہبی رہنما نے اکبر کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ اہنسا کے نظریے کو فروغ دے۔ اس کے بعد اکبر نے سال کے کئی مہینوں اور ہفتے کے مختلف دنوں میں ہر قسم کے ذبیحہ پر پابندی لگادی۔ (۹۲) ساتھ ہی نہ صرف اکبر نے شکار کھیلنا موقوف کردیا بلکہ عوام کو بھی شکاری کتوں کے ساتھ شکار کھیلنے، بیلوں سے انکی ہمت سے زیادہ کام لینے، بندر سدھانے اور چوہے مارنے سے بھی منع کردیا۔ (۹۳) ایک جینی پنڈت جے چند سوری کی صحبت میں رہتے ہوئے گوشت خوری کے علاوہ لہسن اور پیاز کا استعمال بھی ترک

کر دیا۔ (۹۴)

اس کے ساتھ ہی مغل اعظم کی مطلق العنانیت کی حدود مادی حلقے سے نکل کر روحانی معاملات تک وسیع ہو گئیں۔ (۹۵) وہ دین اسلام کے پانچویں ارکان کا منکر تھا۔ کیونکہ اسکے عقائد کا دارو مدار عقل پر تھا اسلیے جو بات اس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی اس کا انکار کر دیتا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے معجزات کا نہ صرف منکر تھا بلکہ واقعہ معراج کا مذاق اڑاتا تھا۔ قرآن مجید کو حضور اکرم ﷺ کی تصنیف جانتا نیز آئمہ کرام کا نہ صرف مذاق اڑاتا بلکہ کسی کو گالی دینی ہوتی تو اسے فقیہہ کہہ کر پکارتا تھا۔ (۹۶) تاریخ عالم میں ایک حد فاصل قائم کرنے کے لیے اور اس کو دو ادوار میں تقسیم کرنے کے لیے تاریخ الفی کے نام سے ایک نئی تاریخ کی تدوین کا کام علماء کے ایک بورڈ کے سپرد ہوا، اس میں سنین میں بجائے ہجرت کے رحلت کا ذکر کیا گیا، لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ: اس صاحب زماں کا وقت آ گیا ہے جو ہندو مسلمان کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانے والا ہو گا اور وہ بادشاہ کی ذات قدسی صفات ہے۔

بادشاہ کی ذات ظاہری حکمرانی کے علاوہ باطنی رہنمائی بھی کرتی ہے ہمارے عصر کے فرمانروا اور ہمارے بادشاہ عالی جاہ کی مبارک زندگی مذکورہ بالا مضامین کا ایک صحیح و کامل مرقع ہے۔ اسی سے دین الٰہی اکبر شاہی کا آغاز ہوا، جس میں توحید کے بجائے (عبادت آفتاب کی شکل میں) شرک صریح، کواکب پرستی، ایمان بالبعث کے بجائے عقیدہ تناسخ تھا، اکبر باقاعدہ بیعت لیتا تھا، اس دین میں داخل ہونے والوں سے جو کلمہ پڑھوایا جاتا تھا، اس میں وہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ اکبر خلیفۃ اللہ بھی شامل کیا جاتا تھا، کلمہ کے ساتھ ایک اقرار نامہ بھی ہوتا تھا، جس میں کہا جاتا تھا کہ:

میں اپنی خواہش اور رغبت و دلی شوق کے ساتھ مجازی و تقلیدی دین اسلام سے جو باپ داداؤں سے سنا اور دیکھا تھا علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں، اور اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں، یعنی ترک مال، ترک جان، ترک

ناموس وعزت، ترک دین کو قبول کرتا ہوں۔

اس دین میں سود، جوئے اور شراب اور لحم خنزیر کی حلّت تھی اور ذبیحہ گاؤ کی ممانعت، قانون نکاح میں ترمیمات کی گئی تھیں، پردہ اور سم ختنہ کی ممانعت تھی (۹۷) ساتھ ہی غسل جنابت منسوخ ہوا۔ مردوں کے لیے ریشم وسونا حلال، تجہیز وتکفین کا اپنا طریقہ، سجدۂ تعظیمی، عربی حروف کی درگت، جزیہ معاف، زکوٰۃ منع اور جسم فروشی (۹۸) کے کاروبار کو سرکاری تحفظ دیدیا گیا۔ دیدار کے وقت ارادتمندوں کا عام دستور تھا کہ ایک شخص اللہ اکبر کہتا اور دوسرا اس کے جواب میں جل جلالہ زبان پر لاتا تھا۔ (۹۹)

مختصر تاریخ ہند کے مصنفین ڈبلیو، ایچ، مور لینڈ اور اے، سی، چڑجی نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اکبر نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے گاؤ کشی بھی بند کردی تھی اور اس کے اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔ اکبری قوانین دین اسلام سے زیادہ ہندو مذہب کی موافقت اور حمایت لیے ہوئے تھے۔ اس کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی۔ (۱۰۰) اس نے اپنی حکومتی شعبوں میں ہندو، مسلمان، شیعہ، سنّی سب کو شامل رکھا تھا۔ ۴۱۵ عہدے داروں (سول وفوجی) میں سے ۵۱ ہندو تھے۔ صفحہ ۱۱۸ پر اکبری دربار کی تصویر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے دائیں جانب راجہ بیربر، مان سنگھ اور راجہ ٹوڈرمل ہیں جبکہ بائیں جانب فیضی، ابوالفضل اور دوسرے عہدے دار ہیں۔ (۱۰۱)

ابوالفضل نے تمام اکبری احکام کے لیے ’’آئین رہنمونی‘‘ کی ترکیب استعمال کی ہے۔ (۱۰۲) بدایونی بالعموم مریدی، ارادہ، اخلاص اور روش کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اکبری احکام کے لیے دین الٰہی کی ترکیب شاید پہلی مرتبہ اکبر کی وفات سے کوئی ساٹھ، ستر سال بعد دبستان مذاہب میں استعمال ہوئی۔ بلاک مین نے سہو سے یا عیاری سے آئین اکبری کے پہلے انگریزی ایڈیشن میں طریقہ اور روش کا ترجمہ دین الٰہی کیا۔ اکبر کے آئین واحکام کو اکبر اور ابوالفضل ہی نہیں بلکہ بدایونی بھی دین نہیں روش یعنی طریقہ کہتا ہے۔ یہ ایک مذہب نہ تھا ارادت

وعقیدت کا سلسلہ تھا۔ (۱۰۳) بدایونی نے حالات کی جو تصویر پیش کی ہے اسے مکمل طور پر درست سمجھنا دشوار ہے (۱۰۴) لکھن لال رائے چودھری کے نزدیک یہ محض ایک نئے صوفیانہ نظام کا اعلان تھا۔ (۱۰۵) جبکہ اسمتھ اسے مغل اعظم کی حماقت کا شاہکار ٹھہراتا ہے۔ (۱۰۶) فلسفیانہ خیالات اور محقق ذہن کا حامل اکبر اگرچہ اچھی طرح پڑھ لکھ نہ سکتا تھا لیکن اسے علم سے ضرور لگاؤ تھا کبھی کبھار شاعری بھی کرتا علم تاریخ سے اچھی واقفیت تھی۔ (۱۰۷) مستقل جنگی حالات کے سبب اسکی مملکت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا جو اب افغانستان، مغربی پاکستان اور شمالی انڈیا ہے۔ اکبر نے اپنی مملکت میں بہت سی اصلاحات کیں۔ اس نے شاہراہیں، اسکول بنائے اور ڈاک چوکی کا اثر آفرین نظام وضع کیا۔ (۱۰۸)

عبادت خانے کی گفت وشنید اور تبادلہ خیالات کے علاوہ اکبر اعظم کے دینی اور علمی کارناموں کا ایک بڑا کارنامہ یہ تھا کہ کئی مذاہب وادیان کی اہم کتابوں کا دربار کی علمی زبان میں ترجمہ کرایا گیا تاکہ مختلف الخیال لوگ باہم ایک دوسرے کی مذہبی اساسی کتابوں کا مطالعہ کریں اور ایک دوسرے کی خوبیاں پہچاننے کی کوشش کریں۔ (۱۰۹) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی فرماتے ہیں:

> اکبر نے اسلام سے تجاوز نہیں کیا، صحیح نہیں۔ یہ سچ ہے کہ جان بوجھ کر ترک اسلام (کا اظہار) بہت خفیف ہے۔ معلوم ہوتا ہے اکبر کو یقین تھا کہ اسلام کا جو مفہوم اس کا تھا وہ ان علماء سے زیادہ معقول تھا جن سے اس نے اختلاف کیا۔ اس کا ذہن پیچیدہ تھا اور اس کی اتنی تربیت نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے زاویہ ہائے نگاہ کے تناقض کو سمجھ سکتا وہ اس ذہنی انتشار کو شاید انتہائی صورت میں پیش کرتا ہے جو کئی مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ (۱۱۰)

دراصل اکبر اپنے عہد کی مذہبی، سماجی اور نظریاتی قوتوں کا منطقی نتیجہ تھا۔ اس مغل شہنشاہ کی صورت میں ان قوتوں کی تجسیم ہوئی تھی جو قبل ازیں اپنا اظہار شیخ عبدالقدوس گنگوہی، بھگت کبیر اور گرونانک جیسے روحانی رہنماؤں کی صورت میں کرتی رہی ہے۔ (۱۱۱) مولانا عبیداللہ سندھی

کہتے ہیں:

ہندوستان کا یہ تاریخی دور ایک ایسے نظام کا متقاضی تھا جو ہندوؤں، ہندوستانی مسلمانوں اور مغلوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرتا اس وقت جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل ملاپ سے ایک متحدہ کلچر بن رہا تھا اور ایک مشترک زبان کی بناء پڑ رہی تھی نیز ہندوؤں میں بھگت کبیر اور گورو نانک ایسے مصلح پیدا ہو رہے تھے جو قوموں، تمدنوں اور دونوں مذہبوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے میں کوشاں تھے اس طرح سلطنت اور سیاست میں بھی ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی جو دونوں قوموں میں مشترک ہوتا۔ اہل یورپ نے رعایا کے مذہبی جھگڑوں کو ختم کرنے کے لیے سیاست کا رشتہ مذہب سے بالکل علیحدہ کر دیا تھا اس کے برعکس اکبر نے مذہب کا انکار نہیں کیا بلکہ الٹا اپنی سیاست کی بنیاد مذہب پر رکھنے کی کوشش کی لیکن یہ مذہب کسی ایک گروہ، جماعت یا قوم کا مذہب نہ تھا اپنے وسیع ترین معنوں اور اپنی عمومی حیثیت کے اعتبار سے اس مذہب سے مراد انسانیت کے وہ اخلاقی اصول تھے جو سب مذاہب میں موجود ہیں۔ چونکہ بادشاہ اس نئی فکر کا داعی تھا اس لیے اس کی داغ بیل دربار شاہی میں پڑی۔ (۱۱۲)

مذکورہ بحث کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اکبر ایک ایسی فکری تحریک کا نام تھا جو کہ سجدۂ سیاست (۱۱۳) کی جویا تھی۔ اس تحریک کی تین خصوصیات ہیں۔

۱۔ اپنی ایجاد کردہ شریعت، جو کئی ادیان و مذاہب کا مرکب تھی

۲۔ خودساختہ صوفیانہ نظام

۳۔ لادینی سیاسی ونفسیاتی رویّے

مذہب اکبری کا ترسیمی جائزہ

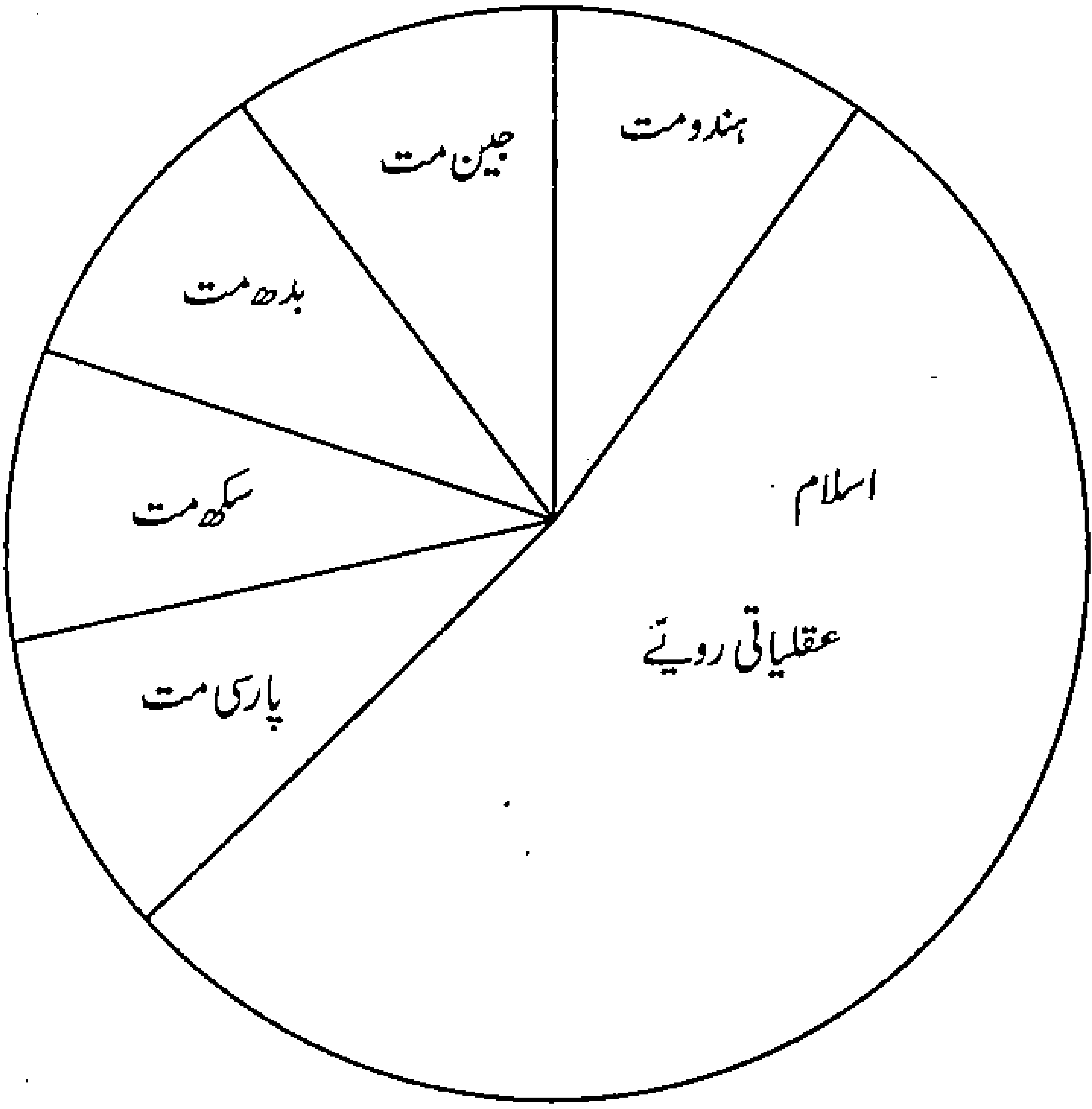

شکل: ۱۰۲۰۲

نقطوی فرقہ (عقلیات کے قائل، نقلیات کے منکر) کی مانند، اکبر بھی اپنے حواریوں سے کہا کرتا تھا کہ اگر کسی مسئلے کا تعلق عقل کے ساتھ ہو تو وہ مجھ سے دریافت کرو اور اگر وہ شریعت سے متعلق ہو تو وہ ان ملاؤں سے پوچھو۔ (۱۱۴) غرض مذہبی اقدامات میں سے صرف وہ انہی اقدامات کو اہمیت دیتا تھا جو اسکی عقل کی کسوٹی پر پوری اترتے ہوں یہی اس فکری تحریک کی اساس ہے۔ شیخ ابوالفضل ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۲ء میں قتل ہوا۔ فیضی اور ابوالفضل کی موت کے بعد اکبر کے دماغ میں دین الٰہی کا جو جنون سما گیا تھا اس میں کمی آنے لگی اور دین دار امراء کا اثر بڑھنے لگا، ان امراء میں شیخ فرید بخاری کا نام سب سے نمایاں نظر آتا ہے اس کے علاوہ اکبری فوج کے سپہ سالار نواب عبدالرحیم خان خاناں تھے۔ دونوں امراء سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے گہرے تعلقات قائم تھے آپ نے مکاتیب کے ذریعے ان میں نہ صرف صحیح عقائد کی سعی کی بلکہ ترویج دین اور اقامت سنت کی اہمیت واضح الفاظ میں پیش کی اس لیے یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ اکبر کے خیالات پر اس کا ضرور اثر پڑا ہوگا اور اسے اپنی حکومت کے ابتدائی ایام یاد آئے ہوں گے۔ کہ صاحب سیر المتاخرین نے مذہب الٰہی کی جو تشریح کی ہے وہ یہ ہے کہ دین الٰہی اکبر محض صلح کل پالیسی کا نام ہے جس کی رو سے ہر مذہب و ملت کا آدمی اس کے حدود حکومت میں آرام اور عافیت سے زندگی بسر کرتا تھا اور کسی کو اس کے مذہب کی بناء پر ناحق نہیں ستایا جاتا تھا اگرچہ دین الٰہی کی یہ تشریح بالکل غلط ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر دین الٰہی صرف یہی ہے تو کیا شاہ جہاں کے عہد میں یہ پالیسی قانوناً ختم کردی گئی تھی اور کیا اس کے حدود حکومت میں غیر مسلموں کو پناہ نہیں ملتی تھی اور کیا دین اسلام اپنے حدود حکومت میں غیر مسلموں کو پناہ نہیں دیتا اور ان کے ساتھ عدل و انصاف نہیں کرتا کہ ایک نئے دین الٰہی اکبر شاہی کی ضرورت پڑی۔ (۱۱۵)

تاریخ جب ہمیں بتاتی ہے کہ اکبر مسلمان مرا اور اس نے کلمہ شہادت پڑھ کر جان دی تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا، جہاں گیر کی اس تزک کے علاوہ جو مشتبہ سمجھی جاتی ہے ہمیں سر تھامس رو اور پرتگیز پادری بوٹیلو کا بیان بھی یہ بتاتا ہے کہ اکبر دین محمدی پر مرا (۱۱۶) اس کے علاوہ

پروفیسر شری رام شرما نے اپنی انگریزی تصنیف ''مغلوں کی مذہبی پالیسی'' میں بالتفصیل اکبر کو مسلمان ثابت کیا ہے۔ (۱۱۷) ۲۷ اکتوبر ۱۶۰۵ء میں انتقال سے قبل اپنی رضامندی سے بادشاہ جہانگیر کے سر پر شاہی تاج رکھا اور اس کے نیام میں شاہی تلوار لگائی۔ (۱۱۸)

جہانگیر ایک نہایت ذہین اور صاحب طرز انشاء پرداز اور مناظر فطرت کا دلدادہ انسان تھا۔ اسے پھولوں سے محبت تھی۔ انصاف پسندی اور معدلت گستری کا یہ عالم تھا کہ اسے ہر وقت اس امر کا احساس رہتا تھا کہ ملک میں کسی پر ظلم نہ ہو۔ جہانگیر کے رائج کردہ بارہ احکامات اور زنجیر عدل (ان کا تذکرہ باب دوم فصل اول میں مذکورہ ہے) اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس کا واضح جھکاؤ دین اسلام کی طرف تھا۔ یہ صحیح ہے کہ جہانگیر عملی اعتبار سے پکا مسلمان نہ تھا وہ شراب خواری میں مبتلا تھا اور احساس جرم و ندامت کے باوجود آخر تک شراب اس سے نہ چھوٹ سکی۔ شراب کی کثرت نے اس کے اعصاب کو معطل اور دماغ کو مختل کر دیا تھا۔ غیر ملکی مؤرخین نے اس کے متعلق بڑی بے سروپا باتیں کہی ہیں۔ تھامس رو نے اسے ملحد قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر اسمتھ کے نزدیک وہ مبہم قسم کی وحدانیت کا قائل تھا۔ یہ تمام باتیں لغو ہیں جہانگیر نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اگرچہ اس کا عام شعار اسلامی زندگی کے منافی تھا لیکن وہ نماز بھی پڑھتا تھا اور اولیائے کرام کا بے حد احترام کرتا تھا۔ (۱۱۹) اس کے دربار میں اعلیٰ فوجی اور انتظامی عہدوں پر شیعہ ہی مامور ہوتے رہے جہانگیر سادات بارہہ کو اپنی فوج کی ریڑھ کی ہڈی قرار دیتا تھا۔ (۱۲۰)

حضرت مجددّ الف ثانی دورِ جہانگیری کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> اس سے پہلے بادشاہی میں تو دین مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ عناد اور مخالفت صریح محسوس ہوتی تھی۔ اس بادشاہی میں ظاہراً وہ عناد محسوس نہیں ہوتا۔ اگر ہے بھی تو عدم علم کے باعث ہے۔ (۱۲۱)

جہانگیر کی تخت نشینی کی وجہ سے اتنا فائدہ ہوا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اور اسلام کی روبمرگ حالت سنبھل گئی کیونکہ دین الٰہی قانونی اور شاہی حیثیت سے ختم ہو گیا لیکن اکبر کے عہد میں ملحد فلسفیوں، دین فروش عالموں اور مکار صوفیوں کے پھیلائے ہوئے فتنے ایسے نہ تھے

کہ فوراً ان کا خاتمہ ہو جاتا عقائد، خیالات، اقوال، افعال، اعمال اور احوال میں جو عام گمراہیاں سرایت کر گئی تھیں ان کے رد و ابطال کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ کتاب و سنت کا نور جس قدر ممکن ہو پھیلایا جائے اور ایسا صالح لٹریچر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے جو ان کی ذہنیت میں تبدیلی پیدا کرے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے زندگی بھر یہی کام کیا۔ ابوالفضل کے انتقال کے بعد اکبر کے مذہبی جنونی افکار بتدریج سرد ہوتے چلے گئے دوسری طرف دیندار علماء جیسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور حضرت خواجہ باقی باللہ (م ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کی کاوشوں سے دیندار امراء جیسے شیخ فرید وغیرہ کا اثر و رسوخ دربار میں بڑھنے لگا جن کے استقلال سے انڈیا میں دین اسلام کی راہ ہموار ہوتی چلی گئی۔ (۱۲۱ الف)

جہانگیر کی وفات (۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء) کے بعد اس کا بیٹا شہزادہ خرم (شاہجہاں) تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں وہ ردِ عمل، جو اکبری طریقہ کار کے خلاف جہانگیر کے عہد حکومت میں شروع ہوا تھا اور بھی قوی ہو گیا اور اسلام اور شعائر اسلامی پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ جہانگیر کے زمانے میں عام لوگوں کے لیے درباری سجدہ برقرار تھا۔ شاہجہاں نے اسے موقوف کر دیا وہ شرع کے مطابق مقدمات کے فیصلے کرتا اور علماء و فضلاء کا بھی بڑا قدردان تھا۔ نماز روزے کا پابند تھا۔" (۱۲۲) شیخ محدث نے شاہجہاں کے لیے رسالہ "احادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین" لکھا جو کہ علم سیاسیات سے متعلق ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اُچ شریف میں نبیرہ حضرت موسیٰ پاک شہید کے ذاتی مخزونہ میں موجود ہے۔

ذکری تحریک: دور شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں سخت انتشار انگیز اور اسلامیت کے لیے خطرناک اور باعث تخریب ایک ذکری عقیدہ اور فرقہ بھی تھا جس کی بنیاد نبوت محمدی کے الف اول پر اختتام، اور الف ثانی سے ایک نئی نبوت اور ہدایت کے آغاز پر ہے، یہ تحریک بلوچستان میں پھلی پھولی، لیکن وہ جس شخص کو پیغمبر مانتی ہے، اس کے بقول اس کا ظہور ۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء میں بمقام اٹک ہوا، اس فرقہ کی کتاب ''ذکری کون ہیں؟'' کا مصنف، بانی فرقہ ذکریہ ملا محمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: " آپ شب دوشنبہ بوقت بام (صبح) قطب شہر سے بطرف زمین

بصورت انسانی ولباس فقیری اٹک کے پہاڑی علاقہ میں ایک اونچی پہاڑی پر ۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء میں قدم مبارک رکھ کر آشکار ہوئے"۔ ذکری ملا محمد موصوف کو خاتم النبیین، افضل الرسل اور نور اولین و آخرین مانتے ہیں، اس فرقہ کی کتابوں معراج نامہ قلمی، ثنائے مہدی، سفر نامہ مہدی، ذکر الٰہی وغیرہ ہیں ایسی صریح عبادتیں آئی ہیں، جن سے ملا محمد موصوف کی تنزیہ و تقدیس اور ایسے مبالغہ آمیز عقائد کا اظہار ہوتا ہے، جن سے ان کی تمام انبیاء پر ترجیح اور آنحضرت ﷺ پر فضیلت اور جرأت افترا وتخلیق، اور دجل وتلبیس کے عجیب نمونے ظاہر ہوتے ہی، انہوں نے اپنا ایک مستقل کلمہ بھی وضع کیا تھا، جو لا الہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ تھا، نماز پڑھنے والوں کی تکفیر وتضحیک کرتے تھے، اسی طرح روزہ، حج اور زکوٰۃ کے وہ منکر ہیں بجائے حج بیت اللہ کے حج کوہ مراد کو ضروری سمجھتے تھے۔ (۱۲۳)

تاریخ خوانین بلوچ میں ہے کہ بلوچستان کے کچھ علاقوں میں ذکری جیسا خلاف اسلام مذہب جاری وساری تھا اور وہ لوگ مسلمانوں کو نمازی کہہ کر قابل گردن زدنی گردانتے تھے، میر نصیر خاں اعظم نے ایک طرف شرع محمدی کا نفاذ اور اجراء فرمایا اور دوسری طرف ذکریوں کی اسلام دشمنی اور شرک پروری کے خلاف خون آشام سلسلہ جہاد جاری رکھا تا آنکہ بڑے بڑے خون ریز اور فیصلہ کن معرکوں کے بعد اس بدعت کی مکمل طور پر بیخ کنی کی گئی۔ (۱۲۴)

نظریۂ الفی: دسویں صدی ہجری اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے اختتام پر اسلامی تقویم کے ایک ہزار سال کی تکمیل اور دوسرے ہزار سال (الف ثانی) کا آغاز ہوتا ہے، عام حالات میں یہ تبدیلی کوئی اہمیت نہیں رکھتی لیکن جب ذہنوں میں شدید قسم کے انتشار، عقائد میں عظیم تزلزل، دین کی صحیح تعلیم اور کتاب وسنت کے علم سے نہ صرف غفلت و جہالت بلکہ وحشت ونفرت ہو، اہل یونان کے علوم کو عقل انسانی کی آخری منزل قرار دیا جائے، اور انھیں کا نام "حکمت" "علوم دانشمندی" اور انسانی علوم وکمالات کے وسیع آفاق میں "الافق المبین" قرار دیا جائے، علوم نبوت، صحف آسمانی، وحی وتنزیل اور نصوص قرآنی کی تضحیک وتحقیر

کی جائے، اور ان پر ایمان لانے کو جہل، کورانہ تقلید، اور عقل دشمنی کا مترادف قرار دیا جائے، پھر اس کے ساتھ اس وقت کی حکومتوں اور سیاسی نظاموں سے (جو غلط اور صحیح طریقہ پر مذہب کا سہارا لیتے تھے، اور اس کو اپنے اقتدار کا پشت پناہ سمجھتے تھے) بیزاری بھی بغاوت و اشتعال کی حد تک پہنچ گئی ہو، پھر ہونے پر سہاگہ جب ایسے حوصلہ منداور طالع آزما افراد پیدا ہو جائیں، جو ذہانت اور اس وقت کے علم و حکمت سے مسلح بھی ہوں اور وہ نئے دور کا بانی و رہنما اور احترام و اقتدار کا مالک ہونے کے سہانے خواب بھی دیکھنے لگیں، ان کے نزدیک اس دین کی تاریخ اور دنیا کی تقویم میں الف اول کا ختم ہونا اور الف ثانی کا شروع ہونا ایک اہم حادثہ اور ایسا زریں موقع ہے، جو جلد جلد اور بار بار ہاتھ نہیں آتا۔

ہر صدی کے سرے پر مجدد کا ظاہر ہونا حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور تاریخ بھی اس کا ثبوت فراہم کرتی ہے، اس لیے بعض ذہین لوگ دوسرے ہزار سال کے شروع ہونے پر مجدد سے زیادہ دین جدید کے مؤسس اور عالم کے نئے دور کے فاتح کے ظہور کے خواب دیکھنے لگے تھے، اور ان میں بہت سے منچلے لوگوں نے اپنا نام اس منصب کے امیدواروں کی فہرست میں لکھانے کی کوشش بھی شروع کر دی تھی (۱۲۵) اس ضمن میں ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

بادشاہ نے خیال پکایا کہ آنحضرت ﷺ کے دین کی مدت کل ایک ہزار سال تھی جو پوری ہوگئی۔ بادشاہ کے دل میں اس کے بعد ان منصوبوں کے اظہار و اعلان میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی جو انہوں نے اپنے دل میں گانٹھے تھے۔ (۱۲۶)

ان سب باتوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ کس طرح اس گمراہ تحریک کے داعیوں نے ہندوستان میں نظریۂ الفی کی آبیاری کی اور نئے دین اور نئے آئین اکبری کے گرد گھیرا تنگ کیا گیا اور وہ جو ابتدائی دور میں نہایت نیک اور مخلص مسلمان تھا اس گھیرے میں یوں قابو ہوا کہ جادہ دین سے ہی منحرف ہو گیا اور ایک نئے دین کا پیشوا بنا۔

مہدوی تحریک: اس عہد کی سب سے زلزلہ انگیز تحریک مہدویت تھی جس کے بانی سید محمد

ابن عبداللہ جونپوری (۸۴۶۔۹۱۰ھ/۱۴۴۳۔۱۵۰۴ء) تھے۔ دو تین صدیوں کے اندر کوئی دینی دعوت اور تحریک اس تحتی براعظم (بشمول افغانستان) میں اتنے وسیع پیمانہ اور اتنے گہرے اور طاقتور طریقہ پر مسلم معاشرہ پر اثر انداز نہیں ہوئی جتنی کہ یہ دعوت و تحریک۔ موافقت و مخالفت میں معاصر اور بعد کے مؤرخین و مصنفین نے جو کچھ لکھا ہے، اس کے مطالعہ سے ہم ان نتائج تک پہنچتے ہیں۔ (۱۲۷)

سید محمد جونپوری باطنی اور خلقی طور پر عالی استعداد اور قوی الباطن لوگوں میں تھے اپنے ماحول اور دور کے حالات سے غیر مطمئن، بے محابا امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور منکرات شرعی پر زجر وتوبیخ کرنے والے تھے اسی وجہ سے انہیں اسد العلماء کا خطاب دیا گیا تھا آپ نے سلوک کی تعلیم شیخ دانیال سے حاصل کی اور شدید ریاضت و مجاہدہ کیا پہاڑوں اور وادیوں میں عرصہ تک گوشہ نشینی اختیار کی اسی دوران کسی سفر میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، اس کے بعد بھی متعدد بار مختلف مقامات پر اپنے ''مہدی موعود'' ہونے کا اعلان کیا اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ ان کی زندگی ترک و تجرید، زہد و استغناء، قطع ماسوی اللہ کی زندگی تھی اور سفر وحضر میں ان کے ''دائرہ'' میں اسی زہد و ایثار اور ذکر و عبادت کی فضا نظر آتی تھی، کھانا اوز ہر چیز برابر برابر کسی کی خصوصیت کا لحاظ کیے بغیر تقسیم ہوتی تھی، اور اس میں خود ان کی اور ان کے گھر کے افراد کی رعایت نہیں ہوتی تھی اس فضا سے کوئی نو وارد و متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

اس دعوت نے متعدد ایسے بے لوث، سرفروش وخود فراموش داعی پیدا کر دیے تھے جنھوں نے ''کلمۃ حق عند سلطان جائز'' کا فریضہ بڑی شجاعت اور قوت کے ساتھ ادا کیا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلہ میں سخت اذیتیں برداشت کیں، اور اس راہ میں ہنسی خوشی جان دی، اس کی ایک اہم مثال (شیخ علائی) شیخ علا بن حسن البیانوی (۹۵۷ھ/۱۵۵۰ء) تھے جنھوں نے سلطان سلیم شاہ ابن شیر شاہ سوری کے دربار میں دعوت و تذکیر کا فرض انجام دیا۔ (۱۲۸) ان کے ساتھ شیخ عبداللہ نیازی نے بھی اس تحریک کی نشر و اشاعت میں کام کیا۔ (۱۲۹) ان کی

دعوت کے پانچ ارکان تھے، ترک دنیا، عزلت عن الخلق، ہجرت عن الوطن، صحبت صدیقین، دوام ذکر (حفظ انفاس کے طریقہ پر) وہ مشاہدہ الٰہی (خواہ وہ بچشم سر ہو یا بطریق قلب، بیداری میں ہو یا خواب مین) ضروری اور شرط ایمان قرار دیتے تھے۔ حالت سکر میں، یا مفہوم و مراد صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بناء پر ان سے اپنی ذات کے متعلق متعدد بار اور صریح طریقہ پر ایسے اقوال اور دعاوی صادر ہوئے، جن کی تاویل وتوجیہ مشکل ہے اس بناء پر ان کے معتقدین نے ان کی تقدیس وتعظیم میں اتنا غلو سے کام لیا کہ ان کو انبیاء کا ہمسر اور بعض سے افضل و برتر بنادیا اور بعض انتہا پسندوں اور غالیوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھی ہمسری و مساوات کے عقیدہ تک پہنچادیا اور بعض نے یہاں تک غلو کیا کہ اگر کتاب وسنت ان کے کسی قول وفعل کے مخالف ہوں تو کتاب وسنت کا اعتبار نہیں جو مسلمان انوار الٰہی کا مشاہدہ اپنی آنکھ یا دل سے سوتے یا جاگتے کبھی نہ کرے وہ مومن نہیں ہے، عام مسلمانوں اور اس فرقے کے درمیان یہ خلیج مرور زمانہ سے وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ مہدوی ایک الگ فرقہ بن کر اہل سنت و جماعت سے کٹ گئے تھے۔

سید محمد جونپوری کے دعاوی اور زیادہ تر ان کے غالی معتقدین کے تشدد سے عقائد میں ایک تزلزل اور مسلم معاشرہ میں ایک انتشار اور اضطراب پیدا ہو رہا تھا، اس سے اس عہد کے علمائے راسخین جو کتاب وسنت پر گہری نظر اور علوم دینیہ میں رسوخ تام رکھتے تھے، پریشان اور فکر مند تھے اور وہ اس کو ایک بڑی ضلالت اور فتنہ کا پیش خیمہ سمجھنے لگے تھے چنانچہ اس عہد کے سب سے بڑے عالم حدیث وسنت علامہ محمد طاہر پٹنی (۹۱۳ - ۹۸۶ھ/۱۵۰۷-۱۵۷۸ء) مصنف ''مجمع بحار الانوار'' نے اس کی تردید اور انسداد کا بیڑا اٹھایا۔ اکبر نے ۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء میں جب گجرات فتح کیا تو اس نے اپنے بھائی (رضاعی) مرزا عزیز الدین کو اس تحریک کی بیخ کنی پر مامور کیا۔ وہاں میاں محمد مصطفی (م۱۵۷۵ء) (۱۳۰) کی مسند ارشاد بچھی ہوئی تھی۔ اکبر نے انہیں فتح پور بلوا کر علماء کے ذریعے مہدویت سے متعلق سوالات کیے (۱۳۱) ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے:

درصحن دیوان خانہ علماء را طلبیدہ از شیخ مصطفیٰ تحقیق مسئلہ مہدویت ہی نمودند او مجیب بود و مناظرہ بامتداد کشید (۱۳۲)

میاں مصطفیٰ کے وصال کے بعد شمالی ہندوستان میں مہدویت کا اثر کم ہوگیا۔ معاصر مورخ صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں: سلاطین بیجاپور کا تیرھواں بادشاہ برھان نظام شاہ بن حسین شاہ نظام کے عہد میں مہدوی مذہب نے بہت زور پکڑا تھا ہمارے ملک میں اس مذہب کے پرستار موجود تھے۔ لیکن برہان شاہ نے اس عقیدے کو بالکل نیست و نابود کردیا کہ اس مذہب کے ماننے والے جہاں کہیں بھی نظر آئیں انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس اقدام کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ ہی عرصے میں یہ مذہب احمد نگر سے بالکل ختم ہوگیا۔ (۱۳۳)

اس ضمن میں صاحب حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

سید محمد مہدی کی تحریک احیاء وسنت اور اماتت بدعت کے لیے وجود میں آئی تھی لیکن یہ اپنے اصل رنگ زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی، مہدویت کا تصور اسلام کے ایک بنیادی اصول ختم نبوت سے ٹکرا گیا اور علماء اسلام مثلاً شیخ علی متقی، شیخ ابن حجر مکی اور شیخ عبدالحق اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔ (۱۳۴)

اب بھی گجرات، جے پور اور حیدر آباد میں مہدوی فرقے کے ماننے والے موجود ہیں اور کراچی میں بھی ایک ”ذکری مہدوی انجمن“ ہے۔ (۱۳۵)

فرقہ روشنیہ: ایک اور فرقہ جس سے دورِ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے روحانی انتشار کی جھلک نظر آتی ہے روشنیہ فرقہ تھا جس نے افغان علاقے میں فروغ پایا اور جس کی مقبولیت میں شاید اس بے چینی اور ہلچل کو بھی دخل تھا جو افغانوں میں اپنی حکومت کھونے پر پیدا ہوئی (۱۳۶) صاحب طبقات اکبری اس تحریک کے بارے میں بعنوان ”تاریکی (پیر روشنائی) کے قضیہ کا ذکر“ میں لکھتے ہیں:

زمانہ سابق میں ایک ہندوستانی شخص (میاں بایزید انصاری المعروف پیر روشن یا پیر روخان

(۱۵۲۵-۱۵۷۲ء) پیدائش بمقام جالندھر، افغانوں کی جماعت میں گیا اس نے کفر والحاد کے مذہب کا رواج شروع کیا اور اپنا نام پیر روشنائی رکھا۔ کئی لوگوں کو اس نے اپنا مرید بنالیا اس نے ایک کتاب خیر البیان (۱۳۷) تصنیف کی۔ اس میں اپنے فاسد عقائد بیان کیا۔ (۱۳۸)

بانیٔ فرقہ کا بچپن اور عنفوان شباب خاندانی کشمکش اور بزرگوں کی بے توجہی میں گذرا اس وجہ سے ان کی تعلیم ادھوری رہ گئی۔ کسی سفر کے دوران (بعض روایات کے مطابق) ان کی ملاقات سلیمان اسماعیلی سے ہوئی نیز انہیں جوگیوں کی صحبت کا حاصل ہونا بھی بیان کیا جاتا ہے، ان کے تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق انہیں خواب نظر آنے لگے اور عالم غیب سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ ذکر خفی میں منہمک ہوگئے اور کچھ عرصہ کے بعد اسم اعظم کے ورد میں ان کو استغراق ہوا جب وہ اکتالیسویں برس کو پہونچے تو انھیں ہاتف نے ندا دی کہ اب انھیں طہارت شرعی کو ترک کردینا چاہئے اور مسلمانوں کی نماز کی جگہ انبیاء کی نماز پڑھنا چاہئے اس کے بعد وہ سب کو مشرک ومنافق سمجھنے لگے اور چلہ کشی شروع کردی انھیں علانیہ طور پر تبلیغ کرنے کا حکم ملا۔ دعوائے مہدویت اور الہام ربانی کا بھی ان پر الزام ہے غرض ان کے مریدوں کی تعداد میں روز افزوں ترقی ہونے لگی انہوں نے بعض کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تاکہ وہ تبلیغ کے کام کو اور زیادہ وسیع کریں۔ انہوں نے پشاور کے علاقہ میں متعدد افغانی قبائل کو اپنا معتقد مرید بنالیا مہمندزئیوں میں اپنا تبلیغی کام شروع کیا۔ سندھیوں اور بلوچیوں میں بھی ان کا اثر پھیلنا شروع ہوا پیروں اور علماء کی انتہائی مخالفت کے باوجود ان کو حیرت انگیز کامیابی ہوئی شیخ بایزید نے اپنے داعی اور مبلغ ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں، امراء اور علماء کے پاس بھیجے۔ ان میں سے ایک شہنشاہ اکبر کے دربار میں بھی آیا ان کی زندگی کے آخری ڈھائی سال مغلوں سے جنگ میں گزرے۔ ۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء میں ان کے انتقال کے بعد انکے پانچ بیٹوں (شیخ عمر، نور الدین، خیر الدین، کمال الدین (کمالہ) اور جلال الدین (جلالہ)) میں شیخ عمر مسند خلافت پر بیٹھے جنھیں یوسف زئی افغانوں نے ہلاک کردیا۔ پھر یکے بعد دیگرے انکے بھائی مسند خلاف پر

بیٹھے اور انہوں نے باقاعدہ لوٹ مار شروع کر دی۔ (۱۳۹)

داستان ترکتازان ہند کا مصنف مرزا نصر اللہ خان فدائی دولت یار جنگ اس فرقے کے بارے میں لکھتے ہیں: اس (بایزید انصاری) نے افغانوں میں جا کر پیغمبری کے دعویٰ کیا اور اپنے کو پیغمبر روشنائی کہلایا اور ان کو اپنا پیرو بنایا۔ وہ وحدۃ الوجود کا قائل تھا اور اس کا عقیدہ تھا کہ اس واجب الوجود کے سوا کسی کا وجود نہیں پیغمبر عربی ﷺ کی تعریف کرتا تھا وہ لوگوں کو بشارت سناتا تھا کہ وہ دن قریب ہے کہ پورا کرہ ارض ان کے زیر تصرف ہوگا۔ حالنامہ نوشتہ بایزید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو الہام ہوتا تھا اور جبریل ان پر نزول کرتے تھے اللہ نے ان کو نبوت سے سرفراز کیا وہ خود اپنے کو نبی سمجھتے تھے، لیکن قبلہ کا تعین ضروری نہیں سمجھتے تھے "فاینما تولوا فثم وجہ فانما اللہ" سے استدلال کرتے تھے پانی سے غسل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے اپنے مخالفین کا قتل جائز سمجھتے تھے۔ ان کے یہاں خودشناسی و خداشناسی سب سے اہم چیز تھی اگر ہندو کو خودشناس دیکھتے تو مسلمان پر ترجیح دیتے مسلمانوں سے جزیہ لیتے خمس بیت المال میں داخل کرتے اور اہل حاجت پر تقسیم کرتے ان کے سب فرزند فسق و فجور سے مجتنب اور ظلم و ستم سے بہت دور تھے۔ (۱۴۰)

شیخ بایزید کے سب سے بڑے مخالف اخوند درویزہ تھے، جو سید علی ترمذی المعروف بہ پیر بابا (م ۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء) کے مرید تھے، انہوں نے ان کی تردید میں کتاب "مخزن الاسلام" لکھی۔ دور شاہجہانی میں اس فرقے کا استیصال اس طرح ہوا کہ شیخ عمر کا پوتا عبدالقادر اور میاں جلال الدین کا بیٹا اللہ داد کو رشید خان کا خطاب ملا اور چار ہزاری عہدہ ملا، دونوں دربار شاہی میں داخل ہو گئے۔ (۱۴۱)

نقطوی تحریک: نویں اور دسویں صدی ہجری کی انتشار انگیز تحریکوں اور اسلام کے خلاف عقلی و فلسفی سازشوں کی ایک ترقی یافتہ مثال نقطوی تحریک ہے جو ایران کی اس بے چین روح کا بہترین مظہر ہے جس نے کبھی مزدک کی شکل میں، کبھی مانی کے روپ میں اور کبھی حسن بن صباح

کے لباس میں ظہور کیا تھا۔ صاحب مآثر الامراء اس تحریک کے بارے میں کہتے ہیں: علم نقطہ سے مراد الحاد، زندقہ، اباحت، توسیع مشرب (شرع میں ترمیم کرنا) ہے۔ اور فلاسفہ کی طرح وہ لوگ دنیا (مادہ) کی قدامت کے قائل ہیں۔ حشر اور قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ مکافات سن و قبح اعمال اور جنت و دوزخ کو دنیا کی عافیت اور تکلیف قرار دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ (۱۴۲)

اس فرقہ کا بانی محمود پسیخوانی کو بتایا جاتا ہے جو ایران کے صوبہ گیلان کے ایک گاؤں پسیخان میں پیدا ہوا اس نے یہیں پر ۸۰۰ھ/۱۳۹۸ء میں اپنے نئے دین (نقطوی) کا اعلان کر دیا۔ محمود نے مہدی موعود ہونے کا دعوی کیا تھا وہ کہتا تھا کہ دین اسلام کا دور عرب ختم ہو گیا اب اس کا لایا ہوا دین حق اور اس کی بتائی ہوئی راہ راہ مستقیم ہے یہ دور عجم ہے اس کی مدت آٹھ ہزار سال ہوگی اس مدت میں آٹھ ''مبین'' ہوں گے جن میں پہلا مبین وہی ہے۔ (۱۴۳) نقطوی مذہب کے پیرو نماز، حج اور قربانی کا مذاق اڑاتے تھے ماہ رمضان کا نام انہوں نے ''ماہ گرسنگی و تشنگی'' رکھا تھا۔ طہارت و غسل کے مسائل کی تضحیک کرتے تھے وہ نظریۂ ارتقاء کے قائل تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ جمادات و نباتات ترقی کرتے کرتے انسان کے درجہ تک پہونچ جاتے ہیں نباتات کے اگنے میں قدرت خداوندی کا کوئی دخل نہیں وہ محض کواکب و عناصر کی ترکیب کا عمل ہے۔ قرآن پاک کو نبی کریم ﷺ کی تصنیف اور مسائل شریعت کو اہل رائے کا طبع زاد سمجھتے تھے۔

شاہ عباس صفوی نے ایران میں نقطوی مذہب کی پیروی کے الزام میں وسیع پیمانہ پر ان کا قتل عام کیا اس قتل و غارتگری کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے نقطوی جان بچا کر ہندوستان بھاگ آئے۔ ان میں مولانا حیاتی کاشی بھی تھے جو دو سال تک قید میں رہنے کے بعد شیراز آئے اور ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء میں وطن میں کچھ دن قیام کر کے بالآخر ہندوستان چلے آئے ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء وہ احمد نگر میں موجود تھے۔ شریف آملی جو بڑا باکمال عالم تھا اس فرقہ کے اکابر سے تعلق رکھتا تھا وہ اپنے زمانہ کی سخت گیریوں سے تنگ آ کر ہندوستان چلا آیا تھا۔ اکبر بادشاہ اس کے ساتھ پیر جیسا سلوک کرتا تھا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ میر شریف آملی نے محمود پسیخوانی کی تحریروں

نے ثبوت پیش کر کے اکبر کو دین نو کے اختراع کی ترغیب دی اس نے محمود کی پیشگوئی بیان کی کہ ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو دین باطل مٹا کر دین حق قائم کرے گا۔ (۱۴۴)

ملا عبدالقادر بدایونی کے الفاظ ہیں:

اکبر نے ہزاری منصب دے کر اسے اپنے مقربین کے زمرہ میں شامل کر کے بنگالہ میں اس کو دین الٰہی کا داعی مقرر کیا وہ اکبر کے چار مخلص یاروں میں شامل تھا دین الٰہی کے مریدوں اور معتقدوں کے سامنے اکبر کی وہ نیابت بھی کرتا تھا۔ (۱۴۵)

اکبر کا مصاحب خاص علامہ ابو الفضل علامی بھی اس مذہب کا پیرو تھا۔ (۱۴۶) تاریخی شہادتوں سے اس تحریک کے بنیادی نظریے کا پتہ چلتا ہے کہ مذہب اسلام منسوخ ہو چکا ہے اس لیے محمود کا لایا ہو دین قبول کیے بغیر چارہ نہیں دین اسلام کی میعاد ختم ہو چکی ہے، اس لیے اب نئے دین کی ضرورت ہے۔ دسویں صدی میں اس عقیدہ کا ظہور و اعلان صاف اشارہ کرتا ہے کہ وہ اس عقیدہ الفی کے قائل ہیں اور الف ثانی سے اپنا کام زور شور سے شروع کرنے والے ہیں نیز نقطوی فرقہ یا تحریک کے داعیوں اور علمبرداروں نے ہندوستان آ کر الف ثانی کے لیے نئے دور، نئے دین اور نئے آئین کے لیے کس طرح ایک تخت اور مسند تیار کر رکھی تھی جس پر مسند آرا ہونے کے لیے ایک بااختیار و طاقتور موزوں شخصیت درکار تھی اور اس کے لیے ان کی نظر میں اکبر سے زیادہ کوئی اہل نہ تھا۔

شیعیت: اسی سلسلہ کی ایک کڑی تشیّع کی وہ غالی اور جارحانہ شکل تھی جو ایرانیوں کے اثر سے جنوبی ہند کے بعض مقامات اور کشمیر میں پیدا ہوئی۔ دسویں صدی کے وسط میں احمد نگر کے والئ سلطنت برہان نظام شاہ نے شیخ طاہر بن رضی اسماعیلی قزوینی کے اثر سے (جو ایران سے شاہ اسماعیل صفوی کے خوف سے بھاگ کر احمد نگر آئے تھے) تشیّع قبول کیا۔ (۱۴۷) ایران میں تیموری خاندان کا آخری فرمانروا سلطان حسین مرزا تھا۔ اس کے آخر زمانے میں شاہ اسماعیل بن سلطان حیدر نے ۹۰۷ھ/۱۵۰۲ء میں صفوی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس دور میں جبکہ مذہبی

لحاظ سے ایران نئی کروٹ لے رہا تھا جدید سیاسی انقلاب نے مذہب اثنا عشری کو صدر میں جگہ دیدی تھی۔ سنی بزور شمشیر شیعہ بنائے جارہے تھے انکے علماء قتل کئے جارہے تھے جس نے انکار کیا تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ زندہ ایک طرف، مردوں کی قبریں اکھڑ واکر پھنکوادی گئیں اور ان کی ہڈیوں کو جلا دیا گیا۔ اصحاب ثلاثہ کے خلاف بغاوت کی آگ چارسو مشتعل تھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی بدولت ایران نے نعمت دین حاصل کی تھی آج انہی کے نام پر لعنت ونفرت کی آوازیں مسجد ومنبر سے بلند ہورہی تھیں۔

شاہ اسماعیل (م ۹۳۰ھ/۱۵۲۴ء) کے بعد اس کے بیٹے طہماسپ صفوی اول نے ۵۵ برس حکومت کر کے ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء میں وفات پائی۔ اسکے بعد ان کا بیٹا اسماعیل مرزا اور پھر اس کا بیٹا شاہ عباس ۹۹۵ھ/۱۵۸۷ء میں فرمانروا ہوا جو وسعت حکومت اور انتظامات ملکی میں دوسرا اکبر یا شاہجہاں تھا۔ شاہ عباس (م ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۹ء) نے ۴۴ سال حکومت کی اس کی وفات کے بعد شاہ صفوی اور اس کے بعد شاہ عباس ثانی نے (م ۱۰۷۷ھ/۱۶۶۷ء) حکومت کی۔ اس خاندان نے سنی مذہب نہایت ظلم، بے رحمی اور سفاکی کے ساتھ ایران سے معدوم کردیا یعنی جو لوگ شیعہ مذہب قبول نہیں کرتے وہ قتل کردیئے جاتے تھے چنانچہ مآثر الامراء وغیرہ میں اس کی متعدد استانیں نقل ہیں۔ (۱۴۸) (۹۰۸ھ/۳-۱۵۰۲ء) میں قلعہ ارک میں بروز جمعہ جامع مسجد میں یوسف عادل شاہ آیا۔ مدینہ منورہ کا ایک صحیح النسب سید خطبہ پڑھنے منبر پر گیا۔ سب کے پہلے تو اذان میں کلمہ علیا ولی اللہ کا اضافہ کیا گیا اس کے بعد بارہ اماموں کے اسمائے گرامی خطبے میں داخل کر کے باقی صحابہ کرام کے اسماء نکال دیۓ گئے۔ وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے ملک میں شیعہ مذاہب رائج کیا۔ سید احمد ہروی کو ہرات کے فرمانروا شاہ اسماعیل صفوی کی خدمت میں روانہ کر کے بہت سے بیش قیمت و نادر تحفے بھیجے اور اسے ایران میں شیعہ مذہب کو رواج دینے پر خلوص دل سے مبارکباد دی نیز اپنے دوبارہ شیعہ ہونے اور بیجاپور میں بارہ اماموں کے نام کا خطبہ جاری کرنے کی اسے خوشخبری سنائی۔ (۱۴۹)

ہمایوں ۹۴۷ھ/۱۵۴۰ء میں شیر شاہ سے شکست کھا کر اجپوتانہ سے سندھ ہوتا ہوا ایران پہنچا تھا۔ وہاں طہماسپ صفوی اس کے ساتھ بڑے حسن سلوک سے پیش آیا اور پھر ہمایوں کی خواہش پر ہزاروں ایرانی سپاہی، امراء اور علماء اس کے ساتھ کر دیئے۔ ۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء میں وہ دہلی و آگرہ پر قابض ہوا۔ اس وقت سے ہندوستان کی اسلامی تہذیب میں ایرانی اثرات تورانی اور عرب اثرات سے بھی زیادہ نمایاں ہوگئے۔ ایرانی شعراء عرفی، نظیری، مشہور مصور خواجہ عبدالصمد، میر علی فرخ اور علی مردان، آصف خان وغیرہ اسی دوران میں ہندوستان آئے۔ صاحب رودِ کوثر کے مطابق شیخ گدائی (عہد اکبری کے پہلے شیخ الاسلام) اور ہمایوں کا وزیر باتدبیر بیرم خان شیعہ تھے۔ (۱۵۰) شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بیرم خان کو اخبار الاخیار میں شہید لکھا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ شیعہ نہیں تھے۔

قاضی نور اللہ شستری (م ۱۰۱۹ھ/۱۶۱۰ء) شیعہ عالم اور مؤرخ تھے جنہیں اکبر نے لاہور کا قاضی مقرر کیا تھا۔ (۱۵۱) اس کے علاوہ حمیدہ بیگم (جہانگیر کی دادی)، نور جہاں اور ممتاز محل (۱۵۲) (نور جہاں کے بھائی آصف خان کی بیٹی اور شاہجہاں کی بیوی) شیعہ تھیں۔ ادھر میر شمس الدین عراقی سے کشمیر میں تشیّع پھیلا، انہوں نے اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی کہتے ہیں کہ چونتیس ہزار ہندو شیعہ ہوگئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک جدید مذہب بھی ایجاد کیا جس کا نام نوربخشی تھا اور فقہ میں ایک کتاب بھی تصنیف کی جس کے مسائل نہ تو اہل سنت کے مسائل سے اتفاق رکھتے ہیں، نہ فرقہ امامیہ کے مسائل کے مطابق ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد پڑی جس کا اعتقاد تھا کہ سید محمد نور بخش مہدی موعود تھے۔ (۱۵۳)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ جالبی، جمیل (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۵ء)۔ پاکستانی کلچر۔ کراچی: فضلی سنز۔ ص ۴۶

۲۔ اردو انسائیکلوپیڈیا (ج۔۱)۔ ص ۴۹۱

۳۔ Almond, G. A. (1976). Comparative Politics : A Development Approach. New Delhi. Oxford and IBH. P 37

۴۔ Helton, Singer.The Concept of Culture", International Encyclopedia of the Social Sciences. Vol 3. PP 527-543

۵۔ Almond, op..cit., P 2

۶۔ Verba, Sidney. (1965) . Comparative Political Culture. Princeton: Princeton University Press. p 513

۷۔ Lucian Pye,"Politcal Culture", International Encyclopedia of the Social Sciences. Vol 12, P 218

۸۔ عبدالرشید (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۱ء)۔ ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ۔ کراچی: طاہر سنز۔ ص ۳۰

۹۔ تمدن ہند۔ صص ۶۵-۷۳

۱۰۔ معارج الدین۔ ص ۱۵۰

۱۱۔ ادیان و مذہب کا تقابلی مطالعہ۔ کراچی: ص ۳۱

۱۲۔ تاراچند (ڈاکٹر)۔ (۱۹۶۴ء)۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات۔ (مترجم، محمد مسعود احمد)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب۔ ص ۱۱

۱۳۔ ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں۔ (۱۹۶۶ء)۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن۔ اعظم گڑھ۔ ص ۳۲

۱۴۔ آگرہ۔ اکبر اور اس کا دربار۔ ص ۱۵۹

۱۵۔ مذاہب عالم۔ ص ۱۲۹

۱۶۔ فقہ و تصوف۔ ص ۹۹؛

۱۷۔ کتاب الہند (ج۔۱)۔ ص ۳۴۰

۱۸۔ تاریخ مسعودی۔ ص ۹۷

۱۹۔ تمدن ہند۔ ص ۱۳۷

۲۰۔ کتاب الہند (ج۔ ۲)۔ ص ۳۵۰

۲۱۔ ابن بطوطہ، عبدالرحمٰن۔ (۱۹۶۱ء)۔ عجائب الاسفار (مترجم، رئیس احمد جعفری)۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، صص ۵۰۶۔ ۵۰۹

۲۲۔ معارج الدین۔ ص ۱۵۶

۲۳۔ مذاہب عالم۔ ص ۱۸۷

۲۴۔ کتاب الہند (ج۔ ۱)۔ ص ۱۷

۲۵۔ معارج الدین۔ ص ۱۵۷

۲۶۔ تمدن ہند (مقدمہ)۔ ص ۴۔ ۱۵

۲۷۔ کتاب الہند (ج۔ ۲)۔ ص ۳۵۴

۲۸۔ ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ۔ ص ۳۰

۲۹۔ تاریخ مسعودی۔ ص ۱۹۰

۳۰۔ کتاب الہند (ج۔ ۱)۔ (۱۹۴۱ء)۔ البیرونی، ابوریحان۔ دہلی: انجمن ترقی اردو۔ ص ۱۷

۳۱۔ معارج الدین۔ صص ۱۷۶۔ ۱۷۸

۳۲۔ اردو انسائیکلوپیڈیا (۱۹۶۸ء)۔ فیروز سنز۔ لاہور۔ ص ۵۵۴

۳۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ (ج ۷) لاہور دانش گاہ پنجاب۔ ۸۔ (۱۹۷۱ء)۔ ص ۶۰۴

۳۴۔ فاروقی، عمادالحسن آزاد۔ (۱۹۹۰ء)۔ دنیا کے بڑے مذاہب۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت۔ ص ۲۰۱،

۳۵۔ مذاہب عالم۔ ص ۲۲۵

۳۶۔ ادیان و مذہب کا تقابلی مطالعہ۔ ص ۱۲۰

۳۷۔ منتخب التواریخ (ج۔ ۲)۔ ص ۱۸۸

۳۸۔ Price, Powell.(1958).A History of India. New York.pp-261-262.

۳۹۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ حالات، افکار و خدمات۔ ص ۵۵ (بحوالہ اقبال نامہ اکبری از مفتی ذکاءاللہ)

۴۰۔ منتخب التواریخ (ج۔ ۲)۔ ص ۱۸۹

۴۱۔ مکتوبات امام ربانی۔ ۱۱:۳۸ مکتوب نمبر ۵۸ حصہ ہفتم دفتر سوم۔ ص ۴۱

۴۲۔ ایضاً۔ مکتوب نمبر ۶۳ حصہ ہفتم دفتر دوم۔ ص ۱۱۵۱

۴۳۔ ایضاً۔ (حصہ چہارم دفتر اول)۔ (ج۔۲)۔ ص ۶۷۶

۴۴۔ مکتوب۔ ص ۸

۴۵۔ تکمیل الایمان۔ ص ۴۷

۴۶۔ فقہ وتصوف۔ ص ۱۹۹

۴۷۔ اخبار الاخیار، ص ۶۳۴

۴۸۔ پچیسواں مکتوب۔ ص ۱۶۷

۴۹۔ تزک جہانگیری۔ صص ۳۶۵۔۳۸۰

۵۰۔ (روجرس، جے ایم۔ (۱۹۹۳ء)۔ مغل منی ایچرز۔ لندن: آرٹس میوزیم پریس۔ ص اول۔
مذکورہ پینٹنگ میں ایک بڑے ترازو کے ایک پلڑے میں شہزادہ خرم (شاہجہاں) غالبًا (۱۴، ۱۵ سال کی عمر میں) بیٹھا ہوا ہے اور دوسرے پلڑے میں چند پوٹلیاں رکھی ہوئی ہیں۔ خرم کی ایک جانب بادشاہ جہانگیر اور دوسری جانب خان خانان، اعتماد الدولہ اور مہابت خان وغیرہ کھڑے ہیں۔ ہندوؤں کی تقلید میں شاہان مغلیہ نے جھروکہ درشن کی رسم کو اپنا لیا تھا۔ جس کا ذکر ابوالفضل نے بھی کیا ہے۔ جہانگیر اور شاہجہاں کے عہدوں میں بھی اس دستور پر پورا عمل ہوتا رہا ایک موقع پر تو شاہجہاں جب جھروکے میں نمودار نہ ہوا تو باقائدہ ملک میں بدامنی کے آثار پھیلنے لگے مگر آخر کار ان کے جھروکے میں آنے پر عوام نے سکون کا سانس لیا۔

۵۱۔ جہانگیر کا ہندوستان۔ صص ۷۰۔۷۲

۵۲۔ مسلم ثقافت۔ ص ۷۰۹

۵۳۔ ڈاکٹر عمر۔ صص ۱۵۹۔۱۷۳

۵۴۔ فسانہ سلطنت مغلیہ۔ ص ۱۹۲

۵۵۔ اکبر کا ہندوستان۔ ص ۴۰

۵۶۔ آداب الصالحین۔ ص ۸۵

۵۷۔ مکتوبات امام ربانی۔ مکتوب ۲۲۷ (ج۔۲) ص ۴۶

۵۸۔ مکتوبات امام ربانی۔ مکتوب ۲۶۶۔ حصہ چہارم۔ دفتر اول (ج۔۲)۔ ص۔ ۶۶۳

۵۹۔ ڈاکٹر عمر۔ صص ۱۳-۱۵۵

۶۰۔ جہانگیر کا ہندوستان۔ صص ۷۰-۷۲

۶۱۔ بابر، ظہیر الدین۔ (س ن)۔ تزک بابری۔ کراچی: بک لینڈ۔ صص ۳۴۲-۳۴۳

۶۲۔ اخبار الاخیار۔ صص ۶-۱۴۵

۶۳۔ طبقات اکبری (فارسی)۔ ص ۱۷۱

۶۴۔ منتخب التواریخ (ج۔۱)۔ ص ۳۲۳

۶۵۔ ایضاً۔ ص ۳۲۴

۶۶۔ سیر العارفین (مقدمہ مترجم)۔ ص ۴۵

۶۷۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۳۵

۶۸۔ تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۱۳

۶۹۔ حاجی ابراہیم قادری (م ۱۰۰۱ھ) نے دیگر اساتذہ کے علاوہ شیخ علی متقی سے علم حدیث حاصل کیا اور پھر مصر آ کر ۲۴ برس تمام علوم کا درس دیا۔ آخری عمر میں آگرہ میں تفسیر و حدیث کی محافل بپا کیں۔ (بحوالہ: گلزار ابرارِ۔ ص ۴۲۳)

۷۰۔ مولانا اسماعیل لاہوری (م ۹۸۰ھ) ارباب حدیث کی بڑی سند دینے والوں میں سے تھے فقہ اور سنت کی کتابیں ایران میں شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد شہید ہروی اور حضرت امیر جمال الدین عطاء اللہ محدث کی خدمت میں تصحیح اور مطالعہ فرمائی تھیں۔ (بحوالہ: گلزار ابرارِ۔ ص ۴۹۸)

۷۱۔ اخبار الاخیار۔ ص ۲۴۵

۷۲۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔ اخبار الاخیار۔ صص ۳-۲۷۲

۷۳۔ اشعۃ اللمعات (جلد اول)۔ ص ۱۲۷

۷۴۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۴۳

۷۵۔ ایضاً۔ ص ۴۵

۷۶۔ عظیم الشان سلطان، بلند مرتبے والا، ابوالفتح (کنیت) جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی، اسکی بادشاہت اور مملکت کو اللہ مسلط کرے، اسکی نیکی اور اس کے احسان نے دنیا کو فیض پہنچایا جو کہ اس عہد

کا خلیفہ، زمانے کا سلطان، دنیا کا شہنشاہ اور مطلق (بے قید) حاکم ہے (تاریخ حقی، قلمی مخطوطہ، ص ۴۸ (الف، سطر ۱-۳) اس موقع پر صاحب دین الٰہی اور اس کا پس نظر (ص ۵۳) کی اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری ہے جو انہوں نے مذکورہ الفاظ کے ضمن میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شیخ محدث اکبر کو پسند کرتے تھے۔ موصوف اگر شیخ محدث کے افکار سے پوری طرح واقف ہوتے تو انہیں یہ بآسانی پتہ چل جاتا کہ ایک محقق کی حیثیت سے انہوں نے مروجہ دنیاوی القابات کا اعادہ کیا ہے نہ کہ واقعتاً ایسا ہی ہے۔ اس بات کی صراحت عمومی طور پر نہ صرف تصانیف شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے ظاہر ہے بلکہ خصوصی طور پر آپ کا وہ مکتوب نمبر ۱۷ ہے جو آپ نے جہانگیر کو اکبر کی وفات کے بعد بھجوایا تھا۔ جسمیں آپ نے پردے میں دور اکبری کی تمام خرابیوں کی نشاندہی کی تھی جو کہ مذکورہ مروجہ القابات کی کسی طرح تائید نہیں کرتے۔

۷۷۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب بادشاہ اکبر ہر سال اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی درگاہ پر زیارت کی غرض سے جایا کرتا تھا۔

۷۸۔ تکمیل الایمان (اردو ترجمہ)۔ ص ۱۹ (بحوالہ رسالہ ضرب الاقدام)

۷۹۔ ۹۸۲ھ میں فتح پور سیکری میں شیخ عبداللہ نیازی کے حجرہ عبادت کی جگہ عبادت خانہ کی بناء ڈالی۔ (بحوالہ۔ محمد اسلم۔ (۱۹۲۰ء)۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر۔ لاہور: ندوۃ المصنفین۔ ص ۴۷)

۸۰۔ Kapur, Man Mohan . (n. d.) . Lives of Great Men . Lahore: Gur Das Kapur And Sons.p 37

۸۱۔ فسانہ سلطنت مغلیہ۔ ص ۱۳۱

۸۲۔ Emmy Wellesz . Akbar's Religious thought Reflected in Mughal Paintings.p 15

۸۳۔ آئین اکبری (۳۔ ج)۔ ص ۳۰۳

۸۴۔ ایضاً۔ صص ۱۸۶۔۱۸۹

۸۵۔ مونسیرات۔ (۱۹۹۹ء)۔ اکبر کا ہندوستان۔ (مترجم۔ ڈاکٹر مبارک علی)۔ لاہور: فکشن ہاؤس۔ ص ۶۷

۸۶۔ Maclagan,E.D.(1896).The Jesuit Missions to the Emperor

Akbar.Journal of Asiatic society of Bengal.Part i,v,LXV.Calcutta. p 34

۸۷۔ ابوالفضل۔(۱۹۲۷ء) ۔آئین اکبری (ج۔۱)۔(انگریزی ترجمہ از ایچ ۔ بلاک مین)۔کلکتہ۔ص ۳۷۶

۸۸۔ فسانہ سلطنت مغلیہ۔ ص ۱۰۷

۸۹۔ تمدن ہند۔ صص ۲۴۱-۲

۹۰۔ منتخب التواریخ (ج۔۲)۔ ص ۲۷۳

۹۱۔ Prasad,Ishwari.(1964).A Short History of Muslim Rule in India. Allahabad:The Indian Press.p 372

۹۲۔ آئین اکبری (ج۔۱)۔ ص ۳۵۰

۹۳۔ Vincent A. Smith.Akbar, The Great Mogul.Oxford.p 267

۹۴۔ Sharma,Sri Ram.(1940).The Religious Policy of the Mughal Emprors. Bombay:Munshi Manoharlal Publishers(pvt).p 181

۹۵۔ Makhanlal Roychodhury. The Din-i-Illahi. p 291

۹۶۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر ۔ صص ۲۳۰۔۲۲۰

۹۷۔ تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ چہارم)۔ صص ۱۰۶۔۱۰۷

۹۸۔ اکبر کی اختراعات میں ایک شیطان پورہ نامی علاقہ، دارالخلافہ کے باہر حرام کاری کرنے کے لیے بنا تھا وہاں طوائفوں کو باقاعدہ رجسٹرڈ کر کے ان کے لیے قوانین بنائے گئے تھے جو ایک انتظامیہ کے تحت رہتیں تھیں۔ (آگرہ: اکبر اور اس کا دربار، ص ۳۶۴)

۹۹۔ ابوالفضل (علامہ)۔ آئین اکبری (جلد اول حصہ اول)۔ لاہور: پبلی کیشنز۔ ص ۳۱۰

۱۰۰۔ تاریخ دعوت و عزیمت ۔ ایضاً۔ (حاشیہ۔ صص ۱۰۸۔۱۰۹)

۱۰۱۔ Marsden,E., and Sharp. Henry (Sir).(1931). A History of India.London : Macmillan And Co. Ltd. p 118

سترھویں صدی کی پنٹینگز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حال ہی میں میونخ کے کرسٹی نیلام گھر میں ایک ۶۲ سالہ بوڑھی عورت کا پورٹریٹ ۹ملین ڈالر میں فروخت ہوا جسے ۱۶۳۲ء میں Rombrandt Harmensy Van نے بنایا تھا۔ (حوالہ۔ سنڈے ایکسپریس، کراچی۔ ۱۷ستمبر ۲۰۰۰۔ ص ۶)

۱۰۲۔ آئین اکبری (جلد اول حصہ اول)۔ ص ۳۰۵

۱۰۳۔ رودِ کوثر۔ ص ۱۲۹

۱۰۴۔ The Cambridge History of India (Vol 4). p 126

۱۰۵۔ The Din-i-Illahi. p 306

۱۰۶۔ Akbar, The Great Mogul. p 222

۱۰۷۔ تاریخ فرشتہ (ج۔۱)۔ ص ۸۱۱

۱۰۸۔ Merit Students Encyclopedia(Vol 1). p 266

۱۰۹۔ مالیر کوٹلوی، مہر محمد خاں شہاب۔ (۱۹۷۴ء)۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر۔ دلی۔ ص ۶۷

۱۱۰۔ The Muslim Community of the Indo - Pak Sub - Continent.pp 144-145

۱۱۱۔ برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء۔ ص ۸۰

۱۱۲۔ محمد سرور۔ (۱۹۶۷ء)۔ مولانا عبیداللہ سندھی۔ لاہور: المحمود اکیڈمی۔ صص ۳۳۹-۳۲۵

۱۱۳۔ راقم کی یہ سیاسی اصطلاح وضع کرنے کا سبب خاص وہ واقعہ ہے جب اکبر نے (بقول مونسیرات) ایسٹر کے موقع پر پیپل کے درخت کے سامنے حضرت عیسٰی علیہ السلام اور بی بی مریم علیہ السلام کی تصویر کو سجدہ کیا تھا۔

۱۱۴۔ منتخب التواریخ (ج۔۲)۔ ص ۳۰۸

۱۱۵۔ تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۸۲

۱۱۶۔ رودِ کوثر۔ ص ۱۶۰

۱۱۷۔ تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۸۷

۱۱۸۔ Kapur,Man Mohan.(n.d.).Lives of Great Men.Lahore.p 42

۱۱۹۔ شکیل احمد ضیاء۔ (۱۹۶۶ء)۔ تاریخ پاک و ہند۔ کراچی۔ ص ۳۵۸

۱۲۰۔ بزم تیموریہ (ج۔۲)۔ ص ۱۱۸

۱۲۱۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ دوم۔ مکتوب نمبر ۶۵۔ ص ۲۱۲

۱۲۱ (الف)۔ Ahmed Aziz. (1969). An Intellectual History of Islam in India. Edinburg. pp182-3

۱۲۲۔ رودِ کوثر۔ ص ۴۲۲ حاشیہ ۸۵

۱۲۳۔ ملاحظہ ہو ذکری مصنفین کی تصنیفات ذکر توحید، میں ذکری ہوں، تفسیر ذکراللہ

۱۲۴۔ تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ چہارم)۔ صص ۴۶-۴۸

۱۲۵۔ ایضاً۔ صص ۶۱۔۶۲

۱۲۶۔ منتخب التواریخ۔ (فارسی) (ج۔۲)۔ ص ۳۰۱

۱۲۷۔ تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ چہارم)۔ صص ۵۳۔۵۷

۱۲۸۔ تذکرہ۔ صص ۵۳۔۶۱

۱۲۹۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۲۶۱

۱۳۰۔ میاں محمد مصطفےٰ کی ایک تصنیف جواہر التصدیق ۱۳۶۷ھ میں جمعیت مہدویہ دائرہ زمستان پور حیدر آباد (دکن) سے شائع ہوئی ہے۔

۱۳۱۔ ملاحظہ ہو مجالس میاں مصطفےٰ۔ مکتبہ ابراہیمیہ ۱۳۶۷ھ

۱۳۲۔ منتخب التواریخ۔ (فارسی) (ج۔ سوم)۔ ص ۵۱

۱۳۳۔ فرشتہ، محمد قاسم۔ (۱۹۶۲ء)۔ تاریخ فرشتہ (ج ۱)۔ (مترجم، عبدالحیٔ خواجہ)۔ کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ ص ۴۱۷

۱۳۴۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ صص ۲۶۱۔۲۶۲

۱۳۵۔ رودِ کوثر۔ ص ۳۰

۱۳۶۔ ایضاً۔ ص ۴۳

۱۳۷۔ پشاور اکیڈمی (مطبوعہ) ۱۹۶۷ء۔ (مقصود المومنین، صراط التوحید)

۱۳۸۔ طبقات اکبری (ج۔۲)۔ ص ۴۱۳

۱۳۹۔ رودِ کوثر۔ ص ۴۷

۱۴۰۔ تاریخ دعوت عزیمت (حصہ چہارم)۔ صص ۴۸۔۵۲

۱۴۱۔ رودِ کوثر۔ ص ۴۸

۱۴۲۔ مآثر الامراء (اردو ترجمہ) (ج ۲)۔ ص ۶۲۰

۱۴۳۔ نذیر احمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۳ء)۔ نقطوی مذہب اور اس کا عروج اکبر کے عہد میں۔ مشمولہ تحقیق (شمارہ ہفتم) سندھ: سندھ یونیورسٹی جامشورو۔ ص ۶۶

۱۴۴۔ تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ چہارم)۔ ص ۶۶

۱۴۵۔ منتخب التواریخ۔ اردو (ج۔۲)۔ صص ۲۴۵۔۲۴۸

۱۴۶۔ محمد اسلم، (پروفیسر)۔ (س ن)۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر۔ لاہور: ندوۃ المصنفین۔ ص ۱۷۳

۱۴۷۔ شعر العجم (ج۔۳)۔ صص ۱۔۳

۱۴۸۔ راشدی، سید حسام الدین۔ (۱۹۶۷ء)۔ فارسی زبان وادب۔ کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان۔ ص ۴۷

۱۴۹۔ تاریخ فرشتہ (ج۔۲)۔ صص ۱۰۵۔۱۱۳

۱۵۰۔ رودِ کوثر۔ ص ۳۴

۱۵۱۔ Haq,S.Moinul.(1979).Islamic Thought and Movement.Karachi.Pakistan Historical Society. p 234(n-1)

۱۵۲۔ تاریخ ملت (جلد یازدہم)۔ ص ۱۳۷

۱۵۳۔ تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ چہارم)۔ ص ۴۵

باب اوّل، فصل سوم

حیات و خدمات
شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ

الف حالاتِ زندگی

نام، والد کا نام، وطن، نسب، کنیت، مذہب، لقب، مشرب، طریقہ، ملی لقب، شجرۂ نسب، تاریخ پیدائش، تاریخ وصال، ددھیال، ننھیال، تعلیم و تربیت، فراغ کے بعد مشغلہ، فتح پور سیکری میں قیام، سفر حرمین، واپسی ہندوستان، وصال، مقبرہ، مرشدین، خلفاء، اساتذہ، تلامذہ، معاصرین

ب تصانیف

باب اوّل فصل سوم

حیات وخدمات شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ

الف حالات زندگی

نام	عبدالحق، محمد عبدالحق (۱)	والد کا نام	سیف الدین
وطن	دہلی	نسب	ترک
کنیت	ابوالمجد	مذہب	حنفی
لقب	خفنبلی (۲)	مشرب	صوفی
طریق	قادری	ملی لقب	محدّث

شجرۂ نسب عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ بن فیروز بن موسیٰ بن معز الدین بن محمد (ترک)

تاریخ پیدائش یکم محرم الحرام ۹۵۸ھ مطابق ۹ جنوری ۱۵۵۱ء، بروز جمعہ بمقام دہلی (۳)

تاریخ وصال ۲۲ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ مطابق ۲۰ جون ۱۶۴۲ء بروز جمعہ بمقام دہلی

رشتہ دار

ددھیال۔ شیخ سعد اللہ کے تین صاحبزادگان تھے۔

۱۔ شیخ رزق اللہ (۸۹۹۔۹۸۹ھ/۱۴۹۴۔۱۵۸۱ء) (۴)

۲۔ شیخ فضل اللہ (م ۹۶۹ھ/۲۔۱۵۶۱ء) (۵)

۳۔ شیخ سیف الدین (م ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) (۶)

ننھیال

زادالمتقین کے ایک بیان کے مطابق آپ کی والدہ ماجدہ ۹۹۹ھ/۹۱-۱۵۹۰ء تک بقید حیات تھیں۔ آپ کے نانا شیخ ادھن دہلوی کی وفات ۹۳۴ھ/۲۸-۱۵۲۷ء میں ہوئی اس لحاظ سے آپکی والدہ کی عمر ستر برس سے زائد رہی ہوگی۔ ان کی پارسائی اور عفت مآبی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کتنے عظیم المرتبت خانوادے سے تعلق رکھتی ہونگی کہ شیخ ادھن دہلوی جیسی جید شخصیت ان کے والد تھے۔ حضرت شیخ ادھن دہلوی کا اصلی نام زین العابدین تھا اور عرفیت شیخ ادھن تھی بڑے دانش منداور عابد وزاہد تھے، بے حد خشوع وخضوع، خاکساری وادب وتہذیب اور وقار و دبدبہ کے بزرگ تھے، شیخ سیف الدین فرماتے تھے کہ میں نے کوئی شخص ایسا نہ دیکھا جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، البتہ شیخ ادھن جس آداب سے باہر رہتے وہی طریقے گھر میں بھی برتتے تھے۔ (۷)

تعلیم وتربیت

ابتدائی تعلیم: بچے کا ذہنی ارتقاء دو چیزوں پر منحصر ہوتا ہے (الف) تعلیم وتربیت (ب) ورثے میں ملی ہوئی خصوصیات (۸) شیخ سیف نے پورے حقوق پدری شیخ محدث کی تعلیم و تربیت پر صرف فرمائے۔ تین چار سال کی عمر سے ہی انہوں نے شیخ محدث کو صوفیوں کے اقوال سنانا شروع کردیا تھا، اس طرح ان کی باطنی تربیت کا اہتمام بھی شروع ہوگیا اور یوں رفتہ رفتہ آپ تحصیلِ علم کی طرح راغب ہوتے چلے گئے۔ (۹) شیخ سیف نے عام ڈگر سے ہٹ کر آپ کی تعلیم وتربیت فرمائی۔ حروف تہجی پڑھائے بغیر ایک ایک سبق لکھ کردیتے جسے آپ پڑھتے جاتے۔ اس طرح پورا قرآن کریم پڑھایا۔ اسکے بعد گلستان، بوستان کے چند جزو اور دیوان خواجہ حافظ پڑھایا۔ نیز میزان الصرف سے مصباح (۱۰) وکافیہ (۱۱) تک پڑھایا ساتھ ہی علم توحید پر مذاکرہ بھی کرتے۔ آپ نے حضرت شیخ کو ف یاق تک تختی لکھائی تھی اس کے ایک ماہ بعد ہی آپ میں لکھنے کی قدرت پیدا ہوگئی اور انشاء لکھنے لگے۔ (۱۲) جذبے کا حافظے سے گہرا تعلق ہوتا ہے (۱۳)۔ حضرت شیخ کو بھی نادرالوجود قوت حافظہ ملی تھی۔ (۱۴) اس ضمن

میں آپ فرماتے ہیں فقیر کو اپنے دودھ چھڑانے کا زمانہ جبکہ عمر دو ڈھائی برس کی ہوگی ایسا یاد ہے جیسے کل کی بات۔ (۱۵)

ثانوی تعلیم: اپنے والد سے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد گھر سے دو میل کے فاصلے پر مدرسہ دہلی (۱۶) میں داخلہ لیا۔ سخت جاڑے اور گرمی کے موسم میں آپ صبح و شام دو مرتبہ مدرسہ جاتے (۱۷) غرض روزانہ سورج نکلنے سے پیشتر سے لے کر رات بارہ بجے کے بعد تک (تقریباً بیس، اکیس گھنٹے) پڑھائی میں مشغول رہتے۔ (۱۸) بارہ یا تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ (۱۹) اور شرح عقائد (۲۰) پڑھا۔ پندرہ یا سولہ سال کی عمر میں مختصر (۲۱) اور مطول (۲۲) ختم کر لی تھی۔ (۲۳) مدرسہ دہلی میں شیخ محمد مقیم تلمیذ امیر محمد مصطفیٰ شریفی سے بھی تعلیم پائی۔ (۲۴) شیخ محدث کی تکمیل تعلیم کے وقت عمر کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	تذکروں کے نام	صفحہ نمبر	عمر (سالوں میں)
۱	پادشاہ نامہ (۲۵)	٦٨	۲۰
۲	فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ	۷	۲۰
۳	ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن (ج۔۶)	۱۷٦	۲۰
۴	تذکرہ (آزاد)	۳۵۰	۲۰۔۲۲
۵	دائرہ معارف اسلامیہ (ج۔۱۲)	۸۳۰	۲۲
۶	فہرست مخطوطات (عربی و فارسی) (۲۶)	۱٦۱	۲۲
۷	نوریہ سلطانیہ (فارسی)	۰۲	۲۲
۸	رودِ کوثر	۳۴۸	۲۰۔۲۲
۹	حیات شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ	۷۸	۱۸

۱۰	حضرت خواجہ باقی باللہ کی متصوفانہ خدمات (۲۷)	۱۹۸	۲۰
۱۱	اخبار الاخیار (اردو)	۱۰	۱۸
۱۲	اشعۃ اللمعات (ج۔۵) (اردو)	۵۶	۱۷
۱۳	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بحیثیت تذکرہ نگار (۲۸)	۴۸	۲۰
۱۴	نوریہ سلطانیہ (اردو)	۱۱	۱۸

مذکورہ جدول سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اس ضمن میں خود شیخ محدث کا کیا بیان ہے۔ آپ فرماتے ہیں: پندرہ یا سولہ سال کی عمر میں مختصر المعانی اور مطول ختم کر لی تھی، اس عدد سے ایک سال پہلے یا پیچھے جس کا ظریف لوگ شمار عمر میں لحاظ کرتے ہیں، میں نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی پوری پوری تحصیل کر لی تھی۔ (۲۹) نشان زدہ الفاظ کے موازنہ سے یہ بات بخوبی سامنے آتی ہے کہ تحصیل علوم عقلیہ ونقلیہ کے وقت شیخ محدث کی عمر سترہ سال تھی۔

حفظ کلام پاک: ثانوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے ایک سال اور کچھ دنوں میں قرآن مجید حفظ کیا۔

اعلیٰ تعلیم : ادب، منطق اور کلام کی کتابوں پر کامل دستگاہ حاصل ہو جانے کے بعد سات آٹھ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک بعض ماوراء النہری علماء سے اس طرح اکتساب فیض کیا کہ شب وروز میں شاید دو تین گھنٹوں کے لیے مطالعہ، غور وفکر اور مشغولیت سے فرصت ملتی تھی۔ (۳۰)

نکاح: چوبیس سال کی عمر میں غالباً آپ کا نکاح ہوا ہوگا کیونکہ آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ نورالحق دہلوی کا سن پیدائش ۳۔۹۸۲ھ/۱۵۷۵ء ہے۔ امکان ہے کہ اس سے ایک سال قبل تعلیم و تحقیق سے مکمل فارغ ہونے کے بعد آپ کا نکاح ۲۔۹۸۱ھ/۱۵۷۴ عیسوی میں ہوا ہوگا۔

فراغ کے بعد کا مشغلہ: تکمیل علم کے بعد آپ نے درس وتدریس (۳۱) اور تصنیف وتالیف کا شغل اختیار کیا (۳۲) ساتھ ہی اس زمانے میں نماز، وظائف، شب خیزی اور مناجات کا سلسلہ بھی اسی شدومد سے جاری تھا کہ لوگ حیرت تے تھے۔

بیعت سید جمال الدین موسیٰ پاک شہیدؒ: شیخ محدث کو بچپن سے سلسلہ عالیہ قادریہ سے مناسبت خاص تھی اور قطب ربانی سیدنا و مولانا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات سے والہانہ شیفتگی تھی۔ سب سے پہلے بزمانہ طفولیت آپ نے اپنے والد ماجد شیخ سیف الدین جو کہ خود طریقہ قادریہ میں مرید و خلیفہ تھے، سے بیعت کی۔ چنانچہ رسالہ وصیت میں آپ نے لکھا ہے: والدم رابرمن حق پدری و استادی و دوستی و پیری جمع است۔ (۳۳) پھر آپ نے بعمر ۲۷ سال، ۶ شوال ۹۸۵ھ کی صبح حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ سے بیعت کی اور خرقہ خلافت پایا۔ (۳۴)

فتح پور سیکری میں قیام: اسی عرصے میں آپ کبھی ملتان، کبھی اُچ، کبھی دہلی اور کبھی فتح پور سیکری آتے جاتے رہے ہیں۔ اس دوران آپ نے درباری زندگی کو بھی بہت قریب سے دیکھا۔ اس ضمن میں آپ خود فرماتے ہیں: جب اللہ کے کرم سے مجھے (علم کا) اچھا خاصہ حصہ مل گیا اور میں نے اپنی ضروریات یہاں کی چیزوں سے پوری کرلیں تو بعض اہل حقوق نے مجھے دنیا دار لوگوں کی طرف بلایا چنانچہ میں بادشاہ وقت اور امراء کے پاس گیا انہوں نے میری طرف بہت توجہ کی میرا مرتبہ بلند کیا اور یہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعے اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ کمزور سے اپنی طاقت مضبوط کریں پس اللہ نے مجھے محفوظ رکھا اور ان کے ساتھ مجھے نہ چھوڑا۔ اپنے بندے کے دل میں ایک جذبہ پیدا کیا جس نے اس مقام شریف (حجاز اقدس) تک پہنچایا۔ (۳۵)

سفر حرمین: آپ ۹۹۵ھ/۱۵۸۶ء کے شروع میں حجاز کی طرف روانہ ہوئے اجین ہوتے ہوئے مالوہ میں مرزا عزیز کوکہ خانِ اعظم (اکبر بادشاہ کا رضاعی بھائی) جوکہاکم تھے، کے پاس چند دن قیام کر کے مانڈو پہنچے۔ یہاں صاحب گلزارِ ابرار مولانا محمد غوثی شطاری نے آپ سے بہت سے فیوض حاصل کیئے۔ مانڈو سے آپ گجرات (احمد آباد) پہنچے۔ یہاں چند ماہ رہے۔ جب جہاز روانگی کا وقت آیا تو مرزا نظام الدین احمد نے زادراہ فراہم کی اور جہاز کا بندوبست کیا۔ (۳۶)

حرمین میں تحصیلِ علم: ۹۹۶ھ/۱۵۸۷ء کے اوائل میں مکہ معظّمہ پہنچتے ہی اپنی علمی وارفتگی کے ہاتھوں مجبور ہو کر دوسرے ہی دن شیخ محمد بہنسی مصری کی مجلس علم میں پہنچ گئے اور استفادہ علمی

شروع کر دیا (۳۷) اس کے چند دن بعد آپ اپنے مرشد و استاد حضرت شیخ عبدالوہاب متقی (۳۸) کی خدمت اقدس میں پہنچے اور ان سے باقاعدہ علم حدیث کا درس لینا شروع کر دیا۔ حجاز اقدس میں آپ کل کل قیام عرصہ چار سال رہا۔ ان چار سالوں میں تقریباً دو سال آپ شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں رہے اور ان سے تحصیل علم حدیث کے ساتھ ساتھ مذاکرہ، بحث و تکرار علم اور حدیث کی کتابوں کی تصحیح و مقابلہ کی تربیت بھی پائی اگر آپ کی طرف سے ضعف و سستی کا اظہار ہوتا تو خود نہ صرف شوق و رغبت دلاتے بلکہ دوزانوں ہوکر بیٹھتے اور نئے سرے سے مزید شوق دلاتے۔ اسی دوران رمضان کے آخری عشرے میں آپ نے اپنے شیخ کے ساتھ حرم شریف میں اعتکاف بھی کیا۔ (۳۹) اس کے ساتھ ساتھ شیخ عبدالوہاب متقی نے آپ کو نہایت مفصل خلافت نامہ طریقت لکھ کر نیز خرقہ (۴۰) جیلانیہ و خرقہ متقیہ بھی عطاء کیا۔ (۴۱) ساتھ میں چاروں طریقوں (قادریہ، شاذلیہ، مدینیہ اور چشتیہ) کا خرقہ تصوف پہنایا۔

واپسی ہندوستان: ۱۰۰۰ھ/۹۲۔۱۵۹۱ء میں آپ ہندوستان واپس آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اکبر کے غیر متعین مذہبی افکار نے دین الٰہی کی شکل اختیار کر لی تھی ملک کا سارا مذہبی ماحول خراب ہو چکا تھا شریعت و سنت سے بے اعتنائی عام ہوگئی تھی دربار میں اسلامی شعار کی کھلم کھلا تضحیک کی جاتی تھی۔ اکبر بادشاہ کی بے راہ روی نے نہ صرف عوام بلکہ خواص، صوفیاء اور علماء کی زندگیوں پر بھی اثر ڈالا تھا۔ ان روح فرسا حالات میں آپ ہندوستان تشریف لائے۔ اب آپ کے سینے میں علوم دینی کا بے پناہ سرمایہ موجود تھا اور اس سے اس مذہبی انتشار کو دور کرنے کے لیے انہیں محاذ کا کام لینا تھا۔ دہلی میں آپ نے مسند درس و ارشاد بچھائی۔ شمالی ہندوستان میں اس زمانے میں یہ پہلا مدرسہ تھا جہاں سے شریعت و سنت کی آواز بلند ہوئی۔ اس مدرسے کا نظام تعلیم دوسری درس گاہوں سے بالکل مختلف تھا یہاں قرآن و حدیث کو تمام علوم دینی کا مرکزی نقطہ قرار دے کر تعلیم دی جاتی تھی۔ درس و تدریس کا یہ ہنگامہ شیخ محدث نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک برپا رکھا۔ (۴۲) آپ کے معاصر مؤرخ عبدالحمید لاہوری (م۱۰۶۵ء) لکھتے ہیں:

اس وقت نوّے سال کو پہنچے ہیں۔ اس کے باوجود حواس ظاہری و باطنی میں کوئی خلل و فتور نہیں آیا۔ معمولات و ظائف واوراد ذکر و تلاوت، درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور تصحیح کتب پابندی کے ساتھ اسی طرح ادا ہوتے ہیں جیسے جوانی کے ایام میں ادا ہوتے تھے۔ (۴۳)

وصال : آپ کی تاریخ وصال کے بارے میں بھی تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے جو کہ درج ذیل جدول سے ظاہر ہے۔

نمبر شمار	نام تذکرہ / تاریخ	صفحہ نمبر	مرقوم
۱	خافی خان (بحوالہ تذکرہ محدث)	۷۰	ایک سو سال سے زائد عمر
۲	دائرہ معارف اسلامیہ (ج۔۱۲)	۸۳۰	۲ ربیع الثانی ۱۰۵۲ھ / ۳۰ جون ۱۶۴۲ء
۳	(ہرمن ایتھے) انڈیا آفس لائبریری، لندن (ج۔۲)	۸۵۱	۱۰۵۲/۱۰۵۳ھ
۴	(ریو) انڈیا آفس لائبریری۔ (ج۔۲)	۳۷۱	۱۰۵۲ھ/۳-۱۶۴۲ء
۵	ہسٹری آف انڈیا (ایلیٹ) (ج۔۶)	۱۷۷	۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء
۶	خزینۃ الاصفیاء	۲۴۷	۱۰۵۱ھ
۷	فہرست مشترک پاکستان۔ ترتیب، احمد منزوی۔ (ج۔۴)	۲۴۹۰	۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲
۸	تذکرہ (مرتب: مالک رام)	۳۵۰	۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ/۹ جون ۱۶۴۲ھ
۹	تذکرہ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ	۷۰	۲۳ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ
۱۰	حیات شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ	۱۴۷	۲۱ ربیع لاول ۱۰۵۲ھ

۱۱	مرآۃ الحقائق	۹۲	مابین (درمیانی شب) ۲۱، ۲۲ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ
۱۲	اخبار الاخیار (اردو ترجمہ)	۷۰۳	۱۰۵۲ھ
۱۳	پی۔ ایچ ڈی مقالہ جامعہ کراچی (خواجہ باقی باللہ کی متصوفانہ خدمات)	۲۰۱	۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ/ ۹ جون ۱۶۴۲ء
۱۴	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور علمائے حرمین شریفین	۱۰۹	۲۳ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ/ ۲۲ جون ۱۶۴۲
۱۵	نوریہ سلطانیہ (فارسی) ترتیب، ڈاکٹر سلیم اختر	۹	ماہ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ
۱۶	نوریہ سلطانیہ (اردو ترجمہ)	۱۹	۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ
۱۷	گلستان مسرت از مظہر الحق (بحوالہ: (نوریہ سلطانیہ (اردو)	۱۹	۱۰۵۱ھ
۱۸	برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ	۲۰۳	۱۶۴۲ء

جدول ۲. ۳. ۱

مندرجہ بالا جدول کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی وفات ۲۱ اور ۲۲ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کی درمیانی شب میں ہوئی تھی اس مناسبت سے آپ کا وصال بروز جمعہ ۲۲ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ مطابق ۲۰ جون ۱۶۴۲ء کو ہوا۔ سن قمری کے مطابق آپ کا وصال (۹۵۸ تا ۱۰۵۲ھ) چورانوے سال دو ماہ اور سن شمسی کے مطابق (۱۵۵۱ تا ۱۶۴۲ء) اکیانوے سال میں ہوا۔ راقم کے مطابق ''اہل خدا شناس'' سے تاریخ وفات کا مادّہ حاصل ہوتا ہے۔

مقبرہ: آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ نور الحق مشرقی دہلوی نے پڑھائی اور آپ کی اپنے بنوائے ہوئے مقبرہ (کنارہ حوض شمسی دہلی) میں تدفین ہوئی۔

مرشدین: آپ کا چار مرتبہ مرید ہونا عالم ظاہری میں اور پانچویں مرتبہ بعالم خواب میں ثابت ہے۔ (۴۴)

۱- شیخ سیف الدین قادریؒ: بچپن میں شیخ محدثؒ نے آپ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور سرفراز ہوئے۔

۲- شیخ موسیٰ پاک شہیدؒ

۳ - شیخ عبدالوہاب متقیؒ

۴ - شیخ خواجہ باقی باللہ: حرمین سے واپسی کے بعد میں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ (م ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) سے بیعت کی اور خلافت پائی۔ (۴۵)

۵ - شیخ عبدالقادر جیلانی سے بعالم خواب میں: آپ فرماتے ہیں ''مجھے بحکم سرور کائنات ﷺ، جناب غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ، نے سرکار ﷺ کے حضور میں مرید کئے، بعد مرید ہونے کے سرکار ﷺ نے مجھے بزبان فارسی ان الفاظ میں بشارت دی ''بزرگ خواہی شد'' (تو بزرگ ہوگا)(۴۶)

قادری ہونے کے ناتے سے آپ کو حضرت سیّد خیر الدین ابوالمعالی قادری کرمانی قدس سرّہٗ (۹۶۰۔۱۰۲۴ھ/۱۵۵۳۔۱۶۱۵ء) سے بے انتہا محبت تھی۔ سیّد خیر الدین نام، ابوالمعالی خطاب، والد کا نام سیّد رحمت اللہ بن سیّد فتح اللہ تھا۔ آپ شیخ داوٗد کرمانی شیر گڑھی (۸۹۹۔۹۸۲ھ/۱۴۹۴۔۱۵۷۴ء) کے برادر زادے، داماد اور خلیفہ تھے جو حضرت حامد الحسنی الجیلانی کے جانشین تھے۔ شاہ ابوالمعالی سے والہانہ عقیدت کی بنا پر شرح فتوح الغیب کے دیباچہ میں اُن کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

رئیس الابدال اسدالدین شاہ ابوالمعالی، جو صحرائے جلالت کے شیر ہیں، دیوانِ قدرت کے سرخیل ہیں اور درگاہ قادریہ کے عاشقوں اور والہانہ عقیدت رکھنے والوں میں سے ہیں، آپ ہی کے کہنے پر یہ شرح لکھی گئی۔ (۴۷)

شیخ محدث کے تصنیفی کارناموں میں بھی ایک حد تک شاہ ابوالمعالی کے مشورہ واصرار کو دخل

تھا۔ اس ضمن میں آپ نے یہ تلقین کی:

مشکوٰۃ کی شرح پوری کرلو ان شاء اللہ ایک ایسی کتاب ہو جائے گی جس سے دنیا کے لوگ مستفید ہوں گے نیز ترجمہ میں موقع محل کے لحاظ سے قوم کے کلمات بھی لاتے رہو اور ایک نہ ایک شعر بلحاظ موقع و مقام لکھ دیا کرو جو شعر تمہیں درکار ہوں گے تم ہی میں سے نکلیں گے۔ تم کوئی فکر نہ کرو کسی قسم کے خیال کو نہ آنے دو کسی، شخص کی چیز سے نہ ڈرو۔ (۴۸)

خلفاء شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

۱۔ شیخ نورالحق محدث دہلوی: آپ شیخ محدث کے بڑے صاحب زادے شاگرد اور خلیفہ اکبر تھے۔

۲۔ مولانا ابو احمد سلیمان کردی گجراتی: گجرات میں علمی و روحانی سلسلۂ فیض آپ ہی کی وجہ سے پہنچا۔ (۴۹)

۳۔ شیخ طیب بن معین البناری: آپ نے سلسلہ قادریہ میں شیخ محدث سے بیعت کی اور خلافت پائی۔ (۵۰)

اساتذہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

۱۔ شیخ سیف الدین بن شیخ سعد اللہ

۲۔ شیخ محمد مقیم تلمیذ امیر محمد مرتضٰی شریفی (۵۱)

۳۔ شیخ عبدالوہاب متقی

۴۔ شیخ ابوالحرم مدنی (م ۱۰۰۱ھ/ ۳-۱۵۹۲ء) (۵۲)

۵۔ شیخ علی بن جار اللہ قرشی خالدی مخزومی مکی (۵۳)

۶۔ شیخ محمد بہنسی مصری (م ۹۸۸ھ/ ۹-۱۵۸۸ء) (۵۴)

۷۔ سیّد جعفر سمرقندی (م ۹۹۹ھ/ ۹۱-۱۵۹۰ء) (۵۵)

۸۔ شیخ حاجی نظر بدخشی (۵۶)

۹۔ شیخ عبدالوہاب بن فتح اللہ السروجی (۵۷)

تلامذہ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ

۱۔ شیخ نورالحق محدّث دہلویؒ

۲۔ شیخ حیدر تپلو بن فیروز کشمیریؒ (م ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ء)(۵۸)

۳۔ خواجہ معین الدین بن خواجہ محمود نقشبندیؒ (م ۱۰۸۵ھ/۵-۱۶۷۴ء)

۴۔ شیخ شاکر محمد بن وجیہہ الدین حنفی دہلویؒ (م ۱۰۶۳ھ/۱۶۵۳ء)

۵۔ مولانا ابواحمد سلیمان کردی گجراتیؒ

۶۔ شیخ عبدالجلیل الہ آبادی (۹۲۲-۱۱۱۴ھ/۱۵۱۶-۰۳-۱۷۰۲ء)

۷۔ قاضی عنایت اللہ بن الہداد صدیقی بلگرامیؒ

۸۔ شیخ محمد یحیٰ عرف شاہ جیوؒ (۱۰۲۴-۷-۱۰۹۶ھ/۱۶۱۵-۱۶۸۵ء)

۹۔ شیخ عبداللہ دہلوی عرف خواجہ خرد (۱۰۱۰-۱۰۷۴ھ/۲-۱۶۰۱-۴-۱۶۶۳ء)

۱۰۔ مولانا محمد صادق دہلویؒ (۱۰۰۰-۱۰۵۲ھ/۲-۱۵۹۱-۱۶۴۲ء)

۱۱۔ شیخ طیب بن معین بنارسیؒ (م ۱۰۴۲ھ/۳۳-۱۶۳۲ء)

۱۲۔ شیخ جمال الدین کوڑویؒ

۱۳۔ ملّا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ (م ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۶ء)(۵۸الف)

۱۴۔ شیخ عبداللہ لاہوریؒ (۹۸۵-۱۰۸۳ھ/۱۵۷۷-۱۶۷۲ء)

۱۵۔ میر سیّد مبارک محدّث بلگرامیؒ (۱۰۳۲-۱۱۱۵ھ/۱۶۲۳-۴-۱۷۰۳ء)

۱۶۔ شیخ محمد رشید عثمانی جونپوریؒ (۱۰۰۰-۱۰۸۳ھ/۲-۱۵۹۱-۳-۱۶۷۲ء)

۱۷۔ شیخ یسٰین محدث بنارسیؒ

۱۸۔ شیخ ابورضا بن اسماعیل دہلویؒ (م ۱۰۶۳ھ/۱۶۵۳ء)(۵۹)

۱۹۔ شیخ محمد حسین خافی نقشبندیؒ

۲۰۔ محمد غوثی شطاریؒ

معاصرین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

حضرت شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانیؒ)

حضرت مجدد الف ثانی اسلام کے ان مشاہیر میں سے ہیں جن کے افکار و نظریات نے عالم اسلام کو متاثر کیا۔ آپ کے افکار و خیالات میں دور جدید کے مسائل و مشکلات کا حل موجود ہے غالباً اسی لیے جہانگیر کے عالم علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے آپ کو دوسرے ہزارہ ہجری کا مجدد قرار دیا اور پہلی بار آپ کو ''مجدد الف ثانی'' تحریر فرمایا۔

آپ کا نام ''احمد'' تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب اٹھائیس واسطوں سے خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ سے جاملتا ہے۔ آپ ۹۷۱ھ/۱۵۶۴ء میں سرہند (ریاست پٹیالہ مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ عبدالاحد (م۹۹۴ھ/۱۵۸۶ء) اپنے زمانہ کے عارفان کامل میں تھے اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م۹۴۴ھ/۱۵۳۷ء) کے مرید تھے۔ انہوں نے آپ کو قادریہ و چشتیہ سلسلوں کا خرقہ خلافت بھی عنایت فرمایا تھا۔ اپنے والد بزرگوار سے علوم ونقلیہ کی تحصیل کی اور حفظِ قرآن قلعہ گوالیار میں نظر بندی کے دوران کیا۔

آپ کی تصانیف و تالیف میں سے چند یہ ہیں۔ الرسالة فی اثبات النبوة (عربی) تعلیقات العوارف، الحاشية على شرح العقائد الجلالی، رسالہ جذب و سلوک، رسالہ علم حدیث، مجموعہ تصوف، رسالہ حالات خواجگان نقشبندیہ۔ اس کے علاوہ ۶۳۴ مکتوبات ہیں جو کہ تین مجلدات میں ہیں۔ یہ مکتوبات ایک خاص امتیازی شان رکھتے ہیں ان کے مطالعے سے روح کو تازگی اور دل کو زندگی ملتی ہے۔ تعمیر سیرت کے لیے ان مکاتیب کا مطالعہ ضروری ہے۔

شیخ محدث کو شیخ مجدد کے مکتوبات کی بعض عبارات (۶۰) سے کچھ اختلاف تھا جس کا سبب حضرت مجدد کا اظہار مقامات تھا (۶۱) اس کے لیے شیخ محدث نے ایک طویل رسالہ (۶۲) لکھا تو بعد میں شیخ مجدد نے شیخ نورالحق سے مراسلت کے ذریعے اپنے خیالات (۶۳) کی وضاحت کی کہ ان کے یہ اور اس قسم کے دوسرے بیانات کا تعلق سکر سے ہے تو ان کے متعلق شیخ محدث کے تمام شبہات دور ہو گئے۔ (۶۴) اور آئندہ اسلام کی علمی اور روحانی خدمات کے لیے دونوں

خانوادے متحد ہو گئے۔ (٦٥) جب جہانگیر نے حضرت مجدد کو گوالیار کے قلعہ میں بھیجا تو شیخ محدث نے ہمدردی کا ایک خط لکھا۔ جواب میں مجدد صاحب نے دیگر باتوں کے علاوہ فرمایا: آپ کا وجود شریف ضعفِ اسلام کے اس زمانے میں اہل اسلام کے لیے غنیمت ہے۔ (٦٦) نیز مجموعہ مکتوبات میں ایک اور خط شیخ محدث کے نام ہے۔ جس میں تصوف کا بیان ہے۔ (٦٧) شیخ نورالحق بن عبدالحق محدث کے نام بھی آپ نے ایک مکتوب لکھا۔ جس میں شیخ نورالحق کو اس طرح مخاطب فرمایا: فضائل و کمال دستگاہ میرے عزیز بھائی شیخ نورالحق (٦٨) دیگر لوگوں سے مخاطب کرتے ہوئے حضرت محدث کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں:

فضیلت پناہ، شیخ عبدالحق جو ہمارے حضرت خواجہ کے مخلصین میں سے ہیں (٦٩)

ایک دوسرے مکتوب میں حضرت شیخ محدث کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

میاں عبدالحق کہتے تھے کہ میں مکے میں تھا تو شیخ نظام نارنولی کے ایک مرید کو دیکھا کہ گول حلقے والا پیرہن پہن کر طواف کر رہا ہے جسے عرب حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ (٧٠)

شیخ مجدد، شیخ محدث کے احباب اور متعارف لوگوں سے بھی خصوصیت برتتے تھے اور ان کا کوئی کام کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ میرزا داراب بن عبدالرحیم خانخانان کو ایک خط کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

دوسرے یہ کہ شیخ اسماعیل کی سفارش کرتا ہوں جو معارف آگاہ حاجی عبدالحق کے دوستوں میں سے ہیں۔ والسلام (٧١)

اس ضمن میں تذکرہ نگاروں اور مؤرخین کی غلط فہمی کا ایک سبب وہ الحاقی مضمون ہے جو اخبار الاخیار کے آخر میں کچھ لوگوں نے شیخ مجدد ذکر کر کے بڑھایا ہے اس کی تفصیل تصانیف کے حصے میں مرقوم ہے۔ صاحب کلمات صادقین جو کہ آپ کے پیر بھائی ہیں اپنی مذکورہ کتاب میں آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

آپ (حضرت خواجہ باقی باللہ) کے نہایت کامل اصحاب اور عظیم خلفاء میں سے ایک میاں شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ ہیں۔ ان کی ظاہری و باطنی خوبیاں اور کمالات بے حد و حساب ہیں۔

بہت سے کامل اور فاضل حضرات ان کے رشتہ ارادت سے منسلک ہیں۔ اگرچہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ کے زمانہ رحلت کے قریب شیخ احمد کا مشرب شیخ علاء الدولہ سمنانی کے مشرب سے موافقت پر مایل ہو گیا تھا اور وہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کے معارف سے بری ہونے کا اظہار کر چکے تھے اور حضرت خواجہ کی وفات کے بعد ان پر اس مشرب کا (علاء الدولہ سمنانی کا) بہت غلبہ رہا لیکن جیسا کہ حضرت خواجہ نے اپنی زبان الہام بیان سے ارشاد فرمایا تھا کہ بالاخر انہیں اس مقام کا مرتبہ معلوم ہو جائے گا، اس پیش گوئی کے مطابق آج کل شیخ اس روش کی جانب کامل میلان رکھتے ہیں۔ (۷۲)

مترجم کلمات الصادقین مذکورہ مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مصنفؒ کے بیان سے، جو یقیناً عصری شہادت ہے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ابن عربی قدس سرہ کے مشرب کی تائید میں تھے بعد میں آپ ایسے مقام پر متمکن ہوئے کہ ابن عربی قدس سرہ سے بری ہونے کا اظہار فرمایا اور ان کے معارف کو غلط قرار دیا۔ آخر میں آپ پھر ابن عربی سے متفق ہو گئے۔ واللہ اعلم (۷۳)

آپ کا انتقال ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء میں ہوا۔ آپ کا مزار شریف سرہند (مشرقی پنجاب بھارت) میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔

شیخ فرید مرتضٰی خان بخاری

سادات بخارا کا یہ یکتائے روزگار فرد سلطنت مغلیہ کے ان امراء میں سے تھا جنہوں نے امیری کے بھیس میں فقیری کی۔ انہوں نے اکبر کی آخری زندگی میں اس کے خیالات پر اثر ڈالا اور اکبر کی موت کے بعد جہانگیر کو بادشاہ بنا کر حکومت اکبری کی بے دینی کا خاتمہ کیا۔ (۷۴) آپ کا ظاہر و باطن ایک تھا بہت سخی بھی تھے۔ خانقاہ نشینوں، اہل توکل، حاجت مندوں اور بیواؤں کا یومیہ سے لے کر سالانہ تک مقرر کر رکھا تھا۔ مسافر خانے اور سرائیں بہت تعمیر کرائیں۔ بہت سی سادات لڑکیوں کی شادیاں بھی کروائیں جہانگیر نے ''مرتضٰی خان'' کا خطاب دیا تھا۔ پہلے گجرات کا والی بنایا پھر پنجاب بھیج دیے گئے۔ (۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء) میں

انتقال فرمایا اور دہلی میں سپرد خاک کیے گئے۔ (۷۵) اکبری دور میں جب سنت و شریعت سے بے تعلقی بڑھی اور محلات شاہی فتنہ و فساد کا مرکز بنے تو حالات کی اصلاح کے لیے علماء و مشائخ کی نظر انتخاب ان ہی پر پڑی۔ حضرت مجدد الفؒ ثانیؒ نے اپنی انقلابی تحریک میں اُن سے دست راست کا کام لیا۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے نقشبندیہ سلسلہ کی ترویج میں ان کی ہمدردیوں سے فائدہ اٹھایا۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے احیاءِ سنت و شریعت کے لیے ان ہی کی حمیت دینی کو متحرک کیا۔

شیخ فرید کے شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ شیخ محدثؒ خود ان کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ کتاب المکاتیب والرسائل میں مندرجہ ذیل سات مکاتیب شیخ فرید کے نام ہیں:

۱ تحصیل المطلوب بانتظار المحبوب ورعایةالاعتدال فی العلم و الحال
۲ تقسیم الامام علی اربعة اقسام
۳ تنبیه الغافلین بغناء الدنیا وار بابها و اغترار الجاهلین بزخار فهاوا سبابها
۴ تجدید الذکر فی بیان حقیقة الشکر
۵ تسبیب الخیر لدفع الغیر ودوام اللجاء بالخوف والرجاء
۶ کشف استار الظلم عن لسان الحال والقال والقلم
۷ التعظیم لامر الله والشفقة علی خلق الله

ان مکتوبات کا ایک ایک لفظ پرمعنیٰ ہے ان سے شیخ محدثؒ اور شیخ فرید کے باہمی تعلقات کی نوعیت اور اس زمانہ کی مذہبی اور سماجی حالات پر بڑی مفید اور دلچسپ روشنی پڑتی ہے۔ اگر ان مکاتیب کے مطالعہ کے وقت یہ بات بھی ذہن میں رکھی جائے کہ یہ زیادہ تر عہد اکبری میں لکھے گئے ہیں تو ان کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ہے۔ (۷۶)

شیخ ابوالفیض فیضی فیاضی (۹۵۴-۱۰۰۴ھ/۱۵۴۷-۱۵۹۵ء)

بادشاہ اکبر کا محبوب ترین دوست فیضی اپنے عہد کا نہ صرف ممتاز عالم بلکہ مشہور و معروف شاعر ہونے کے ساتھ عربی، فارسی اور سنسکرت کا فاضل بھی تھا۔ اکبر اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ پہلے فیضی پھر فیاضی تخلص رکھا۔ ان کے قصائد، غزلیں، مثنویاں فارسی کی بہترین نظموں میں شمار کی جاتی ہیں۔ (۷۷) اس کے علاوہ سلیس اور بامحاورہ نثر بھی لکھتا تھا۔ فیضی نے ۱۰۱ کتب تالیف کیں۔ اس کی علمی فضیلت کی سب سے بڑی شہادت کلام مجید کی تفسیر غیر منقوط "سواطع الالھام" (۷۸) ہے۔ مذکورہ تفسیر میں سورہ اخلاص درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَماَّسَاَلَ الحمُسُ رَسُولَ اللہِ ﷺ وَاَرَادُواِعْلاَءَ مَحَامِدِ اللہِ اَرسَلَ اَللہُ

قُل	مُحَمَّدُ
هُوَ اللہُ اَحَدٌ O	وَاحِـدُ لاَمُسَـاهِـمَ لَه‘ وَلاَ الٰہَ سِوَاہُ اَصلُه‘ وَحدُوَرَوُا هُوَ اللہُ الوَحِدُوَ رَوَوُ اَحَدُ
اَللہُ.	مَوْصُوْلاً
الصَّمَدُ O	الـمَـصْـمُـوْدُ الـمَـعمُوْدُ اُمَالاً وَ اَعمَالاًلِكُلِّ مَاعَدَاہُ وَهُوَ الْمَالِکُ الْحَاكِمُ لِمااَرَ ادَلاَ مَردَّلِحُكمِهٖ وَلاَرَادَّلِاَمْرِهٖ
لم يَلِدْ O	اَحَدً اوَهُوَرَدُ لِلْهُوْدِ
وَلَم يُوْلَد	مَـاهُـوَ وَلَـدً امَوْلُوْدً اِلاَ حَدِ وَ مَعْلُوْمُ كُلِّ اَحَدِلِكُلَ مُوْلُوْدِ اَوَّلُ وَلاَاَوَّلَ لَه‘ وَهُوَرَدٌّلَرَهْطِرُوْحِ اللہ
وَلم يكُنَّ لَه‘	لِلّٰہِ
كُفُوًا	مُسَااهِماً مُعَادِ لاً وَهُوَحَالُ اَوْمَحْمُوْلُ
اَحَدُ	حـالاً وَمَـا لاً وَهُـوَرَدٌ لِاَهْـلِ عُدُلِ وَهِمُوْ اِلْهَامُساَ هِمَالَه‘ عَــمَلاً وَاَمْــرً اعَلاَ اِسْــمُــــه‘ و مُسَــمَّــاہُ عَــمَّـــا هُـوَمُـدْرَکُ الاَوْهَـامِ وَوَرَعِدُلُ لِكَلاَمِ اللہِ كُلِّهٖ وَمَدْلُوْلُه‘ مَلاَکُ كُلِصَّ مُوَحِّد

اس کے بعد مثنوی نل دمن لکھی جس میں پونے دوسو اشعار کی نعت مع کیفیت معراج لکھی نیز اخلاقیات پر ایک بے نقط کتاب ''موارد الکلم'' بھی لکھی (۷۹)

شروع میں شیخ محدث اور فیضی میں بہت گہرے تعلقات تھے۔ حجاز کو روانہ ہونے سے قبل وہ فتح پور سیکری میں اس کی صحبت میں رہے تھے لیکن بعد کو جب فیضی کے عقائد میں بے راہ روی پیدا ہوئی تو شیخ محدث نے اس سے قطع تعلق کر لیا۔ جب آپ حجاز سے واپس آئے تو فیضی نے ایک خط میں شوقِ ملاقات کا اظہار اس طرح کیا: اگر میرے بال و پر ہوتے تو میں ہر روز اڑ کر اس حجرے کی منڈیر پر جا بیٹھتا، نکات محبت کا دانہ چگتا اور ترانہ عشق کے شیریں نغمے الاپتا۔ فیضی کے مکتوبات ''لطیفۂ فیضی'' کے نام سے ملتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے رسائل (مکتوبات) میں ایک مکتوب ''تثبیت القدم علي الاصطبار بترک صحبة الاضداو الاغيار'' فیضی کے نام ہے۔ اس خط میں آپ نے دو طبقوں کی حالت کا موازنہ کیا ہے۔ ایک طبقہ جس کو عیش و عشرت، سیر و تفریح کا شوق ہے اور دوسرا طبقہ جو سیر و تفریح سے دور ہے۔ یہ فرق بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

کسی کے جگر کے داغ کو کوئی کیسے پہچانے کہ وہ خود یہ داغ نہیں رکھتا۔ (۸۰)

مرزا عبدالرحیم خانخانان (۹۶۳۔۱۰۳۶ھ/۱۵۵۶۔۱۶۲۷ء)

عبدالرحیم خانِ خانان بن بیرم خان، یہ صاحبِ قلم اور صاحبِ سیف دونوں تھا۔ بیرم خان سے تعلقات شاہی دربار سے آخر میں خواہ کیسے ہی ہو گئے لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ وہ ہندوستان میں تیموری سلطنت کے بانیوں میں سے تھا جب بیرم خان گجرات میں ایک لوحانی افغان مبارک خان کے ہاتھوں شہید ہوا تو عبدالرحیم کی عمر اس وقت چار سال تھی۔ اکبر نے اس کی تعلیم و تربیت کی (۸۱) دربارِ اکبری سے پہلے میرزا پھر خانخاناں کا لقب ملا۔ پنج ہزاری کا منصب دار تھا۔ وہ قابلیت اور استعداد میں یکتائے زمانہ تھا۔ عربی، فارسی، ہندی، سندھی، سنسکرت زبان میں شعر کہتا تھا۔ (۸۲) خود کو سنی المذہب ظاہر کرتا تھا۔ اسے صوفیاء اور مشائخ کی صحبت میں بیٹھنے کا بھی بہت شوق تھا اور ان سے بڑی عقیدت سے تعلقات رکھتا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے نواب خانخاناں سے بھی بہت گہرے تعلقات تھے۔ اکبری عہد میں جن امراء نے اپنے دینی احساس وشعور کو بیدار رکھا تھا، اُن میں نواب خاں خاناں بھی تھے اور صرف یہی ایک بات شیخ محدثؒ کی نظر میں اُن کی عزت اور عظمت قائم کرنے کے لیے کافی تھی۔ کتاب المکاتیب میں مندرجہ ذیل پانچ خطوط شیخ نے ان کے نام لکھے ہیں۔

۱۔ اختیار التخلی لانتظار التجلی
۲۔ تذکیر اولی الاحلام بان لذات الدنیا کلھا آلام
۳۔ سلوک اقرب السبل بالتوجہ الیٰ سید الرسل ﷺ
۴۔ صدق التعطش والدوام فی طلب المقصد والمرام
۵۔ اتحاف الاحبہ ببیان حدیث المحبة

مذکورہ خطوط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خانخاناں کو صرف بزرگوں کی صحبت ہی سے دلچسپی نہ تھی بلکہ سلوک ومعرفت کی وادیوں کی سیر کرنے کا بھی شوق تھا اور اسی وجہ سے وہ مشائخ سے مراسلت رکھتا تھا۔ شیخ محدثؒ نے اپنے مکتوب میں بعض باتیں اُس کی روحانی تربیت کے لیے لکھی ہیں۔ بعض باتوں کا مقصد احیاءِ شریعت وسنت کے لیے اس کی حمیت دینی کو جوش دلانا ہے۔ ان مکتوبات کا ایک ایک حرف جذبے اور تاثیر سے ڈوبا ہوا ہے۔ (۸۳) ان خطوط کے بغور مطالعے سے مزید یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آپ نے خانخاناں کو حصول یقین کی تدبیر کے ساتھ پیروی رسول ﷺ کا سبق دیا پھر تجدید وترویج احکام سنت کی ترغیب دی اور آخر میں اشاروں میں ان کی خاموشی اور بے عملی پر زجر وتوبیخ بھی کی۔

حضرت شیخ کے مجموعہ مکاتیب ورسائل میں تمام مکاتیب نہیں ہیں۔ معلوم نہیں اور کن امراء سے ان کی خط وکتابت تھی یا صرف ان ہی دو امراء (شیخ فرید بخاری اور عبدالرحیم خانخاناں) سے تھی۔ بہرحال ان مکاتیب سے اتنا بالیقین معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت شیخ امراء کی اصلاح سے غافل نہ تھے اور اکبر کی بے دینی کے خلاف ان کو اکسانے (دینی جذبہ ابھارنے) میں اپنے خاص طریقے سے کمی نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ عہد اکبری

میں بھی اس طرح سرگرم رہے جیسے عہد جہانگیری و عہد شاہجہانی میں۔ (۸۴)

شیخ عبداللہ نیازی سرہندی (م ۱۰۰۰ھ/۲۔۱۵۹۱ء)

شیخ عبداللہ نیازیؒ، شیخ سلیم چشتیؒ (م ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) کے خلیفہ تھے۔ اپنے زمانہ کے مشہور مشائخ میں شمار کئے جاتے تھے۔ ابتدائی عمر میں سید محمد مہدی جونپوری کے زیر اثر مہدوی ہو گئے تھے۔ (۸۵) لیکن آخری عمر میں مہدویت سے توبہ کی۔ متعدد کتب لکھیں جن میں نوادرِ افغانی اور مرآۃ الصفاء کے نام تذکروں میں ملتے ہیں۔ (۸۶) کتاب المکاتیب والرسائل میں ایک خط "رعایۃ الانصاف والاعتدال فی اعتقاد الصوفیہ من ارباب الاحوال" میاں عبداللہ نیازی کے نام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محدث کے ان سے مخلصانہ مراسم تھے اور وہ میاں عبداللہ کے متعلق بہت اچھی رائے رکھتے تھے۔ لکھتے ہیں:

آپ کا نصیحت آمیز پسندیدہ خط ملا مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اس میں جو نصیحتیں تھیں ان سے اور کتاب مرآت الصفا جو خط کے ساتھ پہنچی بہرہ مند و مستفید ہوا۔ اس نعمت کے نصیب ہونے سے پروردگار کا شکر بجا کر شکر گزاری میں آ گیا۔ الحمد للہ اس زمانہ میں بھی ایک ایسی جماعت موجود ہے جو اپنے فعل و قول سے سنت سیّد الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم کی پیروی کرنے کی ترغیب و تحریص دلاتی رہتی ہے۔ یہ نئی باتیں نکالنے سے اور گمراہی کی صورتوں سے خود بچ کر دوسروں کو بھی بچاتی اور مانع آتی ہے۔ (۸۷)

شیخ نیازی نے اپنے خط میں صوفیاء کے متعلق بعض خیالات کا اظہار کیا تھا۔ شیخ محدثؒ کو ان خیالات سے اختلاف تھا۔ اس خط میں انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں ان تمام اعتراضات پر بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ صوفیہ صافی کون ہیں؟ اُن کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے؟ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف کی کیا اہمیت ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تصوف صرف وہ ہے جو "موافق کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ" ہو۔ باقی سب گمراہی ہے۔ مشائخ کا تصوف ایسا ہی تھا جو لوگ کتاب وسنت پر عامل نہیں وہ صوفی نہیں۔ ان کو حشویہ یا باطنیہ کہنا چاہیے اور ان کے عمل کو صوفیہ صافی کا عمل سمجھ کر

حقیقی تصوف کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ حقیقی صوفیہ کا مرتبہ بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ (۸۸)

ملا عبدالقادر بدایونی (۹۴۷-۱۰۰۳ھ/۱۵۴۰-۵-۱۵۹۴ء)

نام شیخ عبدالقادر فاروقی، قادری تخلص تھا لیکن تاریخی دنیا میں بدایونی کے نام سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام شیخ ملوک شاہ ابن حامد تھا۔ (۸۹) آپ علمی فضیلت کے علاوہ شعر گوئی، عربی و فارسی انشاء کا ماہر، ہندی نجوم اور حساب سے واقف تھے۔ ولایتی و ہندی موسیقی اور چھوٹی بڑی شطرنج بھی جانتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ بڑے قناعت پسند، بے طمع، راست پسند اور باادب آدمی تھے۔ (۹۰) اکبر نے انہیں تصنیف و تالیف اور ترجمے کے کام پر مامور کیا تھا۔ اکبر کے شاہی امام تھے۔ اکبر کے مذہبی افکار سے شدید اختلاف تھا۔ اپنی کتاب منتخب التواریخ میں اس کی دینی گمراہیوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور ان درباری امراء و شعرا کی شدید مذمت کی ہے جنہوں نے اکبر کے خیالات کی تائید کی تھی۔ ملت کی پریشاں حالی کے جس احساس نے شیخ عبدالحقؒ کے قلب وجگر کو گرمایا تھا اسی جذبہ نے ملا عبدالقادر کو بھی بے چین کر دیا تھا۔ شیخ محدث نے اپنے ماحول پر حزم و احتیاط کے ساتھ تنقید کی، ملا عبدالقادر نے بے پردہ اور بے باکانہ۔

شیخ محدثؒ اور ملا بدایونی میں بڑی محبت و یگانگت تھی جس کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ دونوں ایک ہی خانوادے سے منسلک تھے۔ حضرت مخدوم شیخ حامدؒ کے فرزند و سجادہ نشین شیخ موسیٰؒ سے شیخ محدث بیعت تھے۔ اور شیخ داؤدؒ مرید و خلیفہ شیخ حامدؒ سے ملا عبدالقادر بدایونی نسبت رکھتے تھے۔ (۹۱) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جن دنوں فتح پور سیکری کی میں شیخ فیضی اور مرزا نظام الدین احمد بخشی کے پاس مقیم تھے ملا صاحب اکثر ان کی مجلس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ خود لکھتے ہیں:

ان کی صحبت کے فائدوں سے میں بہت محظوظ ہوا۔ (۹۲)

میر نظام الدین احمد المعروف بہ غازی خاں بدخشی (م ۳-۱۰۰۲ھ/۱۵۹۴ء)

آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالموں اور دانشمندوں میں تھے۔ آپ کے والد خواجہ مقیم

ہروی تھے۔ نسب حضرت خواجہ حسن بصریؒ تک پہنچتا ہے۔ آپ مؤلف تاریخ اکبر شاہی (طبقات اکبری) اور دربار اکبری کے پنج ہزاری امراء میں تھے۔ عرصے تک گجرات کے بخشی رہے۔ (۹۳) آپ معاملہ فہمی اور دوست پرستی میں ضرب المثل تھے۔ اکبر کو ان کی قابلیت پر بھروسہ تھا۔ بدایونی نے اپنی تصنیف ''نجات الرشید'' آپ ہی کے مشورے سے لکھی تھی۔ جن مؤرخین نے طبقات اکبری کے بعد تاریخیں مرتب کیں ان کا مآخذ یہی طبقات اکبری کا خلاصہ ہے فرشتہ بھی اسی طبقات کو صداقت کا سرٹیفکیٹ دیتا ہے (۹۴) ارسکن کا خیال ہے کہ وہ اپنے عہد کے بہترین مؤرخ تھے۔ (۹۵) جب ۴۵ سال کی عمر میں ۱۵۹۴ء میں ان کا انتقال ہوا تو کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو پرنم نہ ہو۔

مرزا نظام الدین اور شیخ محدث میں بے حد خلوص اور یگانگت کے تعلقات تھے۔ ابتدائی زمانہ میں شیخ محدث فتح پور سیکری میں ان ہی کے پاس ٹھہرے تھے پھر جب حجاز کی طرف چل کھڑے ہوئے تھے تو مرزا ہی نے ان کی زادراہ کا انتظام کیا تھا اور نہایت خاطر و مدارت سے ان کو احمد آباد میں اپنے یہاں ٹھہرایا تھا۔ (۹۶)

میر سیّد طیب بلگرامیؒ

میر سیّد طیب بلگرامیؒ، میر سید عبدالواحد بلگرامیؒ صاحب سبع سنابل کے فرزند اور سجادہ نشین تھے۔ علم و فضل، زہد وورع میں اپنی مثال آپ تھے۔ میر طیب درس و تدریس کا مشغلہ رکھتے تھے۔ آپ نے ہدایہ، تفسیر بیضاوی وغیرہ پر نہایت عالمانہ حاشیے لکھے تھے۔ ان میں اور شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ میں بڑی محبت اور مؤدّت تھی۔ (۹۷) ایام پیری میں ایک مرتبہ شیخ محدث درس دے رہے تھے کہ کسی مقام پر رک گئے اور فرمانے لگے کہ اگر میر سیّد طیب اس وقت موجود ہوتے تو بہ آسانی اس مشکل کو حل کر دیتے۔ اتفاقاً میر سیّد طیب اسی وقت وہاں آپہنچے، شیخ بہت خوش ہوئے اور وہ مشکل ان کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے اس عبارت کو اس طرح پڑھا کہ مشکل خود بخود حل ہوگئی۔ اس زمانہ میں شیخ نورالحق خلف الصدق شیخ عبدالحقؒ آگرہ میں قاضی تھے۔ (۹۸)

اولاد واحفادِ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

آپ کو اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادگان اور ایک صاحبزادی عطا کی تھی۔ شیخ نورالحق محدّث دہلوی المشرقی، شیخ علی محمد، شیخ محمد ہاشم، اور زوجہ اسماعیل دہلوی۔

شیخ محدث کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت دی تھی۔ ۱۰۴۷ھ میں ہی آپ کی اولاد میں مرد و عورتیں سب ملا کر پچاس نفر سے زیادہ تھیں۔ (۹۹)

شیخ نورالحق محدث دہلوی المشرقی البخاریؒ (۹۸۳-۱۰۷۳ھ/۶-۱۵۷۵-۳-۱۶۶۲ء)

آپ شیخ محدث کے فرزند اکبر تھے۔ شرح قرآن السعد بن میں آپ نے اپنا نام ''نور محمد المدعوا بنورالحق'' تحریر فرمایا ہے۔ (۱۰۰) محدث، فاضل اور متجر عالم تھے۔ اپنے والد کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ سلسلہ قادریہ اور شاذلیہ میں ارادت رکھتے تھے۔ (۱۰۱) تعلیم و تربیت باپ ہی کی آغوش میں پائی۔ شرح قرآن السعدین میں لکھتے ہیں کہ: میرے باپ ہی نے اب تک کی تختی مجھے پڑھائی اور میرے باپ ہی نے مجھے فارغ التحصیل کرایا۔ (۱۰۲) شیخ محدث کی حیات میں انہوں نے اکبر آباد کی قضا کو قبول کر لیا تھا۔ (۱۰۳)۔ شاہجہان ایام شاہزادگی سے ان کی استعداد اور قابلیت کا معترف تھا۔ جب ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء میں تخت نشین ہوا تو اصرار کر کے یہ خدمت ان کے سپرد کر دی۔ شیخ نورالحق نے یہ کام نہایت خوبی سے انجام دیا۔ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

> حق این منصب نازک نوعے کہ باید بہ تقدیم رسانید (۱۰۴)

شیخ نورالحق محدّث دہلویؒ زیادہ عرصہ تک منصب شاہی سے وابستہ نہیں رہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی وفات کے بعد انہوں نے باپ کی مسند ارشاد کو سنبھال لیا۔ المکاتیب والرسائل میں بیس مکتوباتی رسائل آپ کے نام دیئے گئے ہیں۔

تصانیف

آپ نے درج ذیل کتب تصنیف وتالیف فرمائیں۔

(۱) صحیح بخاری کی شرح تیسیر القاری کے نام سے چھ جلدوں میں لکھی۔

(۲) شرح شمائل ترمذی۔ قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں ہے۔

(۳) تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں ہے۔

(۴) حاشیہ علیٰ شرح الجامی۔ قلمی نسخے پشاور (پاکستان) اور حیدرآباد (انڈیا)

(۵) شرح قرآن السعدین۔ قلمی نسخے برٹش میوزیم اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

(۶) حاشیہ شرح عضدی

(۷) حاشیہ شرح مطالع

(۸) حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ

(۹) رسالہ دربیان رویاء

(۱۰) محی القلوب

(۱۱) زبدۃ التواریخ

(۱۲) مثنوی تحفۃ العراقین

علم وادب کا ذوق خاندانی ورثہ تھا مشرقی تخلص کرتے تھے۔ شعر خوب کہتے تھے۔ ان کے شاعرانہ کمالات اور صلاحیتوں کے شیخ محدث بھی معترف تھے۔ آپ نے ایک مثنوی تحفۃ العراقین لکھی تھی اور ان کا ایک دیوان بھی تھا جو پانچ ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔ یہ مثنوی اور دیوان اب دستیاب نہیں ہوتے۔ چند اشعار کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں جن کی بنا پر ان کے کلام کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔

ے از شیوۂ ہمداں ایں دور خلاف — گویم رمزے اگر بگیری بگزاف
چوں شیشہ ساعت اند پیوستہ بہم — دلہا ہمہ پر غبار ورد ہا ہمہ صاف

شیخ علی محمد: آپ شیخ محدث کے فرزند دوم تھے۔ جید عالم اور مرتاض بزرگ تھے۔ آپ نے مندرجہ ذیل تین کتب تصنیف فرمائی تھیں۔

۱۔ خزائن الدُرر: عربی، فارسی، ترکی لغت

۲۔ رسالہ احوال پنج پیران چشت: حالات خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ، قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ، بابا فرید شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ، محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

۳ نجات المریدین: احوال حضرت غوث الاعظمؒ

یہ تینوں کتابیں اب نایاب ہیں۔ سر سید احمد خان نے آثار الصنادید کے دوسرے ایڈیشن میں رسالہ احوال پنج پیران چشت کا حوالہ دیا ہے۔

شیخ محمد ہاشم: آپ شیخ محدث کے تیسرے فرزند تھے۔ آپ کے متعلق فہرست التوالیف (تذکرہ مصنفین دہلی) میں لکھا ہے: جو ہر طبع او بجودت و سلامت و قوت در علم خصوصاً بعلم شریف حدیث موصوف ممتاز است۔ (۱۰۵)

محمد ہاشم کے فرزند محمد عاصم سے شیخ محدث کو بڑی محبت تھی۔ ایک مکتوب (۱۰۶) میں لکھتے ہیں:

فرزند دلبند بجاں پیوند محمد عاصم را فرستادم کہ چندگاہ دیدہ بجمال و کمال او روشن گرداند (اپنی جان سے زیادہ عزیز اور روح سے وابستہ محمد عاصم کو بھیج رہا ہوں تاکہ چند روز آپ اس کے جمال و کمال سے اپنی آنکھوں کو روشن کریں)

موجودہ نسل

دلی میں آج تک محلہ مفتیان، تراہا بیرم خان میں حضرت شیخ عبدالحق کی نسل موجود ہے۔ (۱۰۷) لیکن اب بجائے علوم اسلامیہ کے وہ لوگ علوم انگلشیہ کے ماہر ہیں اور اسی تہذیب میں رنگے ہوئے ہیں۔ غرض یہ کہ حصول علم میں شیخ کا تصرف اب بھی جاری ہے اور علم کی جھلک اس خاندان میں اب بھی نظر آتی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہ علم الادیان سے بدل کر علم الابدان ہو گیا ہو یا عربی کی جگہ انگریزی نے لے لی ہو سو یہ اقتضائے زمانہ ہے اور اب اسی کی

ضرورت اور قدر ہے۔ (۱۰۸) راقم کی معلومات کے مطابق کوچہ چیلان (دہلی) میں آپ کی اولاد کے ایک فرد محترم ضیاء الحق سوز حقی بھی موجود ہیں۔ (واللہ اعلم)

ب تصانیف

جن اصحاب نے دورِ عبدالحقؒ محدث دہلویؒ میں اسلامی اقدار کو محفوظ کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے انہوں نے جو طریقے اختیار کئے ان میں ایک مؤثر طریقہ تصنیف و تالیف کا تھا۔ اس سلسلے میں ملا عبدالقادر بدایونی، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور حضرت مجدد الف ثانی کے نام آتے ہیں۔ شیخ محدث نے اکیانوے سال کی عمر پائی۔ اس عمر کا بیشتر حصہ تصانیف و تالیف، میں بسر ہوا (۱۰۹)۔ المکاتیب والرسائل میں آپ نے اپنے اس مقصد کی تصریح اس طرح فرمائی:

امابعد (خدا تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ ﷺ کی ثنا کرنے کے بعد) فقیر حقیر عبدالحق بن سیف الدین دہلوی کہتا ہے کہ بہت سی تحریریں جو وقت و حال کے لحاظ سے لکھی گئی تھی۔ ان میں چند ایسی ہیں کہ وہ ان دوستوں کے لیے تھیں جو سلوک اور ارادت میں آ گئے ہیں، چند ایسی ہیں کہ وہ ان امیروں کے لیے لکھی گئیں ہیں جو اہلِ سعادت ہیں اور ان میں بعض وہ ہیں جو میں نے اپنی نصیحت کے لیے اپنے لیے لکھی ہیں۔ کیونکہ سب سے زیادہ نزدیک اور سب سے زیادہ ضرورت مند اپنی ہی ذات ہے جس سے ایسے امور ٹھوک بجا کر کہہ دیئے جاسکتے یا جتلا دیئے جاسکتے ہیں۔ (۱۱۰)

آپ کی تصانیف کے تذکرے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اس بات کا اجمالی جائزہ لیا جائے کہ آپ کے قلم سے کتنے علوم منکشف ہوئے۔ اس ضمن میں شارح قرآن السعدین فرماتے ہیں: ولی دُرفشاں، عقل او بحریست، ولی بیکراں ''چہاردہ علم از قلمش منکشف'' ہم بصافات ملکے متصف (۱۱۱)

مذکورہ چودہ علوم کے ضمن راقم نے شیخ محدث کی ایک سو سے زائد تصنیفات و تالیفات کا مطالعہ کرنے کے بعد درج ذیل تین علوم استباط کئے ہیں۔

نمبر شمار	نامِ علوم	نمبر شمار	نامِ علوم	نمبر شمار	نامِ علوم
۱	علم تفسیر	۱۱	علم الناسخ والمنسوخ	۲۱	علم بدائع و الصنائع
۲	علم قرأت	۱۲	علم المصطلحات الحدیث	۲۲	علم النفس
۳	علم حدیث	۱۳	علم فقہ	۲۳	علم الاخلاق
۴	علم اصول حدیث	۱۴	علم اصول فقہ	۲۴	علم فلسفہ
۵	علم تدوین حدیث	۱۵	علم تصوف	۲۵	علم منطق
۶	علم درایت	۱۶	علم اسماء الرجال	۲۶	علم الکلام
۷	علم الجرح والتعدیل	۱۷	علم سیرۃ	۲۷	علم تاریخ
۸	علم رجال الحدیث	۱۸	علم ادعیہ واوراد	۲۸	علم سیاسیات
۹	علم غریب الحدیث	۱۹	علم الصرف	۲۹	علم مربعات
۱۰	علم موضوع حدیث	۲۰	علم النحو	۳۰	علم تجوید

جدول : ۱.۳.۳

عنوانات کتب

فن وموضوع کے اعتبار سے ڈاکٹر خلیق نظامی (۱۱۲) نے ۱۶ اور ڈاکٹر سیّد منصور علی سہروردی (۱۱۳) نے ۱۸ عنوانات کے تحت شیخ محدث کی تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔ راقم نے درج ذیل ۲۳ عنوانات کے تحت کتب ورسائل شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا پتہ لگایا ہے۔

۱۔ تفسیر ۲۔ حدیث ۳۔ فقہ ۴۔ تصوف ۵۔ اعمال ۶۔ اخلاق ۷۔ تذکرہ ۸۔ اشعار ۹۔ عقائد ۱۰۔ سیر ۱۱۔ فلسفہ ۱۲۔ منطق ۱۳۔ کلام ۱۴۔ خطبات ۱۵۔ تاریخ ۱۶۔ سیاسیات ۱۷۔ بشریات ۱۸۔ عمرانیات ۱۹۔ مناظرہ ۲۰۔ مکاتیب ۲۱۔ ذاتی حالات ۲۲۔ تجوید ۲۳۔ نحو

تعداد کتب

تعداد کتب کے ضمن میں مترجم تکمیل الایمان اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں: آپ نے ”تالیف قلب الالیف“ میں ۴۹ کتب کا تذکرہ کیا تھا اور لکھا کہ ابھی یہ سلسلہ جاری ہے پھر شیخ کی ایک کتاب ”المکاتیب والرسائل“ ہے جس میں اڑسٹھ رسائل شامل ہیں۔ اس وجہ سے شیخ کی کتب کی تعداد میں شدید اختلاف پائے جاتے ہیں اور ان کی صحیح تعداد کا علم نہیں ہوسکا بعض نے ساٹھ اور بعض نے سو سے اوپر بیان کی ہے۔ (۱۱۴) مذکورہ اڑسٹھ رسائل کے تذکرہ کے ضمن میں منشی برکت علی کہتے ہیں: آپ نے ایک مستقل رسالہ اپنی تالیف کی فہرست کا لکھا ہے اس کا نام ”**تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف**“ (محبت والے دل کو الفت دلانا اپنی تصانیف کے ذکر کرنے کے ساتھ) ہے اور ایک مضمون بطور دیباچہ لکھ کر سرورق ان اڑسٹھ رسائل کا ذکر کرکے اس کا نام **ارسال المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال و الفضائل** رکھا۔ اور ساتھ (اینہمہ ایک صحیفہ سازند......الخ) لکھا۔ اس مقام پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اڑسٹھ عدد ایک ہی عدد متصور ہوں لیکن آخر میں حضرت اپنی تصانیف کی کل میزان میں ان کو جدا جدا شمار میں لائے ہیں یعنی اڑسٹھ ہی اعداد محسوب فرمائے ہیں، نہ کہ ایک۔ اور درحقیقت کہ ایک رسالہ کئی کئی اجزاء کا ہے اور ہر ایک کا علیحدہ نام اور مضمون ہے تو وہ ایک کتاب کیونکر سمجھی جاسکتی ہے۔ (۱۱۵) راقم کے خیال میں رسائل کی صرف حفاظت کے پیشِ نظر

شیخ محدث نے اسے ایک جلد میں باندھنے کی تاکید کی ورنہ اخبار الاخبار میں بہ کہ ضمن حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ (۶۵۲-۷۲۴ھ) کے تذکرے میں ان کے کچھ مکاتیب کا ذکر کیا گیا ہے جو انہوں نے اپنے دوست اختیار الدین کو تحریر فرمائے ان مکاتیب کو رسائل کا نام دیا گیا ہے۔ (۱۱۶)

گویا کہا جاسکتا ہے کہ یہ طریقہ اسلاف کا ہے کہ وہ اپنے مکاتیب میں مخصوص موضوعات کا تذکرہ کرتے جس سے ان کی حقیقت رسالے کی بن جاتی تھی۔

دوسرے اپنے چوالیسویں رسالے (۱۱۷) طی لسان القلم ......الخ، میں دوران گفتگو رسالہ ترک تدبیر واختیار (۱۱۸) کا حوالہ دیا اس میں آپ نے شیخ نورالحق کو یہ تحریر نہیں فرمایا کہ میں نے مذکورہ بات کا ذکر شیخ فرید کے خط میں کیا ہے آپ وہاں سے جا کر دیکھ لیں وغیرہ۔ تیسرے اپنے چونویں رسالے (۱۱۹) میں دوران گفتگو فرمایا: میں انہیں مکتوب نہیں کہتا بلکہ ان کو رسالوں سے موسوم کرتا ہوں۔" ذیل میں متقدمین ومتاخرین کی پیش کردہ تعداد کتب کا تذکرہ ایک جدول کی صورت میں دیا جارہا ہے:

نمبر شمار	کتاب کا نام	صفحہ نمبر	تعداد کتب
۱	بادشاہ نامہ	ج۔۲ ص ۲۴۲	۱۰۰ سے زائد
۲	شاہجہاں نامہ	ج۔۳ ص ۳۸۴	ایضاً
۳	منتخب اللباب	ج۔۱ ص ۳۴۲	ایضاً
۴	معارج الولایت	۔	ایضاً
۵	مآثر الکرام	۱۸۷	ایضاً
۶	تذکرہ علمائے ہند	۱۱۰	ایضاً
۷	مسلم ثقافت ہندوستان میں	۲۶۶	ایضاً
۸	سہ ماہی (اردو)	۶۸	ایضاً

۹	تاریخ ہند	ج۔۶ ص ۱۷۶	ایضاً
۱۰	کلمات الصادقین (اردو)	۱۸۶	۱۰۰
۱۱	مرآۃ الحقائق	۴۱	۱۲۸
۱۲	اخبار الاخیار (اردو) (شبیر برادرز)	۱۲	۶۰/۱۱۶
۱۳	تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	۲۰۴	۱۳۱
۱۴	تذکرہ (آزاد)	۲۵۰	۶۰
۱۵	حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	۱۵۵	۶۰
۱۶	اشعۃ اللمعات (اردو)	ج۔۵ ص ۵۷	۶۰

جدول : ۱.۳.۴

اس ضمن میں فرماتے ہیں: اس بندہ ناچیز نے یہاں تک کہ ۸۰ تا ۹۰ کتب لکھیں اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے (۱۲۰)

مذکورہ جدول کے تجزیے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تمام متقدمین کے تذکروں میں تعدادِ کتب ۱۰۰ سے زائد ہے اور متاخرین نے ساٹھ لکھی ہے۔ راقم کے مطابق ۶۰ کتب کا تذکرہ سب سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب تذکرہ میں کیا جسے مالک رام نے مرتب کیا تھا۔ آزاد کی متابعت، صاحب حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کی۔ ان سے بعد میں آنے والے تذکرہ نگاروں نے نقل کیا اس طرح نقل در نقل کا سلسلہ چل رہا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بہ حیثیت مجموعی ایک سو چونتیس سے زائد کتب تحریر فرمائیں اس کے علاوہ وہ مختصر رقعات (خطوط) ہیں جو آپ نے صاحب کلمات الصادقین، خواجہ حسام الدینؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دیگر حضرات کو تحریر کئے۔ ایک اندازے کے مطابق آپ کی تصانیف کی مجموعہ ابیات (۱۲۱) چھ لاکھ سے زائد ہے۔

درج ذیل جدول تصانیف شیخ محدث (بترتیب حروف تہجی) پر مشتمل ہے۔ جو کہ نیچے دی گئی ترتیب کے مطابق ہے۔

۱۔ نمبر شمار ۲۔ نام کتاب ۳۔ فن و موضوع ۴۔ عربی / فارسی / مخلوط
۵۔ نمبر فہرست اول۔ تالیف قلب الالیف ۶۔ نمبر فہرست دوم۔ المکاتیب والرسائل
۷۔ مطبوعہ/ غیر مطبوعہ

راقم نے مطبوعہ کتب کے قلمی نسخوں کے مقامات کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ تفصیلات کے لیے حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ص ص ۱۵۴ تا ۲۱۱ ملاحظہ کیجیے۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۱	آداب الصالحین	اخلاق	فارسی	۳۰		مطبوعہ
۲	اتحاف الاحبہ ببیان حدیث المحبۃ (تحفے کے طور پر دوستوں کی باتوں کا بیان)	عقائد	فارسی		۲۲	
۳	ذکر اجازات الحدیث فی القدیم والحدیث	ذاتی حالات	عربی	۷		غیر مطبوعہ
۴	اجوبۃ الاثنا عشر فی توجیہ الصلوٰۃ علی سید البشر	اعمال	عربی	۲۵		ایضاً
۵	احوال الائمہ الاثنیٰ عشر خلاصۃ اولاد سید البشر	سیرۃ	فارسی	۱۳		مطبوعہ
۶	اخبار الاخیار فی احوال الابرار (۱۲۲)	سیر و تذکرہ	فارسی	۱۸		مطبوعہ

۷	اختیار الانفرادو التخلّی لانتظار الکشف والتجلی (کشف اور تجلیات کے انتظار میں خلوت نشینی اختیار کرنا)	تصوف	فارسی		۱۲	مطبوعہ
۸	استیناس انوار القبس فی شرح دعاء انسؓ (دعائے انسؓ کی روشنیوں کو چننے میں اپنے کو مانوس کرنا)	اعمال			۳۶	مطبوعہ
۹	اسقاط اعتبار الاجسادو الاشباح عند ملاقاۃ القلوب والارواح (دلوں کے ملنے کے وقت شبہات کو دور کرنا چاہیے)	تصوف			۵۵	ایضاً
۱۰	اسماء الاستادین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین	ذاتی حالات	عربی	۸		غیر مطبوعہ
۱۱	اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ	حدیث	عربی	۲		ایضاً
۱۲	اشعۃ اللّمعات فی شرح المشکوٰۃ (۱۲۳)	حدیث	فارسی	۳		مطبوعہ

۱۳	اظهار الحسرة والاستبعاد بتقصیر النفس فی اصلاح المبد او المعاد (پیدائش کی ابتداء اور موت کے بیان میں افسوس کرنا اور حسرت کا اظہار کرنے کے بیان میں)	بشریات	فارسی		۴۵	ایضاً
۱۴	اظهار القلق والا ضطراب المطلوب بلاارتیاب (بغیر شک وشبہ کے اپنی بے چینی اور افسوس کا اظہار کرنا)	تصوف	فارسی		۶۰	ایضاً
۱۵	اقامة المراسم فی احوال المواسم (مواسم کے احوال میں رسم ورواج کے قائم کرنے کا بیان)	حدیث وفقہ	فارسی		۱۰	ایضاً
۱۶	الاعتصام بحبل الصبر والثبات عند اجتماع اسباب اللذات والشهوات (صبر کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا، جبکہ شہوات اور لذات کثرت سے اکھٹے ہوجائیں)	بشریات	فارسی		۵۲	ایضاً
۱۷	الاکمال فی اسماء الرجال (۱۲۴)	حدیث	عربی			غیر مطبوعہ
۱۸	الافکار الصافیه فی ترجمه کتاب الکافیه	نحو	فارسی	۴۲		ایضاً

۱۹	البناء المرفوع فی ترصیص مباحث الموضوع	فلسفہ	عربی	۳۸		ایضاً
۲۰	التزام التمسک واللجابا لوقوف بین الخوف والرجاء (امید و ناامیدی کے درمیان احکام کی واقفیت کو ضروری سمجھنا)	عقائد	فارسی		۲۴	مطبوعہ
۲۱	التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ (اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور عزت کرنا اور مخلوقِ خدا پر شفقت کرنا)	تصوف	فارسی		۳۲	ایضاً
۲۲	التعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی	تفسیر	عربی	۲۷		غیر مطبوعہ
۲۳	الدرّہ البھیۃ فی اختصار الرسالۃ الشمسیۃ	منطق	عربی	۳۹		مطبوعہ
۲۴	الدّر الفرید فی بیان قواعد التجوید	تجوید	عربی	۳۷		غیر مطبوعہ
۲۵	الرد علی الدعاوی الباطلۃ التی صدرت لبعض النفوس العاطلۃ ((بعض بے ادب لوگوں کے باطل دعوؤں پر رد)	تصوف	فارسی		۶۷	ایضاً

۲۶	الطریق القویم فی شرح الصراط المستقیم المعروف شرح سفر السعادة	حدیث	مخلوط	۱۱		مطبوعہ
۲۷	المطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ و صفاته العلیٰ	اعمال	مخلوط	۲۳		ایضاً
۲۸	انتخاب المثنوی للمولوی المعنوی	شاعری	فارسی			غیر مطبوعہ
۲۹	انوار الجلیة فی احوال المشایخ الشاذلیة	سیرۃ و تذکرہ	فارسی			ایضاً
۳۰	ایرادالعبارات الفصیحة فی شرح قول النبی علیه السلام الدین النصیحة (حضور اکرم ﷺ کی حدیث دین نصیحت کا نام ہے کے معنی بیان کرنے کے سلسلے میں جو فصیح عبارتیں ہیں ان کو پیش کرنا)	عمرانیات	فارسی		۹	مطبوعہ
۳۱	ایراد العبارات بلسان اهل الاشارات (اہل اشارات کی عبارتوں کا بیان)	تفسیر	فارسی		۵۸	ایضاً
۳۲	تاریخ سلاطین ہند/ ذکرملوک/ تاریخ حقی (۱۲۵)	تاریخ	فارسی	۱۹		غیر مطبوعہ

۳۳	تالیف قلب الالیف بذکر فہرس التوالیف (۱۲۶)	ذاتی حالات	مخلوط			مطبوعہ
۳۴	تبصیر الاغبیاء بان الفقر مرأة جمال الاغنیاء (اگر مالدار لوگ فقر اختیار کریں تو وہ ان کے لیے باعث فخر ہے)	تصوف	فارسی		۵۴	ایضاً
۳۵	تثبیت الفوادبتصور عظمة ربّ العباد (بندوں کے رب کی عظمت کے تصوّر سے دلوں کو ثابت قدم رکھنا)	تصوف	فارسی		۳۹	ایضاً
۳۶	تثبیت القدم فی الاصطبار بترک صحبة الا ضدادو الاغیار (مخالف اور غیر لوگوں کی صحبت ترک کرنے میں ثابت قدم رہنا)	تصوف	فارسی		۲۰	ایضاً
۳۷	تجدید الذکر فی بیان حقیقة الشکر (شکر کی حقیقت کے بیان میں، نصیحت کو نئے طور سے بیان کرنا)	عقائد	فارسی		۲۱	ایضاً
۳۸	تجلیة القلوب لقدس الملکوت بشرح دعاء القنوت (دعائے قنوت کی اس طرح وضاحت کرنا کہ دل روشن ہو جائے)	تفسیر	فارسی		۳۷	ایضاً

۳۹	تحصیل الکمال الابدی باختیار الفقر المحمدی (کمال ابدی (لازوال کمال) کو حاصل کرنے کا ذریعہ صرف فقر محمدی ﷺ ہے)	عقائد	فارسی		۵	ایضاً
۴۰	تحصیل البرکات والطیبات ببیان معنی التحیاتؔ (التحیات کے معنی کو بیان کرنے سے برکتوں اور پاکیزہ چیزوں کو حاصل کرنا)	عقائد	فارسی		۳۸	ایضاً
۴۱	تحصیل الغنائم والبرکاتِ بتفسیر سورة والعادیات (سورۃ والعادیات کی تفسیر میں برکتوں اور غنیمتوں کا حاصل کرنا)	عقائد	فارسی		۵۶	ایضاً
۴۲	تحصیل المطلوب بانتظار حضور المحبوب (محبوب کے انتظار میں مقصود کو حاصل کرنا)	اعمال	فارسی		۱۳	ایضاً
۴۳	تحصیل التعرف فی معرفة الفقه والتصوف	فقہ و تصوف	عربی	۳۳		ایضاً
۴۴	تحقیق الدعاء والاستمداد بلسان القال والحال والاستعداد (لوگوں کی حالت اور استعداد کے مطابق مدد حاصل کرنا اور دعا کرنے کی تحقیقات کرنا)	عقائد	فارسی		۴۳	ایضاً

۴۵	تحقیق الیاس عن قول ایمان الباس (خوفزدہ کے ایمان کے متعلق امید کی تحقیق)	عقائد	فارسی		۲۹	ایضاً
۴۶	تحقیق الاشارۃ الی تعمیم البشارۃ (۱۲۷)	حدیث	عربی	۲۰		غیر مطبوعہ
۴۷	تدقیق البیان فی ایجاب الشکر المدید وا ستلزامہ لحصول المحبۃ و التوحید (محبت اور توحید کے قاصد کیلیے شکر کرنے سے نعمت کے اضافے کا بیان)	کلام	فارسی		۴۲	مطبوعہ
۴۸	ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین (۱۲۸)	سیاسیات	فارسی	۲۲		غیر مطبوعہ
۴۹	ترجمہ زبدۃ الآثار	سیر	فارسی			مطبوعہ
۵۰	ترجمہ غنیۃ الطالبین	تصوف	فارسی			غیر مطبوعہ
۵۱	ترجمہ مکتوب النبی الاجل فی تعزیۃ ولد معاذ بن جبل (۱۲۹) (معاذ بن جبل کے بیٹے کی تعزیت کے لیے حصور اکرم ﷺ کا نامہ مبارک)	عقائد	فارسی		۵۷	مطبوعہ

۵۲	ترغیب اهل السعادات علی تکثیر الصلوٰة علی سید الکائنات ﷺ	اعمال	مخلوط	۲۴		غیر مطبوعہ
۵۳	ترک الاختیار رو التدبیر بالاکتفاء بتدبیر العلیم الخبیر (اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور کام کافی ہیں، اس میں تدبیر اور اختیار کو چھوڑنا)	عقائد	فارسی		۲۸	مطبوعہ
۵۴	تذکرة اهل الذکر ببیان فضیلة الذکر علی الفکر (اہل ذکر سے تذکرہ کرنا کہ فکر سے ذکر افضل ہے)	تصوف	فارسی		۵۱	مطبوعہ
۵۵	تذکیر اهل المجاهده بان المکاتبة عین المشاهدة (اہل مجاہدہ کا ذکر و نصیحت کرنا کہ ذکر و بیان ہی اصل مشاہدہ ہے)	بشریات	فارسی		۶۸	ایضاً
۵۶	تذکیر اولی الاحلام بان لذات الدنیا کلها الآم (غافل لوگوں کو نصیحت کرنا کہ دنیا کی ساری لذتیں درحقیقت رنج والم ہیں)	بشریات	فارسی		۱۴	ایضاً

۵۷	تسلیة السائل ببیان المسائل (مسائل کے بیان سے سائل کی تسلی کرنا)	تصوف	فارسی		۶۴	ایضاً
۵۸	تسلیة المصاب لنیل الاجرو الثواب	اخلاق	فارسی	۳۵		غیر مطبوعہ
۵۹	تسویة الادانی والاعالی بالخوف والسکوت فی حضرة لا ابالی (جس محفل میں بے پرواہ اور نڈر لوگ ہوں وہاں اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو کم کرنا)	عقائد	فارسی		۵۳	مطبوعہ
۶۰	تطریب الالحان بمناصحة الخلان (دوستوں کی نصیحت کے سلسلے میں آواز کو طرب انگیز بنانا)	کلام	فارسی		۱۱	ایضاً
۶۱	تعیین الطریق لاھل الارادة بالتزام وظائف الخیر والعبادة (اہل ارادہ کے لیے راستوں کا تعین کرنا، عبادت اور خیر کے وظائف کے لازم کرنے کے ساتھ)	عقائد	فارسی		۳	ایضاً
۶۲	تقسیم الانام علی اربعته اقسام (چار قسموں پر انسانوں کی تقسیم)	بشریات	فارسی		۱۶	ایضاً

۶۳	تکمیل الایمان و تقویة الایقان (۱۳۰)	عقائد	فارسی	۳۲		ایضاً
۶۴	تنبیه العارف بماوقع فی العوارف	تصوف	عربی	۱۰		غیر مطبوعہ
۶۵	تنبیه اولی الالباب علیٰ ملازمة الادعیة والاحزاب (دعاؤں اور وظائف پر ہمیشگی سے عمل پیرا رہنے کے لیے صاحبان عقل کو خبردار کرنا)	اعمال	فارسی		۳۵	مطبوعہ
۶۶	تنبیه الغافلین بفناء الدنیا وار بابها واغترار الجاهلین بزخارفها واسبابها (غافل لوگوں کو خبردار کہ دنیا اور دنیا والے فنا ہو جائیں گے)	بشریات	فارسی		۱۷	مطبوعہ
۶۷	تنبیه اهل الفکر علی رعایة آداب الذکر (آداب ذکر کے سلسلے میں اصحاب فکر کو متنبہ کرنا)	تصوف	فارسی		۵۰	ایضاً
۶۸	تنبیه اهل العلوم والنهیٰ بتفاوت حال الابتداء والانتهاء (ابتداء اور انتہاء کی حالتوں کے تفاوت پر اہل علم کو خبردار کرنا)	عقائد	فارسی		۴	ایضاً

٦٩	تنویر القمر لیلة البدر فی تصویر معنی شرح الصدر (چودھویں شب کے چاند کی طرح روشن، ایسی حقیقتوں کے بیان میں جس سے سینے میں کشف کی قوت پیدا ہو)	تصوف	فارسی		۴۱	ایضاً
۷۰	توصیل المرید الی المراد ببیان احکام الاحزاب والاوراد	اوراد و ادعیہ	مخلوط	۳۴		ایضاً
۷۱	توصیة الاصحاب بالصبر فی جمیع الابواب (ہر حال میں صبر کو مضبوطی سے اختیار کرنا)	عقائد	فارسی		۴۹	ایضاً
۷۲	توصیة الاخوان بالصبر علٰی جفاء اهل الزمان (اہل دنیا کے مظالم پر دوستوں کو صبر کرنے کی وصیت کرنا)	عقائد	فارسی		٦١	ایضاً
۷۳	جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰة	حدیث	مخلوط	۴		غیر مطبوعہ
۷۴	جذب القلوب الٰی دیار المحبوب (۱۳۱)	تاریخ	فارسی	۱۲		مطبوعہ
۷۵	جمع کلمات العارفین من اهل الصدق و الیقین (اہل صدق و یقین کے کلمات کے یکجا کرنا)	فقہ	فارسی		٦٦	ایضاً

۷۶	جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین	حدیث	فارسی	۲۱		غیر مطبوعہ
۷۷	جواب بعض کلمات شیخ احمد سرہندیؒ	عقائد	فارسی			ایضاً
۷۸	حاشیۃ الفوائد الضیائیہ لاتباع الھوی الصبائیہ	نحو	عربی	۴۱		غیر مطبوعہ
۷۹	حراسۃ الایمان من مکائد الشیطان (ایمان کی روشنی میں شیطان کے مکروفریب کو سمجھنا)	عقائد	فارسی		۴۸	مطبوعہ
۸۰	حسن الاشعار فی جمع الاشعار (دیوان)(۱۳۲)	شاعری	فارسی	۴۸		غیر مطبوعہ
۸۱	حرقۃ الجنان بتمنی الکشف والعیان (کشف لی تمنا میں اعضائے انسانی کا حرکت دینا)	تصوف	فارسی		۴۶	مطبوعہ
۸۲	حفظ الوقت بترک الاختلاط مع الاضداد والاخلاط (مخالف لوگوں کی صحبت ترک کر کے اپنے اوقات کو ان سے بچانا اور محفوظ رکھنا)	عقائد	فارسی		۲۳	ایضاً

۸۳	ذکر اصول الطریقة لکشف الحقیقة (حقیقت کے انکشاف کے لیے طریقت کے اصولوں کا بیان)	تصوف	فارسی		۲	ایضاً
۸۴	ذکر الاحوال والاقوال بنهته علی رعایته (ایسے احوال و اقوال کا بیان جو ثابت قدمی اور اعتدال پر متنبہ کریں)	تصوف	فارسی		۶۹	ایضاً
۸۵	ذم الکسل فی المواظبته والمداومته علی العمل (کسی وظیفے پر بلا ناغہ عمل کرنا)	اعمال	فارسی		۴۰	ایضاً
۸۶	رسالہ شب برأت	عقائد	فارسی			غیر مطبوعہ
۸۷	رسالہ صلوٰۃ الاسرار	تصوف	فارسی			ایضاً
۸۸	رسالہ عقد انامل	اعمال	فارسی			ایضاً
۸۹	رسالہ نوریہ سلطانیہ (۱۳۳)	سیاسیات	مخلوط	۲۹		مطبوعہ
۹۰	رسالہ اقسام حدیث	حدیث	عربی			ایضاً
۹۱	رسالہ وجودیہ	تصوف	مخلوط			غیر مطبوعہ
۹۲	رسالہ وظائف	اعمال	مخلوط			ایضاً
۹۳	رعایته الانصاف و الاعتدال فی اعتقاد الصوفیة من ارباب الاحوال (صاحب کیفیت صوفیوں کے اعتقاد میں اعتدال کی رعایت کا بیان)	تصوف	فارسی	۸		مطبوعہ

۹۴	رفع صوت النحیب بالمام ضعف المشیب (بڑھاپے کی کمزوری کی مصیبتوں کے لیے جوان کی آواز کا بلند کرنا)	بشریات	فارسی		۱۵	ایضاً
۹۵	روضات	تصوف	فارسی			ایضاً
۹۶	زادالمتقین فی سلوک طریق الیقین	سیر وتذکرہ	فارسی	۱۷		ایضاً
۹۷	زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار	سیرو تذکرہ	عربی	۱۴		ایضاً
۹۸	سلوک الطریق الفجاج بالاجتناب عن الانحراف والاعوجاج (انحراف اور کج روی سے بچ کر وسیع راستے پر چلنا)	بشریات	فارسی		۲۶	ایضاً
۹۹	سلوک الطریقة علی نهج المجاز قنطرة الحقیقة (صوفیوں کا مقولہ المجاز قنطرۃ الحقیقۃ (مجاز حقیقت کے لیے پل ہے) کا بیان)	عقائد	فارسی		۶۳	ایضاً
۱۰۰	سلوک طریقة الفلاح عند فقد التربیة بالاصلاح (نیکی کے راستے کی فلاح کے انکشاف کے لیے، صرف تربیتِ اصلاح کے لیے)	بشریات	فارسی		۰۱	ایضاً

۱۰۱	سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ حاصل کرنے کے لیے قریب ترین راستہ دکھانا)	تصوف	فارسی		۱۸	ایضاً
۱۰۲	شرح شمسیہ	منطق	عربی	۴۰		غیر مطبوعہ
۱۰۳	شرح الصدور بتفسیر آیۃ النور	تفسیر	مخلوط	۳۶		ایضاً
۱۰۴	شرح فتوح الغیب مسمی بمفتاح الفتوح لفتح ابواب النصوص	تصوف	فارسی	۱۵		مطبوعہ
۱۰۵	شرح القصیدۃ الجزریہ	تجوید	مخلوط			غیر مطبوعہ
۱۰۶	صحیفۃ المؤدۃ (مثنوی)	شاعری	فارسی	۴۶		ایضاً
۱۰۷	صدق التعطش والاوام فی طلب المقصد والمرام	عقائد	فارسی	۱۹		مطبوعہ
۱۰۸	ضرب الاقدام (۱۳۴)	عقائد	فارسی			ایضاً
۱۰۹	طلب الغور فی ذکر باعث سفر لاہور (سفرِ لاہور کے سبب میں غور کرنے کے ذکر کی ضرورت)	عقائد	فارسی		۶۲	ایضاً
۱۱۰	طلاقۃ اللسان بشکایۃ الفراق الھجران (فراق اور جدائی لی شکایت کے بیان میں گفتگو کرنا)	عقائد	فارسی		۵۹	ایضاً

۱۱۱	طی لسان القلم ببیان معنی قولهم لا راحته الافی القدم والعدم (صوفیاء کے قول ''ابدیت کے علاوہ کہیں راحت نہیں'' کے معنی کے بیان میں قلم کو لپیٹنا (روکنا)	عقائد	فارسی		۴۴	ایضاً
۱۱۲	طیب المذاق ببیان الذوق فی مقام الاطلاق (مقام اطلاق میں پاکیزہ ذوق کا بیان)	عقائد	فارسی		۴۷	ایضاً
۱۱۳	فتح المنان فی تائید مذهب النعمان (۱۳۵)	فقہ	عربی			ایضاً
۱۱۴	فصول الخطب لنیل اعالی الرتب	خطبات	مخطوط	۹		غیر مطبوعہ
۱۱۵	قرع الاسماع باختلاف اقوال المشائخ واحوالهم فی السماع (سماع کے متعلق مشائخ کی مختلف حالتیں اور ان کے مختلف اقوال کو بیان کر کے آپ کی سمع خراشی کرنا)	عقائد	فارسی		۶	مطبوعہ
۱۱۶	کشف استار الظلم من وجه لسان الحال والقلم (حال اور قلم کے چہرے سے تاریکیوں کو روشن کرنا)	عمرانیات	فارسی		۲۵	ایضاً

۱۱۷	کشف الالتباس فی استحباب اللباس	اخلاق	فارسی			ایضاً
۱۱۸	کشف الاستار عن تحقیق معنی الکسب والاختیار (پردہ، جو کشف و اختیار کے معنی میں ہے، کا انکشاف کرنا)	عقائد	فارسی		۲۷	ایضاً
۱۱۹	لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (۱۳۶)	حدیث	عربی		۱	ایضاً
۱۲۰	تحقیق ماثبت بالسنة من الاعمال فی ایام السنة	عقائد	مخلوط	۲۶		ایضاً
۱۲۱	مدارج النبوۃ ومراتب الفتوۃ	سیرۃ	فارسی	۵		ایضاً
۱۲۲	مرجع البحرین فی الجمع بین الطریقین	تصوف	فارسی	۳۱		ایضاً
۱۲۳	مشاهدة الابرار بین التجلی والاستتار (تجلی اور اخفاء کے درمیان نیک لوگوں کا مشاہدہ کرنا)	عمرانیات	فارسی		۳۳	ایضاً
۱۲۴	مطلع الانور البهیة فی الحلیة الجلیة النبویة	سیرۃ	مخلوط	۶		غیر مطبوعہ
۱۲۵	نظم آداب المطالعہ والمناظرہ	مناظرہ	فارسی	۴۳		ایضاً
۱۲۶	نکات الحق الحقیقة من باب معارف الطریقة	تصوف	فارسی	۴۵		مطبوعہ
۱۲۷	نکات العشق والمحبت	تصوف	فارسی	۴۴		غیر مطبوعہ

۱۲۸	وجدان البرد باستشمام الورد (پھول سونگھنے سے کیفیت کا پیدا ہو جانا)	تصوف	فارسی	۶۵		مطبوعہ
۱۲۹	وجود الفناء فی احدیة الذات بالغیبة من جمیع النسب والجهات (ہر چیز سے غائب ہو کر ذات واحد میں فنا ہو جانا)	عقائد	فارسی		۳۰	ایضاً
۱۳۰	ورود الامداد بالاستقامة على الاوراد (وظیفوں پر ثابت قدم رہنے کے لیے امداد کا وارد کرنا)	اعمال	فارسی		۷	ایضاً
۱۳۱	وصیت نامہ	ذاتی حالات	فارسی			غیر مطبوعہ
۱۳۲	هدایة الانام الی التمسک بالشرائع والاحکام (احکام خداوندی و شریعت کو مضبوطی سے پکڑنے کے لیے انسانوں کی رہنمائی کرنا)	بشریات	فارسی		۳۴	مطبوعہ
۱۳۳	هدایة طریق التربیة والتعلیم ببیان حقیقة الرضاء والتسلیم (تسلیم اور رضا کی حقیقت بیان کر کے تعلیم و تربیت کے طریقوں کا بیان)	اسلامی فلسفہ	فارسی		۳۱	ایضاً
۱۳۴	هدیة الناسک الی طریق المناسک	فقہ	مخطوط	۲۸		غیر مطبوعہ

حواشی وحوالہ جات

۱۔ آپ نے اپنی تصانیف میں دوجگہوں پر یہ نام بھی تحریر کیا ہے۔ (الف) مدارج النبوت (ج۔۱) ۔ص ۲۰۹ اور المکاتیب والرسائل (ساتواں مکتوب) حصہ اول ص ۲۸۶۔ اس کے علاوہ آپ نے تقریباً تمام تصانیف میں اپنا نام عبدالحق بن سیف الدین ہی تحریر فرمایا ہے۔

۲۔ فقہ وتصوف۔ ص ۳۰۰

۳۔ تاریخ ہند (ج۔۶)۔ ص ۱۷۶، تذکرہ عبدالحق محدّث دہلویؒ۔ ص ۲۰، حیات عبدالحق محدّث دہلویؒ۔ ص ۷۰، تذکرہ۔ ص ۳۵۰، انڈیا آفس لائبریری لندن (ج۔۲)۔ ص ۸۵۱، دائرہ معارف اسلامیہ (ج۔۱۲)۔ ص ۸۳۰

۴۔ شیخ رزق اللہ (۸۹۹۔۹۸۹ھ/۹۴۔۱۴۹۳۔۱۵۸۱ء) آپ مرد کامل، فاضل نوادر روزگار، یادگار سلف اور شیخ محمد ملاوہ کے مرید تھے۔ فضائل صوری اور معنوی میں جامع تھے۔ مشرب عشق ومحبت، سلامت عقل اور وسعتِ حوصلہ وصبر کے مالک تھے۔ قصے اور مشائخ کے احوال اور ہندوستان کے بادشاہوں کی تاریخ بڑی خوش اسلوبی اور روانی کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ آپ کثرت سے سفر کرتے اور ہمیشہ فقیروں، درویشوں اور مشائخ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ (بحوالہ اخبار الاخیار۔ ص ۴۴۱)

۵۔ شیخ فضل اللہ (م ۹۶۹ھ/۶۲۔۱۵۶۱ء) تینوں بھائیوں میں منجھلے بھائی ہونے کی نسبت سے آپ لوگوں میں میاں منجھو کے نام سے مشہور تھے اور شیخ محمد حسن عرف شاہ خیالی (۸۳۹۔۹۴۲ھ/۱۴۳۵۔۳۶۔۱۵۳۵ء) کے مرید تھے۔ اوراد واعمال میں مشغول رہتے تھے اور صاحب وقت وحال تھے۔ (بحوالہ اخبار الاخیار۔ ص ۵۶۴)

۶۔ شیخ سیف الدین (۹۲۰۔۹۹۰ھ/۱۵۱۴۔۱۵۸۲ء) حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے اخبار الاخیار میں اپنے والد شیخ سیف الدین کے حالات دو مقامات پر مفصل طور پر بیان کیئے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔ شیخ سعد اللہ (شیخ محدث کے دادا) کے تین صاحبزادگان تھے۔ ان میں شیخ سیف الدین سب سے چھوٹے تھے۔ سعد اللہ نے ۹۲۸ھ میں وفات پائی اس وقت آپ کی عمر آٹھ برس تھی۔ جب شیخ سعد کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ شیخ سیف کو تہجد کے وقت کوٹھے پر لے گئے۔ نماز تہجد پڑھ کر انہیں اپنے سامنے کھڑا کیا اور کہا: اے اللہ عزوجل: تو جانتا ہے کہ میں نے اپنے دوسرے لڑکوں کی تربیت کی اور ان کے حقوق ادا کئے لیکن اس کو یتیم بیکس چھوڑے جارہا ہوں ابھی اس کے حقوق ادا کرنا میرے ذمہ تھے اس لیے اس کو تیرے حوالے کررہا ہوں تو ہی اس کا محافظ ہے۔ یہ دعا کرکے فوراً ہی

کوٹھے سے اتر آئے۔ والد کے وصال کے بعد آپ نے اپنے بھائیوں کی موجودگی میں اپنی والدہ کی خوب خدمت کی۔ خرچ کی تنگی اور دیگر موانع کے باوجود تعلیم حاصل کرنے لگے۔ شاعری، فضیلت، قبولیت، ذوق وشوق، محبت والفت، خوش طبعی، بے تعلقی، خوش کلامی، حضور قلب، ذکر الٰہی، لطائف و ظرائف، باریک بینی اور دور رسی میں یکتائے زمانہ اور ملک کی یادگار ثابت ہوئے۔ (بحوالہ اخبار الاخیار۔ ص ۶۸۵)

۷۔ اخبار الاخیار۔ ص ۵۴۵

۸۔ زبیری، اخلاص حسین اور صدیقی، وحید الحق (پروفیسر)۔ (۱۹۷۰ء)۔ بچہ کا ذہنی ونفسیاتی ارتقاء۔ کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس اکیڈمی۔ ص ۹

۹۔ دہلوی عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۳۳۲ھ)۔ اخبار الاخیار فی اسرار الابرار۔ دہلی: مطبع مجتبائی۔ ص۔ ۳۱۶

۱۰۔ تالیف، امام ناصر الدین عبدالسید مطرزی الخوی (م ۶۱۰ھ/ ۱۲۱۳ء)

۱۱۔ تالیف: ابن حاجب (م ۶۴۶ھ/ ۱۲۴۸ء)

۱۲۔ اخبار الاخیار۔ ص ۳۱۷

۱۳۔ بچہ کا ذہنی ونفسیاتی ارتقاء۔ ص ۶۳

۱۴۔ تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۲۱

۱۵۔ اخبار الاخیار (فارسی)۔ ص ۳۱۶

۱۶۔ شہابی اکبر آبادی، انتظام اللہ (مفتی)۔ (۱۹۵۷ء)۔ تاریخ ملت۔ دہلی: ندوۃ المصنفین۔ ص ۱۰۷

۱۷۔ ایلیٹ (ج۔ ۶)۔ ص ۱۷۶

۱۸۔ اخبار الاخیار (فارسی)۔ ص ۳۱۷

۱۹۔ (المعروف بہ قطبی)۔ تالیف: قطب الدین رازی (م ۷۶۶ھ/ ۱۳۶۴ء)

۲۰۔ شرح عقائد نسفی از علامہ سعد الدین تفتازانی

۲۱۔ (مختصر المعانی) شرح تلخیص المفتاح۔ تالیف: علامہ تفتازانی (م ۸۰۸ھ/ ۱۴۰۵ء)

۲۲۔ (مطول) شرح تلخیص المنتاح۔ تالیف: علامہ تفتازانی (م ۸۰۸ھ/ ۱۴۰۵ء)

۲۳۔ اخبار الاخیار (فارسی)۔ ص ۳۱۷

۲۴۔ فوائد جامعہ برعجالہ نافعہ۔ ص۔ ۷

۲۵۔ اختر، محمد سلیم۔ (شمارہ ۱۰، ۱۹۷۹ء)۔ عہد شاہجہانی کے بعض ممتاز مشاہیر۔ سہ ماہی اردو،

کراچی۔ انجمن ترقی اردو۔ ص۔ ۶۷ (بحوالہ: پادشاہ نامہ از محمد امین بن ابوالحسین قزوینی)

۲۶۔ ہاشمی، سید متین و صدیقی، ساجد الرحمٰن۔ (۱۹۷۵ء)۔ فہرست مخطوطات۔ عربی و فارسی (ج۔۲)۔ لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

۲۷۔ ہاشمی، سید عشرت علی (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۲ء)۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کی متصوفانہ خدمات۔ غیر مطبوعہ مقالہ۔ جامعہ کراچی۔ شعبہ اسلامی علوم

۲۸۔ سہروردی، سید منصور علی (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۲ء)۔ شیخ عبدالحق محمدث دہلوی بحیثیت تذکرہ نگار۔ مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی، شعبہ فارسی، جامعہ کراچی۔

۲۹۔ اخبار الاخیار (فارسی)۔ ص ۳۱۸

۳۰۔ ایضاً۔ ص ۴۱۸

۳۱۔ بادشاہ نامہ (حصہ دوم)۔ صص ۲۴۲-۲۴۱

۳۲۔ فہرست مخطوطات (عربی و فارسی)۔ ص ۱۶۱

۳۳۔ حقی، برکت علی (منشی)۔ (س ن)۔ مرآۃ الحقائق۔ رامپور: مطبع عزیزی۔ ص ۳۲

۳۴۔ حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ: شرفاء گیلان جو بعد میں ملتان، لاہور اور اُچ شریف میں آکر قیام پذیر ہوئے یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے ہیں اور یہ سارے گیلانی سید حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہابؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان میں سے حضرت شیخ الکل حافظ سید ابوالحسن محمد جمال الدین موسیٰ پاک شہید حسنی الحسینی الگیلانی، ثانی محی الدینؒ، حضرت شیخ عبدالرزاق (م ۹۴۲ھ/۳۶-۱۵۳۵ء) بن شیخ عبدالقادر ثانی (م ۹۴۰ھ/۳۴-۱۵۳۳ء) بن مخدوم سید حامد المعروف گنج بخش و جہاں بخش گیلانی قدس سرہ (م ۹۷۸ھ) بھی تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت اُچ شریف میں ۹۵۲ ہجری میں ہوئی۔ اکبری عہد میں جب مذہبی انتشار اور دینی گمراہیوں نے جنم لینا شروع کیا اور گمراہ عقل پرستوں نے ایک بار پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا تو سید موسیٰ پاک شہیدؒ اور ان جیسے چند دیگر بزرگوں نے دربار اکبری میں رہتے ہوئے اصلاح کا فریضہ اپنے ذمہ لیا اور اپنے مخصوص انداز میں اصلاح میں لگ گئے۔ آپ اکبری دور میں احیائے اسلام کے سرگرم ترجمان تھے۔ آپ کی یہی جرأت ایمانی کی دینی و اصلاحی تحریک تھی کہ اکبری عہد میں صراط مستقیم کے لیے حضرت امام المحدثین شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ جیسے حق پرستوں نے آپ کے دامن سے وابستگی اختیار کر لی۔ نماز کا وقت ہونے پر

باوجود پابندی کے اعلانیہ دیوان خاص میں اذان دیکر باجماعت نماز پڑھاتے۔ آپ کی زندگی کا تابناک ترین پہلو یہ ہے کہ آپ زاہد و مرتاض ہونے کے باوصف بے مثال مجاہد بھی تھے۔ اور آپ نے جہاد فی سبیل اللہ میں جان شیریں جان آفرین کے سپرد کی۔ آپ ملتان میں مدفون ہوئے۔

حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ نے متوسلین کی اصلاح و رہنمائی کے لیے ''تیسیر الشاغلین'' (سالکوں کے لیے آسانی)، تصنیف فرمائی جس کے وہ خود عملی نمونہ تھے۔ تیسیر الشاغلین جہاں تصوف پر ایک گراں قدر کتاب ہے وہاں سلسلہ عالیہ قادریہ کے نصاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب علم و اخلاق اور رشد و ہدایت کا انمول خزانہ ہے جس پر عمل کر کے انسان دین اور دنیا میں سرخرو ہوسکتا ہے۔'' شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے دو مقامات، پچاسواں مکتوب (رسالہ) اور کتاب ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ میں مذکورہ کتاب کا حوالہ دیا ہے۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے:

دربار ملی۔ ص ۹۸، تیسیر الشاغلین۔ ص ۲۹، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۶۱، اخبار الاخیار۔ ص ۵۱۰

مدارج النبوت (جلد۔۱) (اردو)۔ ص ۲۹، تاریخ ملتان فریدی II میں تقریظ کے عنوان سے پیر حسام الدین راشدی کا مضمون خزینۃ الاصفیاء۔ ص ۲۱۲، زبدۃ الآثار۔ ص ۵۲، ماہنامہ ''درویش'' لاہور ۔ اولیائے اللہ نمبر حصہ دوم۔ اپریل ۱۹۹۴ء۔

۳۵۔ المکاتیب والرسائل (فارسی)۔ ص ۳۷۵

۳۶۔ گلزار ابرار (اردو)۔ ص ۵۹۹

۳۷۔ زاد المتقین۔ صص ۳۲۳۔۳۲۴

۳۸۔ حضرت شیخ عبدالوہاب المتقی القادری الشاذلیؒ (۹۰۲۔۱۰۰۱ھ/۷۔۱۴۹۶۔۱۵۹۲ء) آپ مندو میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد شیخ ولی اللہ جو مندو کے اکابرین میں سے تھے بعد میں برہان پور آ کر آباد ہو گئے تھے۔ والدین کا سایہ بچپن ہی سر سے اٹھ گیا۔ بیس سال کی عمر کے لگ بھگ آپ مکہ معظمہ پہنچے آپکو اپنے والد کی یہ نصیحت یاد تھی کہ شیخ علی متقی اور ان جیسے بزرگوں کی صحبت ضروری اختیار کرنا اور فلاں فلاں لوگوں کے ساتھ رہنے کی کوشش کرنا۔ آپ نے ۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء میں حضرت شیخ علی متقی سے بیعت کی اور ان کی وفات تک انکے ساتھ رہے۔ اس دور میں آپ سے زیادہ کوئی شخص علوم شرعیہ کا ماہر موجود نہیں تھا۔ لغت قاموس، فقہ، حدیث اور فلسفہ کی بیشتر کتب زبانی یاد

تھیں۔ عربی ادب کے ماہر تھے برسوں تک حرم شریف میں یہ کتب پڑھاتے رہے۔ بعض مشائخ یمن نے اہیان حرمین کے نام شیخ عبدالوہاب کی تعریف میں لکھا۔ "اے اہلیان حرمین! تم میں ایک شمع منجانب اللہ روشن ہے اس سے روشنی حاصل کرو"۔ آپ اپنے پیرومرشد کے حقیقی وارث، اولین خلیفہ اور صاحب اسرار ہیں۔ (بحوالہ اخبار الاخیار۔ صص ۶۴۶-۶۲۹، زاد المتقین۔ ص ۳۶۴)

۳۹۔ زاد المتقین۔ صص ۲۱۴-۲۱۵

۴۰۔ شیخ محدث نے مدارج النبوت (ج۔۲) صفحات ۷۳۷-۷۳۸ پر خرقہ کی سند کی وضاحت اس طرح کی ہے: عوارف میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ام خالد رضی اللہ عنہا (کاتب وحی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی) کو ایک موقعہ پر اوڑھنی پہنائی تھی اس سے صوفیاء حضرات خرقہ عطاء کرنے میں سند لیتے ہیں۔

۴۱۔ زاد المتقین۔ صص ۲۵۳-۲۷۷

۴۲۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ صص ۲۲۱-۲۲۳

۴۳۔ بادشاہ نامہ (ج۔۲)۔ صص ۲۴۱-۲۴۲

۴۴۔ مرآۃ الحقائق۔ ص ۳۵

۴۵۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۳۷۷

خواجہ محمد الباقی النقشبندی الاویسی قدس سرہ، (۹۷۱-۱۰۱۲ھ/۱۵۶۳-۱۶۰۳ء)۔ آپ کا مسلک اہلِ سنت و جماعت کی روش پر اعتقاد، شریعت کی پابندی، خواہشِ نفس اور بدعتوں سے اجتناب تھا آپ کو حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندی سے اویسی نسبت تھی اور ظاہری نسبت خواجہ امکنگی سے تھی۔ اگر سولہویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی کے شروع کی مذہبی اور روحانی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ آپ کی ذاتِ گرامی احیاء سنت اور اماتت بدعت کی تمام تحریکوں کا منبع و مخرج تھی۔ آپ کے ملفوظات و مکتوبات کا ایک ایک حرف آپ کی مجددانہ مساعی، بلند فکرونظر کا شاہد ہے۔ آپ نے اکبر کی براہ راست مخالفت کیے بغیر ملک میں اسلامی روحانیت کی ایک ایسی زبردست لہر دوڑادی کہ اس فضا میں اکبری رجحانات کا فروغ پانا ناممکن ہوگیا۔

مزید تفصیلات کے لیے رجوع کیجیے:

زبدۃ المقامات۔ ص ۵، کلمات الصادقین۔ ص ۲۰۰، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ ص ۱۳۴، رودکوثر۔ ص ۱۹۰، خزینۃ الاصفیاء (ج۔۳) مخزن چہارم، سلسلہ نقشبندیہ۔ ص ۱۴۸

۴۶- مرآۃ الحقائق- ص ۳۵ (بحوالہ حاشیہ زبدۃ الآثار)

۴۷۔ شرح فتوح الغیب۔ ص (ز)

۴۸۔ مکتوباتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ج۔۲)۔ ص ۲۴۹

۴۹۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا سلسلہ تلامذہ۔ ص ۳۰۹

۵۰۔ تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۱۶۷

۵۱۔ دہلوی، عبدالعزیز محدث (شاہ)۔ (۱۹۶۴ء) فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ۔ (مترجم، مولانا محمد عبدالحلیم چشتی)۔ کراچی: نور محمد کارخانہ کتب۔ ص ۷

۵۲۔ شیخ ابوالحرم مدنی: (م ۱۰۰۱ھ/۹۳-۱۵۹۲ء)

آپ کی ولادت اس وقت مکہ معظمہ میں ہوئی جب آپ کی والدہ حج کے لیے حجازِ اقدس تشریف لائی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے آپ کی کنیت ''ابوحرم'' ہوئی۔ آپ مدینہ منورہ کے بلند پایہ علماء وفقہاء سے تھے۔ فن قرأت میں شہر کے شیخ الشیوخ اور استاذ الاساتذہ تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ سے صحیح بخاری کا ایک حصہ اور قصیدۂ شاطبیہ پڑھا پھر قرآنِ کریم اور علم حدیث پڑھانے کی اجازت سے سرفراز ہوئے۔ قصیدۂ شاطبیہ میں بحث کے دوران آپ نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے فرمایا: جتنا تم مجھ سے استفادہ کرتے ہو میں اس سے زیادہ تم سے استفادہ کرتا ہوں۔ آپ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور جنت البقیع میں آپ سپردِ خاک کیے گئے۔ (بحوالہ: دہلوی، شیخ عبدالحق محدث۔ (۱۹۹۸ء)۔ زادالمتقین فی سلوک طریق الیقین۔ (مترجم، ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی)۔ کراچی: الرحیم اکیڈمی۔ ص ۳۱۵)

۵۳۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی اولاد سے تھے۔ مکہ معظمہ کے فقیہہ، محدث، مفتی اور خطیب تھے۔ فتاویٰ قاضی خان گویا زبان پر تھی۔ مکہ معظمہ میں صحیح بخاری کا درس دیتے۔ شیخ محدث نے صحیح بخاری کا درس آپ سے بھی لیا۔

۵۴۔ مصر کے ایک دیہات بہنس کے رہنے والے تھے، بڑے پائے کے عالم تھے۔ آپ نے جامع صغیر سیوطی کی شرح لکھی تھی۔ آپ مکہ معظمہ میں درس دیتے تھے۔ مکہ معظمہ پہنچنے کے دوسرے ہی روز شیخ محدث آپ کی مجلس میں پہنچ گئے۔ اور آپ سے تحصیل علم شروع کر دیا۔ (بحوالہ زادالمتقین۔ ص ۲۲۳)

۵۵۔ آپ کے آباؤ اجداد سمرقند سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ آپ اپنے وقت کے جید علماء اور اصحابِ فضل میں سے تھے۔ شیخ محدث نے آپ سے صحیح بخاری کا آخر حصہ پڑھا۔ سیّد صاحب نے آپ کو صحیح بخاری کی روایت کی اجازت سے نوازا پھر اگلے ہی دن خالقِ حقیقی سے

جا ملے۔ (بحوالہ زاد المتقین۔ ص ۳۲۶)

۵۶۔ ابتدا میں بدخشاں پھر ماوراء النہر جا کر سمرقند و بخارا کے علماء و مشائخ سے کسب کمال حاصل کیا۔ موصوف راہ شریعت و طریقت و حقیقت کے پہلوان اور باریافتگان درگاہ سے تھے۔ شیخ محدث نے ظاہری استفادہ و روایت حدیث کی اجازت آپ ہی سے پائی۔

۵۷۔ آپ کا نام اس سند سے معلوم ہوا جس کا ذکر اوپر ہو چکا جو پھلواری شریف کی ہے۔ (بحوالہ تذکرہ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ۔ ص ۱۵۵)

۵۸۔ اختر، محمد سلیم۔ (مارچ، جون ۱۹۷۲ء)۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کا سلسلہ تلامذہ۔ لاہور: اورینٹل کالج میگزین (خصوصی شمارہ جشن صد سالہ اورینٹل کالج۔ شمارہ مسلسل ۱۸۸-۱۸۹، جلد ۴۸، عدد ۱،۲۔ ص ۳۱۴

۵۸ الف۔ تذکرۂ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بر سبیل تذکرہ شیخ طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنیؒ میں شیخ عبداللہ لاہوریؒ کے ساتھ ملا عبدالحکیم کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ صاحب تذکرہ کے خیال میں غالباً یہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ ہیں۔ دیگر، مترجم تکمیل الایمان مولانا حکیم مطیع الرحمان قریشی نے بھی لکھا ہے کہ ایک روایت کے مطابق ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ بھی شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے۔

۵۹۔ اختر، محمد سلیم (ڈاکٹر)۔ (ستمبر ۱۹۷۸ء)۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ اور مشائخ حرمین شریفین۔ ماہنامہ سیارہ (جلد ۳۵، شمارہ ۱۳)۔ لاہور: دارالاشاعت مصنفین (پاکستان)۔ ص ۱۱۰

۶۰۔ مسعود احمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۵ء)۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ حالات، افکار و خدمات۔ کراچی: ادارہ مسعودیہ۔ صص ۱۲-۱۹۳

۶۱۔ تذکرہ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ۔ ص ۴۷ راقم اس بات کا ذکر ہرگز نہ کرتا اگر حضرت مجدد الف ثانی کے تذکرہ نگار مذکورہ بات کو اس رنگ میں پیش نہ کرتے کہ گویا یہ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی بڑی زیادتی اور زبردست لغزش تھی۔ معلوم نہیں کہ خواجہ حسام الدین کے خط میں ''صفائی'' کے معنی رجوع ہونا علم لغت کے کس قانون کی رو سے اخذ کیا گیا ہے۔

۶۲۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ صص ۳۰۱-۳۳۳

۶۳۔ رودِ کوثر۔ ص ۲۷۶

۶۴۔ عبدالرحمٰن، سید مصباح الدین۔ (۱۹۸۰ء)۔ بزم تیموریہ (ج ۲)۔ اعظم گڑھ: مطبع معارف۔ ص ۱۴۶

۶۵۔ مقالات سلیمان (ج۔۲)۔ ص ۳۷

۶۶۔ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی (جلد دوم)۔ مکتوب ۲۹۔ ص ۴۶

۶۷۔ ایضاً۔ مکتوب ۱۱۵۔ دفتر اوّل حصہ دوم۔ ص ۳۰۷

۶۸۔ ایضاً۔ (جلد سوم)۔ مکتوب ۱۰۰۔ ص ۱۷۶

۶۹۔ ایضاً۔ (جلد دوم)۔ مکتوب ۲۹۱۔ ص ۸۳۷

۷۰۔ ایضاً۔ (جلد دوم)۔ مکتوب ۳۱۳۔ ص ۹۱۱

۷۱۔ ایضاً۔ (خلد دوم)۔ مکتوب ۲۴۹۔ ص ۸۰

۷۲۔ دہلوی، محمد صادق کشمیری۔ (۱۹۹۵ء)۔ کلمات الصادقین۔ (مترجم لطیف اللہ)۔ کراچی: ادارہ نشر المعارف۔ ص ۲۲۹

۷۳۔ ایضاً (حاشیہ)۔ ص ۲۲۹

۷۴۔ تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ صص ۱۳۲-۱۳۳

۷۵۔ مآثر الکرام (ج۔۲)۔ صص ۳۳۴-۳۳۸

۷۶۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ صص ۲۲۵-۲۲۶

۷۷۔ عبدالرحمٰن، سید مصباح الدین۔ (۱۹۴۸ء)۔ بزم تیموریہ (ج۔۱)۔ اعظم گڑھ: مطبع معارف۔ ص ۴۷

۷۸۔ فیضی، ابوالفیض۔ (۱۳۰۶ھ)۔ سَوَاطِعُ الْاِلْھَام۔ لکھنو: مطبع نولکشور۔ ص ۲۵۷

۷۹۔ صمصام الدولہ (شاہنواز خان)۔ (۱۹۶۹ء)۔ مآثر الامراء (ج۔۲)۔ (مترجم، پروفیسر محمد ایوب قادری)۔ لاہور: مرکزی اردو بورڈ۔ ص ۵۸۸

۸۰۔ اکرام، ایس ایم (ڈاکٹر) و قریشی، وحید (ڈاکٹر)۔ (۱۹۶۶ء)۔ دربار ملی۔ لاہور: مجلس ترقی ادب۔ ص ۳۶۹

۸۱۔ جعفر حلیم، سید حسین (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۲ء)۔ شرح احوال و آثار: عبدالرحیم خان خاناں (فارسی)۔ پاکستان: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔ ص ۲۴۳

۸۲۔ آزاد، محمد حسین (۱۹۴۷ء)۔ دربار اکبری۔ لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب۔ ص ۷۰۱

۸۳۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۲۳۱

۸۴۔ تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۱۳۹

۸۵۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۲۲۳

۸۶۔ رودِ کوثر۔ ص ۴۰۶

۸۷۔ مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (ج۔۲)۔ ص ۷۸

۸۸۔ ایضاً۔ ص ۸۶

۸۹۔ سندیلوی، چوہدری نبی احمد۔ (س ن)۔ تذکرۂ مؤرخین۔ کراچی: اقبال پبلیشرز۔ ص ۷۹

۹۰۔ دربار ملی۔ ص ۲۷۴

۹۱۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ صص ۲۳۸-۲۳۹

۹۲۔ منتخب التواریخ (جلد سوم)۔ ص ۱۱۳

۹۳۔ بخشی کے فرائض: فوج کی بھرتی، منصب داروں کے رجسٹر رکھنا، تنخواہ کے قواعد کی پابندی کرانا وغیرہ تھے۔

۹۴۔ تذکرۂ مؤرخین صص ۵۳-۵۵

۹۵۔ تاریخِ ہند (ج۔۵)۔ ص ۱۷۸

۹۶۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ صص ۲۴۱-۲۴۲

۹۷۔ ایضاً۔ ص ۲۴۳

۹۸۔ مآثر الکرام (فارسی)۔ ص ۴۹

۹۹۔ مرآۃ الحقائق۔ ص ۳۸

۱۰۰۔ دہلوی، نور الحق محدث دہلویؒ (شیخ)۔ (۱۹۷۵ء)۔ نور العین شرح قران السعدین۔ لاہور: نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریباتِ امیر خسرو۔ ص ۱ (ب)

۱۰۱۔ انصاری پسروری، محمد اسلم ابن محمد حفیظ۔ (۱۹۷۲ء)۔ فرحت الناظرین۔ (مترجم، پروفیسر محمد ایوب قادری)۔ کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ ص ۶۸

۱۰۲۔ ایضاً۔ ص ۲ (الف)

۱۰۳۔ شرح قرآن السعدین (دیباچہ انگریزی)۔ ص ۴

۱۰۴۔ مآثر الکرام (فارسی)۔ ص ۲۰۲

۱۰۵۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ صص ۲۴۷-۲۴۸

۱۰۶۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۳۹۹

۱۰۷۔ تذکرۂ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۲۳۸

۱۰۸۔ واقعات حکومت دہلی (حصہ سوم)۔ صص ۵-۳۰۰

۱۰۹۔ مرآۃ الحقائق۔ ص ۳۹

۱۱۰۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۸

۱۱۱۔ نور العین شرح قرآن السعدین۔ ص ۲ (الف)

۱۱۲۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۱۵۵

۱۱۳۔ سہروردی، سید منصور علی (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۳ء)۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ ایک تذکرہ نگار کی حیثیت سے۔ کراچی : مکتبہ غریب نواز۔ ص ۱۱۰

۱۱۴۔ تکمیل الایمان۔ ص ۱۱

۱۱۵۔ مرآۃ الحقائق۔ صص ۳۹۔۴۰

۱۱۶۔ اخبار الاخیار (اردو)۔ ص ۳۳۵

۱۱۷۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۳۴۱

۱۱۸۔ ایضاً۔ ص ۲۰۵

۱۱۹۔ ایضاً۔ ص ۳۶۸

۱۲۰۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۳۷۳

۱۲۱۔ کتاب تالیف قلب الالیف میں ہر کتاب کے تذکرے کے ساتھ آپ نے اس کی ضخامت کا تذکرہ بھی کیا ہے جو ابیات کی صورت میں ہے۔ ابیات جمع ہے بیت کی لیکن یہاں بیت سے مراد شعر نہیں بلکہ سطور ہے جو کہ اصطلاح کاتبین ہے جس کے مطابق ایک سو حروف کی معین مقدار ہے اس پر کاتب لوگ اجرت لیتے تھے۔ (بحوالہ مرآۃ الحقائق۔ ص ۴۰)

۱۲۲۔ شیخ محدث کی اس کتاب کو ان کی زندگی میں بہت ہی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ صاحب گلزار ابرار ص ۵۹۹ پر اخبار الاخیار کے متعلق لکھتے ہیں: اس کتاب کو خوبیاں، تعریف کے قالب میں نہیں سما سکتی ہیں چونکہ آپ (شیخ محدث) نے اس تذکرے کے ضمن میں اپنے آبائے کرام اور اقربائے عالی مقام اور حضرات مرشدین کے باحقیقت حالات تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اس واسطے راقم نے اس حامل الاختصار نسخے (گلزار ابرار) میں صدر الذکور حالات کا اعادہ نہیں کیا بلکہ تمناً فہرست کے طور پر اور عنون کی طرح اس عزیز ماجرا میں چند حروف لکھے ہیں۔

☆ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ (جلد ۳) ص ۱۱۳ پر آپ کی دو کتب تاریخ مدینہ (جذب القلوب) اور اخبار الاخیار کا تذکرہ کیا ہے۔ جہانگر نے جب دیکھا تو آپ کی محنت و تحقیق کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ (بحوالہ تزک جہانگیری۔ ص ۳۲۷)

☆ کتاب کے آخر میں کسی نے حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کا بے محل (بحوالہ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حاشیہ ص ۲۱۷) تذکرہ کیا ہے جوکہ کتاب سے کوئی متابعت نہیں رکھتا کیونکہ:

(ا) مقدمہ مصنف میں کتاب کا خاتمہ رسول اللہ ﷺ کی ایک نعت پر کیا گیا ہے۔

(ب) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت شیخ احمد سرہندیؒ سے ۱۳ سال بڑے تھے تو وہ آپ کو ''شیخ العالم الفاضل العارف'' (بحوالہ حیات شیخ، عبدالحق محدث دہلویؒ ص ۳۰۲) لکھتے تھے جبکہ اضافے میں زبدۃ المقربین، قطب الاقطاب، فضیلت مظہر تجلیات الٰہی، مصدر برکات نامتناہی امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ لکھا گیا ہے۔

(ج) دوسرے پیراگراف سے اس اضافے کا واضح مقصد بھی معلوم ہوتا ہے کہ محض ''رجوع ہونا'' کی روایت کے پیش نظر یہ کاوش کی گئی ہے۔

(د) شیخ محدث کی تمام تحریروں کے مزاج کے برعکس اس پورے اضافے میں کوئی حوالہ نظر نہیں آتا۔

(ہ) اس اضافے کا تذکرہ کسی بھی معاصر تذکرے میں نہیں ملتا۔

۱۲۳۔ مشکوٰۃ المصابیح کی یہ فارسی شرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تالیفات میں سب سے زیادہ مقبول کتاب ہے، اس شرح کا آغاز ۱۰۱۹ھ میں ہوا جب شیخ موصوف کی عمر ساٹھ (۶۰) برس کی تھی اور تکمیل ۱۰۲۵ھ میں ہوئی، یہ آغاز واتمام کی تاریخ ہے تالیف کتاب کی مجموعی مدت نہیں ہے کیونکہ اس طویل عرصہ میں شیخ موصوف نے بعض اور کتب ورسائل بھی لکھے۔

موصوف تالیف قلب الالیف میں لکھتے ہیں:۔ اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ، مشکوٰۃ کی فارسی شرح ہے جو قدر ومنزلت میں عربی شرح سے فروتر ہے لیکن تنقیح وترتیب اور ضبط وربط میں اس پر فائق اور قابل ترجیح ہے، حجم وضخامت میں بھی اس سے بڑھ گئی ہے، تائیدِ الٰہی اور نصرت باری تعالیٰ سے نفیس، عمدہ، مرتب، پسندیدہ اور مقبول کتاب تیار ہوگئی۔

اس ضمن میں صاحب معارج الولایت تحریر فرماتے ہیں ''آپ (شیخ محدث) نے مشکوٰۃ کی دو شرحیں عربی وفارسی میں تحریر فرمائی ہیں۔ فارسی شرح (اشعۃ اللمعات) علماء اور فضلاء کے نزدیک بہت مقبول ہے کیونکہ اس میں انہوں نے انتہائی مشکل اور محال جملوں کا ترجمہ آسان اور سہل لکھا ہے وہ ہر کسی کی سمجھ میں آجائے۔ (بحوالہ، مقدمہ مرتب رسالہ نوریہ سلطانیہ (فارسی)۔ ص ۵)

۱۲۴۔ ڈاکٹر زبید احمد نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے یہ شیخ محدث کی تالیف قلب الیف میں موجود نہیں ہے۔ (بحوالہ: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۱۶۶) لیکن مترجم مقدمہ مشکوٰۃ شریف

(اردو) خواجہ محمد علی اسحاقی رحمانی سہانپوری مکتبہ اسلامی لاہور۔ (۱۳۶۵ھ)۔ ص ۱۸، نے اس کتاب اور اسماء الرجال والرواۃ کو ایک ہی کتاب گردانا ہے۔ جبکہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ کتب ہیں۔

۱۲۵۔ کیٹلاگ آف دی پرشین مینوسکرپٹس از چارلس ریو (۱۔۲) ص ۲۲۳۔۴ مزید قلمی مخطوطوں جیسے جذب القلوب الی دیار المحبوب، اخبار الاخبار، اشعۃ اللمعات، رسالہ مکاتیب در علم سلوک الطریق، شرح سفر اسعادۃ القویم، تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان، مرج البحرین، آداب لباس، تاریخ حقی، زاد المتقین کے لیے انڈیا آفس لائبریری۔ لندن از کیٹلاگ آف پرشین مینواسکرپٹس (ہرمن ایتھے، ج۔۲) سے رجوع کیجئے۔

۱۲۶۔ دی جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ (۱۹۲۶ء)۔ ص ۶۰۔۴۳ بتوسط نیشنل لائبریری اسلام آباد شائع کیا تھا۔ اس کتاب کے شروع میں دہلی کے کچھ شعراء و مصنفین کا تذکرہ بھی ہے جسے سید شمس اللہ قادری نے حیدرآباد سے تذکرہ مصنفین دہلی کے نام شائع کیا تھا اس کا ذکر ایلیٹ نے بھی اپنی کتاب تاریخ الہند کی چھٹی جلد ص ۴۸۳۔۴۹۲ پر کیا ہے۔

۱۲۷۔ Contribution of India to Arabic Literature. p256. (بحوالہ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۱۷۱)

۱۲۸۔ قلمی مخطوطہ مخدومی سید شمس الدین گیلانی، اُوچ کے مخزونے میں ہے۔ (بحوالہ منزوی، احمد۔ (۱۹۸۵ء)۔ فہرست مشترک، نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان (جلد چہارم)۔ اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان۔ ص ۲۲۷۴)

۱۲۹۔ صاحب حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ ص ۱۷۱ نے اس کتاب کو علم حدیث میں شمار کیا ہے۔

۱۳۰۔ کیٹلاگ آف دی عربک مینوسکرپٹس از لیوی ص۔ ۳۷۱ نمبر ۲۰۱۱

۱۳۱۔ مذکورہ کتاب (اردو) ص ۳ کے مقدمہ میں شیخ محدث نے تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب علامہ سید نورالدین علی بن سیّد عفیف الدین عبداللہ بن احمد حسینی سمہودی مدنیؒ (م ۹۱۱ھ) کی کتاب وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰے (مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی، دکن۔ انڈیا) علامہ سمہودی کا ایک اور رسالہ بعض تواریخ اور دوسری کتب سے انتخاب کر کے ۱۰۰۱ھ میں دہلی میں مکمل کی۔

۱۳۲۔ اس دیوان کے متعلق فہرس التوالیف ص ۵۴ میں لکھتے ہیں۔ اس بیاض میں چند غزلیں، قصائد، قطعات اور باعیاں شامل ہیں۔ شیخ محدث کو شعر وسخن کا ذوق خاندانی ورثہ میں ملا تھا۔ ان کے جد امجد شیخ فیروز، والد اور چچا (شیخ رزق اللہ مشتاقی) شعر وشاعری سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ کو

زمانہ طالب علمی سے شاعری کا شوق تھا۔ مکتوب نمبر ۵۴ بنام شیخ نورالحق دہلوی (المکاتیب والرسائل۔ ص ۳۶۸) میں لکھتے ہیں:

کم عمری میں ہم نے جو نظم لکھی تھی وہ یہ ہے۔

عجب زاطورِ خود پسندانست طور ماطور دردمندانست

ہیچ چیزے چو دردمندی نیست کہ دراو بوئے خود پسندی نیست

(خود پسندوں کے طریقے پر تعجب ہوتا ہے، ہمارا طریقہ دردمندوں کا طریقہ ہے۔ کوئی بھی چیز دردمندی کے جیسی نہیں کہ جس میں خود پسندی کو بوتک نہیں) آپ حقی تخلص کرتے تھے۔ اشعار کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ (عباسی، منظور احسن۔ (۱۹۶۳ء) تفصیلی فہرست مخطوطات فارسیہ۔ :لاہور پنجاب پبلک لائبریری۔ ص ۹۸) اخبار الاخبار میں آپ نے ایک بڑا معرکۃ الآراء نعتیہ قصیدہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ مذکورہ کتاب کے دیباچہ میں لکھے گئے اشعار میں سے ایک قطعہ یہ ہے (اخبار الاخبار (فارسی)۔ ص ۱۱)

خسف القمر بجمالِہٖ عجز البشر بِکمالِہٖ

نطق الحجر بجلالِہٖ صلوا علیہ وسلمو

(آپ ﷺ کے جمال سے چاند بے نور ہو گیا۔ انسان آپ ﷺ کے کمال کے سامنے عاجز ہے۔ آپ ﷺ کی عظمت سے پتھر بھی بول پڑے آپ ﷺ پر درود سلام بھیجو)

اس کے علاوہ آپ کے اشعار المکاتیب والرسائل، اشعۃ اللمعات، شرح فتوح الغیب، تاریخ حقی، سفر السعادۃ، جذب القلوب وغیرہ میں کثرت سے ملتے ہیں۔ صبح گلشن میں نواب علی حسن خان نے آپ کے کئی اشعار نقل کیے ہیں۔ ان اشعار کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے کلام میں درد، تاثیر، علو معانی، استادانہ پختگی اور شیرینی سب کچھ ہے۔ (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ صص ۲۰۶-۱۱)

۱۳۳۔ ڈاکٹر اسحاق بھٹی لکھتے ہیں "اس (رسالہ نوریہ سلطانیہ) کو ضبط تحریر میں لانے کا محرک شیخ کا یہ جذبہ صادقہ تھا کہ اس زمانے کا بادشاہ نورالدین جہانگیر قواعد سلطنت، اس کے بنیادی احکام، اطوار و آداب اور ارکان و اسباب سے باخبر ہو سکے۔ (بحوالہ بھٹی، محمد اسحاق (ڈاکٹر)۔ (۱۹۷۷ء)۔ فقہائے ہند۔ (جلد چہارم حصہ اول)۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ ص ۲۶۶)

۱۳۴۔ اس رسالے میں شیخ محدث نے صلوٰۃ غوثیہ کا ثبوت اور جواز پیش کیا ہے۔ (بحوالہ تکمیل الایمان۔ (مترجم، اقبال احمد فاروقی)۔ کراچی: سبزواری پبلشر۔ ص ۱۹)

۱۳۵۔ علم فقہ پر شیخ محدث کی نہایت معرکۃ الآراء تالیف ہے۔ جس میں مشکوٰۃ کے طرز پر فقہی ابو ب

کے ماتحت احادیث کو جمع کر کے اور تحقیق مسائل میں ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کا مستدل بیان کیا ہے اور ہر ایک کے ماخذ ومنشاء پر بڑی بصیرت افروز تنقید کی ہے پھر امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے ماخذ وجوہ ترجیح کو نہایت تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔ اس کتاب سے شیخ موصوف کی فقہی بصیرت اور احادیث پر وسعت نظر کا پتہ چلتا ہے۔ (بحوالہ عجالہ نافعہ۔ ص ۴۸) اس کتاب کا تذکرہ مولانا حسن رضا خان نے بھی اپنے مقالہ میں کی ہے۔ (بحوالہ: خان، حسن رضا (مولانا)۔ (۱۹۸۱ء)۔ فقیہہ اسلام (العطایا الرضویہ فی المسائل الشرعیہ)۔ پٹنہ (انڈیا) بہار: اسلامک پبلیکیشن سینٹر۔ ص ۶۴، سیریل نمبر ۱۰۲)

۱۳۶۔ یہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی عربی شرح ہے۔ مصابیح السنہ وفاء الوفاء مشکوٰۃ المصابیح کی اصل ہے جو حسین بن مسعود بن الفراء البغوی (م ۵۱۶ھ) کی تالیف ہے۔ آپ کا لقب محی السنہ ہے۔ مصابیح السنۃ کا اختصار محمد بن عبداللہ بن محمد العمری الخطیب التبریزی نے ۷۳۷ھ میں مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے کیا۔ زمانہ تالیف سے لے کر اب تک تمام اسلامی ممالک کے دینی وقومی مدارس اور ذاتی تعلیم گاہوں میں اس کا درس برابر جاری ہے۔ (بحوالہ۔ مقدمہ مشکوٰۃ شریف (مترجم، محمد علی اسحاقی)۔ ص ۱۳) شیخ موصوف نے جب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (فارسی) لکھنا شروع کیا تو دوران تحریر نہایت علمی اور دقیق مضامین ذہن میں آئے جن کو کم سواد لوگ سمجھنے سے قاصر تھے، ان مباحث کو نظرانداز کرنا اور ان نکات کو بیان نہ کرنا اہل علم سے کتمان علم مترادف اور خدمت حدیث کی سعادت سے محرومی کا باعث تھا اس لیے موصوف نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کتاب کی ایک مبسوط شرح عربی میں لکھیں جس سے اہل علم پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں اس لیے آپ نے شرح فارسی کے ساتھ عربی میں بھی لکھنا شروع کی، اور اس میں کچھ ایسا جی لگا کہ یہ شرح دو تین برس میں اشعۃ اللمعات سے پہلے مکمل ہو گئی۔ کہنے کو یہ مشکوٰۃ شرح ہے لیکن اس شرح نے صحاح ستہ کی شروح سے فی الجملہ مستغنی کر دیا ہے ہندوستان میں عربی زبان کو کبھی فروغ حاصل نہیں ہوا اور فارسی ایک زمانے تک یہاں کی مادری زبان رہ چکی ہے اس لیے اس کو وہ قبولیت وشہرت حاصل نہ ہو سکی جو اشعۃ اللمعات کو ہندوستان میں ہوئی ہے تاہم شیخ موصوف کی نظر میں اس کی جو قدر و منزلت ہے وہ ان کے حسب ذیل بیان سے معلوم ہو سکتی ہے، فرماتے ہیں:۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ان تصانیف میں نہایت جلیل القدر، نہایت مبسوط اور سب سے بڑی کتاب ہے اور محض توفیق الٰہی اور تائید ایزدی سے یہ نہایت جامع، مبسوط ومفید اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی شرح میں نفع بخش کتاب بن گئی ہے اور معلومات آفریں تحقیقات، نادر مباحث، نفیس فوائد اور لطیف نکات پر مشتمل ہے۔

(بحوالہ تالیف قلب الالیف۔ ص ۲۰)

عکسِ تحریر شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

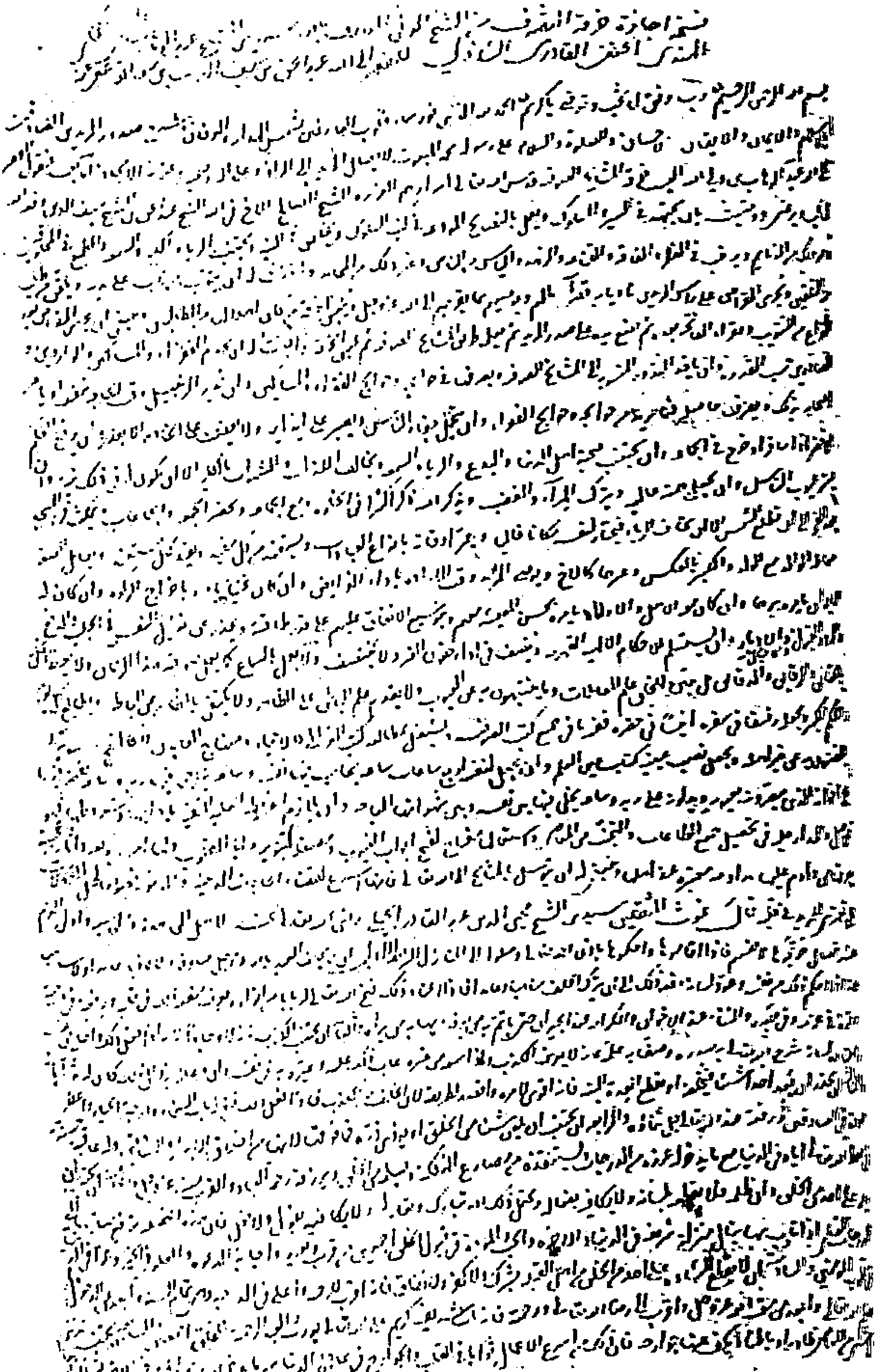

(بحوالہ: سالنامہ المصداق حیدر آباد، سندھ)

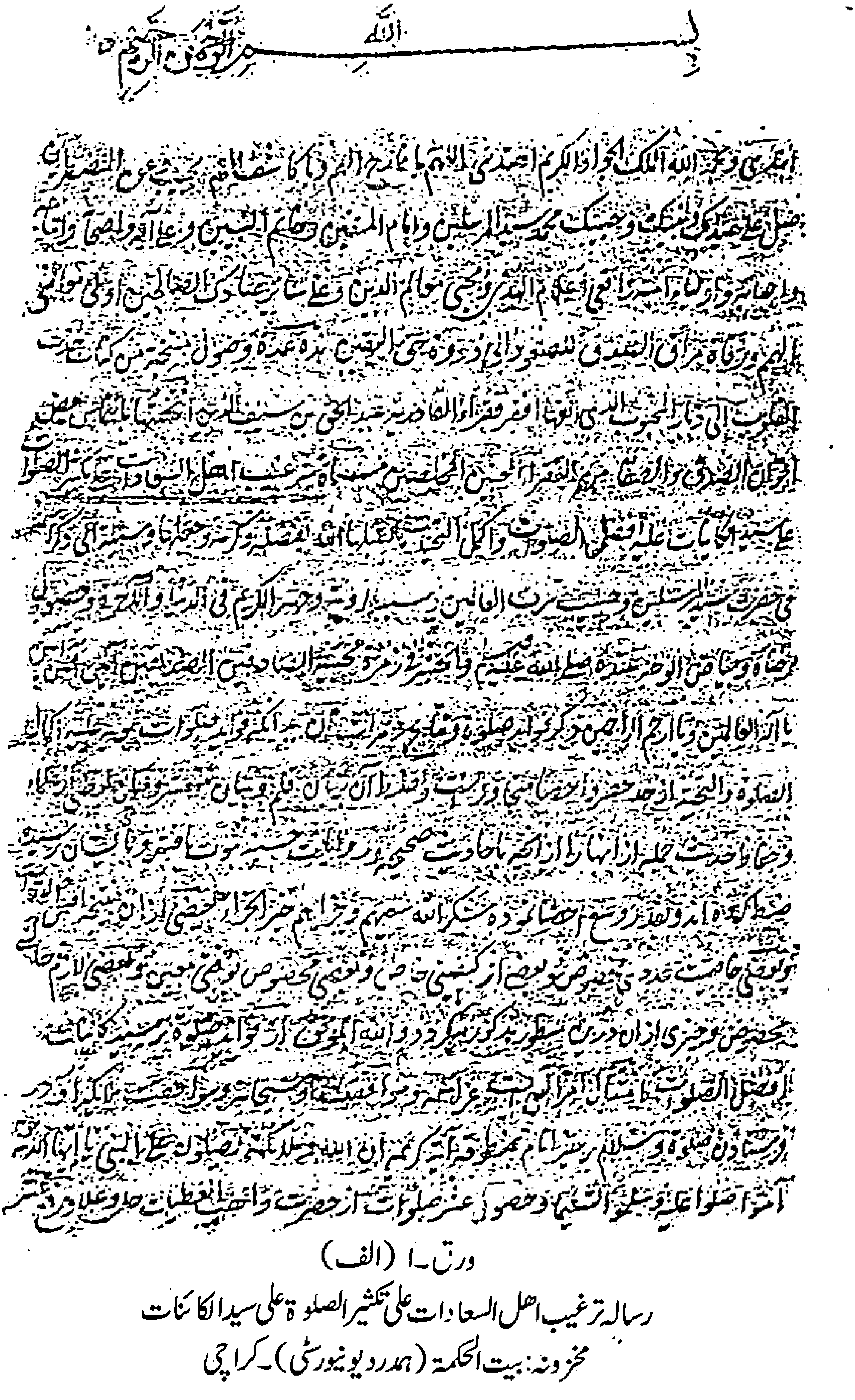

ورق۔۱ (الف)

رسالہ ترغیب اھل السعادات علی تکثیر الصلوۃ علی سید الکائنات

مخزونہ: بیت الحکمۃ (ہمدرد یونیورسٹی)۔ کراچی

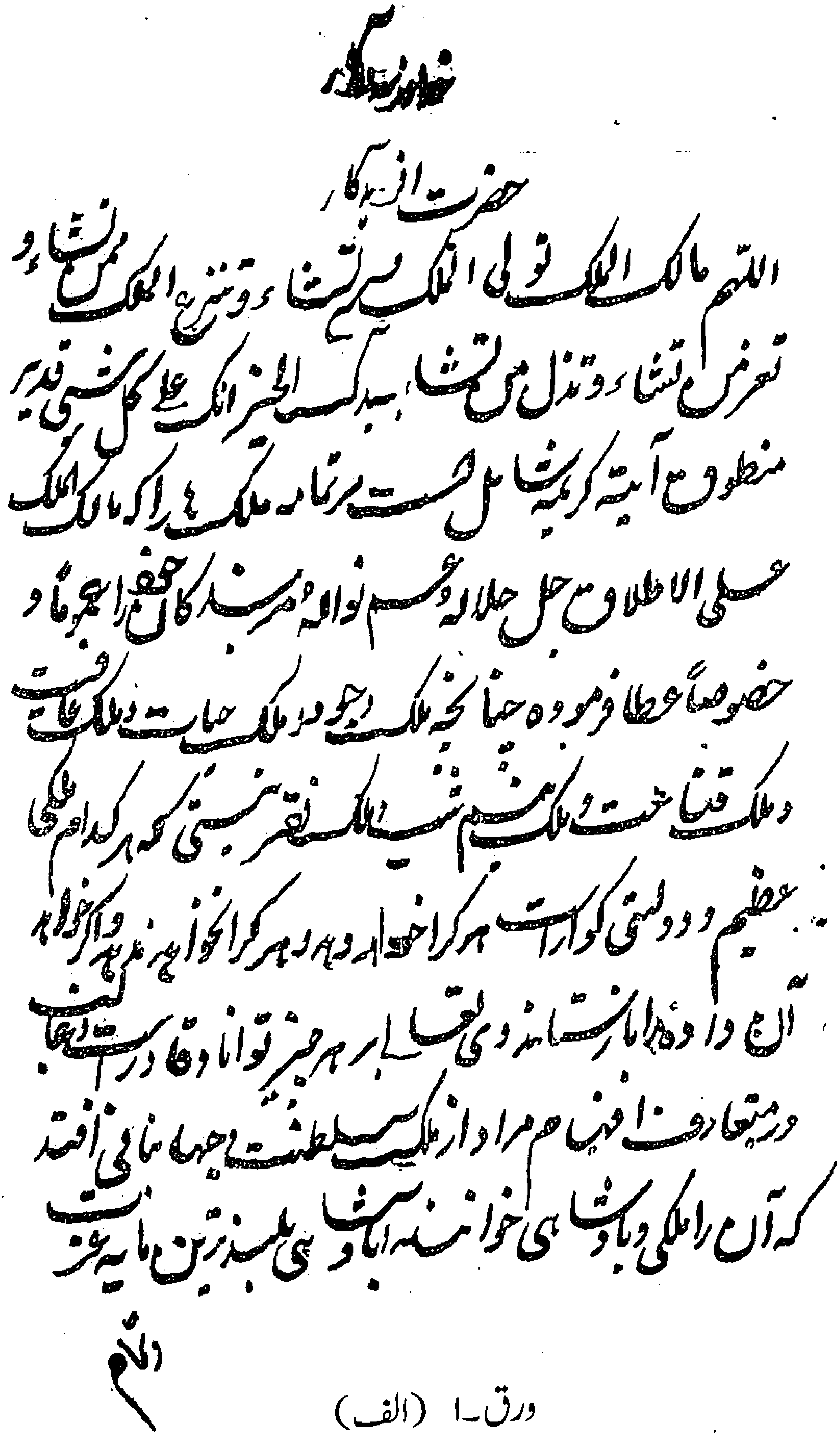

خداوندگار

حضرت آفریدگار

اللهم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و
تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر
منطوق آیه کریمه شامل است بر آنکه ملک ها را که مالک الملک
علی الاطلاق حق جل جلاله و عم نواله هر بنده کامل حق را عموماً و
خصوصاً عطا فرموده چنانچه ملک وجود و ملک حیات و ملک عافیت
و ملک قناعت و ملک همت و [illegible] و ملک فقر و نیستی که هر کدام ملکی
عظیم و دولتی گوارا است هر کرا خواهد دهد و هر کرا خواهد نه دهد و اگر خواهد
آنچه داده باز ستاند وی تعالی بر هر چیز توانا و قادر است لیکن
در عرف متعارف افهام مراد از ملک سلطنت و جهانبانی افتد
که آن را ملکی و پادشاهی خوانند و با وی بلندترین مایه عزت

الّا

ورق ۔ ۱ (الف)

تاریخِ ذکرِ ملوک (تاریخِ حقّی) از شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

مخزونہ: برٹش میوزیم لائبریری ۔ لندن

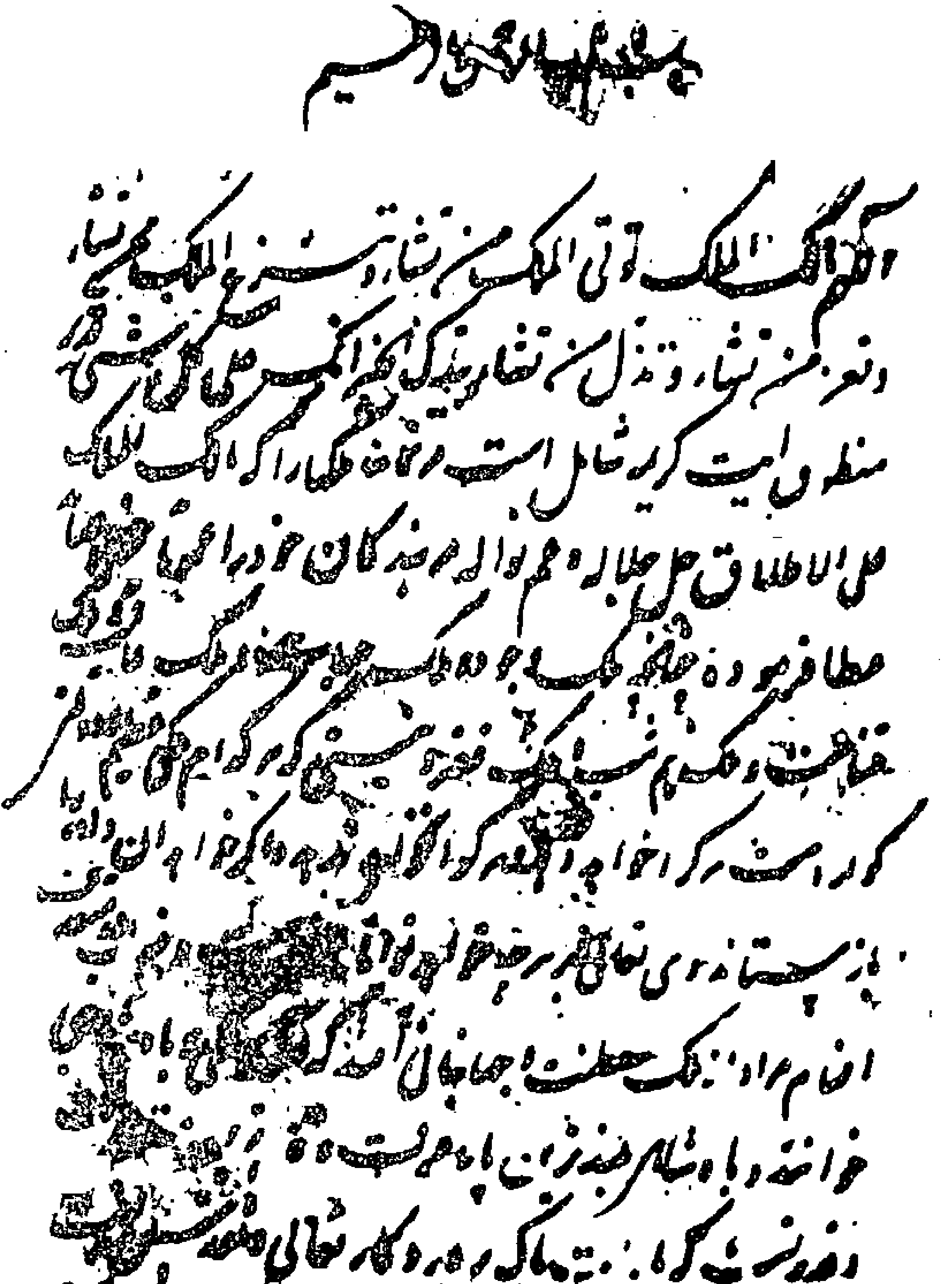

بسم الله الرحمن الرحیم

اللهم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء

وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر

مضمون آیت کریمه شامل است [illegible] ملکها را که مالک الملک

علی الاطلاق جل جلاله و عم نواله به بندگان خود [illegible]

عطا فرموده [illegible]

ورق۔۱ (الف)

تاریخِ ذکرِ ملوک (تاریخِ حقّی) از شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

مخزونہ: کتب خانہ علی گڑھ یونیورسٹی۔ انڈیا

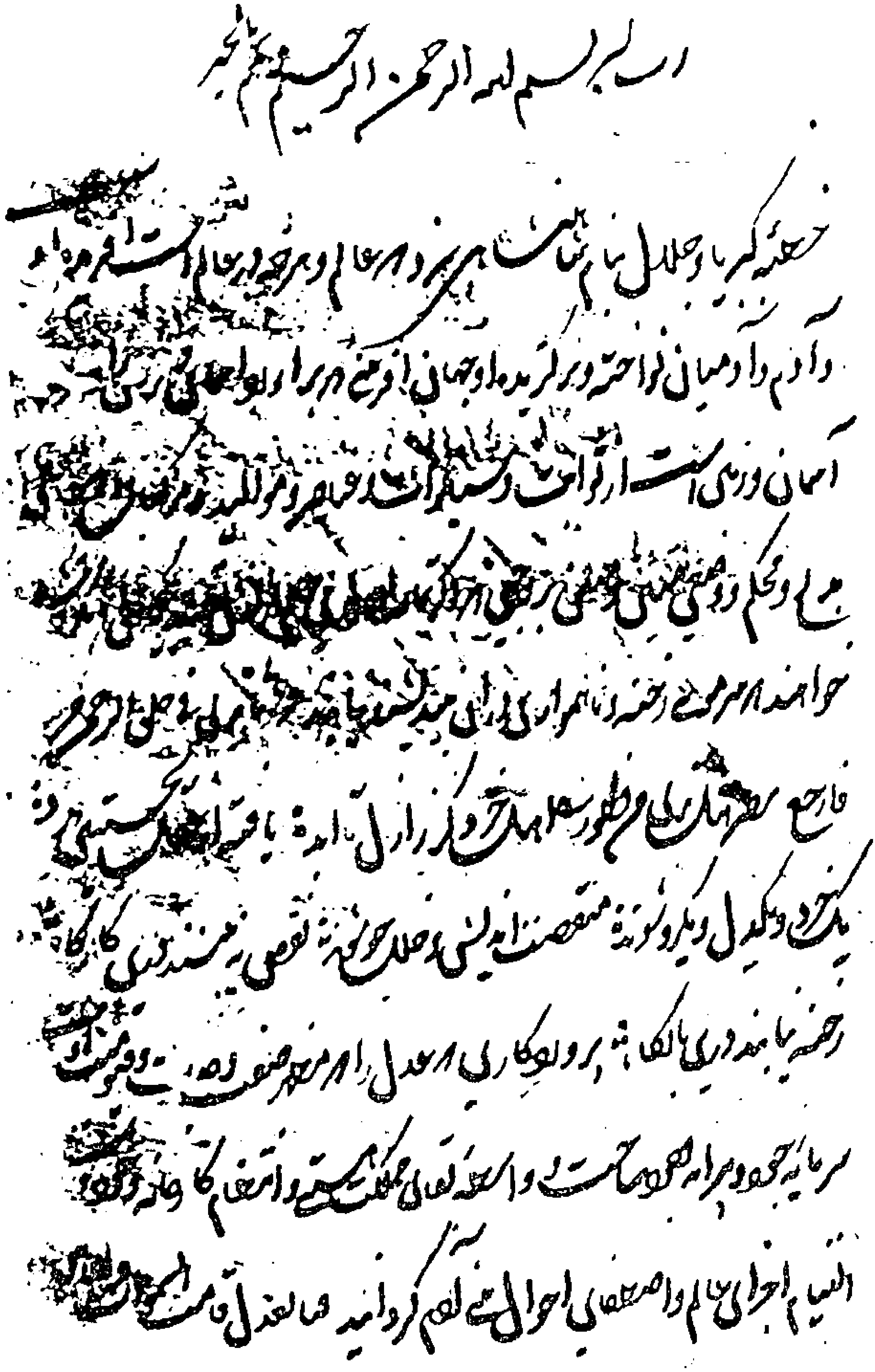

ورق۔۱ (الف)
زبدۃ التواریخ از شیخ نور الحق محدث دہلوی
مخزونہ: برٹش میوزیم لائبریری۔لندن

باب دوم

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے
دینی سیاسی نظریات

فصل اول۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا سیاسی فلسفہ

فصل دوم۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور دینی سیاسی اصطلاحات

فصل سوم۔ نظریۂ ریاست

فصل چہارم۔ نظریۂ حکومت

فصل پنجم۔ نظریۂ علم

فصل ششم۔ نظریۂ امّت

فصل ہفتم۔ نظریۂ جہاد

وصل اول۔ افکار شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا تسلسل

وصل دوم۔ افکار شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا عصرِ حاضر میں اطلاق

باب دوم فصل اوّل

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کا سیاسی فلسفہ

حکمرانی کے فن اور اقوام کے عروج وزوال کے اسباب سے واقفیت حاصل کرنا ہی تاریخ کے مطالعہ کا اہم مقصد ہے۔ انسانی تمدن کی تجربہ گاہ تاریخ ہے اور تاریخ نے ہمیشہ یہ سبق دیا ہے کہ جو اقوام عروج پاتی ہیں ان میں بحیثیت قوم ان سے اچھی خصلات زیادہ ہوتی ہیں جو تنزل کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔ اس نظریے سے تاریخ کا پہلا عالمانہ مطالعہ ابن خلدون نے پیش کیا تھا غزالی نے نصائح کرتے ہوئے بادشاہوں کو ہدایت کی ہے کہ قدیم تذکرے اور اسلاف کے کارناموں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ گبن نے روما کی تاریخ عروج وزوال اس نظریے کے تحت لکھی تھی کہ اصل میں اقوام کے عروج وزوال کے نتائج اخذ کئے جائیں۔ ہر خاص وعام کو چاہیے کہ وہ ہر دور اور تمدن سے سبق لے اور اس اصول پر عمل کرے کہ حکمت مسلمان کی کھوئی ہوئی دولت ہے جہاں ملے اسے اپنا لے اس میں سے غیر مناسب اور مناسب کی تمیز کرتے ہوئے، ناپسندیدہ جزو کو چھوڑ دے۔

تمام اسلامی خیالات کی بنیاد قرآن پاک اور احادیث پر رکھی گئی ہے جیسا کہ عموماً مسلمانوں کی سیاسی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس میں ہر خیال کو پیش کرتے ہوئے حدیث یا کسی قرآنی آیت سے ابتدا کی جاتی ہے۔ اسلامی سیاسی تفکر کی بنیاد ''الحکم امانۃ'' پر ہے یعنی حکومت امانت ہے اور امانت اللہ کی ہے حکمرانی محاسبہ سے بلند نہیں ہے ہر حکم اور طاقت کے استعمال پر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی ہوگی۔ حکومت کی اساس عدل پر ہے نہ کہ سیاسی مصلحت پر۔ امام غزالیؒ کے مطابق عدل وانصاف کا منبع خود حکمران ہے حکمران کے اپنے کردار کی اہمیت کا اثر اس کی سلطنت اور اہلکاروں پر بتاتے ہوئے کہا کہ جب تک وہ خود منصف مزاج نہیں ہوگا رعایا میں نہ انصاف رائج ہوگا، نہ اس کی قدر ہوگی، انہوں نے خالص صوفیانہ انداز میں ان دو سرچشموں، دنیا کی اصلیت اور آخری سانس کے علم کا ذکر کیا ہے جن سے شجر ایمان زندہ رہتا ہے۔ (۱)

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مشرق میں مطلق العنان، بادشاہوں اور سلطانوں کا دور رہا ہے جو طاقت کے بل پر حکمرانی کرتے تھے۔ شاید یہ خیال کسی حد تک صداقت پر مبنی ہو لیکن جس دور میں مشرق اور مسلمان ممالک میں ایسی ذاتی حکومتیں تھیں اس دور میں حکومت کا عام انداز یہی تھا، خواہ مشرق ہو یا مغرب، قدیم یونان کو شاید اس زمرے میں نہیں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ہر بڑے مفکّر کے خیالات میں دو عنصر ہوتے ہیں ایک کا حوالہ اُس زمانے سے ہوتا ہے اور ایک کا مستقبل بعید تک۔ کسی سیاسی مفکر کی تحریر کو سمجھنے کے لیے اس وقت کے پس منظر کا جائزہ لینا مفید ہوتا ہے اس سے اس کا مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا سیاسی پس منظر سوری و مغل سلاطین کی تاریخ ہے۔

معاصر دور کے حالات بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

الحمدللہ اس حکومت کبریٰ اور سلطنت عظمیٰ کے بنیادی اصولوں اور قواعد میں صبح سعادت و ہدایت کی روشنیاں واضح اور روشن ہیں اور انصاف و امن کے قوانین و قواعد ظاہر و واضح ہیں۔ عاقل کو چاہیے کہ وہ سوچے اور کچھ لمحے کے لیے غور کرے کہ ایسے وقت میں کہ جب مشرق و مغرب کے تمام شہر آشوب اور تفرقے سے متزلزل ہو رہے تھے اور ورطۂ حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے اور موجودہ حالات کو قیامت کبریٰ تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت سے اور بادشاہ کی خوش نصیبی اور خوش بختی سے ایک زرہ بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا اور کوئی چیز بھی حد اعتدال سے باہر نہ گئی اور تمام عالم اپنے مرکز پر برقرار و ثابت و قائم رہے۔(۲)

عہد اکبری جمود یا انحطاط کا دور نہ تھا بلکہ سیاسی اور انتظامی معاملات میں یہ ٹھوس ترقی کا دور تھا لیکن مغرب کی معاصرانہ ترقیوں کی نسبت اس کی رفتار سُست اور محدود نظر آتی ہے کچھ اس طرح کا عمل علماء اور صوفیاء کے ضمن میں کارفرما تھا۔ اسی دور میں تعلیم و تعلّم میں بنیادی اضافے ہوئے۔ گجرات کی ساحلی بندرگاہوں کے ایک مدت کے بعد دہلی کے تابع آجانے سے علماء کو حج و زیارت کے لیے ہی نہیں بلکہ اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے بھی حجاز جانے کا موقع ملا۔ چناں چہ نقلی عُلوم خصوصاً علم حدیث کو شمالی ہند میں ایک نیا فروغ ہوا۔ جس میں سب سے روشن نام شیخ

عبدالحق محدث دہلویؒ کا تھا۔ (۳)

اس امر کا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ بادشاہ اکبر کس حد تک روحانی اضطراب کا شکار تھا تاہم اس میں شک نہیں کہ ابوالفضل اور فیضی نے اسے روحانی بے چینیوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے جین مت کو بھی سمجھنا چاہا، مجوسیت پر بھی عمل کیا، گوا سے عیسائی پادری بھی اس کی روحانی تشفی کیلیے تشریف لائے اور جب تک اقامت گزیں رہے تثلیث کے فضائل اور عیسائیت کے مناقب بیان کرنے کے بجائے نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتے رہے لیکن اکبر اور اس کے گمراہ کنندگان سب کچھ سنتے اور دیکھتے رہے اکبر کی اس نفسیاتی کیفیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک دن ابوالفضل اور اس کے باپ نے آخری وار کر دیا۔ یعنی اکبر نے ایک دن جب یہ سوال کیا کہ اگر علماء میں حد درجہ اختلاف ہو اور کوئی مذہب سمجھ میں نہ آئے تو کیا کرنا چاہیے شیخ مبارک نے کہا آپ بادشاہ عادل اور مجتہد اعظم ہیں۔ آپ کو کس عالم دین یا ملاّ سے کوئی مشورہ طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ کہنے کے بعد اس نے اکبر کی ایما سے ایک محضر تیار کیا۔ دورِ حکومت کے چوبیسویں برس (۹۸۷ھ/۱۵۷۹ء) میں سر عام اعلان کر دیا گیا کہ بادشاہ سلامت کی شخصیت میں حکومت اور اجتہاد کی قوتیں جمع ہو گئی ہیں۔ بادشاہ اسلام امیر المومنین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی عادل، انتہائی دور اندیش، انتہائی خدا ترس بادشاہ ہیں اور یہ کہ وہ تمام مذہبی معاملات جن کے متعلق مجتہدین کی آراء میں اختلاف پایا جائے تو اس صورت میں بادشاہ سلامت کے حکم کا اطلاق پوری قوم پر ہوگا۔ اس دستاویز پر مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری، شیخ الاسلام شیخ عبدالنبی، صدر الصدور حکیم الملک غازی خان بدخشی، ملتان کے قاضی القضاۃ قاضی جلال الدین، سلطنت کے مفتی صدر جہاں، شیخ مبارک اور دیگر اشخاص نے دستخط کر کے مہر لگا دی۔

مذہب اسلام کی مکمل اجتہادی تاریخ میں انتہائی نرالی نوعیت کی دستاویز درج ذیل ہے۔

محضر

اس دستاویز کے لکھنے کا مقصد یہ ہے: چونکہ ہندوستان کو تمام آفات سے محفوظ کر دیا گیا ہے اور یہ بادشاہ سلامت کے عدل کی برکت سے اور ان کے متعارف کردہ اصولوں کے زریعے اب سلامتی اور امن کا مرکز اور عدل وفلاح کی سرزمین بن چکا ہے، اس لیے لوگوں کے ہجوم خواص وعوام خصوصاً پر صاحب عرفان علماء کرام (اور فضلاء دانشمند (جو نجات کے راستے کی راہنمائی کرتے ہیں اور سچائی کے راستے کے ہادی ہیں) عرب اور عجم کے ملک سے ہجرت کر کے اس ملک میں نقل مکانی کر آئے ہیں اور انہوں نے اسے اپنا وطن بنالیا ہے۔ چناں چہ قانون کی متعدد شاخوں اور عدل وانصاف کے اصولوں میں ماہر اور عقل وتصدیق کی بنیادوں پر استوار فرمانات میں باکمال چیدہ چیدہ علمائے کرام جو اپنے تقوٰی دیانتداری اور پرہیزگاری کے لیے مشہور ہیں، نے پہلے قرآن پاک کی آیت کے گہرے معانی پر غور کرنے کے بعد کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں صاحب اختیار ہوں اور دوسرے ان احادیث پر (۱) یقیناً امام عادل روز قیامت کو اللہ کا پسندیدہ شخص ہوگا (۲) جو کوئی امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو کوئی اس کے خلاف بغاوت کرتا ہے وہ میرے خلاف بغاوت کرتا ہے اور تیسرے یہ کہ دیانت وصیانت پر مبنی متعدد ثبوت اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کے نزدیک سلطان عادل کا رتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے۔ چنانچہ بادشاہ اسلام، کہف الانام امیر المومنین، ظل اللہ علی العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی (اللہ ان کی بادشاہت کو قائم رکھے) انتہائی عاقل، انتہائی عالم فاضل اور انتہائی خدا ترس حکمران ہیں اس لیے ان کے بارے میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اگر مستقبل میں کوئی ایسا مذہبی مسئلہ پیدا ہو جائے، جس کے متعلق مجتہدین کی آراء میں اختلاف پایا جائے اور بادشاہ سلامت اپنی فہم وفراست اور عدل وانصاف سے قوم کی بہتری کے لیے اسے اختیار کرنے پر رضامندی کا اظہار کریں اور سیاسی مصلحت کے

> تحت اس مسئلہ پر کسی بھی اختلافی رائے کے بارے میں کوئی حکم صادر فرمائیں تو بذریعہ ہذا ہم اس پر متفق ہیں مزید یہ کہ ہم اعلان کرتے ہیں اگر بادشاہ سلامت اپنی فہم و فراست سے کوئی نیا حکم صادر فرمائیں، جو قرآن کے منافی نہ ہو اور عوام الناس کے فائدہ میں ہو تو پوری قوم کے لیے اس کی اطاعت لازم و ملزوم ہوگی اور اس کی مخالفت اس دنیا میں ایمان و دین اور جان و مال کے نقصان اور آنے والے جہاں میں لعنت کا باعث ہو گی۔ اس دستاویز کو انتہائی دیانتداری سے خدا کی بڑائی اور تبلیغ اسلام کی خاطر تحریر کیا گیا ہے اور ہم یعنی علمائے دین اور فقہائے کرام نے رجب ۹۸۷ ہجری (اگست ۱۵۷۹ء) میں اس پر دستخط کئے ہیں۔ ہم سب کے لیے اور پوری قوم کے لیے لازم و ملزوم ہوگا۔

اس وقت سے بادشاہ کو امام یا امیر وقت کی فہم و فراست کی قانونی بالادستی حاصل ہوگئی اور وہ مکمل قانون بن گیا۔ بادشاہ نے یہ سن رکھا تھا کہ وقت کے امام اور خلفائے اسلام جمعہ کی نماز میں بذات خود خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ یکم جمادی الاول ۹۸۷ھ بروز جمعۃ المبارک فتح پور سیکری میں جامع مسجد کے منبر پر بیٹھ کر اس نے مندرجہ ذیل خطبہ پڑھا، جو شیخ ابوالفیض فیضی نے اس کی مرضی کے مطابق لکھا تھا:۔

بنام آنکہ مارا خسروی داد
دل دانا و بازوی قوی داد
بعدل و داد مارا رہنمون کرد
بجز عدل از ضمیر مابرون کرد
بود و صفش زحد فہم برتر
تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

(میرے مالک نے مجھے بادشاہت عطا کی اور مجھے دانا، قوی اور بہادر بنایا، اس نے عدل اور ایمان کے راستے میں میری رہنمائی کی، اور میرے قلب کو عدل اور سچ سے لبریز کر دیا، کسی

انسان کی فہم وفراست اس کی صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی، اللہ اکبر۔)

اس نے قرآن پاک کی آیات کا حوالہ دیا اور خدا کی شفقت اور فضل وکرم کا شکر ادا کیا، تب فاتحہ پڑھنے کے بعد وہ منبر سے نیچے اتر آیا اور مسجد کے امام حافظ محمد امین کے پیچھے باجماعت نماز ادا کی۔ (۴)

اکبر کے نت نئے مذہبی تجربات اور اسلامی عقائد وتعلیمات کے بارے میں اس کے بدلتے ہوئے نظریات نے دربار میں بلکہ سارے ملک کے اسلام دوست حلقوں میں بے چینی کی فضا پیدا کر دی۔ بعض لوگوں نے اکبر کو ہٹا کر اس کی جگہ اس کے بھائی محمد حکیم مرزا کو بادشاہ بنانے کی بھی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے اور صورتحال اور بھی بگڑ گئی۔ (۵) اکبر کی حکمت عملیوں کا دربار سے باہر حلقوں میں جو ردِ عمل ہوا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جونپور کے قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے اس کے خلاف بغاوت اور جہاد کا فتویٰ دیدیا۔ (۶) اور محمد معصوم کابلی، محمد معصوم فرنخودی، میر معز الملک، نیابت خان اور عرب بہادر سر پر کفن باندھکر اور ہاتھوں میں تلواریں لے کر میدان میں کود پڑے۔ بادشاہ کو اطلاع ملی تو میر معز الملک اور ملا محمد یزدی کو کسی بہانے جونپور سے آگرہ طلب کیا۔ راستے میں کشتی میں سوار کرانے کا حکم دے کر کشتی دریا میں غرق کرادی۔ بنگال سے قاضی یعقوب کو طلب کر کے اس کا بھی یہی حشر کیا مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری (م ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء) کو زہر دلوادیا۔ شیخ عبدالنبی (م ۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء) کو دورانِ اسیری قتل کرایا۔

دیوان خواجہ منصور کو بغاوت کے الزام میں ملوث ہونے کی پاداش میں پھانسی پر لٹکوایا۔ امیر شہباز خان کنبوہ نے حق گوئی کی پاداش میں قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں۔ قاضی جلال الدین ملتانی (م ۹۹۸ھ/۱۵۹۰ء) کو ایک جعلی مقدمے میں ملوث کر کے دکن کی طرف جلاوطن کر دیا علمائے لاہور کو بھی لاہور سے دور دراز مقامات میں منتشر کر دیا گیا۔ قاضی صدر الدین لاہوری، ملا محمد معصوم، بہار اور شیخ منور مالوہ بھیجد یئے گئے۔ ان حالات میں عقلمندی اور حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ بادشاہ کے خلاف علی الاعلان لب کشائی کر کے جان کا داؤ لگانے کے بجائے

ایسے اسباب اور وسائل فراہم کیے جائیں جن سے الحادلا و بدینی کے سوتوں اور سرچشموں کو نیست و نابود کرنے میں مدد ملے۔ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی محدث نے یہی مؤخرالذکر راستہ اختیار کیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے جو روش اتخاذ کی اسے بطور عمومی چار شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

الف: بادشاہ وقت، امرائے دربار اور علماء و مشائخ معاصر سے رابطہ قائم کر کے یا خط و کتابت کے ذریعے ان کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی اور اسلام کو درپیش مسائل سے ان کو آگاہ کیا۔

ب: ہندوستان میں اسلام کی اشاعت و ترویج اور حفظ و بقا کے لیے مختلف موضوعات پر تصانیف و تو الیف کا ایک گرانقدر ذخیرہ فراہم کیا۔

ج: اپنی اولاد کی تربیت اس نہج پر کی کہ بعد میں ان کی صحیح امین اور وارث بن سکے۔

د: ہندوستان بھر میں بنگال سے لے کے کشمیر تک اور دہلی سے لے کر گجرات و جونپور تک شاگردوں کا ایک ایسا جال بچھا دیا جس نے علم شریف حدیث اور دیگر اسلامی علوم کی اشاعت کے سلسلے میں نہ صرف یہ کہ آپ کی قائم کردہ شاندار روایات ہی کی پاسداری کی بلکہ انہیں ہندوستان سے باہر بھی وسعت دینے کی کوشش کی۔ (۷)

ارسطو نے انسان کو مدنی فی الطبع کہا تھا۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ بھی ارسطو کے ہم خیال ہیں اور معاشرے کو انسان کی فطرت کے تقاضے پر معمول کرتے ہیں۔ یعنی انسان زندگی گزارنے میں اسباب کا نیز اجتماع کا اور اپنے ہم جنس کے ساتھ باہمی میل جول رکھنے کا محتاج ہے اس کے لیے چونکہ دوسرے انسانوں سے اختلاط ناگزیر ہے اسلیے مخالطت (میل جول) کے آداب کے حقوق جاننا بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ (۸) ریاست میں سب سے بنیادی اہمیت سربراہ ریاست وحکومت (بادشاہ) دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

سلطنت کے بلند رتبے اور بادشاہوں کے وجود جو حکمت پوشیدہ ہے درحقیقت انبیا کی شریعت کی تقویت و ترویج ہے جو کچھ انبیا کرام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے لاتے ہیں اور انہوں نے

غیب صمدیت کی خبر دی ہے اور دین و شریعت کو پیش کیا ہے۔ ان تمام چیزوں کو بادشاہ اپنے قوت بازو اور قوانین عدالت کے ذریعے رواج دیتے ہیں اور انہیں قائم رکھتے ہیں اور تمام اُمت دین کی تائید و ترویج کے سلسلے میں ان کے ساتھ شریک ہے۔ (۹)

سربراہ ریاست کو خاص مسلمانوں کی صف میں شامل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خاص مسلم تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اعلیٰ قسم میں بادشاہ، امیر، سلطان، صاحبانِ امر داخل ہیں جن کی اطاعت کرنا محکوم رہنا، طریقہ اسلام کے واجبات میں سے ہے۔ بشرطیکہ خدا اور رسول ﷺ کے احکام کے خلاف حکم نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اطاعت کرو۔ اللہ کی اللہ کے رسول اور صاحبان امر کی جو تم میں سے ہوں۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت سوید بن عسقلہ رضی اللہ عنہٗ سے فرمایا کہ اے سوید بن عسقلہ شاید تو مجھ سے پھر نہ ملے، مجھ کو نہ پائے اس لیے میں تجھ کو تقویٰ اور امیر کی بات سننے۔ اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ چاہے وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کا یہ فرمانا اولی الامر کی بات ماننے کے بارے میں آخری مرتبہ کا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ غلام، امیر کا نائب اور خلیفہ ہو۔ اس لحاظ سے اس کی بھی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ بہر حال ان کی اطاعت کرنا۔ ان کے حکم کا ماننا واجبات سے ہے مگر کسی صورت میں ان کا حکم احکام دین کے خلاف نہ ہو۔ کراہت کی کوئی صورت اس میں نہ ہو۔ (۱۰) یعنی اگر بادشاہ عقیدے کے خلاف کوئی کام کرے تو عوام کو چاہیے کہ وہ بغاوت کریں۔ (۱۱)

بنیادیں

کتاب المکاتیب والرسائل میں اپنی تحریرات کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ وہ امور جو دین وملت اور اور شریعت کے جاری کرنے اور اس کے پھیلانے، عقائد کی حفاظت کرنے، سنت کے احکام کی بجا آوری سے متعلق ہوں اس کے بیان کرنے سمجھانے کے لیے یہ بندہ مامور کیا گیا ہے۔ ماموریت کی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ ہمیشہ اعتدال اور احتیاط ملحوظ رکھوں۔ وجود یہ کے اشاروں اور باطنیہ کے تاویلات کو اپنے بیان میں

آنے، داخل ہونے نہ دوں۔ اس فقیر کو مشائخین کی وصیت یہ ہے کہ باریکیوں (گہرائیوں) میں بات چیت نہ کیا کروں خدا اور رسول ﷺ کا کام، اس میں دل لگانے کا طریقہ، ان سے معاملہ کرنے کا علم سکھلاؤں تا کہ وہ ہوشیار ہو کر اس میں لگ جائیں۔ اپنے ہر قسم کے عیوب اور کوتاہیوں کو سمجھ جائیں۔ بزرگوں نے مجھ کو یہ حکم بھی کیا ہے کہ علم باطن کو علم ظاہر پر سبقت (ترجیح) نہ دوں اور یہ نہ سمجھوں کہ ظاہر ہی کافی ہے۔ باطن کی ضرورت نہیں دونوں لازم وملزوم کا ہونا ضروری ہے کیوں، مجھے یہ سمجھایا بتلایا گیا ہے کہ ظاہر کی آراستگی ہو جانے سے باطن کی آراستگی نہایت عمدگی کے ساتھ خود بخود ہو جاتی ہے ظاہر کا ٹھیک ٹھاک کرنا مقدم وضروری کام ہے۔ مجھ سے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میں یہی سمجھوں، اسی کو سمجھاؤں اسی لیے یہ ضعیف ہمیشہ اپنی تالیف وتصنیف میں عموماً نقل وترجمہ کے ساتھ ساتھ صوفیہ کی عبارتیں، آئمہ دین کی باتیں جو دونوں طریقوں (ظاہر، باطن) کی جامع۔ دونوں فریق اہل ظاہر و باطن کی متفقہ (مانی ہوئی) ہوتی ہیں اسی کو صراحت ونزاکت ومناسب تشریح کے ساتھ بیان کیا کرتا اور سمجھاتا ہے۔ بزرگوں کے فرمائے ہوئے سے نکل آنا ان کے سمجھائے اور بتلائے ہوئے طریقہ و مقام کا اختیار نہ کرنا میرے نزدیک بُری بات ہی نہیں بلکہ فضول سی حرکت ہے اس لیے میں نے ان ہی کا فرمایا ہوا طریقہ اختیار کر لیا ہے تجربہ کے بعد میں نے اس کو حقیقتاً سلامتی اور مضبوطی کا راستہ پایا۔ کیونکہ کسی بات کے سمجھنے سمجھانے اعتبار دینے اعتبار میں لانے قلم کو سرپٹ بے روک چلنے، اور زبان کو رکیک بات کہنے کا کبھی موقع نہ دینا ہی مناسب ہے۔ (۱۲)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ وہ ہے جس میں میں ہوں پھر ان سے متصل جو ہیں پھر ان سے جس کا اتصال ہے۔ یہ تینوں مراتب صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے ہیں۔ اور بخاری کی حدیث سے ایک چوتھا مرتبہ اتباع تبع بھی معلوم ہوتا ہے۔ (۱۳) میری سنت کو اپنے اوپر لازم قرار دینا اور میرے خلفاء کی سنت جو ہدایت یافتہ ہیں، کی سیرت وعادت پر کے مطابق عمل کرتا ہے وہ انہیں میں شامل سمجھا جاتا ہے نہ کہ وہ شخص جو اپنی خواہش نفس سے کوئی بدعت پیدا کرے اور اس پہ چلے در خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

کی سنت در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی وہ سنت ہے۔ اگر چہ ان خلفائے راشدین نے اپنے قیاس و اجتہاد سے کوئی بات جاری کی تھی تو وہ بھی سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہی سمجھی جائے گی اس پر بدعت کا اطلاق درست نہ ہوگا۔ جیسا کہ بعض گمراہ فرقے خلفائے راشدین کی اس قسم کی باتوں کو بھی معاذ اللہ بدعت کہہ دیتے ہیں۔ غرض آپکے نزدیک دین و شریعت کے صحیح انتظام اور اسکے انتظام وقوت کا سبب ورع و تقویٰ ہے بعض کے نزدیک ورع، تقویٰ سے بلند تر ہے کہ تقویٰ حرام سے پرہیز اور ورع شبہ سے بچنے کا نام ہے اور بعض کی اصطلاح میں تقویٰ ورع سے کامل تر چیز ہے اور صحیح یہ ہے کہ دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ جو آپؐ کی اور آپؐ کے صحابہ کی سنتوں پر عمل کر کے حاصل ہوتا ہے۔ (۱۴) بادشاہ کہ جن کے ذمے دنیا کا چلانا اور خلق خدا کے مسائل کو حل کرنا ہے سلطنتی معاملات کو اس طرح چلائیں کہ یہ بات ان کے لیے آخرت کی سلطنت کے حصول کا ذریعہ بنے اور یوں انہیں دونوں جہان کی سعادت و دولت حاصل ہو۔ (۱۵)

امام اجل شیخ اکرم عبدالوہاب متقی نے مراتب اعمال کے بیان کرنے کے لیے ایک نقشہ اس طرح ترتیب دیا ہے۔

ضروری	مباح	مکروہ	حرام	کفر

جب بندہ قدرِ ضرورت پر اکتفا کرے جس کے ساتھ وہ زندہ رہ سکتا ہے تو وہ سلامتی میں رہتا ہے اور جب حدِ ضرورت سے آگے بڑھ کر مباح کاموں میں وسعت اختیار کرے تو مکروہات میں واقع ہو جاتا ہے اور مکروہ بات سے محرمات میں اور محرمات سے کفر میں واقع ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک یہ تنزل کی راہ ہے۔

اس ضعیف (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) نے ترقی کے لیے ایک نقشہ اس طرح ترتیب دیا ہے۔

فرض	واجب	سنت	مستحب	ادب

جب انسان فرائض کے بعد واجبات، سنن اور مستحبات ادا کرے اور ان کے بعد آداب بجالائے تو وہ مرتبہ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور خواص بلکہ اخص الخواص بندوں میں سے ہو جاتا ہے۔ (۱۶)

معاصر دور کی خرابیوں کا سدِ باب

آپ کے دور میں بادشاہ، اُمراء، خواص، علماء سوء، صوفیاء خام اور عوام کے ساتھ ساتھ معاصر تحریکیں بھی دینِ اسلام کی بیخ کنی کے لیے کوشاں تھیں۔ آپ نے اپنی تحریروں کے ذریعے ہر ایک کا الگ الگ رد کیا۔

بادشاہ و اُمرائے سلطنت کی اصلاح: بادشاہ اکبر کی وفات پر آپ نے شیخ فرید بخاری کے ہاتھوں ایک مکتوب بعنوان "تنبیہ الغافلین بفناء الدنیا وارباہا واغترار الجاھلین بزخارفھا واسبابھا" بھجوایا (۱۷) جو بادشاہ جہانگیر کو "آگہی واطلاع" کے لیے رقم کیا تھا۔ (۱۸) اکبر کی بے دینی والحاد جبر اور دباؤ کی وجہ سے اس کی حکومت کے امراء بھی اسی کے رنگ میں رنگ گئے تھے لیکن سب کا حال ایک نہ تھا اس کے کئی امراء دین اسلام پر قائم تھے اور بادشاہ کی بے دینی کو پسند نہ کرتے تھے۔ ضرورت تھی کہ ایسے امرا کی طرف توجہ کر کے اور ان سے کام لیا جائے آپ نے امراء کی اصلاح، ان کے عقائد کی درستی اور انہیں ان کے فرائض منصبی کی طرف توجہ دلائی اور حکومت کی بے دینی کے حلاف سرگرم کار ہونے کی ترغیب دی۔ اس ضمن میں شیخ فرید بخاری اور نواب خانخانان کے نام کے چند خطوط مطبوعہ مجموعۂ مکاتیب میں پائے جاتے ہیں، خانخاناں کو بھیجے گئے مکتوب نمبر ۲۲ میں صاف طور ان کو تجدید و ترویج احکام سنت کی ترغیب دی گئی ہے بلکہ اشاروں میں ان کی خاموشی و بے عملی پر زجر و توبیخ بھی ہے کہ مایوس نہ ہونا چاہئے اس لیے کہ حقیقت محمدی کے لیے دورے ہوتے ہیں جیسے فلک کے دورے ہوتے ہیں ہر دورے کی نہایت سو سال کی ابتدا ہے حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت کے لیے ہر سو سال کی ابتدا میں ایک ایسے شخص کو مبعوث کرتا ہے جو دین کی تجدید کرتا ہے جس شخص کے ہاتھ کوئی ایسا کام انجام پائے جو دین کی ترویج، تجدید اور تقویت کا سبب ہو وہ اس بشارت میں داخل ہے علماء، مشائخ، امراء، حکام بھی اس بشارت کو حاصل کر سکتے ہیں اور اس باب میں سب سے بڑا کام ارشاد و ہدایت اور احکام سنت کی ترویج و تجدید ہے اس سے بلند تر کوئی ایسا کام نہیں ہے جو سعادت ابدی اور دولت سرمدی کے حصول کا سبب بنے۔ قرآن میں

ہے کہہ دو اے محمد ﷺ یہی میری راہ ہے کہ میں، اور میرے پیروکار پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں۔ (۱۹)

علماء کی اصلاح: اس دور میں جو طبقہ سب سے زیادہ ظلمت و گمراہی کا شکار تھا وہ علماء سو کا تھا۔ دنیا پرست اور جاہ طالب کا گروہ، جاہل اور گمراہ صوفیوں سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہے اس لیے کہ یہ گروہ علم دین کا لبادہ اوڑھے ہوتا ہے اور ان کے اقوال وافعال کو جہلا، عین دین سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے علمائے حق اور علماء سوء کے درمیان خط امتیاز کھینچا ہے اور لوگوں کو بدکار علماء کے شر سے بچانے کی سعی کی ہے لکھتے ہیں:

علماء کی تعظیم اور ان کی تصدیق ان چیزوں میں واقع ہے جو وہ دین کے موافق بتاتے ہیں اور کتاب وسنت سے تمسک کرتے ہیں ان چیزوں مین ان کی تصدیق ضروری نہیں ہے جو دین کے مخالف کہتے ہیں اور ہوائے نفس ومحبت دنیا میں حیلہ آموزی اور رفتہ اندوزی کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں جب تک دنیا کی طرف مایل نہ ہو اور بادشاہوں کی طرف آمدورفت نہ کریں اور جب وہ دنیا کی طرف مایل ہو جائیں اور بادشاہوں سے میل جول بڑھائیں تو ان سے ڈرو اس لیے کہ وہ دین کے چور ہیں۔ میل دنیا اور اختلاط سلاطین سے مراد یہ ہے کہ دین کو دنیا کے عوض بیچ دیں، کمزوری اور سستی دکھائیں، ناحق اور غلط فتوے دیں۔ اس باب کا قانون یہ ہے کہ جو چیز علم وحکم شریعت کے مقتضا کے مخالف اس کا انکار واجب ہے اور جس میں شبہ ہو اس میں اس وقت توقف لازم ہے جبکہ اس کا قائل اور فاعل ایسا شخص ہو جو علم وعمل امام اور تقویٰ واحتیاط میں صاحب استقامت ہو ایسے شخص کے قول وفعل کے تاویل توجیہ کرنی چاہیے۔ ہاں اگر مصلحتِ شرعی ایسے شخص کے قول وفعل رد کرنے میں بھی ہوتا کہ کم فہم لوگ گمراہ نہ ہوں تو اسے بھی رد کرنا چاہیئے، اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ دلی ہفوات وزلات اور گناہوں میں مبتلا ہونے سے معصوم نہیں ہوتا ہے۔ (۲۰)

صوفیاء کی اصلاح: اس زمانہ میں گمراہی کا دوسرا زبردست منبع صوفیاء خام تھے۔ مشائخ متقدمین کی روایات بھلائی جا چکی تھی اور ''تصوف'' جو کبھی احیاء سنت، تزکیہ نفس اور تجلیہ باطن

کا دوسرا نام تھا، اب سراسر ظلمت اور بدعت کے مترادف ہو گیا تھا۔ آپ نے نہایت منطقی اور کلامی انداز میں ان تمام خرافات کا رد کیا اور اس کے لیے تکمیل الایمان، مرج البحرین، فقہ وتصوف، شرح فتوح الغیب و دیگر رسائل لکھے۔ اس ضمن میں سب سے اہم نظریہ وحدۃ الوجود کا تھا۔ محدث دہلویؒ کے عہد میں بھی اس نظریے کا بڑا زور شور تھا اور فرقہ وجودیہ فتنہ انگیزی میں مشغول تھا۔ اکبر کو احمق بنانے والوں میں ان لوگوں کا بھی ہاتھ تھا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس فرقہ پر سخت تنقید اور صحیح تصوف کی نشر و اشاعت کر کے اس فتنے کے سدباب کی سعی بلیغ کی۔ شرح فتوح الغیب میں ''وجودیوں'' کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> وجودی کہتے ہیں کہ شریعت بھی وجود ہی کے شیونات و اعتبارات میں سے ہے (یعنی وجود اصل ہے اور شریعت اس کی فرع) یہ بات وجودیوں کی اصطلاح میں درست ہے لیکن شریعت کی زبان اور دین کی اصطلاح اس سے نا آشنا ہے جو طریقہ کہ یقینی طور پر شارع سے ثابت ہے وہ یہی شریعت اور اوامر و نواہی ہیں ان کے ثبوت و حقانیت میں کیا تردد ہے کہ ان توجیہوں سے ان کا اثبات کرتے ہیں شریعت ہی اصل ہے بالفرض اگر توحید نہ ہو (توحید نظریہ وحدۃ الوجود میں اس حالت کا نام ہے جب دنیا میں ہر طرف ایک اللہ کا جلوہ نظر آتا ہے دوسری کوئی چیز نظر نہیں آتی) تو کمال فوت ہوگا اور اگر شریعت نہ تو ایمان ہی غائب ہو جائیگا پس توحید، توجیہ و تاویل کی محتاج ہے نہ کہ شریعت۔ (۲۱)

اس طرح صوفیت اور تصوف کے جھوٹے دعوے کرنے والے بہتیرے گم راہ پیدا ہو گئے، باطنیہ، وجودیہ حشویہ، معطلہ، اباحیہ، ملامتیہ اور اس طرح کے نہ جانے کتنے فرقے پیدا ہو گئے۔ حضرت شیخ نے نام بنام ان فرقوں کا رد و انکار کیا ہے اور اُمتِ مسلمہ کو ان کی گمراہی سے بچانے کی سعی کی ہے۔ فرقہ ملامتیہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> جس زمانے میں کہ ہم ہیں اس وقت فقراء سے احکام اسلام شریعت کا کہنا، حقائق و اسرار توحید کے کہنے کا حکم رکھتا ہے بلکہ اس بھی مشکل ہے۔ ہمارے زمانے میں ملامتیہ فرقہ اہل شریعت ہے۔ پناہ لیتا ہوں اللہ کی، ایسی نادانی، گمراہی و بغاوت سے اور چاہتا ہوں عافیت بخیر ہونا۔ (۲۲)

اسی گروہ کے عقیدہ فاسد کا ذکر اس پر انکار شدید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سب (یعنی طاعات وعبادات) عام لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے اور کہتے ہیں کہ نماز و روزہ بیوہ عورتوں کا کام ہے ان نادانوں کی خطا و غفلت کا یہ حال ہے کہ وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ یہ اشغال و کام کس کے بتائے ہوئے ہیں۔ نیز اس کے فوائد و نتائج کیا ہیں۔ (۲۳) جاہل صوفیوں میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو شریعت کو الگ اور طریقت و حقیقت کو الگ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ:

شریعت نام ہے اتباع و فرمانبرداری کا، طریقت کہتے ہیں تمام سے انقطاع کرنے کو اور حقیقت اطلاع، خبرداری کو کہتے ہیں۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ شریعت میانہ روی اور اعتدال، طریقت اپنے کو چھوڑ دینا اور حقیقت دوست سے مل جانے کو کہتے ہیں یعنی بطیب خاطر فرمانبرداری کرنا شریعت، غیر سے بیزاری طریقت اور دوست سے برخورداری کرنا حقیقت ہے۔ (۲۴)

غیر معروف ریاضتیں: ہندوستان میں آ کر جس طرح ہندوانہ تصورات تصوف میں داخل ہوئے اسی طرح جوگیانہ ریاضتیں بھی صوفیوں نے اختیار کیں جوگیوں کی ریاضتوں کی روح یہ ہے کہ روح کو پاک اور قوی کرنے کے لیے جسم کو سزا دی جائے اور اس کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا جائے ہمارے مسلمان صوفیوں نے بھی اس طرح کی بعض ریاضتیں اختیار کرلیں۔ حضرت شیخ نے اس طرح کی ریاضتوں کے خلاف بھی لکھا ہے۔ اپنے ایک رسالہ میں فرماتے ہیں:

بعض ریاضتیں و مشغولیتیں جوگیوں، کاہنوں میں بھی ہوتی ہے۔ بعضوں سے ریاضت کے بغیر استدراج بھی ظاہر ہوجاتا ہے۔ ایک اثر بعض عوالم کے کھلنے، خوارق عادات کے ہاتھ آجانے بعض ارواح خبیثہ کی تسخیر، جنات اور انسان سے کہ جس میں ایمان اور نیک عمل کی شرط نہیں ہے پیدا ہوتا ہے۔ بعض نادان سادہ لوح جو اپنے مسلمان ہونے میں ثابت قدم نہیں ہوتے وہ ایسے لوگوں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کو مانتے ہیں۔ (۲۵)

عقائد

حضرت شیخ کا فکری و اعتقادی موقف آپ کی تصانیف اشعۃ اللمعات، مدارج النبوت، جذب القلوب، تکمیل الایمان، اخبار الاخیار اور دیگر کتب و رسائل میں واضح ہے۔

آپ کو سید الانبیا ﷺ سے گہری اور والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ اخبار الاخیار کے آخر میں ایک نعتیہ قصیدہ بزبانی فارسی آپ نے رقم کیا ہے جس کا ہر شعر اپنی جگہ ایک مضمون کا حامل ہے۔ مندرجہ ذیل شعر سے آپ کی رسول اکرم ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

مخواں اورا خدا از ہر شرع و حفظ دیں   دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن

(حکم شریعت اور دین کی حفاظت کے پیش نظر سرور عالم ﷺ کو خدا نہ کہو اس کے علاوہ آپ کی تعریف میں جو وصف چاہو تحریر کرو)

علم مصطفےٰ ﷺ: حدیث پاک فعلمت ما فی السموٰت والارض کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ ’’پس میں نے جان لیا وہ کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام جزئی اور کلی علوم اور ان کا احاطہ حاصل ہو گیا‘‘۔ (۲۶)

نبی اکرم ﷺ کے علم شریف کی وسعت کی نفی کرنے کے لیے شیخ محقق کا نام ناجائز طور پر استعمال کیا گیا، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں: اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ (۲۷) حالانکہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تصریح کی ہے کہ ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ۔ (۲۸) (اس بات کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔) علاوہ ازیں شیخ نے یہ بات بطور حکایت نقل ہے، روایت ہرگز نہیں کی، حکایت و روایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے جیسے کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

اختیار و تصرف: جن و انس کے تمام ملک اور ملکوت اور تمام جہان، اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تصرف سے نبی اکرم ﷺ کے احاطہ قدرت و تصرف میں ہے۔ (۲۹) دوسری جگہ فرماتے ہیں: شارع علیہ السلام کو یہ حق حاصل ہے کہ جس کے لیے جو حکم چاہیں خاص کر دیں۔ (۳۰)

حاظر و ناظر: حضور اکرم ﷺ تمام کاروبار عالم پر ہمہ وقت ناظر و باخبر ہیں اور ان کو یہ قوت حاصل ہے کہ قبر شریف سے تعلق رکھتے ہوئے جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں۔ (۳۱)

حیات انبیاء و اولیاء: انبیاء کرام حیات حقیقی دنیاوی سے زندہ ہیں اور اولیائے کرام حیات اخروی معنوی سے۔ (۳۲)

سماع موتی (مردوں کا سننا، دیکھنا اور ادراک کرنا): تمام اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ سارے مردوں کے لیے ادراک جیسے جاننا، سننا وغیرہ ثابت ہے۔ (۳۳)

زیارت قبور: تمام مومنوں کی قبروں اور انکی روحوں کے درمیان ایک دائمی نسبت ہے جس کی بناء پر وہ زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور انہیں سلام کہتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ زیارت تمام اوقات میں مستحب ہے۔ (۳۴) حضرت سید المرسلین ﷺ کے روضہ انور کی زیارت علماء دین کے قولی اور عملی اجماع کی بناء پر سب سے افضل سنتوں اور سب سے مؤکد مستحبات، سے ہے۔ (۳۵)

سفر زیارت روضۂ مبارک ﷺ: جب زیارت کا افضل و مستحب ہونا ثابت ہو گیا، سفر کا جائز و مستحب ہونا بھی لازم آیا۔ اسی لیے کہ زیارت کے دلائل عام ہیں اور اس بات کا افادہ کر رہے ہیں کہ دور و نزدیک قرب و بعد سب برابر ہیں۔ (۳۶)

توسل و استعانت: حضور ﷺ سے وسیلہ چاہنا حاجت پوری ہونے کا سبب اور مقصد میں کامیابی کا باعث ہے۔ (۳۷) آگے چل کر فرماتے ہیں: جب دیگر انبیاء علیہم السلام سے بعد وفات توسل جائز ہوا تو سید الانبیاء ﷺ سے بعد وفات توسل بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا بلکہ بعید نہیں اگر اس حدیث پر اولیاء سے انکی وفات کے بعد بھی وسیلہ چاہنے کو قیاس کر لیں۔ (۳۸)

شفاعت: ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے۔ انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔ اس کی شرح میں فرماتے ہیں ان تینوں گروہوں کی تخصیص ان کے زیارتِ فضل و کرامت کی وجہ سے ہے ورنہ مسلمانوں میں سے تمام اہل خیر کے لیے شفاعت ثابت ہے۔ شفاعت کا انکار بد مذہبی و گمراہی ہے جیسا کہ خوارج اور بعض معتزلہ اس کے منکر ہیں۔ (۳۹)

محفل میلاد: آپ محفل میلاد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابولہب نے نبی اکرم

ﷺ کا ولادت باسعادت پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے سبب اس کے عذاب میں تخفیف فرمادی تو جو مسلمان حضور ﷺ کی محبت میں مال خرچ کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا لیکن یہ ضروری ہے کہ عوام کی پیدا کردہ بدعتوں مثلاً گانے، حرام آلات کا استعمال اور منکرات سے خالی ہو۔ (۴۰) بلکہ اسے آپ دعا کے مستجاب ہونے کا ذریعہ بھی سمجھتے ہیں۔

اخبار الاخیار کے آخر میں ''مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات'' میں فرماتے ہیں:

اے اللہ عزوجل! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے تیرے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں۔ میرے تمام اعمال میں فساد نیت موجود رہتی ہے مگر مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ محفل میلاد کے موقع پر کھڑے ہوکر تیرے محبوب ﷺ پر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی و انکساری محبت و خلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک ﷺ پر درود و سلام بھیجتا رہا ہوں۔ اے اللہ عزوجل! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلاد مبارک سے زیادہ تیری خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے اس لیے اے ارحم الرحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بیکار نہ جائے گا بلکہ تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود و سلام پڑھے اور اس کے ذریعے دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہوسکتی۔ (۴۱)

ایصال ثواب: زندوں کے مردوں کے لیے دعا کرنے اور ان کے ثواب کی نیت سے صدقہ دینے میں مردوں کے لیے بڑا فائدہ ہے۔ اس باب میں آثار و حدیث بہت ہیں۔ (۴۲)

عُرس بزرگان: بعض متاخرین مشائخ مغرب نے فرمایا ہے کہ وہ دن جس میں اولیاء کرام بارگاہِ عزت اور حلقہائے قدس میں پہنچتے ہیں اس دن میں تمام دنوں سے زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی امید ہے اور یہ متاخرین ہی کے مستحسن بتائے ہوئے اعمال سے تو ہے۔ عرس کی حقیقت یہی ہے کہ ولی کی تاریخ وفات میں اہل اسلام جمع ہوکر دعا و قرآن خوانی صدقہ اور ایصال ثواب کریں رہے منکرات تو وہ جس طرح تمام ایام و مقامات پر حرام ہیں یہاں بھی حرام ہوں گے بزرگوں کے پاک اعراس کو ان سے خالی رکھنا بے حد ضروری ہے۔ (۴۳)

مزارات پر گنبد اور عمارت بنانا: آخر زمانہ میں چونکہ عوام کی نظر ظاہر تک محدود ہے۔ مشائخ

اور صلحاء کے مزارات پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر کچھ چیزوں کا اضافہ کر دیا تاکہ وہاں اسلام اور اولیائے کرام کی ہیبت وشوکت ظاہر ہو۔ خصوصاً ہندوستان میں جہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنان دین ہیں ان مقامات کی بلندی وشان ظاہر کرنا کفار کے رعب اور اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے اعمال، افعال اور طریقے، جو سلف صالحین کے زمانے میں ناپسند کیے جاتے تھے آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔ (۴۴)

جسم بے سایہ: حضور اکرم ﷺ کا سایہ نہ تھا نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔ انسے امام محمد بن علی حکیم ترمذی نے نوادرالاصول میں روایت کیا ہے اور تعجب ہے کہ ان بزرگوں نے چراغ کی روشنی میں سایہ نہ ہونے کا ذکر نہ کیا اور ''نور'' حضور کے اسمائے گرامی سے ایک نام ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ (۴۵)

دیدار الٰہی: مختار یہ ہے کہ دیدار الٰہی دنیا میں بھی ممکن ہے مگر واقع نہیں ہے بالاتفاق ہاں سید المرسلین ﷺ کے لیے شب معراج میں دیدار الٰہی واقع ہے۔ (۴۶)

معراج جسمانی: صحیح یہ ہے کہ سرکار کی سیر گرامی اور معراج سب بیداری میں اور جسم اطہر کے ساتھ تھی۔ صحابہ تابعین ان کے بعد محدثین، فقہا اور متکلمین کے جمہور علماء اسی مذہب پر ہیں۔ (۴۷)

دور سے ندا کرنا: قصیدہ نعتیہ میں عرض کرتے ہیں:

خرابم در غم ہجر جمالت یارسول اللہ جمال خودنما رحمے بجان زار شیدا کن
بہر صورت کہ باشد یارسول اللہ کرم فرما بلطفِ خود سروسامان جمع بے سروپا کن

(یارسول اللہ ﷺ! آپکے غم وہجر میں برباد ہوں اپنا جمال دکھائیں اور جان زار عاشق پر ذرا رحم فرمائیں جیسے بھی ہو یارسول اللہ ﷺ! اپنے کرم سے نوازیں اپنی عنایت سے اس بے یارومددگار کو سروسامان بخشیں۔) (۴۸)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اکبری دور الحاد میں جبکہ شان رسالت کی بے حرمتی کی جارہی تھی اور اسلام کی عظمتیں پامال ہورہی تھیں۔ آپ نے لوگوں کو مقام رسالت

سے روشناس کیا اور سرور دو عالم ﷺ کو آداب و خصائص، اختیارات و تصرفات اور عظمتوں کو اپنی کتابوں میں پوری تحقیق کے ساتھ بیان کیا جس نے گم گشتگان راہ کو ہدایت سے ہمکنار کیا اور اہل اسلام کو دین حق پر استقامت بخشی۔ یہ اسی عقیدۂ رسالت ہی کا اثر تھا کہ دورِ اکبری میں جبکہ سلطنت کو سیاسی و معاشی استحکام تھا لیکن کیونکہ حکومت وقت بتقاضائے شریعت محمدی اُمت مسلمہ کی خصوصیات نہ رکھتی تھی اس لیے آپ بڑی سوز مندی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ:

> حق سبحانہ نصرت و تائید دینِ متین و تقویت و تمشیتِ شرع متین بر دست توفیق ۔
> این شاہنشاہ زمان و زمین بمالد جود آرد و مخلد و موید دارد آمین یارب العالمین (۴۹)

(حق سبحانہ دین کو تائید و فتح دے۔ نیز اس شرعِ متین کو اس دور اور ملک کے شہنشاہ کے ہاتھوں، مضبوط اور جاری کرے اور اسے توفیق دے اسپر مہربانی کر کے ہمیشہ اسکی مدد اور تائید فرمائے۔ آمین اے عالمین کے رب)

مذکورہ عقائد کی روشنی میں یہ بات صاف عیاں ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے گیارہویں صدی ہجری کے اس پُر آشوب دور میں جہاں ایک طرف سیاسی مقتدر اعلیٰ وحدت ادیان (۵۰) کا حامی تھا تو یہ دوسری طرف لبرل ازم کے حامی فشاری گروہ وحدت قومیت کا نعرہ بلند کر رہے تھے تیسری طرف مقام رسالت پر نظریاتی حملے کیے جا رہے تھے ایسے میں آپ نے ناموس مصطفیٰ ﷺ کا پاس رکھتے ہوئے شریعت محمدی کے لیے جہاد کیا۔

اُمت انبیاء سے بنتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ عالمی نبی و آخری رسول ہیں کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اس لیے مسلمان قوم آخری قوم ہے اور اسے اُمت واحدہ ایک عقیدے کے طور پر کہا گیا کہ اس اُمّت کا وجود عقیدۂ رسالت کی ترویج و تحفظ میں پوشیدہ ہے۔ مذکورہ حوالوں کے علاوہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تصانیف کا ایک ایک صفحہ نہ صرف الحادی قوتوں کا رد ہے بلکہ ناموس و مقام مصطفیٰ کا محافظ بھی ہے۔ یہ عقیدۂ رسالت ہی تھا جس کی وجہ سے آگے چل کر ہندوستان کی تقسیم ہوئی۔ (۵۱) جو کہ دو قومی نظریہ کی بنیاد ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے:

هو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن (۵۲)

(وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تو تم میں کوئی کافر اور تم میں کوئی مسلمان)

دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

و قال اننی من المسلمین (۵۳)

(اور کہے میں مسلمان ہوں)

نظریۂ پاکستان ''اسلامی نظریہ'' ہی کا دوسرا نام ہے اور اس نظریے کی تشہیر، تعلیم اور تفہیم کے سلسلے میں ہر کوشش داخل حسنات ہونے کے مترادف ہے۔ (۵۴) کیونکہ اسلام کلچر کے انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں کی کلیت ہے۔ ہندوستانی مسلمان عالم اسلام کا سب سے زیادہ مخلوط النسل گروہ ہے انہوں نے ہندوستانیت اختیار کرنے کے عمل میں دانستہ یا نادانستہ طور پر ہندوستانی ثقافت کی صرف ان خصوصیات کو اپنایا یا جو ان کے اپنے تصور، نظریے اور طرز زندگی سے ہم آہنگ ہو سکتی تھیں اور یوں انہوں نے اسلامی ورثے کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ (۵۵) اسی انفرادیت کی بناء پر سولہویں اور سترہویں کے یورپی سیاحوں نے انہیں محمدی قوم (۵۶) کے نام سے موسوم کیا۔ دوقومی نظریہ کی بنیاد دین اسلام ہے۔ پاک و ہند کی تاریخ میں دو ایسے ادوار آئے جب اس تصور سے احیاء کی کوشش کی گئی۔ پہلی بار سولہویں صدی عیسوی میں اکبر بادشاہ نے جب اسلامی شعائر کو مٹانے کی کوششیں کیں اور کئی علماء، صوفیاء اور خواص سب مذہب سے دور ہٹے ہوئے تھے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کوششوں کا آغاز کیا جس کا تسلسل اورنگزیب عالمگیرؒ کی اسلامی حکومت کی صورت میں مکمل ہوا۔ دوسری بار انیسویں صدی کے نصف آخر میں غیر اقوام کی چالبازیوں سے مسلمان اسلامی شعائر کو چھوڑنے لگے تو ایسے میں مولانا احمد رضا خان بریلویؒ نے دوقومی نظریہ کا احیاء کیا جو کہ بذات خود شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا تسلسل ہیں انہی کی کوششوں کی بناء پر پاکستان وجود میں آیا۔

ڈاکٹر مسعود احمد برصغیر میں دوقومی نظریے کے احیاء کے ضمن میں لکھتے ہیں:

پہلی بار دسویں صدی ہجری میں اکبر بادشاہ کے عہد میں سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے اپنی کوششوں کا آغاز کیا۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے مرشد کے مرشد حضرت شاہ فضل علیہ الرحمۃ سندھ کے تاریخی شہر ٹھٹہ کے قبرستان مکلی میں آرام فرما ہیں اور جن کی اولاد صدیوں سے سندھ میں آباد ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی کوششوں سے بارہویں صدی ہجری میں عہد جہاں گیری میں اسلامی انقلاب آیا اور پاک وہند میں شریعت اسلامیہ کو غلبہ حاصل ہوا۔ (۵۷)

راقم کے خیال میں مندرجہ ذیل تین باتوں کی بناء پر محترم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی رائے محل نظر ہے۔

الف۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (پیدائش ۱۵۵۱ء)، شیخ احمد سرہندی (پیدائش ۱۵۶۴ء) سے عمر میں تیرہ برس بڑے ہونے کے علاوہ جس وقت فارغ التحصیل ہوئے شیخ احمد تقریباً چار برس کے تھے اور آپ نے زمانہ طالبعلمی ہی میں آداب المطالعہ والمناظر اور کتاب افکار الصافیہ لکھ لی تھیں اسی لیے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مکتوب میں میاں احمد سلمہ تحریر فرمایا۔

ب۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، آپ کی نسبت کثیر التصنیف عالم تھے اور آپکی تصانیف علوم عقلی ونقلی دونوں پر ہیں جبکہ غالباً مصروفیت کی بناء پر شیخ احمد سرہندی سے تصنیف وتالیف کا زیادہ کام نہ ہوسکا۔

ج۔ شیخ عبدالحق نے اپنی زندگی کا آدھے سے زیادہ عرصہ دور اکبری میں گزارا بقول ڈاکٹر خلیق نظامی "آپکی تصانیف کا ایک ایک صفحہ اکبری الحاد کا توڑ ہے۔" اور آپ نے اپنے شاگردوں کا پورے ملک میں ایک جال بچھانے کے ساتھ امراء (شیخ فرید ونواب خان خانان وغیرہ) سے خصوصی رابطے کر کے عقلی ونقلی علوم کے خزانے ان کے حوالے کیے جبکہ بقول ڈاکٹر صاحب موصوف کے "شیخ مجدد نے اس دور میں اپنی کوششوں کا آغاز کیا تھا یہی وجہ ہے کہ کسی بھی معاصر تذکرے میں دور اکبری کے حوالے سے شیخ احمد سرہندیؒ کی کاوشوں کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے۔

مذکورہ نکات کی روشنی میں یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ دو قومی نظریئے کے احیاء کے سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں ہے لہٰذا برصغیر میں

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ دوقومی نظریے کی خشت اوّل ہیں۔

دراصل شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تمام قدیم اقدار کو اسلامی نظریۂ حیات کی پختگی کے تحت اپنے مخصوص انداز میں مشرف بہ اسلام کر کے پیش کیا ہے۔ ریاست کی ابتداء، ارتقاء اور خصوصیات اور کے بارے میں بلاشک نہایت مدلل نظریات پیش کیے ہیں اُنہوں نے اپنے سیاسی فلسفہ کا مقصد غیر اسلامی اور فلسفیانہ اصولوں کو رد کرنا قرار نہیں دیا۔ بلکہ جن اصولوں کو وہ درست خیال کرتے ہیں چاہے ان کا تعلق کسی بھی مکتبۂ فکر سے ہو، انکو اپنا کر اسلامی فکر کے تحت پیش کرتے ہیں۔

مندرجہ ذیل کتب و رسائل میں آپکے سیاسی افکار ملتے ہیں۔

۱۔ اشعۃ اللمعات

۲۔ مدارج النبوۃ

۳۔ رسالہ نوریہ سلطانیہ

۴۔ رسالۃاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین

۵۔ آداب الصالحین

۶۔ تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان

۷۔ ماثبت بالسنتہ فی ایام السنۃ

۸۔ تاریخ سلاطین ہندرذکرملوک (تاریخ حقی)

۹۔ المکاتیب والرسائل

۱۰۔ تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف

۱۱۔ زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین

۱۲۔ مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین

۱۔ اشعۃ اللمعات: ہندوستان کے وہ علماء جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلامی علوم کی خدمت کیلیے وقف کردیں۔ ان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام علم حدیث کے پھیلانے میں ممت

اول میں آتا ہے۔ (۵۸) ایک ایسے دور میں جب کہ علم حدیث شمالی ہندوستان میں تقریباً ختم ہو چکا تھا اُنہوں نے اپنی مسلسل اور پر خلوص جدو جہد سے اس کو ازسر نو زندہ کیا اور کتب احادیث کو اپنے زمانے کے نصاب و منہاج کا ایک لازمی جزو بنا دیا۔ خود انہوں نے اپنے دارالعلوم میں کتب احادیث کے باقاعدہ درس کی ابتدا کی۔ فارسی زبان میں کتب احادیث کے منتقل کرنے کی باقاعدہ کوشش کی اور اس طرح علوم دینی کے وہ خزانے جو عوام کی دسترس سے باہر تھے۔ ہر کہ ومہ کے لیے کھل گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

> حضرت شاہ عبدالحق محدث جس دور علم و تعلّم کے بانی ہوئے اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ علم حدیث کے متعلق فارسی زبان میں کہ ملک کی عام زبان تھی، تصنیف و تراجم کی بنیاد ڈالی۔ (۵۹)

ڈاکٹر جعفر حلیم اپنے فاضل مقالے (پی ایچ۔ ڈی) میں اشعۃ اللمعات کی دور حاضر میں اہمیت کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

> اشعۃ اللمعات بہت شہرت رکھتی ہے اور آج بھی پاکستان، افغانستان اور انڈیا کے دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔ (۶۰)

پروفیسر عزیز احمد کے مطابق شیخ محقق ہی کی کاوشوں سے علم حدیث نے ہندوستان میں زور پکڑا جو دور ولی اللہی میں عروج پر پہنچا۔ (۶۰ الف)

۲۔ مدارج النبوت: آپ کے سیاسی افکار کا محور قرآن و سنت تھے۔ معاصر دور کے تقاضوں کے مدنظر جبکہ خواص و عوام کا سرور کائنات سے تعلق ٹوٹ رہا تھا آپ نے اس کتاب کو بزبان فارسی دو ضخیم جلدوں میں تحریر کیا۔ مدارج النبوۃ میں حضور سرور کائنات ﷺ کی مکمل تصویر پیش کرنے کے لیے جو کاوش انہوں نے کی ہے اس کا اندازہ صرف اس کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جہاں اُن کی نظر نہ پہنچی ہو اور جس پر انہوں نے محققانہ روشنی نہ ڈالی ہو۔ اس سے پہلے کسی ہندی مسلمان نے رسول پاک ﷺ کی اتنی جامع، مفصل اور مکمل سوانح حیات مرتب نہیں کی تھی۔ (۶۱)

۳۔ رسالہ نوریہ سلطانیہ: مسلمان مفکرین نے ”مرآۃ الملوک“ یا عملی سیاست پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں مشہور ترین کتب ابی حسن علی بن محمد الماوردی کی ”الاحکام السلطانیہ“، یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف کی ”کتاب الخراج“ ابی محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کی ”عیون الاخبار“، احمد بن ابی عمر ابن عبدربہ کی ”العقد الفرید“، ابوعبداللہ محمد بن عبدوس جہشیاری کی ”کتاب الوزراء والکتاب“ ابوالحسن الہلال بن المحسن الصابی کی ”الوزراء“ اور ”رسوم الخلافۃ“ ابوبکر محمد بن ابن الولید الفہری الطرطوسی کی سراج الملوک، جلال الدین ابن طقطقا کی ”فخری فی آداب السلطانیۃ والدول الاسلامیۃ“، ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ نے ”کتاب التاج“، نظام الملک طوسی کی ”سیاست نامہ“، امام غزالی کی نصیحت الملوک، اور قابوس نامہ، ضیاء الدین برنی کی فتاویٰ جہانداری اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب ”نوریہ سلطانیہ“ بھی اسی نوع کی کتاب ہے۔ (۶۲) رسالہ ”تالیف قلب الالیف“ میں نوریہ سلطانیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> سلطنت کے قواعد، احکام، ارکان، اسباب اور آلات کے حاصل کرتے اس عظیم الشان کام کے کرنے کے وضع (ڈھنگ) میں۔ سلطان الوقت (بادشاہ جہانگیر کے لیے) (۶۳)

ایلیٹ اور ڈاؤسن ”ہسٹری آف انڈیا“ جلد نمبر ۶ میں لکھتے ہیں (۶۴)

Risalah Nuriyah Sultaniyah(The Glorious Imperial Volume), which treats of the regulations of government, its statutes and institutions, the ways and means of its just administration, and the conduct and management of its important affairs, is embellished with the august name, of the Emperor of the Time and Monarch of the Age (may the Lord ever keep his kingdom and soveriegnty in prosperity, and augment his power and glory), and consists of nearly 1000 verses.

(رسالہ نوریہ سلطانیہ (نہایت شاندار بادشاہت سے متعلق مجلد نسخہ) جس میں باضابطہ طور پر حکومت، اسکی مجلس وضع قانون اور ادارے، ایک پُر اثر انتظامیہ کو مدنظر رکھنے کے راستے اور ان امور سے متعلق انتظام وطور طریقے نہایت بلند پایہ انداز میں دیئے گئے ہیں اس جلیل القدر

ہستی کے نام معنون کی جاتی ہے جو اپنے وقت کا بادشاہ اور اپنے دور کا آمر تھا (اللہ اس کی سلطنت اور اقبال بلند کرے نیز اس کی طاقت اور عظمت و بزرگی کو زیادہ کرے) اور یہ تقریباً ایک ہزار جملوں پر مشتمل ہے۔)

بادشاہ جہانگیر کو اکبر بادشاہ کی وفات (۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کے وقت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ایک مکتوب ارسال کیا تھا۔ جس میں آپ نے اپنے خیالات کی تشریح کرنے کے ساتھ معاصر دور کی تمام خامیوں کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ ۱۰۰۰ ہجری میں آپ حجاز سے ہندوستان تشریف لائے یہ دور اکبری کے عروج کا زمانہ تھا۔ دہلی میں آپ نے دارالعلوم قائم کر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں:

اہل زمانہ کی صحبت کی ناسازگاری کی وجہ سے وادی وحشت میں پڑا رہا ہوں اور غربت کے بیابان میں سرگردان رہا ہوں اور ایک عمر تنہائی کے گوشے میں بیٹھا رہا اور آرزو کا دروازہ مراد کے چہرے پر بند رکھا اور اس خاندان عالی کے خیر خواہی اور دعا گوئی میں مصروف رہا اور مسلمانی دعاؤں میں مشغول رہا۔ (۶۵)

یہ رسالہ غالباً ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء میں ہی لکھا گیا ہے جب کہ جہانگیر کی تخت نشین کے ابتدائی ایام تھے۔ رسالہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب اس بندے کو یہ بتایا گیا کہ بادشاہ اسلام نے اپنے ایک مقرب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ احادیث رسول ﷺ جہاں بھی پاؤ اور جس سے بھی سنو اسے دیکھ کر لاؤ۔ وہ ان کا قاصد تفتیش و تجسّس کے بعد میرے پاس آیا، اس بندے نے چند کلمے رسول اکرم ﷺ کی احادیث اور بزرگان دین کے اقوال و آثار سے اور عظیم سلاطین کی کہانیوں، قصوں اور جو کچھ دنیا اور آخرت کی بھلائی پر مشتمل تھا اس کا انتخاب کیا اور پھر بادشاہ کی بھلائی اور حق نعمت کے شکر ادا کرنے میں تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوا۔ یہ رسالہ بطور تحفہ بادشاہ دین پناہ کی بارگاہ میں جو سلطان اعظم، خاقان اکرم، جو شان و شوکت کے تاج کو بلندی بخشنے والا اور سلطنت کے تخت کو رونق بخشنے والا ہے، جو دریا دل ہے آسمان مرتبہ، جوان بخت، انصاف دوست، رعایا پرو

یعنی جہانگیر جہاں بخش جو دنیا کو بخشنے والا اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا مطلع ہے اور ظل الٰہی کی تمام خوبیوں کا مقام ہے اور دین حجازی کا حامی ہے یعنی نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ الغازی رسالہ نوریہ سلطانیہ کے ساتھ موسوم ہوا۔ (٦٦)

آپ نے اس رسالے میں جو نظریات پیش کیے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت بادشاہ کے کردار کو دی ہے۔ ان کا سیاسی نکتہ نظر یا مثالی خیال ریاست ہے جسے انگریزی میں یوٹوپا کہتے ہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے اقبال کا مرد مومن اور شاہین کا تصور، کسی حد تک یہ کہنا درست ہوگا کہ اگر افلاطون کا حکمران فلسفی بادشاہ ہے تو آپ کا نظریہ صالح ترین حکمران کا ہے اور آپ کی بالکل مخالف سمت میں سن تزو (چینی)، چانکیہ (ہندو) اور میکیاولی (یورپ کے عیسائی) ہیں۔ بادشاہ دیندار عادل کا سلوگن دے کر آپ نے ریاست وحکومت کا محور ایک ایسی شخصیت کو ٹھہرایا جو اپنی ذات میں ایک ادارہ ہے اور تمام ادارے اس کی ذات کے گرد گھومتے ہیں۔ جس کا واحد مقصد یہ ہے کہ وہ ریاستی امور کو اس طرح سرانجام دیں کہ اسے دنیا وآخرت کی بھلائی ملے۔ آپ نے وضاحت کی کہ اسلام میں اخلاقیات اور سیاسیات جدا نہیں لہٰذا حکمران کی اولین ذمہ داری مذہب کو ترویج دینا ہے کیونکہ وہ رسول ﷺ کا جانشین ہے اس لیے آپ ﷺ کی پیروی کرنا حکمران پر فرض ہے اور یہ کہ سلطان اپنی سیاسی نہج کو اسلامی بنائے۔ آپ نے اپنی تحریر میں اتالیقانہ طرز اختیار کیا ہے جس طرح ارسطو کا سکندر کی طرف یا غزالی کا سلطان محمد بن ملک شاہ کی طرف رویہ تھا۔ اس رسالے کی دوسری خاصیت زنجیر عدل ہے جو بادشاہ جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد سب سے پہلے حکم کے تحت لٹکائی گئی تھی جسکا مقصد ہر خاص وعام کو انصاف فراہم کرتا تھا۔ خالص سونے کی اس زنجیر کی لمبائی ۳۰ گز (۲۷ء۴۳۲ میٹر) اور وزن ہندوستان ۴ من اور عراقی ۳۲ من تھا۔ اسمیں سات گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں جسکا ایک سرا قلعہ آگرہ کے شاہی برج کی چوٹی کے ساتھ اور دوسرا سرا دریائے جمنا کے کنارے لے جا کر پتھر (جو سنگ میل تھا) سے باندھا گیا تھا۔ (٦٧)

نوریہ سلطانیہ (فارسی) کے مرتب ڈاکٹر محمد سلیم اختر لکھتے ہیں:

انصاف کرنے کے سلسلے میں، خاص کر جہانگیر کی وہ زنجیر عدل ہے جو اس نے فریادی لوگوں کی فریاد کی شنوائی کے لیے لٹکایا تھا۔ دہرانے کی ضرورت نہیں کہ اس سلسلے میں شیخ محدث کی تعلیمات نے اس پر کیا اثر ڈالا۔ یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں کہ ان مسائل کی طرف یقینی طور پر بادشاہ راجع ہو۔ (۶۸)

گویا کہا جاسکتا ہے کہ عدل جہانگیری کا ماخذ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہی کی ذات ہے یہاں جہانگیر کے ان مشہور بارہ احکامات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا جو زنجیر سمیت اس رسالے سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس بات کی صراحت اس طور سے بھی کی جاسکتی ہے کہ تخت نشینی سے قبل جہانگیر الہ آباد، اجمیر، بنگال، اڑیسہ کا فرمانروا رہ چکا تھا لیکن اس نے مذکورہ باتوں کا اعادہ نہیں کیا تیسرے نیز اپنی تزک میں بھی جہانگیر نے معدلت گستری کے حوالے سے ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء (وفات بادشاہ اکبر) کوئی بات نہیں لکھی تھی۔ مذکورہ باتوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "زنجیر عدل" اور "بارہ احکامات" بادشاہ جہانگیر نے آپ ہی کے مشورے سے نافذ کیا تھا۔

ایک عالم دین ہونے کے ناطے آپ کو علم تاریخ سے بھی پوری آگاہی تھی۔ اس علم پر آپ نے تاریخ حقی (غیر مطبوعہ) اور جذب القلوب الی دیار المحبوب (تاریخ مدینہ) تحریر کیں۔ آپ کے سیاسی افکار کے مطابق بادشاہ کو علم تاریخ بھی پوری طرح جاننا چاہیے تا کہ وہ کسی بھی سلطنت کے عروج وزوال سے متعلق آگاہ ہو کر اس پر عمل کر کے سرخرو ہو۔

نوریہ سلطانیہ کی دیگر خصوصیات میں سے ایک خاصیت وہ تاریخی واقعات ہیں جن کا تذکرہ آپ نے پانچویں باب میں کیا ہے۔ بیس حکایات پر مشتمل یہ باب ماقبل ومابعد اسلام کے ان سلاطین پر مشتمل ہے جنھوں نے دنیا میں کامیاب وناکام حکومتیں کیں۔ ساتھ ہی آپ نے ان کے کامیاب وناکام ہونے کے اسباب پر روشنی بھی ڈالی ہے۔ ان میں ایران، یونان، روم، حبشہ اور عرب سلاطین کی حکایتیں ہیں۔ آپ نے مسلک و مذہب سے بالاتر ہو کر ان تمام باتوں کا انتخاب کیا ہے جو آپ کے خیالات کا پرتو تھیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال "عدل" کے ضمن میں کافر بادشاہ نوشیرواں کا خصوصی تذکرہ یا سپہ سالار کی خصوصیات کے ضمن میں شیعہ

عالم ابن طقطقی کے اقوال کا بیان ہے۔

۴۔ رسالہ احادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین: آپ کا تالیف کردہ رسالہ تالیف قلب الالیف (۶۹) میں اس رسالے کا بھی تذکرہ ہے۔ یہ رسالہ غیر مطبوعہ ہے اور گیلانی لائبریری (کتب خانہ) اوچ شریف میں موجود ہے۔ مذکورہ کتب خانہ کے مخطوطوں کی فہرست ڈاکٹر غلام سرور نے ۱۹۵۹ء میں مرتب کی تھی۔ اس فہرست میں مذکورہ مخطوطے کا نمبر ۴۴ ہے۔ جسکی تفصیل درج ذیل دی گئی ہے۔

Fall- 2 Lines- 15 Size- 8" x 4.6" , 5.6" x 2.6"

چالیس احادیث کا یہ ترجمہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فارسی میں بادشاہ وقت شہاب الدین محمد شاہجہاں کی نصیحت کے لیے تحریر کیا تھا۔ خط نستعلیق میں لکھے ہوئے اس رسالے کے عنوانات سرخ سیاہی سے خط نسخ میں لکھے گئے ہیں۔ لکھنے والے کا نام نہیں دیا گیا۔ یہ نسخہ ۱۱۳۸ھ کا تحریر شدہ ہے اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

سپاس بی قیاس مر پروردگار را، کہ عدل را، کہ مظہرِ صفتِ وحدت و قیومیت است (۷۰)

اس رسالے میں آپ نے ایک اچھے سربراہ ریاست وحکومت کی ذمہ داریوں اور فرائض کا مفصل تذکرہ کیا ہے (۷۰ الف)

۵۔ آداب الصالحین: علم اخلاق علماء اسلام کا ہمیشہ سے محبوب موضوع رہا ہے۔ امام غزالی نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے شیخ محدث نے اس میدان میں آپ ہی سے روشنی حاصل کی ہے۔ شیخ محدث کے زمانہ میں اسلامی طرز معاشرت پر سخت وقت آگیا تھا ان حالات میں آپ نے ضروری سمجھا کہ اسلامی اصول زندگی کو پوری طرح پیش کیا جائے۔ آپ خود لکھتے ہیں "کچھ مسائل احیاء العلوم کے ربع معاملات سے اور دوسری کتب سے لیے ہیں۔ (۷۱) نیز کھانے پینے، نکاح، اخوت، عامتہ المسلمین، ہمسایہ، والدین، اولاد، لونڈی وغلام، عزلت وگوشہ نشینی، سفر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے آداب وحقوق بیان کیے ہیں۔ (۷۲)

۶۔ تکمیل الایمان و تقویۃ ایقان: اس کتاب میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے عقائد

اسلام اور قواعد ملت کو بر طریقہ سنیت اہل سنت و جماعت تفصیل سے بیان کیا ہے جو فوائد لطیفہ اور معانی شریفہ اور توضیح کلام اور تبیین مرام پر مشتمل ہے۔ جسمیں ایمان کی نوعیت، جبر و اختیار، عذاب قبر، بعثت، اہل بیت، شفاعت، استعداد قبور اور خصوصاً مسئلہ خلافت پر بحث کی گئی ہے۔ حجم میں مختصر لیکن سلجھی ہوئی زبان میں اپنے موضوع پر جامع کتاب ہے۔ (۷۳)

۷۔ ماثبت با لسنة فی ایام السنة (مومن کے ماہ و سال): عربی زبان میں تالیف کیے گئے اس رسالے میں آپ نے شب و روز کے اوراد و وظائف اور نماز و روزوں کی تعداد میں حضرات محدثین اور صاحبان طریقت کے باہمی اختلافات کو دور کرنے کی سعی کے ساتھ ساتھ عوام میں پھیلے ہوئے ضعیف الاعتقادی کے اسباب کو بیان کر کے ان کا رد کیا ہے۔ (۷۴) اس کتاب میں ماہ محرم سے لے کر ماہ ذی الحجہ تک کے ان تمام مذہبی مناسک کا تذکرہ کیا ہے جو احادیث سے ثابت ہیں۔ (۷۵) ماہ محرم کے توہمات کو احادیث سے رد کیا۔ ماہ صفر کے سلسلہ میں اس بات کی تردید کی کہ یہ مہینہ نامسعود ہے، ربیع الاول کے مہینے کے سلسلے میں مذہبی مناسک کا تذکرہ ہے۔ ربیع الثانی کی بحث میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ ہے اسی طرح دیگر مہینوں کے مذہبی مناسک کا حال درج ہے۔

۸۔ تاریخ سلاطین ہند (ذکر ملوک) تاریخ حقی: اسلامی ہند کی ابتدا سے اپنے زمانہ تک کے حالات شیخ محدث نے اس تاریخ میں لکھے ہیں۔ لودھی خاندان سے قبل کے حالات کے لیے ان کا ماخذ طبقات ناصری، تاریخ فیروز شاہی اور تاریخ بہادر شاہی ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ یا تو ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے یا بزرگوں سے سُنا ہے۔ اس تاریخ میں بادشاہ اکبر کے چالیسویں جلوس (۱۰۰۴ھ/۶-۱۵۹۵ء) تک کا تذکرہ ہے۔ کتاب کا پہلا جملہ (اللھم مالک ..... شیٔ قدیر) ہی آپ کے ”فلسفہ ریاست وحکومت“ کا ترجمان ہے جسکی تفصیل عنوان عبارت اور دیباچہ کا یہ آخری شعر نہایت اہم اور پُر معنی ہے۔

مقصود اہل ذرق ز ذکر گذشتگاں تنبہ عبرت است چہ مسکین چہ بادشاہ (۷۶)

(اہل ذوق کا مقصد گزرے ہوئے لوگوں کے ذکر سے تنبہ (انتباہ) اور عبرت ہے

(چاہے) وہ مسکین (غریب) ہو یا بادشاہ (امیر))۔

کتاب کی ابتدائی عبارت اور مذکورہ شعر کو شیخ محدث کے اس خط کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے جو آپ نے اکبر کی وفات پر لکھا تھا تو اس زمانے میں انکی ذہنی کیفیات اور محرکات کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔

مذکورہ تاریخ کے حوالے سے اس مقام پر ضروری ہے کہ مستشرقین سرایچ۔ ایم۔ ایلیٹ، پروفیسر جان ڈاوسن، تزک جہانگیری کے انگریز مترجم الیگزنڈر روجرس، اطالوی سیاح منوکی اور فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر کی غلط بیانیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو۔

''ہسٹری آف انڈیا'' میں سرایچ۔ ایم۔ ایلیٹ لکھتے ہیں:

یہ (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) ابن الوقت ولی اپنے سرپرستوں کی طرح (خلاف عقل) خوشامدی تھا۔ افسوس انکی تحریریں اپنے معاصر حالات کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتیں اس بات کے لیے ہمارے پاس یہی ایک مختصر جواز ہے۔ (۷۷)

غالباً یہ رائے جناب ایلیٹ نے تاریخ حقی کے ان فقروں کو پڑھنے کے بعد قائم کی جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بادشاہ اکبر کے القابات، جاہ و جلال، فتوحات، شان و شوکت اور فراوانیء دولت کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر وہ آپ کی تمام تحریرات سے قطع نظر صرف تاریخ حقی (مخطوطہ) کا صفحہ نمبر ۴۸ ب کا بھی بغور مطالعہ کر لیتا تو اتنی سخت، جانبدارانہ اور متعصبانہ رائے آپ کے بارے میں قائم نہ کرتا۔ آپ نے واضح طور پر لکھا کہ:

اس (اکبر بادشاہ) کے عجیب و غریب احکامات و اوامر اور حالات اور دین و دنیا میں انکی اختراعات (ایجادات، من گھڑت باتیں) بڑے دفتروں اور متعدد جلدوں میں نہیں سما سکتے ہیں۔

۱۰۰۴ھ میں لکھی گئی ان باتوں کی صراحت آپ کی لکھی جانے والی تحریروں میں نمایاں ہے خصوصاً وہ مکتوبات و رسائل جو آپ نے وفات اکبر بادشاہ اور امرائے سلطنت کو لکھے تھے۔ ان میں معاصر دور کی ایک ایک بات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ پاک و ہند کی اسلامی تاریخ کے مصنف لکھتے ہیں:

گذشتہ ایک صدی سے پاک و ہند کی اسلامی تاریخ کو دانستہ طور پر جس انداز میں مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے وہ علمی بددیانتی کی بدترین مثال ہے۔ سر ہنری ایلیٹ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے ہی مسلم تاریخ کے اصلی ماخذات کو فارسی اور عربی سے انگریزی میں منتقل کرنا شروع کر دیا تھا اور اس ضمن میں اس نے شاہی کتب خانہ اور نواب ضیاء الدین خان کے کتب خانہ سے خوب استفادہ کیا۔ یہ کام ایلیٹ کے بعد ڈاؤسن نے جاری رکھا یہاں تک کہ ۱۸۷۷ء تک اس کی تکمیل ہوگئی۔ اس ضخیم کتاب کی ترتیب کے پیچھے جو مقاصد کار فرما تھے، وہ کوئی چھپی ہوئی بات نہ تھی۔ ایلیٹ نے دیباچے میں صاف صاف لکھ دیا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلم عہد کو اس طرح سیاہ رنگ میں پیش کیا جائے کہ اس پس منظر میں عوام پر برطانوی دور کے فیوض و برکات منکشف ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے قدیم ماخذات کے وہ حصے جو ملک کی ثقافت اور تہذیب و تمدن پر روشنی ڈالتے تھے۔ عمداً حذف کر دیئے اور جنگ و جدال کی تاریخ کو اپنے مخصوص انداز میں ترجمہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہو کہ برصغیر کا مسلم عہد محض قتل و غارت کی خونیں داستان بن کر رہ گیا۔

ایلیٹ نے اس دور کے ہندو مورخین سے بھی اس بات پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا کہ وہ مسلم عہد کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اس نے ہندوؤں کو اس بات پر اکسایا کہ مسلمانوں کے سنہری ماضی کو گھناؤنا رنگ دینے میں انگریزوں کا ہاتھ بٹائیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ برصغیر میں ہندو احیاء کی تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں۔ یہ تحریکیں تنگ نظری، تعصب اور مسلم دشمنی کے جذبات سے معمور تھیں۔ انہوں نے قدیم ہندو عہد کو مثالی قرار دیا اور برصغیر کے تمام سیاسی معاشرتی اور مذہبی عیوب کی ذمہ داری مسلم حکومت کے سر تھوپ دی۔ اس طرح اسلامی تاریخ کو بدنام کرنے میں انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت ہوگئی۔

شومئ قسمت سے بعد میں جو تحقیقی کام ہوا اور جو درسی کتب لکھی گئیں۔ وہ تمام تر ایلیٹ اور ڈاؤسن کی مرتبہ کتاب پر مبنی تھیں لہٰذا ان کتب نے جو تاثر چھوڑا اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ درس گاہوں میں طلبہ کو جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان کا یہ خاصہ تھا کہ وہ اپنی مہتمم

بالشان روایات سے نفور ہو جائیں اور اپنے عظیم ماضی کی محبوبیت سے ان کی توجہ ہٹ جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد یہ غلط تاثرات تاریخ برصغیر کا جزولانیفک بن کر رہ گئے اور تاریخ کو ان سے پاک کرنا مشکل ہو گیا۔(۷۸) بقول منٹگمری واٹ:

مسلم قارئین کو یہ ضرور مدنظر رکھنا چاہیے کہ مغربی سیرت نگار کو ان معاملات میں اپنے ماحول کے مطابق معروضی اور سیکولر (غیر دینی نقطۂ نظر) رکھنے کی مجبوری ہے۔ اس لیے ان کی تحریروں کو اگر ناقدانہ ہمدردی کے ساتھ پڑھیں تو مذہبی وعلمی افہام وتفہیم کے حق میں اچھا ہوگا۔" دراصل مستشرقین کی اس روش کی اصل وجہ تو ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے لیکن اسمیں ان کے طریقہ کار کا بھی دخل ہے۔ ان کا سرمایہ استفاد سیرت وتاریخ کی کتب (مغازی، واقدی، سیرت ابن ہشام وتاریخ طبری وغیرہ) ہیں جبکہ سیرۃ کی تکمیل قرآن وحدیث سے ہونی چاہیے۔(۷۹)

۱۶۹۹ء اور ۱۷۰۰ء کے درمیان اطالوی سیاح منوکی نے اپنے سفرنامے میں معاصر فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیئر (موصوف نے بھی اپنا سفرنامہ لکھا تھا) کی طرف سے دو مقامات پر معافی مانگی کہ انہوں نے کس طرح غلط بیانی سے کام لیا۔

(الف) مسٹر برنیر نے بہت کچھ اس شہزادی (شاہجہاں کی خلف اکبر جہاں آراء بیگم) کی نسبت عام آدمیوں سے سن کر لکھ دی ہے لہٰذا مجھ پر فرض ہے کہ میں برنیر کی طرف سے معافی مانگوں اور جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔(۸۰)

(ب) مجھے مسٹر برنیر کے اس بیان پر نہایت تعجب ہے جو اس نے اپنے سفرنامہ میں اسطرح لکھا ہے کہ "ناظر یعنی خواجہ سراؤں کے افسر نے اس شخص کو داخل محل نہ ہونے دیا جس کو یہ شہزادی اپنے پاس بلانا چاہتی تھی اور اس لیے اس نے ناظر مذکور کو زہر دے کر مار ڈالا" برخلاف اس کے ناظر اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا اور اسے خوش رکھنے کی کوشش کرتا تھا کیونکہ یہ قطعی ناممکن تھا کہ اس کی مرضی کے خلاف ناظر ملازم رہ سکتا۔(۸۱)

۲۔ تزک جہانگیری کے تذکرے میں اخبار الاخیار کا ذکر کرتے ہوئے جہانگیر نے لکھا انہوں نے اس تصنیف پر بہت محنت وجانفشانی کی ہے۔(۸۲) اس موقع پر ڈاکٹر ریاض الحسن کا درج

ذیل تبصرہ قابل توجہ ہے: ”کوئی ڈیڑھ دو سو سال سے مغرب میں عربی اور فارسی زبان کا مطالعہ ہو رہا ہے اور مغرب نے اس کو اب تک مجازی یا ظاہری معنوں میں سمجھا ہے۔ بہت کیا تو لکھ دیا کہ فلاں شاعر کو مے و نغمہ، شراب و ساغر، فراق و وصال کی شاعری کے باوجود مشرقی مصنفین صوفی شاعر کہتے ہیں اور بس۔ بات دراصل یہ ہے کہ فارسی تشبیہ اور استعارے اس قسم کے ہیں کہ مغربی مصنفین انکے اصل معنی سمجھنے میں دھوکا کھاتے رہتے ہیں۔ اب دو سو سال کی تگ و دو کے بعد اس منزل کی مشکلات کا ان کو تھوڑا بہت اندازہ ہو رہا ہے۔“ (۸۳)

اس بات کی تائید منتخب التواریخ کے انگریزی ایڈیشن کے مترجم، متشرق جناب جارج ایس۔ اے۔ رینکنگ کہتے ہیں: دو زبانوں کے محاورات و اصطلاحات کا اصلی فرق ایک زبان کے لیے پر تکلف اسراف اور دوسری زبان کے لیے سخت غیر تغیر پذیر ہوتا ہے۔ جدید انگریزی زبان میں فارسی زبان کے رنگارنگ الفاظ کے ترجمے کر کے موزوں طور سے بیان کرنے کی کوشش ایک ہی طرز پر پھیکی بلکہ مایوس کن ہوتی ہے۔ (۸۴)

۹۔ المکاتیب والرسائل: ستّر سے زائد ان مکتوب نما رسائل میں آپ نے علماء، صوفیاء اور امراء کو متوجہ کیا نیز شریعت، حقیقت، طریقت، امراء کے ملحدانہ خیالات، روافض، خوارج، نواصب و دیگر باطلہ فرقوں کے برے عقائد کے مفاسد و مضار کو بیان کیا گیا ہے۔ تفضیلیہ کو اہل سنت و جماعت سے خارج بتایا ہے۔ عقائد اہل سنت پر پختگی سے کاربند رہتے ہوئے حضرات اہل بیت، شیخین اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت و احترام کا سبق دیا گیا ہے اور ہر مکتوب کا لب لباب یہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ پر مکمل طور پر نافذ کیا جائے۔ مذید تفصیلات عنوان ”تصانیف شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ“ میں دی گئی ہیں۔

۱۰۔ تحصیل التعرف فی معرفة الفقه و التصوف: عربی زبان میں لکھی جانے والی (۸۵) اس معرکتہ الآرا کتاب میں فقہ و تصوف یا شریعت و طریقت میں تطبیق کی کوشش کی ہے جو کہ شیخ محقق کا ایک زبردست علمی کارنامہ ہے۔ زوحصوں پر مشتمل اس کتاب کے پہلے حصے میں تصوف کی تعریف، داہمیت کے بعد شارح بخاری شیخ احمد زروقؒ کی کتاب قواعد الطریقۃ فی

الجمع بین الشریعہ والطریقہ سے اٹھائیس قواعد نقل کر کے انکی تشریح کی گئی ہے جن میں علماء ظاہر و باطن کے درمیان مفاہمت کا راستہ تجویز کیا گیا ہے۔ دوسری قسم میں فقہ وفقہاء اور دیگر متعلقہ امور کے ساتھ فقہ حنفی کی خصوصیات پر بڑے مدلل انداز میں تحقیق کی گئی ہے۔(۸۶)

۱۱۔ زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین: تالیف قلب الالیف۔ ص ۴۹ پر لکھتے ہیں: میں نے اسے تین مقاصد مرتب کیا ہے۔ مقصد اول میں شیخ علی متقی، مقصد دوم میں شیخ عبدالوہاب متقی کے احوال وآثار تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ مقصد سوم میں حرمین شریفین کے بعض عربی وعجمی مشائخ ودرویشوں کے حالات وواقعات کا تذکرہ ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: اس وقت ۱۰۰۳ھ/۹۵۔۱۵۹۴ء ہے۔ میں نے اس کو تفصیل سے قلمبند کیا ہے اور اسکا نام زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین رکھا ہے یا صراط مستقیم ومنہج قویم یا میزان عدل ودین کے لقب سے یاد کروں تو بھی کرسکتا ہوں میرا خیال ہے کہ اگر کوئی سالک اس کے طریقہ پر چلے تو وہ منزل مراد کو پائے گا اور اگر اسے حاکم وقت ووزیر وقت اپنا دستور العمل بنائے تو وہ راہ حق سے بھی نہیں بھٹکے گا۔(۸۷)

۱۲۔ مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین: اس رسالہ میں آپ نے شریعت و طریقت تصوف اور فقہ، علم وعمل پر نہایت دلنشین انداز میں بحث کی ہے۔ قرآن وحدیث اور کتب تصوف کے کئی حوالے درج ہیں۔ اس کتاب کا خصوصی مقصد یہ تھا کہ ''فقیہہ محب مشرف احوال وصوفی محقق مقید باعمال'' ہو۔ دیباچے میں رسالہ کا موضوع مرج البحرین ہے جو دو طریقوں کا جامع ہے ایک فقہ ہے دوسرا تصوف، ایک شریعت ہے اور دوسرا طریقت، ایک ظاہر ہے، دوسرا باطن، ایک صورت ہے دوسرا معنی، ایک چھلکا ہے دوسرا مغز، ایک علم وہوشیاری ہے تو دوسرا حال ومستی، ایک مذہب ہے دوسرا مشرب (طریقہ)، ایک عقل ہے دوسرا عشق اگر اس کو سیدھا راستہ اور راہِ استوار کا نام دیا جائے تو جائز ہوگا اور اگر دعوت حق اور راہِ نجات کہیں تو درست اور میزان عمل اور دستور العمل گردانیں تو صحیح ہے۔(۸۸)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ الغزالی، محمد بن محمد احمد (امام)۔ (۱۹۹۸ء)۔ نصیحۃ الملوک ۔ (مترجم، ڈاکٹر سمیع اللہ قریشی)۔ کراچی: فضلی سنز۔ صص ۷۔۱۲

۲۔ دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۹۹۸ء) ۔ رسالہ نوریہ سلطانیہ۔ (مترجم، پروفیسر غضنفر وڑائچ)۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی۔ ص ۲۵

۳۔ اکرام، شیخ محمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۶۸ء)۔ رودِ کوثر۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ صص ۱۷۴۔۱۷۵

۴۔ لطیف، سید محمد۔ (۱۹۹۵ء)۔ آگرہ: اکبر اور اس کا دربار۔ لاہور: تخلیقات۔ صص ۲۳۱۔۲۷۱

۵۔ Dunbar, Sir George. (1943) A History of India from the Earliest Times to the Present Day (Vol. I). London. pp 191-2

۶۔ منتخب التواریخ۔ (ج۔۲)۔ صص ۲۷۳۔۲۷۵

۷۔ اختر، محمد سلیم۔ اکبری دور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی نگارشات کے آئینہ میں۔ ماہنامہ فکر و نظر (جلد ۱۱، شمارہ ۱۱)۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی۔ صص ۵۷۲-۶۶۶

۸۔ آداب الصالحین۔ ص ۱۱۶

۹۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۲۴

۱۰۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۱۰۰

۱۱۔ ازالۃ الخفاء۔ ص ۳۷

۱۲۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۱۰۹

۱۳۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۱)۔ ص ۴۰۹

۱۴۔ ایضاً۔ ص ۵۱۶

۱۵۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۳۹

۱۶۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۴)۔ صص ۴۳۔۴۴

۱۷۔ المکاتیب والرسائل۔ صص ۱۴۵۔۱۵۵

۱۸۔ مرآۃ الحقائق۔ ص ۶۵

۱۹۔ تذکرہ شیخ عدالحق محدث دھلوی۔ صص ۱۳۱ تا ۱۳۹

۲۰۔ المکاتیب والرسائل ۔ صص ۹۵۔۱۰۰

۲۱۔ شرح فتوح الغیب (اردو)۔ ص ۲۳۵

۲۲۔ المکاتیب والرسائل ۔ ص۔ ۱۷۳

۲۳۔ ایضاً۔ ص ۲۸۴

۲۴۔ اخبارالاخیار (اردو)۔ ص ۴۸۹

۲۵۔ المکاتیب والرسائل ۔ ص ۲۸۰

۲۶۔ دہلوی، عبدالحق محدث شیخ (س ن)۔ اشعۃ اللمعات (فارسی) (ج۔۱)۔ سکھر: مکتبہ نوریہ رضویہ۔ ص ۳۳۲

۲۷۔ انبیٹھوی، خلیل احمد۔ (س ن)۔ براہین قاطعہ۔ دیوبند: کتب خانہ امدادیہ۔ ص ۵۵

۲۸۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ۔ مدارج النبوۃ (فارسی) (ج۔۱)۔ سکھر۔ ص ۷

۲۹۔ اشعۃ اللمعات (فارسی) ج۔۱۔ ص ۴۳۲

۳۰۔ مدارج النبوت (فارسی) (ج۔۱) سکھر: مکتبہ نوریہ رضویہ۔ ص ۱۵۷

۳۱۔ مدارج النبوت (ج۔۲)۔ ص ۴۵۰

۳۲۔ اشعۃ اللمعات (فارسی) (ج۔۲) ص ۴۰۲

۳۳۔ جذب القلوب (فارسی)۔ لکھنو: نولکشور۔ ص ۲۰۲

۳۴۔ ایضاً۔ ص ۲۰۶

۳۵۔ ایضاً۔ ص ۲۱۰

۳۶۔ ایضاً۔ ص ۲۱۴

۳۷۔ ایضاً۔ ص ۲۲۰

۳۸۔ ایضاً۔ ص ۲۲۱

۳۹۔ اشعۃ اللمعات (فارسی) (ج۔۴)۔ ص ۴۰۸

۴۰۔ مدارج النبوۃ (ج۔۲)۔ ص ۱۹

۴۱۔ اخبارالاخیار (اردو)۔ صص ۷۲۲۳۔۷۲۲۴

۴۲۔ تکمیل الایمان (فارسی)۔ لکھنؤ۔ صص ۷۲۔۷۷م

۴۳۔ ماثبت بالسنۃ فی ایام السنہ (فارسی)۔ ص ۱۷۴

۴۴۔ شرح سفر السعادۃ (فارسی) سکھر: مکتبہ نوریہ رضویہ۔ ص ۲۷۲

۴۵۔ مدارج النبوت (فارسی) (ج۔ ۱)۔ ص ۱۱۸

۴۶۔ اشعۃ اللمعات (فارسی) (ج۔ ۴)۔ ص ۴۲۴

۴۷۔ مدارج النبوت (فارسی) (ج۔ ۱)۔ ص ۱۵۷

۴۸۔ اخبار الاخیار (اردو)۔ صص ۲۳۷۔ ۲۴۷

۴۹۔ مخطوطہ تاریخ حقی۔ ص ۴۸ ب

۵۰۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (ج۔ ۴)۔ مدیر خصوصی: پروفیسر مرزا مقبول بیگ بدخشان (۱۹۷۱ء)۔ لاہور: پنجاب یونیورسٹی۔ ص ۱۴۳)

۵۱۔ مقرر: مولانا شاہ احمد نورانی۔ PTV۔ ۲۷ جنوری ۱۹۹۸ء بعنوان امت واحدہ

۵۲۔ التغابن: ۲

۵۳۔ حم السجدہ: ۳۳

۵۴۔ خورشید احمد: (۱۹۶۰ء)۔ چراغ راہ (نظریۂ پاکستان نمبر) جلد ۱۴، شمارہ ۱۲۔ کراچی: دفتر چراغ راہ۔ ص ۹ (پیرایۂ آغاز)

۵۵۔ Qureshi, Ishtiaq Hussain.(1957). The Life. London..pp .7-10 Pakistani Way of

۵۶۔ ibid-p 15

۵۷۔ احمد، مسعود (ڈاکٹر)۔ (س ن)۔ دوقومی نظریہ اور پاکستان۔ کراچی: ادارہ مسعودیہ۔ ص ۲

۵۸۔ Husain, M Hidayat. (1926).The Auto - bibliography of Mawlana Abd al-Hakk ad-Dehlavi. Journal of the Asiatic Society of Bengal (No-xxii).p 43

۵۹۔ تذکرہ۔ ص ۳۰۴

۶۰۔ جعفر حلیم سید حسن (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۲ء)۔ شرح احوال و آثار عبدالرحیم خانخاناں۔ اسلام آباد۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران پاکستان۔ ص ۱۹۷

۶۰الف۔ Studies in Islamic Culture in Indian Environment, p.190

۶۱۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ صص ۱۹۳۔۱۹۴

۶۲۔ مقدمہ نوریہ سلطانیہ (اردو)۔ مترجم، محمد غفنفر علی وڑائچ۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی۔ ص ۷

۶۳ Husain, M Hidayat. (1926). The Auto-bibliography of Mawlana Abd ad-Dehlavi. Journal of the Asiatic Society of Bengal (No.xx11). p 43

۶۴۔ ہسٹری آف انڈیا۔ (ج۔۲)۔ ص ۴۹۲

۶۵۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۲۶

۶۶۔ ایضاً۔ ص ۲۷

۶۷۔ توزک جہانگیری (اردو)۔ ص ۴۱

۶۸۔ مقدمہ مصحح۔ نوریہ سلطانیہ (فارسی)۔ ص ۱۷

۶۹۔ رسالہ تالیف قلب الالیف۔ ص ۵۰

۷۰۔ Sarwar Ghulam. (1959/1987). Manuscript of Gelani Library Uch. Bahawalpur: Urdu Acadamey. p 22

۷۰الف۔ Studies in Islamic Culture in Indian Environment. p 190

۷۱۔ آداب الصالحین۔ مقدمہ از موءلف۔ صص ۹۔۱۰

۷۲۔ تالیف قلب الالیف۔ ص ۵۱

۷۳۔ تکمیل الایمان۔ ص ۱۲

۷۴۔ مومن کے ماہ و سال، (دیباچہ از مصنف)۔ ص ۱۰

۷۵۔ تالیف قلب الالیف۔ ص ۵۱۔۵۲

۷۶۔ تاریخ حقی (مخطوطہ)۔ ص ۱۳ (الف۔ب)

۷۷۔ History of India (Vol. VI). p.178

۷۸۔ عبدالرسول (صاحبزادہ)۔ (۱۹۶۴ء)۔ پاک و ہند کی اسلامی تاریخ (۱۵۲۶ء تا عہد حاضرہ)۔ لاہور: ایم۔ آر۔ برادرز۔ صص ۳۔۴ (دیباچہ)

۷۹۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ (ج ۔۱۴/۱) ۔صص ۸۴۔۱۸۳

۸۰۔ فسانۂ سلطنت مغلیہ ۔ص ۱۹۶

۸۱۔ ایضاً ۔ص ۱۹۸

۸۲۔ تزک جہانگیری ۔ص ۳۲۷ جو کہ ’’خیلے زحمتہائے کشیدہ‘‘ کے ترجمے سے ماخوذ ہے لیکن ایلیٹ نے ہسٹری آف انڈیا ۔ جلد ۶ ۔ص ۳۶۶) اور روجرس (بحوالہ: توزک جہانگیری ۔انگریزی ترجمہ (ج ۔۲) ۔ص ۱۱۱) نے جملہ مذکورہ کا کچھ ایسا ترجمہ کر دیا کہ جس سے جہانگیر کا مفہوم بالکل ہی بدل گیا اور انہوں نے اس کا یہ مطلب کر دیا کہ شیخ نے دہلی میں اپنا وقت سخت تکلیف اور مصیبت میں گزارا تھا۔ (بحوالہ: حیات عبدالحق محدث دہلویؒ ۔ص ۱۴۴)

۸۳۔ ریاض الحسن (ڈاکٹر) ۔(اگست ۔ستمبر ۱۹۹۸ء) ۔گوئٹے اور جرمن ادب پر اسلامی ادب کے اثرات ۔ماہنامہ ساحل ۔کراچی

۸۴۔ ٹرانسلیٹر پری فیس ۔انگریزی ترجمہ منتخب التواریخ

۸۵۔ تالیف قلب الالیف ۔ص ۵۲

۸۶۔ فقہ وتصوف ۔ص ۶۷

۸۷۔ زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین ۔ص ۴۴

۸۸۔ مرج البحرین ۔صص ۹۲۔۹۳

باب دوم فصل دوم

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ اور دینی سیاسی اصطلاحات

شریعت وطریقت

شریعت: زندگی کا مسئلہ ایک بنیادی مسئلہ ہے اور اسکے تجزیہ کے لیے میکانکی تصور بالکل ناکافی ہے۔ زندگی ایک مقصد کو لیے ہوئے نشو ونما پاتی ہے اور اسی مقصد کے مطابق اختیار کی جاتی ہے۔ اس طرح زندگی ایک (Career) کی حامل بن جاتی ہے اور مشین کے لیے (Career) کا تصور ہی ناممکن ہے۔ (Career) کے حامل ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی عملی قوتوں کا سرچشمہ بہت دور زمانہ ماضی میں واقع ہے جس کی ابتدا ایک روحانی حقیقت سے ہوئی ہے جسے کوئی مکانی تجربہ دریافت نہیں کرسکتا البتہ وہ حقیقت اپنے آپ کو مکانی تجربہ پر واشگاف کرسکتی ہے اس سے ظاہر ہوا کہ زندگی ایک بنیادی حقیقت ہے اور طبیعیاتی اور کیمیاوی طریقہ عمل کی ابتداء سے پہلے موجود ہے۔ (۱) خالق کائنات نے انسانیت کی بھلائی کے لیے وقتاً فوقتاً اپنے انبیاء و رُسل کو مبعوث فرمایا اور آخر میں رسول اکرم ﷺ کو تمام جہانوں کیلیے رحمت بنا کر بھیجا نیز اُمت مسلمہ کے لیے دینِ اسلام کو پسند کیا۔

اسلام وایمان: لغت میں اسلام انقیاد (اطاعت گزاری) فرمانبرداری اور خوشی ورغبت سے جھک جانے اور کسی قسم کی سرکشی اور اعراض کے بغیر کسی کا حکم تسلیم کر لینے کے معنی میں آتا ہے۔ شرع شریف کے عرف میں اسلام فرمانبرداری، احکامِ الٰہی کی اطاعت اور دینِ اسلام کے پانچ ارکان (اس امر کی گواہی دینا کہ خدا تعالٰی کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ اور اس بات کی بھی شہادت دینا کہ محمد ﷺ اس کے احکام کی تبلیغ کی لیے اس کی طرف سے لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں، نماز قائم کرنا، مال کی زکوٰۃ ادا کرنا، ماہ رمضان کے روزے رکھنا، حج کے احکام و مناسک ادا کرنا اگر تجھے اس (خانہ کعبہ) تک پہنچنے اور راستہ پانے کی طاقت واستطاعت ہو)

کے بجالانے سے عبارت ہے۔

ایمان یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ، اسکے فرشتوں، آسمانی کتابوں، رُسل، روزِ قیامت اور اچھی بُری تقدیر پر ایمان لائے۔ اسلام ظاہری اعمال اور ایمان باطنی اعتقاد کا نام ہے۔ اور دین مجموعہ اسلام و ایمان سے عبارت ہے۔ عقائد میں جو مذکور ہے کہ اسلام و ایمان ایک ہی چیز ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ہر مومن مسلم ہوتا ہے اور ہر مسلم مومن۔ ان دوناموں میں سے کسی ایک نام کی مسلمان سے نفی نہیں کی جاسکتی تاہم حقیقتاً اسلام ایمان کا ثمر اور اس کی فرع ہے۔ (۲)

احسان: احسان کا معنی نیکی کرنا ہے یہ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے لوگوں سے نیکی کرنا یعنی انعام و اکرام سے نوازنا اور نیک عمل کرنا پورے کمال اور پوری درستی اور اچھائی کے ساتھ اور جیسا کہ چاہیئے اسے بجالانا۔ نیک عمل اس اچھائی اور عمدگی سے کرنا گویا اپنی ذات کے ساتھ احسان کرنا ہے اور اس کے خلاف کسی عمل کا بجالانا اپنی ذات پر ظلم اور اپنے نفس کے ساتھ برائی کرنے کے مترادف ہے۔ احسان کا خلاصہ دراصل عبادت میں اخلاص اور حضور و خشوع ہے اور یہ اخلاص و خشوع درحقیقت شرط کمال بلکہ اسلام و ایمان کی صحت کا نشان ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حقیقت احسان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: احسان خدا ئے تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرنے کا نام ہے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جس شخص کا یہ حال ہوتا ہے وہ نہایت ہیبت، تعظیم و احترام، خشوع و خضوع، حیا و شوق و ذوق اور محبت و جذب کے مقام پر فائز ہوگا۔ اور یہ مقام مشاہدہ اور دریائے شوق و حضور میں ڈوب جانے کا مقام ہے۔ (۳)

دین اسلام، ایمان اور احسان کے مجموعے سے عبارت ہے اور شریعت اسی مجموعے کا نام ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے درج ذیل نو احکامات جو تمام انبیاء کی اُمتوں اور شریعتوں میں ظاہر، واضح اور مشہور تھے، بیان فرمائے۔

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

۲۔ چوری نہ کرو۔

۳۔ زنا و بدکاری نہ کرو۔

۴۔ کسی ذات کو جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے قتل نہ کرو مگر حق اور حکم شریعت کے مطابق۔

۵۔ کسی پاک اور بے گناہ انسان پر جھوٹ اور بہتان باندھ کر نہ لے جاؤ، سلطنت اور قوت وزر والے حاکم کے پاس تاکہ وہ اس بے گناہ کو قتل کرے، اسے تکلیف و اذیت دے اور اس پر ظلم کرے۔ جس طرح لوگ بادشاہ کے پاس لے جاتے اور قتل کرواتے ہیں۔

۶۔ جادو نہ کرو۔

۷۔ سود نہ کھاؤ۔

۸۔ کسی پاکدامن و پارسا عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ۔

۹۔ کفار سے جنگ کے دن بھاگنے کے لیے پشت نہ دکھاؤ اور منہ نہ پھیرو۔ (۴)

رسالہ التعظیم لامر اللہ و الشفقة علی خلق اللہ میں اصول وقواعد شریعت اور نیکی و بدی کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ کی اولین شرط یہ ہے کہ اللہ کے حکم کا احترام ملحوظ رکھنا، فرائض کو اولیت وتقدم دینا، اس سے اس کے احکام سے محبت رکھنا، اس کے فرمائے ہوئے کو کرتے رہنا اور منع کئے ہوئے سے بچتے رہنا۔ ان ہی دونوں بنیادی ارکان کو اوامر ونواہی کہتے ہیں۔

نیکی و بدی شرع کے حکم سے قرار پائی ہے۔ جو کچھ شرع میں فرمایا گیا ہے وہی درست اور قابلِ تعمیل ہے جس کو اچھا کہا گیا وہ اچھا جس کو بُرا کہا گیا وہ بُرا ہے۔ دین کے عقائد میں متقدمین نے لکھا ہے کہ نیکی وہ ہے جس کو شرع نیک ٹھہرائے، بدی وہ ہے جس کو شرع بُری ٹھہرائے یعنی نیک کام وہ ہیں جن کو شرع میں کرنے کا حکم ہوا، بُرے کام وہ ہیں جن کے کرنے سے شرع میں منع کیا گیا۔

اُصول وقواعد شریعت میں اہل دین و اہل نسبت کی بزرگی اعزاز و احترام کرنا، اور ان حضرات کا بھی جو حضرت نبوت علیہ السلام کے مقبولوں میں سے ہیں پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے ان کو بُرا نہ جاننا، ذلیل نہ سمجھنا، نیچی نظر سے نہ دیکھنا لازمی ہے ان کی طرف جس قدر التفات ہو

سکتا ہو کرنا، ان کا اعتبار کرنا لوازماتِ دین سے ہے۔ بخلاف اس کے ان لوگوں کا جو بدعتی ،گمراہ، بے دین، بُرائیوں میں ہوں ان کو ان کے کاموں اور باتوں کو بُرا سمجھنا ضروری اور اہم ہے کیونکہ وہ اس بارگاہ کے مردود (دور بھگائے ہوئے) ہیں۔ (۵)

تصوف: محققین کے نزدیک صوفی کا اشتقاق درج ذیل کلمات سے ممکن ہے۔

صف، اہل صفہ، شیوصوفیا، صوف، صفا، صوفہ، الصفوہ، صوفانہ، صوفہ القفا۔

صاحب کتاب الہند لفظ صوفی کی لغوی تحقیق کے ضمن میں فرماتے ہیں: صوفی یونانی لفظ اور حکیم کا مرادف ہے: یہ رائے صوفیہ، یعنی حکیموں کی تھی۔ یونانی میں حکمت کو ’سُوف‘ کہتے ہیں اور اسی لفظ سے فلسفی کا نام، پیلا سوپا، یعنی محب الحکمۃ رکھا گیا تھا۔ جب اسلام میں ایک جماعت نے قریباً وہی رائے اختیار کی تو ان کا نام وہی رکھ دیا گیا جو ان یونانی حکماء کا تھا۔ بعض لوگوں نے اس لقب کی حقیقت کو نہیں جانا اور بسبب توکل کے صوفیوں کو، صفّہ کی طرف منسوب کردیا اور یہ کہا کہ صوفی نبی ﷺ کے زمانے کے اصحاب صفّہ ہیں پھر اس کے بعد اس میں تصحیف یعنی تلفظ و کتابت کی غلطی ہوئی اور وہ ’صوف‘ یعنی بھیڑوں کے اون سے مشتق قرار دیا گیا۔ ابوالفتح بُستی نے اس رائے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ’صوفی‘ کی نسبت لوگوں میں اختلاف ہے ہم یہ نام اس جواں مرد کے سوا کسی کو نہیں دیتے جو ’’صافی فَصُوفِیَ‘‘ کا مصداق ہے یعنی صفائی اختیار کی اور صاف بنا دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کا لقب ’’صوفی‘‘ ہو گیا۔ (۶)

پروفیسر نولڈیکی نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ:

لفظ صوفی جو سوف سے بتایا جاتا ہے بذاتہ مشرق کی کسی زبان میں نہیں آیا اور ایسی صورت میں ناممکن ہے کہ اس سے تصوف مشتق ہوا ہو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یونانی الفاظ عربی میں سریانی کے ذریعے آئے خود سریانی زبان میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا پھر کیوں کر ممکن ہے کہ عربی زبان میں آیا ہو۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے مان لیجیے کہ کسی صورت سے یہ لفظ عربی میں آ گیا اور سوفی (سوف) مادہ ہو گیا تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ’’س‘‘ کے بجائے اس کا املا ’’ص‘‘ سے کس قاعدے سے ہو گیا ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ ’’س‘‘ کے بجائے یونانی الفاظ ’’ص‘‘

سے ہو گئے ہیں یہ سچ ہے مگر سب کیلئے قاعدے مقرر ہیں اور یہ کسی قاعدے میں نہیں آتا۔ (۷) لیکن یہ محض لفظی بحث ہے اصل بات اس لفظ کی روح میں پوشیدہ ہے آج کی صورتحال کے پیش نظر لغت جو اس لفظ کے معنی بتاتی ہے وہ ہے گیان، دھیان، اللہ تعالیٰ یا پرماتما سے لو لگانے کا ایک علم، ایک طرف چلنا۔ ایک طرف چلنے کا جہاں تک تعلق ہے اس کا وہی مفہوم ہے جو ہم قومی ایکا، قومی یکجہتی یا کیمونل ہارمنی کے الفاظ یا تراکیب سے مُراد لیتے ہیں بلکہ قومیت اور وطنیت کی حدوں سے اوپر اٹھ کر دنیا بھر کے انسانوں میں ایک عالمی ہم آہنگی پیدا کرنا۔ (۸)

ایک خیال کے مطابق صوفی کی نسبت صوفہ سے ہے اور صوفہ وہ لوگ تھے جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے دنیا کو ترک کر دیا تھا اور کعبہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ گویا یہ بات طے شدہ ہے کہ اسلام کے آغاز سے قبل ہی بعض لوگ صوفی کے لقب سے ملقب ہو چکے تھے۔ محمد بن اسحاق سے تاریخ مکہ میں روایت ہے کہ ایک صوفی طواف کرنے کے لیے قبل از اسلام مکہ آیا کرتا تھا۔ قرن اول میں بھی لفظ صوفی موجود تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۶۰ھ/۶۸۰ء) نے اپنے ایک عامل کو سرزش کرتے ہوئے کہا حالانکہ تو ایسے صوفی سے مشابہت رکھتا ہے جو فرائض اور احکام دین کی کتابوں کا مالک ہے۔ (۹) زہاد اسلام میں ابو ہاشم کوفی (م۱۵۰ھ/۷۶۷ء) وہ پہلی شخصیت ہیں جنہیں صوفی کے پاکیزہ لقب سے یاد کیا گیا۔ (۱۰) اور ابن عربی (م۶۳۸ھ/۱۲۳۸ء) نے اسلامی تصوف کو ایک رمزی اور علاقائی زبان عطا کی۔ (۱۱)

ہر مذہب نے دو چیزیں پیش کیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق پہلی یہ کہ اگر میری اطاعت کرو گے تو میں تمھیں اسکی جزا (جنت) اور نافرمانی کرو گے تو اسکی سزا (دوزخ) دونگا۔ دوسری یہ کے اطاعت کہ علاوہ تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں تم سے محبت کروں گا اور اس کا ثمرہ یہ ملے گا کہ تمھاری شخصیت میں میری صفات منعکس ہو جائیں گی اور اس قرب کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم بچشم دل میرا دیدار کر سکو گے۔ اس لیے اہل مذہب دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے جنکی عقل پر غلبہ تھا انہوں نے صرف شریعت کو کافی سمجھا اور جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کے علاوہ محبت (طریقت) کو ضروری سمجھ کر دیدارِ خدا کے طالب ہوئے۔ (۱۲)

اللہ کی طرف سچی توجہ قائم ہو جائے اور اس کی مرضی اپنی مرضی ہو جائے تو اسی کا نام تصوف ہے اور ہر ایسا کام جس میں اس کی مرضی رضامندی وخوشنودی ہاتھ آجائے اور اسی کو حاضر وناظر بنائے ہوئے اپنے حال کے نگران ہو جائیں تو یہی مرتبہ احسان ہے یعنی اس کو دیکھ کر یا وہ دیکھ رہا ہے، اس کو ہم دیکھ رہے ہیں کے تصور سے عبادت کرنا، ہر تحریک میں متحرک، ہر اثر میں مؤثر ہر امر میں آمر کو پانا، اُسی کا دھیان باندھے رہنا، حاضر ناظر جاننا احسان ہے۔ حدیث جبرئیل جس میں احسان کی تعریف ہے وہ عملِ تصوف کا پہلا سبق ہے، حضور سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر نہ دیکھ پاؤ تو یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اس سے احسان کی تشریح فرمائی گئی اور اس کا طریقۂ کار بتلایا گیا ہے۔ (۱۳)

تصوف کی اہمیت سے متعلق برٹرینڈ رسل کہتا ہے کہ دنیا میں جس قدر عظیم ترین فلسفی گزرے ہیں سب نے فلسفے کے ساتھ ساتھ تصوف کی ضرورت کا بھی اعتراف کیا ہے۔ دنیائے افکار میں انتہائی بلند مقام صرف سائنس اور تصوف کے اتحاد سے حاصل ہو سکتا ہے بہترین انسانی خوبیوں کا اظہار صرف تصوف ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔ (۱۴) جیسا کہ مذکور ہو تصوف مذہب کی روح ہے۔ تصور مذہب سے کوئی قوم خالی نہیں اس لیے تصوف بھی ہر قوم میں کارفرما رہا ہے۔ (۱۵) دنیا کے تمام محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اپنشد (۱۶) تصوف پر قدیم ترین تصانیف ہیں۔ پروفیسر روائس نے کائنات اور فرد'' جلد اول باب چہارم صفحہ ۱۵۶ پر اعتراف کیا ہے کہ صوفیانہ عقائد کی پوری داستان ان کتابوں میں قلمبند کر دی گئی ہے۔ صاحب تعرّف نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: جو ایسے شخص کو دیکھنا چاہتا ہو جس کے دل کو اللہ نے منور کر رکھا ہے اسے چاہیے کہ حارثہؓ کو دیکھ لے۔ اس حدیث میں آپؐ نے بتایا کہ حارثہؓ کا دل منور تھا۔ اس گروہ (صوفیاء) کو ان اوصاف کی بناء پر نوریہ بھی کہا گیا ہے۔ (۱۷) دنیا سے خالی ہونے، اس سے علیحدگی اختیار کرنے، وطن ترک کرنے اور سفر اختیار کرنے، نفس کو خطوط نفسانی سے باز رکھنے یاکئی معاملات، یاکئی باطن، انشراح صدر اور صف اوّل کے لوگوں کی صفات رکھنے کا نام تصوف ہے۔ اور صوفی کا لفظ عُوْفِی کے وزن پر ہے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے

عافیت دی اور اس نے عافیت حاصل کر لی نیز یہ کُوفی کے وزن پر ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کفایت دی اور اس نے پالی اللہ تعالیٰ کا فعل صوفی کے نام میں واضح ہے اور یہ فعل تنہا اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے۔ (۱۸) کلا بازی (م ۳۸۵ھ/۹۹۵ء) کی کتاب تعرّف کے بارے میں مترجم نے لکھا ہے: اس کتاب کی تصنیف کرنے سے مصنف کی اصل غرض یہ تھی کہ صوفیاء کے متعلق یہ واضح کر دیا جائے کہ ان کے عقائد وہی ہیں جو اہل سنت کے ہیں۔ (۱۹)

تصوف کے اثبات میں سید علی بن عثمان ہجویری اس آیتِ قرآنی کو پیش کرتے ہیں:

وعبادالرحمٰن الذین یمشون علی الارض
ھونا و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما (۲۰)

(اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے زمین پر بڑی احتیاط سے چلتے ہیں اور جب جہلاء اِن سے مخاطب ہوتے ہیں تو یہ اُنہیں السلام علیکم کہہ دیتے ہیں۔)

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا: من سمع صوت اھل التصوّف فلایؤمن علیٰ دعائھم کتب عنداللہ من الغافلین (جس نے اہل تصوف کی بات سنی پس اس پر آمین نہ کی تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں غافلین میں سے شمار کیا جاتا ہے)

آگے چل کر سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں: بے شک صفاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت ہے اگر تو صحیح اور جامع صوفی بننے کا ارادہ رکھتا ہے تو جس راستے کو انہوں نے اختیار کیا تو بھی اس راستے کو اختیار کر اور کاملین میں سے ہو جا۔ (۲۱)

طریقۂ روحانیت

حصول مراتب، وصول سلوک، ریاضت، مجاہدہ، تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، تخلیۂ روح، حصول فنا و بقاء غرضیکہ احوال و مقامات سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اسے طریقہ کہتے ہیں۔ (۲۲) شرح فتوح الغیب کے دیباچے میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: علم تصوف، طلب اور شروع کے لحاظ سے علوم آلی (وہ علوم جو علم عربیت کے موقوف علیہ ہیں اور جو علم عربی حاصل کرنے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں جیسے صرف و نحو وغیرہ) کے حاصل کرنے کے بعد سب پر مقدم ہے۔ (۲۳)

رسالہ اصول الطریقۃ لکشف الحقیقۃ میں شیخ طریقت کی خصوصیات کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں: یہ پانچ باتیں جس شخص میں پائی جائیں وہ شیخ بننے کے لائق نہیں۔

۱۔ جس کو دین سے ناواقفیت ہو۔

۲۔ مسلمانوں کی حرمتوں کو ڈھادیتا ہو۔

۳۔ فضول بیہودہ باتوں میں رہتا ہو اور خواہشات پر چلتا ہو۔

۴۔ معاملات میں بدخلقی بد دیانتی کرتا ہو، اس پر نڈر ہو۔

۵۔ اسلامیت کا جس کو پاس لحاظ نہ ہو۔ (۲۴)

تصوف کی مزید توضیح کرتے ہوئے مرج البحرین میں لکھتے ہیں: ہر بات کتاب وسنت کی روشنی میں کی جائے حقیقت کو پرکھنے کے سلسلہ میں نظر کو تاہ کر لینا طریقت کی اصلیت کو سمجھنے میں مخل ہوتا ہے اور اسی سبب سے واضح شریعت کی روشنی میں ایک گروہ کے مقامات اور شطحیات پر اعتراض وارد کرنے کا موجب اور ان کے انکار کا سبب ہوتا ہے پس قول میں احتیاط واجب ہے تاکہ کتاب وسنت کے علاوہ کسی جگہ سے کوئی بات نہ لیں اور الفاظ میں تحفظ کریں تاکہ بیان مقصود غیر واضح اور مبہم نہ رہے۔ درجہء کمال پر فائز ہونے کے بعد بھی شریعت کے احکام ساقط نہیں ہوتے ہیں۔ زیادتی اور کمال کا ثابت ہوجانا احکام تکلیفیہ کے رفع ہونے اور حدود شرعیہ کے ساقط ہوجانے کا موجب نہیں ہے اور اجرائے حدود اور احکام شرع لازم کر دیتا ہے کہ خصوصیت کو رفع اور زیادتی کا انکار کیا جائے اور بعض لوگ جو اقامتِ حدود اور اجرائے احکام میں حد اعتدال سے تجاوز کرتے اور بڑھ جاتے ہیں۔ اہل خصوص اور ارباب کمال سے جن کا تعلق جنابِ حق سے ہے اور جو درگاہِ الٰہی کے مقربین میں سے ہیں وہ نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں۔

عرض ہے کہ یہ ایک رسالہ ہے جس کا نام ''مرج البحرین'' ہے اور جو دو طریقوں کا جامع ہے جن میں ایک فقہ ہے اور دوسرا تصوف ایک شریعت ہے اور دوسرا طریقت، ایک ظاہر ہے دوسرا باطن، ایک صورت ہے اور دوسرا معنی، ایک چھلکا ہے دوسرا مغز (۲۵) ایک علم ہے دوسرا حال، ایک

ہوشیاری ہے دوسرا مستی، ایک مذہب ہے دوسرا مشرب (طریقہ)، ایک عقل ہے دوسرا عشق اور اگر اس کو سیدھا راستہ اور راہِ استوار کا نام دیا جائے تو جائز ہوگا نیز اگر دین خالص اور سلامتی کے راستہ کے لقب سے یاد کیا جائے تو روا ہوگا۔ اور اگر دعوتِ حق اور راہِ نجات (سبیل الرشاد) کہیں تو درست، اور میزانِ عدل اور دستور العمل گردانیں تو صحیح ہے۔ یہ طریقہ فقہ کے ماننے والوں کو طریقِ تصوف کے انکار سے روکتا اور اہلِ تصوف کو مذہبِ فقہ کے دائرہ کے اندر رکھتا ہے۔

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق ہر ہوس ناکے نداند جام و سنداں باختن (۲۶)

(ایک ہاتھ میں جامِ شریعت ہو اور ایک ہاتھ میں سندانِ (اہرن) عشق، لیکن ہر ہوسناک کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ جام (پیالے) اور سندان (اہرن) دونوں کے ساتھ شغل کر سکے۔)

عملی طور پر مذکورہ امثال کو سمجھنا اس وقت تک محال ہے جب تک یہ نہ جان لیں کہ رسول اللہ ﷺ ہی ہر دو جوانب میں ذاتی و صفاتی حقیقت ہیں کیونکہ آپکی تخلیق نور ذات سے ہے اور ذات الٰہیہ کے اسماء و صفات اور افعال و آثار کی حکمی و عین جامعیت لیے ہوئے ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ثم دنٰی فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی یہ آیت پاک آپ ﷺ کے کمالات منیفہ میں سے ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ فرض کریں کہ سارا وجود ایک دائرہ کی طرح ہے اسے ایک خط سے دو برابر حصوں میں تقسیم کردیا ہوا ہے وہ خط دائرے کے مرکز پر سے گزرتا ہے نصف اعلیٰ کا نام وجود قدیم، واجب الوجود اور حق بزرگ ہے جو کہ تقسیم وانقسام سے پاک ہے اور دائرے کے نصف اسفل کا نام وجود محدث و ممکن اور خلق ہے اور دائرے کا ہر نصف ایک قوس ہے اور اس قوس کا وتر خط واحد ہے جو کہ دائرے کے ہر نصف کے ایک قوس بن جانے کی بناء بھی ہے۔ یہی خط خط قوسین سے موسوم ہے پس تم جان لو کمالات الٰہی اور کمالات خلقیہ کی صورتاً اور معناً جامع مقام محمدی ہے۔ (۲۷) (شکل ۶.۱)

معلوم ہونا چاہئے کہ دین کی بنیاد اور اس کا کمال تین چیزوں پر ہے۔ علمِ فقہ، علم عقائد اور علم تصوف وسلوک۔ (شکل ۶.۲)

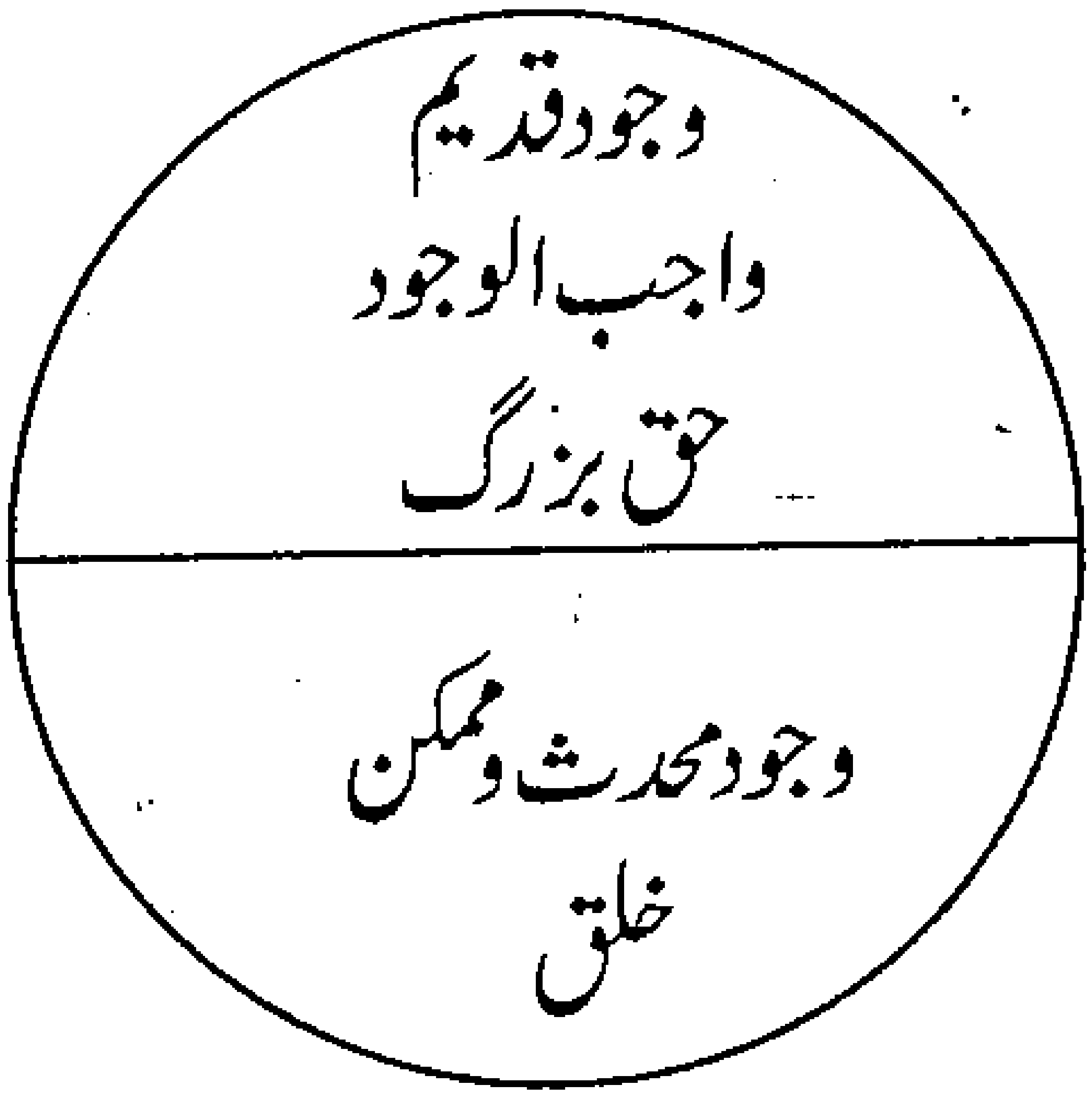
وجود قدیم
واجب الوجود
حق بزرگ
وجود محدث و ممکن
خلق

شکل نمبر۱.٦

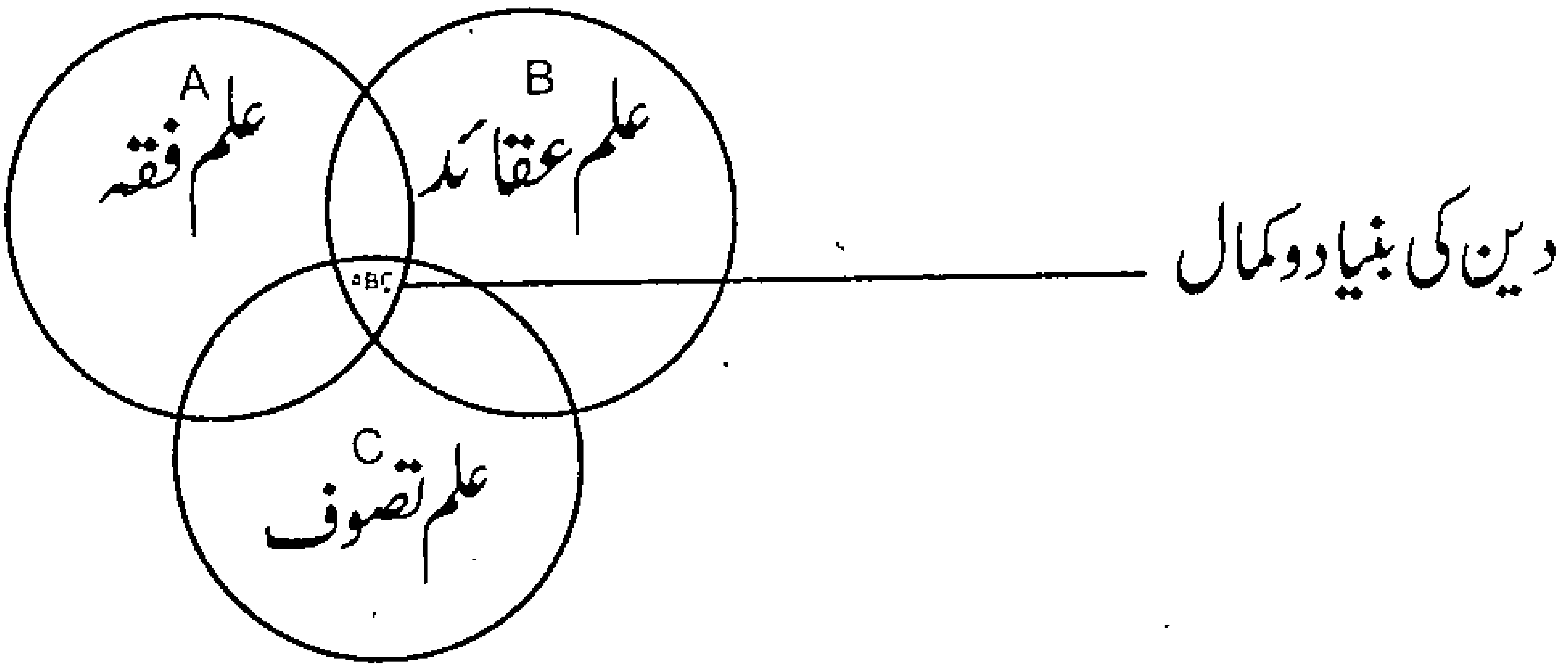
A
علم فقہ
B
علم عقائد
ABC
C
علم تصوف
دین کی بنیاد و کمال

شکل نمبر۲.٦

علم ریاضی کے رو سے

اگر A= {علم فقہ}، B= {علم عقائد} اور C= {علم تصوف}

ہو تو سیٹ کے قانون اتصال کے مطابق

$$(AUB)U\ (BUC) = ABC$$

$$L.H.S = (AUB)U\ (BUC)$$

$$= [\{\text{علم فقہ}\}\ U\ \{\text{علم عقائد}\}]\ U\ [\{\text{علم عقائد}\}\ U\ \{\text{علم تصوف}\}]$$

$$= \{\text{علم فقہ، علم عقائد}\}\ U\ \{\text{علم عقائد، علم تصوف}\}$$

$$= \{\text{علم فقہ، علم عقائد، علم تصوف}\}$$

$$= ABC$$

$$L.H.S = R.H.S$$

اسلام، فقہ کی طرف اشارہ ہے جس میں اعمال و احکام شرعیہ کا بیان ہوتا ہے۔ ایمان اعتقادی مسائل اور اصول کلام کی طرف اور احسان اصل تصوف کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سچی توجہ سے عبارت ہے۔ تصوف کے تمام معانی جن کی طرف مشائخ طریقت میں اشارات فرمائے ہیں اسی معنی کی طرف لوٹتے ہیں لہٰذا تصوف اور علم عقائد وکلام ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اور نہ وجود میں آسکتا ہے اور تصوف فقہ کے بغیر بھی معرض وجود میں نہیں آسکتا کیونکہ احکامات الٰہیہ کی فقہ کے بغیر شناخت نہیں ہوسکتی اور فقہ تصوف کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی کیونکہ سچی توجہ کے بغیر عمل مکمل نہیں ہوسکتا اور یہ دونوں ایمان کے بغیر صحیح اور درست نہیں ہوسکتے جیسے روح اور جسم کہ ایک دوسرے کے بغیر وجود میں نہیں آسکتے اور نہ ان میں کمال پیدا ہوسکتا ہے۔ اسی بناء پر امام مالکؒ نے فرمایا:

من تصوف ولم یتفقه فقد تزندق ومن تفقه
ولم یتصوف فقد تفسق ومن جمع بینهمافقد تحقق

(جو شخص صوفی بنا لیکن علم فقہ حاصل نہ کیا تو وہ بے دینی کا شکار ہوگیا۔ اور جس نے فقہ حاصل کی مگر تصوف وفقر اختیار نہ کیا تو وہ فسق میں مبتلا ہوگیا اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ تحقیق کے مقام پر فائز ہوگیا۔) کمال جامعیت یہی ہے باقی سب کجی اور گمراہی ہے۔)(۲۸)

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے اپنے پیرو مرشد شیخ عبدالوہاب متقیؒ کے قول "فقیہ صوفی باش نہ صوفی فقیہ" کے مطابق ساری عمر اسی اصول کی تبلیغ و اشاعت میں گزار دی۔ آپ نے اپنی تصانیف مرج البحرین، فقہ وتصوف میں یہ ثابت کیا کہ فقہ وتصوف ایک دوسرے کے لیے نہ صرف لازم وملزوم ہیں بلکہ ان میں تضاد کا خیال گمراہ کن ہے۔ فقہ وتصوف، شریعت وطریقت، ظاہر و باطن، صورت و معنی، عقل وعشق کا امتزاج ہی مرج البحرین ہوسکتا ہے یہی راہ حق واعتدال کی ہے۔ آپکے زمانہ میں مشائخ اپنے مریدوں کی اصلاح وتربیت کی طرف سے بے توجہی برت رہے تھے آپ نے اپنی تصانیف میں جگہ جگہ ہمعصر شائخ کو انکے فرائض سے آگاہ

کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ شیخ کے لیے ضروری ہے مریدوں کی باطنی اصلاح کو اپنی زندگی کا سب سے اہم کام سمجھ کر انجام دے۔ مسئلہ وحدت الوجود کے بارے میں اعتدال کی راہ اختیار کی اور ہندوستان میں سب سے پہلے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے متعلق کتب کے ترجمے کیے جو تصوف کے اعلیٰ خیالات کی ترویج و تبلیغ میں معاون ہوئے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ رسالہ "اقامة المراسم فی اعمال المراسم" میں شریعت وطریقت کے حاملین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ہماری نصیحت اس قدر ہے کہ کٹر متعصب، عالم اور جاہل صوفی سے کنارہ اختیار کر کے درمیانی راستہ اختیار کرلو اس کے سوا جو راستے ہیں فقط خوف وخطر کے ہیں۔ (۲۹)

نبوت وسلطنت

مغربی سیاسی افکار کا آغاز یونان سے ہوتا ہے جس کی ایک بڑی وجہ قدیم یونانیوں کی ذہنی آزادی اور اس کے نتیجے میں ہر چیز کے بارے میں ان کے عقلی استدلال پر اصرار نظر آتی ہے عقل ہی وہ مخلوق ہے جو انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔ ایکوئناس کے مطابق ’’روح انسانی کی معراج یا اس کا مافوق الفطرت عروج وکمال اس پر منحصر ہے کہ اس کی عقل اللہ کے تابع ہو جائے ادنیٰ یا اسفل قوتیں عقل کی تابع ہوں اور جسم روح کا تابع ہو چونکہ پہلی متابعت، دوسری اور تیسری متابعت کا سبب ہے اس لیے جب عقل خدا کے تابع ہو تو اسفل قوتیں عقل ہی کی تابع ہوتی ہیں۔‘‘ اطاعت الٰہی سے اس وقت تک پورا انصاف نہیں کیا جاسکتا جب تک نفس اور اس کے مطالبات ومتعلقات سے ناانصافی نہ کی جائے۔ (۳۰)

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ عقلمند کی توجیہہ کرتے ہوئے حضرت خواجہ باقی باللہ کو لکھتے ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفہ میں ہے کہ عقلمند کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کو اچھی طرح سمجھے خوب پہچانے، اس کی زبان اس کے قابو میں ہو، وہ لوگوں میں قبولیت رکھتا ہو جیسا کہ وہ ہے ایسا ہی مقبول بھی ہو، خدا کا حکم مانتا ہو۔ قابلیت رکھتا ہو۔ شیخ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عقلمند کے لیے دن رات میں کئی مواقع ہیں۔ پہلا موقع اپنے نفس سے حساب لینے کا اور اپنے کہے کے ہوئے کے جانچنے کا دوسرا موقع اپنے رب کے ساتھ نماز و دعا اور عبادت میں

رہنے کا۔ تیسرا موقع اپنے ہم عصر (ہم زمانہ) بھائیوں سے ملنے جُلنے کا جو اس کو اس کے عیب سے واقف کرا کے خدا کی طرف سند اور دلیل کے ساتھ لے جائیں۔ چوتھا موقع تنہائی کا ہے جو اس کے نفس اور اس کی خواہشوں کے پورا کرنے کا ہے۔ پانچواں موقع بحث و مباحثہ کا ہے۔ (۳۱)

عقل کا نفع اس قدر بس ہے کہ وہ تمہیں حضور علیہ ﷺ کی تصدیق کی طرف ہدایت کرے اور آپکے اشاروں کے منشاء اور مورد سمجھادے پس جب یہ صورت ہو جائے تو اس کے بعد عقل کو معزول کر دو کہ وہ تصرف نہ کرے اور اتباع کو اپنے اوپر لازم کرو کیونکہ تمہاری سلامتی اتباع ہی میں ہوگی۔ (۳۲)

اکبر کی وفات پر جہانگیر کو بھیجے گئے رسالے میں آپ نے امثال کے ذریعے نبوت وسلطنت کی توضیح اسطرح فرمائی: دنیا اور اس کے اسباب سب کے سب فانی اور سراسر وحشت و کدورت اور محنت و مشقت کا باعث ہیں تو پھر اس کو ترک کر دینا کوئی بڑی بات ہے کہ اس پر ناز کیا جائے، یا اس کے کھو جانے پر حسرت و افسوس کا اظہار کیا جائے یہی نہیں بلکہ بعض لوگ دنیا کی مستی اور حکمرانی کے غرور میں پیغمبری اور خدائی کے دعوے کرنے سے بھی نہیں چوکتے جیسے فرعون کہ ملک مصر کا بادشاہ تھا۔ جس کی محدودیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی ساری مسافت دس روز سے زیادہ نہ تھی۔ اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا، اللہ تعالیٰ کی ہستی سے غافل اس شخص نے اتنا بھی نہ جانا کہ رب جلیل تو آسمان و زمین کا خالق ہے، جب کہ خود اس نے مٹی کا ایک ڈھیلا یا مکھی بھی پیدا نہیں کی، پھر اس کے دعویٰ خدائی الوہیت کی حقیقت کیا ہے؟ وہ دیوانہ بھی تو نہ تھا کہ اس کے دعوی خدائی کو اس کی دیوانگی پر محمول کیا جاسکے، اگر دیوانہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی ہدایت کے لیے کیوں مبعوث فرماتا؟ انبیاء صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم کی دعوت و ہدایت عقلاء کے لیے تھی نہ کہ مجانین کے واسطے۔ یہ دیوانگی نہ تھی بلکہ ملک وسلطنت دنیا اور اس کے اسباب کا غرور اور مستی تھی کہ باوجود عاقل ہونے کہ بیوقوفوں ایسے کام کرتا تھا، کارکنان قضا و قدر بعض لوگوں سے فہم و تمیز کی صلاحیت سلب کر کے، غرور حماقت کو ان کی سرشت میں شامل کر دیتے ہیں، چناں چہ ایسے لوگ عقلِ عزیزی کے ہوتے ہوئے بھی دیوانوں ایسے کام اور بیوقوفوں ایسی

حرکات کرتے ہیں، یہ لوگ درحقیقت دیوانے نہیں بلکہ ''دیوانہ صفت'' ہوتے ہیں۔

کوئی اٹھ کر پیغمبری کا دعویٰ کر دیتا ہے حالانکہ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ پیغمبری کہتے کس کو ہیں؟ پیغمبری سے مراد خداوند تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان ایلچی گری ہوتا ہے، وہ اللہ کی ذات سے اکتساب فیض کرتا ہے اور پھر اس فیض کو مخلوق تک پہنچاتا ہے، شروع عمر سے لے کر آخر وقت تک گناہوں سے معصوم ہوتا ہے، اس کی رسائی عالم قدس وملکوت تک ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آ کر پیغام حق اس تک پہنچاتا ہے، اس کی ذات معجزات کا مصدر ہوتی ہے۔ زمین و آسمان میں تصرف، انگشت کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے اور انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کرنا ہے، درخت اس کے روبرو سجدہ ریز ہوتے ہیں اور سنگ و گیاہ اس پر سلام بھیجتے ہیں، اس کے پاس ایک ایسی کتاب ہوتی ہے کہ اگر جن وانس سب جمع ہو جائیں تو بھی اس کی ایک آیت کی نظیر پیدا نہیں کر سکتے اور اگر تمام دانش منداور عالم اس کی تفسیر کرنا چاہیں تو وہ اس سے کما حقہ ہو عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، پیغمبر اپنے ساتھ ایک شریعت لاتا ہے اور علم وایمان کی تجلیوں سے عالم کو منوّر کر کے کافروں کو کفر اور جاہلوں کو جہل کی تاریکیوں سے باہر نکالتا ہے، مرکز ہدایت سے جو لوگ دور ہوتے ہیں انہیں نزدیک کرتا ہے اور بھٹکے ہوؤں کو راہ راست پر لاتا ہے، پیغمبر ظاہری و باطنی خوبیوں اور صورت و سیرت کے لحاظ سے ساری مخلوق سے افضل ہوتا ہے، کوئی شخص کسی بھی خوبی میں اس کا مقابل نہیں ہو سکتا ان سب باتوں سے روشن ہوا کہ پیغمبری محض دعویٰ کر دینے، رعب اور دبدبے سے اسے منوا لینے یا حکومت کے شکوہ وجلال کے اظہار کا نام نہیں۔ (۳۳)

بعثت و رسالت کا اصل مقصد ہدایت صراط مستقیم جو اصل اصول نعیم اور مثمر فوز و فلاح اور عوام کی ہدایت ہے۔ دوسرے دنیا سے متعلق ہے جسکا مقصد بھی دیں ہی ہے اور اصلاح عالم اور کارخانہ موجودات کی انتظام پر منتج ہے۔ (۳۴) نبی کی سچائی کو سمجھنے کے لیے عقل کی نہیں بلکہ ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو چند کفار قریش جو کافی عقل مند تھے وہ انوارِ معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو نہ سمجھ سکے اور اگر سمجھ بھی لیا تو حسد

اور تکبر وعناد کے سبب کفر اور تکذیب کی راہ پر چل پڑے۔ آخر انہوں نے عقل سے حسد اور تکبر اور عناد نیز ان کے نتائج کی خرابی اور ان کے اجتناب کے طریقے کو کیوں نہ سمجھ لیا اور وہ اس سے راہِ راست کی جانب کیوں نہ چلے اور اپنی عقل اور سمجھ سے کوئی ایسی تدبیر کیوں نہ اختیار کی اور ایسے قواعد وقوانین کیوں نہ مرتب کیے کہ ان کے آباؤ اجداد کے دین وملت کے قاعدے کہ جن پر صدیاں گذر گئی تھیں ختم ہوسکتے۔ اس بات سے یہ معلوم ہوگیا کہ نبوت ایک دوسری چیز ہے اور سلطنت دوسری شے ہے۔

عقل اور حکمت کے پیدا کرنے کی اصل غرض وغایت صرف یہ تھی کہ وہ خدا تعالیٰ کے عائد کردہ اوامر ونواہی کو سمجھے اور شریعت کی تکالیف کو برداشت کرے۔ عقل کے لیے ضروری ہے کہ نبوت کے طریقوں کے لیے اس کے پاس صرف کان ہونے چاہئیں آنکھوں کو بند رکھنا چاہیے اور خاموشی سے بیٹھا رہنا چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ کی طرف سے کیا پیغام آیا ہے اور رسول ﷺ نے کیا خبر دی ہے۔

تا گہر وصف تراشد صدف — سامعہ بر باصرہ دارد شرف
(جس طرح سیپ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کر کے موتی ہوا
اسی طرح سے قوت سامعہ باصرہ پر فوقیت رکھتی ہے)

حدیث شریف ''پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ عقل تھی''، سے مراد مخلوق اول اور وجود ثانی ہے کہ اس کو عقل اول، روحِ اعظم اور قلم اعلیٰ کے ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اہل دین وایمان اور اربابِ کشف ووجدان کے مطابق وہ عین حقیقتِ محمدی اور آنحضرت ﷺ کی روح اقدس ہے۔ (۳۵) حاصل کلام یہ کہ عقل ایک نعمت ہے جس کا ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس کا شکر ادا کرنا یہ ہے کہ غلط راہ پر نہ پڑے۔ تصدیق رسولِ اکرم ﷺ میں تفکر کرے اور رسالت کے کاموں میں آپ ﷺ کے احکام کی متابعت کرے۔ اس کی مخالفت میں کوئی بات نہ کہے، اور ایمان کی سعادت سے محروم نہ ہو۔ (۳۶)

عدل و احتساب

اللہ تعالیٰ نے کائنات اور جو کچھ کائنات میں جیسے ستارے، سیارے، عناصر، نباتات، حیوانات، جمادات اور مرکبات کو بہترین وضعی ترکیب سے پیدا کیا کہ ان میں ذرہ برابر بھی نقص نہیں ہے تمام اشیاء اعداد، اوزان اور پیمائش کے مطابق ہیں جسے سائنس بھی تسلیم کرتی ہے۔ (۳۷) جو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کی بدولت ذرہ برابر بھی اعتدال سے باہر نہیں۔ بقول شیخ نورالحق محدث دہلویؒ

در جملہ جہاں ظہور عدل است ایں جملہ ظہور نور عدل است (۳۸)

(تمام جہانوں میں عدل ظاہر ہے یہ سب ظاہری (اشیاء) عدل کا نور ہے۔)

ایتھنز کے دانشوروں کے مطابق دنیا جسے حق کہتی ہے وہ برابر کی طاقتوں کے درمیان ہوتا ہے جبکہ طاقتور جو چاہے کرسکتا ہے اور کمزور، کچھ بھی بھگتنے پر مجبور ہے یا عدل، طاقتور کے مفاد کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ بقول ہوبس: عدل ایک پیہم آرزو ہے کہ ہر شخص کو وہ مل جائے جو اس کا حق ہے اسپنوزا اور ہیوم بھی اسی بات کے قائل تھے۔ مارکس منصفانہ اقتصادیات کے لیے ''ہر کسی کو اس کے حصے کے بقدر'' کا قائل اپنی کتاب داس کیپٹل میں غصب، استحصال، بلا محنتی اور ناواجب منفعت کی اصطلاحات صرف توضیح کے لیے نہیں آئیں بلکہ تشخیص کے لیے استعمال ہوئی ہیں اور ہر ایک کسی مخصوص قسم کی ناانصافی کی ترجمانی کرتی ہے۔ (۳۹) عادل سعید ہے اور ظالم شقی ہے (۴۰)

عدل کا لغوی معنی

۱۔ عدل کے معنی پاکیزگی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واشھدوا ذوی عدل منکم (۴۱)

اپنے میں سے پاکیزگی والے دو آدمیوں کو گواہ بناؤ۔

۲۔ عدل کے معنی انصاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (۴۲)

(اگر آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ دیں۔)

۳۔ عدل کے معنی سچ بولنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اذاقلتم فاعدلوا (۴۳)

(جب بات کروتو سچ بولو۔)

۴۔ عدل کے معنی فدیہ اور صدقہ کے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لا یقبل من عدل (۴۴)

(ان سے صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا۔)

۵۔ عدل بمعنی شریک ٹھہرانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثم الذین کفروا بربھم یعدلون (۴۵)

(جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا انہوں نے اس کا شریک بناڈالا۔)

۶۔ عدل بمعنی برابر کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولن تستطیعون ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم (۴۶)

(اگرتم اس بات کی کوشش بھی کروتب بھی اپنی عورتوں کے درمیان (محبت و پیار میں) برابری اور مساوات قائم نہیں رکھ سکتے۔)

یعنی نہ وہاں افراط ہو نہ تفریط ان دونوں سے پاک درمیانی راہ اور یہی عدل ہے۔

۷۔ ابن العربیؒ کے مطابق عدل کے معنی استقامت کے ہیں۔ (۴۷)

عدل کی اصطلاحی تعریف

سید شریف جرجانی فرماتے ہیں۔ ”عدل وہ درمیانی چیز ہے جو افراط وتفریط سے پاک ہے“ (۴۸) جو راہ افراط وتفریط سے پاک ہوا سے قرآن مجید کی اصطلاح میں صراط مستقیم کہا گیا ہے جسے اردو زبان میں راہ راست کہا جاتا ہے۔ اور صراط مستقیم وہ ہے جس پر چلنے کی ہمیں ہدایت کی گئی ہے اور کئی بار ہم نمازوں میں اور نمازوں سے باہر بارگاہ ایزدی میں اس صراط مستقیم پر چلنے کی دعا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

وضرب اللہ مثلا رجلین احد ھما ابکم لایقدر علی شئی وھو کل علی مولاہ اینما

یوجہ لایات بخیر هل یستوی هو و من یامر بالعدل وهو علیٰ صراط مستقیم.(۴۹)

(اللہ تعالیٰ دو ایسے مردوں کی مثال دیتا ہے جن میں سے ایک گنگ ہے جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہی ہے۔ کیونکہ جدھر کو بھی جاتا ہے کوئی اچھی خبر نہیں لاتا۔ کیا وہ برابر ہو سکتا ہے اس شخص کے جو "عدل پر عمل پیرا ہو کر" دوسروں کو انصاف کا حکم دیتا ہے۔ یہ شخص جادۂ مستقیم پر گامزن ہے۔)

اس آیۂ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عدل پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ جادۂ مستقیم پر گامزن ہے اور جو عدل کی راہ ہے وہی صراط مستقیم ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان(۵۰)

(بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی کا)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اشعۃ اللمعات میں "العدل" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عدل کا معنیٰ لغت میں انصاف ہے اور انصاف کرنے والا عادل ظلم اور جور کی ضد ہے پھر یہ لفظ استقامت و اعتدال اور ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ برابر کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جور و ظلم سے منزہ ہے کیونکہ ظلم دراصل غیر کی ملک میں دخل دینے کا نام ہے اور کائنات کی کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی ملک سے باہر نہیں بلکہ سارا عالم اُس کی ملک ہے۔ خداوند تعالیٰ کے تمام افعال مستقیم و معتدل اور لاتعداد حکمتوں و مصلحتوں پر مشتمل ہیں اور جیسے کہ چاہیے ویسے ہی ہیں اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ساتھ اُس کے عمل کے مطابق معاملہ فرماتا ہے اور اُس کی لگن اور چاہت کے مطابق اُسے اپنی محبت و نعمت کے لائق بناتا ہے یہ اُس کا عدل ہے۔ کبھی کبھی معاف بھی فرما دیتا ہے بلکہ معاف کرنے کی بجائے برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے یہ اُس کا فضل ہے اس بیان کی روشنی میں جب بندے نے یہ جان لیا کہ حاکم مطلق وہی ہے اور قضا و قدر کے تمام فیصلے اُسی کی طرف سے ہیں کہ تمام افعال میں حکمتیں ہی حکمتیں پائی جاتی ہیں اور چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اور اُس کی تدبیر حکمت میں کسی قسم کا اعتراض نہ کرے بلکہ سب حق و عدل کے مطابق جانے اس صفت سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں میں عدل

کا نظام کرے خصوصاً رعیت میں پورے انصاف سے کام لے بندے کی حکومت کے نیچے اُس کا اپنا وجود بھی ہے اور شہوت و غضب بھی تو چاہیے کہ عقل کی سیاست و تدبیر کے تحت اپنی ان قوتوں کو درست اور دین کی قید کے دائرے میں رکھے۔ اسی طرح یہ بھی چاہیے کہ اس صفت کی روشنی میں میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرتے ہوئے استقامت کے راستے پر چلے۔ بیت

سعدیا راست رواں گوئے سعادت بردند　　راستی کن کہ بمنزل نہ رود کج رفتار

(اے سعدی سیدھے راستے پر جانے والے ہی سعادت کا گیند اٹھاتے ہیں۔ اس لیے
راستی اختیار کر کیونکہ ٹیڑھی (سست و غلط) رفتار چلنے والا منزل پر نہیں پہنچتا ہے۔)

غرض ہر فرد کو چاہیے کہ جھگڑے مٹائے۔ عدل و انصاف سے حکومت کرے اور اپنے نفس پر حاکم بن کر رہے اُسے مجاہدات و ریاضات میں ڈالے اور ایسی تدابیر اختیار کرے۔ جن سے اُس کی دنیا اور دین دونوں بہتر ہو جائیں۔ (۵۱) رسالہ نوریہ سلطانیہ میں بادشاہِ دیندار عادل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عدالت کی حقیقت کفر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی لیکن فرمان حق ہے کہ شرک ظلم عظیم ہے اور کافر کو عادل نہیں کہا جاسکتا۔ چونکہ عدالت سے مراد یہ ہے کہ پرہیز گاری اور مروت اختیار کی جائے اور تمام دینی اور دنیاوی امور میں اعتدال و توازن کا لحاظ رکھا جائے اور یہ دین و ایمان کا بلند ترین مرتبہ ہے۔ لیکن یہاں جو ہم نے عدل کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد مخلوق سے ظلم و ستم کا دور کرنا اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے تاکہ کسی پر ظلم و ستم نہ ہو اور کسی کا حق پامال نہ ہو اور یہ بات دین اسلام ہی سے مخصوص نہیں نوشیروان کو اسی معنی میں عادل کہتے ہیں اگرچہ وہ مسلمان نہیں تھا لیکن عدالت رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے کہ نوشیروان کا نام آج بھی انصاف کی وجہ سے زندہ ہے اگرچہ ایک زمانہ گزر گیا کہ نوشیروان نہیں رہا۔ (۵۲)

عجم کے تمام بادشاہوں میں نوشیروان عدل و انصاف اور با اُصول حکومت میں لاثانی تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ اسی کے دور میں پیدا ہوئے اور آپ اس دور پر فخر کرتے تھے۔ حدیث میں آیا ہے: میں عادل بادشاہ کسریٰ نوشیرواں کے دور میں پیدا ہوا اور آج تک لوگ اس بادشاہ کا

ذکر عادل ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں اور دوسرہا) کی نسبت اس کے عدل و انصاف کا زیادہ ذکر کرتے ہیں اگر چہ وہ کافر تھا لیکن آج تک دنیا میں اسکا نام روشن ہے۔ (۵۳)

حاصل کلام یہ ہے کہ اسلام کے اس سنہری اصول ''عدل'' کے مطابق زندگی گزارنے سے انسان کو زندگی کے ہر میدان میں کامیابی و کامرانی حاصل ہوتی ہے اور وہ بلندیوں کی اس اُوج ثریا تک پہنچ جاتا ہے کہ جس کے بعد حدود و قیود کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور زمان و مکان کی حلقہ بندیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔

احتساب

حسب کے معنی گننے اور شمار کرنے کے ہیں حسب وہ اشیاء ہیں جنہیں شمار کیا گیا ہو۔ احتساب کے معنی اجر و ثواب کے لیے کوئی کام کرنے کے ہیں اور اصطلاحی معنوں میں بالعموم حسبہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جبکہ اس فریضہ کے انجام دینے والے کو محتسب بھی کہا گیا ہے اور والی الحسبہ کی اصطلاح بھی استعمال ہوئی ہے۔ (۵۴)

آداب الصالحین میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ محتسب کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

> محتسب سے مراد وہ شخص ہے جو منصب احتساب پر فائز ہو یعنی اسکو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی روک ٹوک کرنے کا مرتبہ حاصل ہو۔ (۵۵)

مغرب میں محتسب (اسکینڈے نیوین لفظ) کے معنی افسر یا کمیشن کے ہیں اپنے مخصوص معنوں میں ایسا کمشنر جس کی ذمہ داری حکومت کے خلاف شہریوں کی شکایتوں کی تفتیش کر کے مجلسِ مقننہ کو مطلع کرنا ہے۔ (۵۶)

زیادہ تر اسلامی سیاسی مفکرین کی رائے میں احتساب کا مفہوم امر بالمعروف نہی عن المنکر کے مترادف ہے (۵۷) قرآنی اصطلاح کے مطابق ''معروف'' میں صرف نماز و روزہ قسم کی عبادات ہی داخل نہیں ہیں بلکہ اس لفظ میں مزدور، اجتماع کی جملہ ضرورتوں اور فائدہ پہنچانے والی تمام چیزیں شامل ہیں۔ اسی طرح منکر میں صرف مشہور قسم کے بڑے کام ہی نہیں ہیں بلکہ اس میں ضرر رساں چیز اور انسانی ضرورتوں سے گریز و فرار کی راہ بھی داخل ہے۔ (۵۸)

سیرت طیبہ اور بے لاگ احتساب: سیرت طیبہ کی روشنی میں بے لاگ احتساب کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرے میں تعلیم و تربیت، تزکیۂ نفس، اخلاقی اقدار کے استحکام اور عدل و انصاف کے نظام کو جس طرح نافذ کیا تھا ان کی بدولت احتساب یا مواخذہ کا موقع کم ہی آتا تھا اولاً تو صحابہ کرام میں خوفِ خدا، خوفِ آخرت، پاکیزگی نفس اور اخلاقی اقدار ہی اس قدر مستحکم تھے کہ وہ کبھی اسلامی تعلیمات سے انحراف کرتے ہی نہ تھے اور اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد بھی ہو جاتی تو ضمیر کی خلش ہی انہیں چین نہ لینے دیتی اور وہ خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سزا یا معافی کے طلبگار ہوتے۔ (۵۹) اور اگر کبھی ایسا موقع آ ہی جاتا کہ یہ سارے ہتھیار کند ہو جاتے تو عدل و انصاف کا تازیانہ ایسا تھا جو اپنے پیرائے میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتا تھا۔ فاطمہ مخزومی پر حد جاری کرنے کا واقعہ عدل و انصاف کی بلا امتیاز فراہمی کا بہترین نمونہ ہے۔ (۶۰)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام سے قرآن اِس طرح اُمت مسلمہ کا فریضہ بتاتا ہے:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون باالمعروف و تنھون
عن المنکر و تومنون باللّٰہ (۶۱)

(تم وہ بہترین اُمت ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کیلیے
میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور
اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔)

بعض علماء نے احتساب میں اذن امام کو بھی شرط قرار دیا ہے۔ یعنی امام المسلمین کی جانب سے جو شخص محتسب مقرر ہو اور جسے امیر المومنین اجازت دیں بس وہی احتساب کرسکتا ہے دوسرا کوئی نہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے امام کی اجازت شرط نہیں ہے کیونکہ آیات اور روایات جو اس باب میں وارد ہیں ان سے اطلاق اور عموم ہی معلوم ہوتا ہے اس لیے احتساب کے عام حکم کو اذن امام کے ساتھ خاص کرنا غلو فی الدین اور شرعاً ایک بے وزن سی بات ہے۔ نیز یہ کہ گزشتہ علماء اور بزرگان دین کی حکایات اور واقعات ان کے احتساب کے

متعلق جو انہوں نے امراء اور سلاطین پر کیے تھے بکثرت منقول ہیں۔ ان سب کے دیکھنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ احتساب اذن امام پر موقوف نہیں ہے (کیونکہ اکثر نے انمیں سے ان کے احتساب پر کوئی احتساب نہیں کیا اور بعضوں نے اگر کیا ~~بھی~~ ہے۔ یعنی یہ کہ ان سے پوچھا ہے کہ آپ کو محتسب کس نے بنایا تو ان علماء حقانی نے اس کا برجستہ جواب دیا ہے کہ مجھے محتسب اسی نے بنایا ہے جس نے تمہیں بادشاہ بنایا ہے۔ چنانچہ ان کے اس جواب پر امراء کو خاموش ہونا پڑا)۔ (۶۲)

محتسب کی خصوصیات

محتسب میں ان تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ علم، ورع اور خوش خلقی۔ علم تو اس لیے ضروری ہے تا کہ احتساب کے مقامات اور اس کے حدود اور احتساب جاری ہونے کے مواقع کو جان سکے۔ اور ورع اور تقویٰ اس لیے ضروری ہے تا کہ یہ چیز اس کو علم کی مخالفت سے باز رکھے کیونکہ ہر عالم عامل نہیں ہوتا اس لیے ورع اور پرہیز گاری کی ضرورت ہے۔ تا کہ احتساب میں کمی زیادتی نہ کرے اور اگر پرہیز گار نہیں ہوگا تو باوجود یہ جانتا ہوگا کہ یہ کام نہیں کرنا چاہیے مگر پھر کریگا اور یہ وجہ بھی ہے کہ انسان میں تقویٰ نہ ہو تو اس کا کلام اور وعظ مقبول اور موثر بھی نہیں ہوتا بلکہ لوگ ایسی صورت میں استہزاء اور تمسخر کے ساتھ پیش آتے ہیں جو اہل معاصی کے لیے ان کی معصیت پر مزید جرأت کا سبب ہو جاتا ہے نیک خلقی تو اصل اور بنیاد ہی ہے احتساب کی اور محض علم، تقویٰ حسن خلق کے بغیر اس باب میں کافی بھی نہیں ہے اس لیے کہ وعظ و نصیحت جو بطور نرمی اور شفقت کے ہو وہی زیادہ موثر ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ کا تمام مدار حسن خلق ہی پر ہے اس لیے کہ جس پر غضب وغصہ غالب ہوتا ہے وہ اپنے نفس کے ضبط کرنے پر قادر نہیں ہوتا اور ایسے شخص سے انصاف سے بعید ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے:

چوں مرکب بروں، تاخت خشم از کمیں نہ انصاف ماند نہ تقویٰ نہ دین

(غصہ نے جب کمین گاہ سے اپنا گھوڑا دوڑایا اس وقت نہ انصاف باقی رہتا ہے نہ دین وتقویٰ)

حاصل یہ ہے کہ احتساب کا دارومدار ان ہی تینوں صفات پر ہے جو ذکر کی گئی ہیں۔ حدیث

شریف میں آتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کرے مگر وہی شخص جو نرم مزاج، حلیم، فقیہہ اور عالم ہو۔ اس باب میں محتسب کا صابر ہونا اور مخلوق سے طمع سے کم ہونا بھی آیا ہے۔ (۶۳)

محتسب کی شرائط

پہلی شرط: مکلّف ہونا یعنی عاقل اور بالغ ہو۔ پس مجنوں اور نابالغ لڑکے پر احتساب واجب نہیں۔ دیوانہ پر نہ ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے کہ وہ اسکی اہلیت اور صلاحیت نہیں رکھتا رہا لڑکا تو وہ بھی چونکہ احکام شرعیہ کا مکلّف نہیں ہے اس لیے اس پر بھی واجب نہیں کہ دوسرے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔ تاہم جائز ہے یعنی اگر کرے تو کر سکتا ہے کیونکہ کسی کام کے صدور و جواز کے لیے صرف عقل و تمیز کافی ہے۔

دوسری شرط: مسلمان ہونا۔ احتساب ایک دینی اور نصرت کا نام ہے۔ پس جو شخص دین ہی کا دشمن اور اسلام ہی کا مخالف ہو وہ دین کی مدد اور نصرت کا اہل کیونکر ہو سکتا ہے؟ لہٰذا کافر تو اہل احتساب نہیں ہو سکتا۔ لیکن فاسق کو حق پہنچتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے کیونکہ یہ احتساب فی نفسہ ایک عبادت ہے خواہ وہ شخص اسکے موافق عمل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو کیونکہ آدمی کا اپنی کہی ہوئی بات پر عمل کرنا یہ ایک دوسرا عمل ہے اور دوسری عبادت ہے۔

تیسری شرط: قدرت ہونا۔ محتسب کو احتساب پر قدرت بھی ہو اور اگر کوئی شخص عاجز ہے تو اسکا احتساب صرف یہ ہے کہ دل سے اس امر منکر کو برا جانے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو دوست رکھے گا وہ اسکی نافرمانی کو ضرور برا جانے گا اور یہ سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

جو شخص قدرت نہ رکھے اسکے لیے صبر کرنے کے اور چارہ کار ہی کیا ہے۔ آخر کیا کرے

؎ روز و شب خلق خدا عربدہ نتواں کرد

(اب دن رات خدا کی مخلوق سے جنگ وجدال تو کیا نہیں جا سکتا)

عدم قدرت (عجز) کے معنی اور اس کی تفصیلات

عاجز ہونے سے مراد صرف یہی نہیں کہ ظاہری طور سے عاجز ہو جائے بلکہ یہ کہ اس سے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو اور اسکے امر و نہی کا نفع بخش نہ ہونا بھی عجز ہی میں داخل ہے۔ چنانچہ

یہاں عجز کی کئی صورتیں ہوگئیں۔

☆ یہ سمجھے کہ میری بات نفع دیگی اور کسی فتنہ کا بھی اندیشہ نہیں پس اس صورت میں تو احتساب واجب ہے کیونکہ یہاں پوری قدرت حاصل ہے۔

☆ یہ جانے کی میری نصیحت نفع نہ کریگی بلکہ کہنے میں اندیشہ ضرر کا ہی ہو اس صورت میں احتساب نہ صرف یہ کہ واجب نہیں بلکہ بعض موقع پر تو حرام ہے۔ اس لیے چاہیے کہ ایسی جگہ جائے ہی نہیں الا یہ کہ کوئی ضرورت ہی پیش آجائے یا کوئی زبردستی پکڑ کر لے جائے اور ایسی جگہ سے ہجرت کرنا اور وطن ہی کو ترک کرنا لازم نہیں مگر یہ کہ لوگ خود اسکو گناہ پر مجبور کریں اور اسکے لیے کوئی مقام فرار بھی ہو۔

☆ احتساب سے نفع کی امید تو نہ ہو مگر کسی ضرر کا بھی اندیشہ نہیں ہے پس اس صورت میں بھی احتساب واجب نہیں۔ اس لیے احتساب سے مقصود تو گناہ کا دفعیہ تھا اور یہاں اسکی توقع نہیں، لیکن اگر یہاں بھی اس خیال سے احتساب کرے کہ اسمیں شعار اسلام کا اظہار ہے تو مستحب ہے۔

☆ یہ کہ احتساب سے نفع بھی ہو اور کسی قدر ضرر بھی لاحق ہونے کا اندیشہ ہو جیسے شراب کی بوتل یا مزامیر وغیرہ توڑ ڈالے لیکن یہ سمجھتا ہے کہ اسکے بعد میری بھی خیر نہیں پس احتساب اس صورت میں بھی واجب نہیں لیکن حرام بھی نہیں ہے، بلکہ دین کے کمال اور اسکے تقویٰ کی دلیل ہے۔ مرد مومن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ تو تکلیف برداشت کرنی ہی چاہیے۔

☆ جہاں یہ سمجھتا ہو کہ ایک شخص کو گناہ سے منع کرنا دوسرے شخص کے گناہ میں مرتکب ہونے کا سبب بن جائے گا تو یہاں بھی احتساب نہ کرے۔ اس لیے احتساب سے مقصود تو نفس گناہ کو ختم کرنا تھا نہ کہ کسی خاص شخص (مثلاً زید) کے گناہ کا استیصال جیسے کہ ایک شخص کو احتساب کر کے شراب سے روکنا چاہا اب وہ اس سے رکا یا نہ رکا قتل کے گناہ کا مزید مرتکب ہوگیا۔ (۶۴)

ترک احتساب کی صورتیں

احتساب کی مختلف مکروہ صورتیں ہیں۔

علماء نے فرمایا ہے کہ مکروہ ضد ہے مطلوب کی، یعنی بعض چیزیں تو وہ ہیں جنکی انسان خواہش رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اسکے حاصل ہو جائیں یہ تو مطلوب کہلاتی ہیں اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو برا جانتا ہے اور ناپسند کرتا ہے، چاہتا نہیں کہ وہ اسکے پاس آویں انکو مکروہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس دنیا میں انسان کے لیے مطلوب چار چیزیں ہیں۔ علم، صحت، ثروت اور جاہ۔ علم کا تعلق اس کی روح سے ہے۔ صحت کا تعلق اسکے بدن سے ہے۔ ثروت متعلق ہے مال کے ساتھ اور جاہ کا تعلق قلوب الناس سے ہے یعنی

۱۔ اگر کوئی شخص مثلاً ضروریات دین ہی کو نہ جانتا ہو اور سوا ایک معلم کے شہر میں کوئی اور دوسرا معلم نہ ہو یا ہو لیکن مطیع اور تابع معلم کے ہوں اور ظن غالب سے یہ بات ہو جائے کہ اگر اس معلم کو احتساب کروں گا تو (وہ ناراض ہو جائے گا اور) تحصیل علم کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا تو اس صورت میں اگر احتساب ترک کر دے تو جائز ہے کیونکہ ضروریات دین کا علم ایک ضروری امر ہے۔

۲۔ اسی طرح سے مثلاً کوئی مریض جو کسی طبیب کے زیر علاج ہے اور صحت کا منتظر ہے اور جانتا ہے کہ تاخیر صحت میں اسکا ضرر شدید ہے اور اتفاق سے اس شہر میں اس سے بہتر کوئی طبیب بھی نہیں ہے اب اگر طبیب صاحب کو احتساب کیا جاتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ خفا ہو جائیں اور علاج بند کر دیں اس خیال سے اگر یہ مریض اس کو کسی بری بات سے منع نہ کرے تو جائز ہے۔

۳۔ اسی طرح سے فرض کرو کہ ایک شخص ہے جو کہ کسب سے بھی اور سوال کرنے سے بھی عاجز ہے اور اسکو توکل کا مقام اور اللہ تعالیٰ کی رزاقیت کا کامل یقین بھی حاصل نہیں ہے اور اس بستی میں صرف ایک شخص ہے جو اس کو کچھ دے دیا کرتا ہے دوسرا کوئی ایسا نہیں اور یہ فقیر جانتا ہے کہ اگر اس کو میں کسی امر منکر پر احتساب کرونگا تو میری روزی کی رہی سہی راہ بھی ماری جائے گی اور بھوک کی وجہ سے میں ہلاک ہو جاؤں گا یا پھر مجھے حرام میں مبتلا ہونا پڑیگا تو اس

صورت میں بھی اگر یہ فقراس کو کسی امر منکر سے نہ روکے اور خاموش رہے تو جائز ہے۔

۴۔ اسی طرح کسی بستی میں مثلاً کچھ شریر اور بددین لوگ ہیں جو ایک صالح شخص کے درپے ایذا رہتے ہیں ان سے کام لے لیکن حاکم ایسا ہے جو کہ شراب خور ہے یا ریشم پہنتا ہے جو کہ حرام ہے۔ پس ان صورتوں میں اگر ظن غالب یعنی قریب بہ یقین کے یہ بات ہو کہ اگر میں اس سے احتساب ترک کروں گا تو میرا مقصد حاصل ہو جائے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس کو ترک احتساب کی شرعاً اجازت ہو۔ لیکن انسان کو چاہئے کہ ایسی صورتوں میں اپنے دل سے فتویٰ لے اور اپنی عزت وحرمت۔ جاہ ومنزلت کے فوت ہونے کا ضرر اور ترک احتساب کا ضرر دونوں نقصانوں کو تولے اور وزن کرے جو غالب ہو اس کی رعایت کرے اور اسی کو مدنظر رکھے باقی دنیا حاصل کرنے کا بہانہ دین کو نہ بنائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو نیت کو خوب جاننے والے ہیں اگرچہ لوگ صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ اگر سکوت منشاء امر دین ہے تو اس کو مدارات کہتے ہیں اور اگر نفس کے سبب ہو تو اس کا نام مداہنت ہے۔ (۶۵)

احتساب کے درجات

احتساب کا اصل مقصد یہ ہے کہ معصیت کے صدور کو روکا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا موجب نہ بنے تو اگر صرف پند ونصیحت ہی سے کام چل جائے اور انسان برائی سے باز آجائے تو جنگ وجدال کی ضرورت ہی نہیں،

چوں کارے برآید بلطف وخوشی   چہ حاجت بہ تندی وگردن کشی

(جب لطف ونرمی ہی سے کام چل جائے تو سختی اور مار پیٹ کی کیا ضرورت ہے)

۱۔ معصیت کا علم: اگر کسی کو اس برائی اور گناہ کا علم بھی نہ ہو گا تو اس سے منع کیونکر کریگا لیکن یہ لازم ہے کہ اسکا معلوم کرنا بطور تجسّس کے نہ ہو کہ تجسّس خود حرام ہے۔ پس نہیں چاہئے کہ لوگوں کے دروازے یا دیوار پر کان لگائے تا کہ سنیں کہ اندر باجہ بج رہا ہے یا نہیں۔ اسی طرح سے اگر کوئی شخص کپڑے میں کوئی چیز چھپائے لیے جارہا ہے تو نہیں چاہئے کہ اسے ٹٹول کر باجہ کی ساخت اور نوع معلوم کرے۔ اسی طرح سے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ کسی کے پڑوسیوں سے اس

کے حال کا تجسس کرے۔ یوں اگر شروع ہی سے بدون تجسس دو عادل گواہ آکر کہیں کہ فلاں شخص اپنے گھر میں شراب پی رہا ہے تو البتہ جائز ہے کہ اس کے گھر میں گھس کر جام وسبو توڑ پھوڑ ڈالیں اور اگر ایک گواہ عادل یا دو غلام گواہی دیں تو اس میں اختلاف ہے۔ مختار قول یہ ہے کہ یہاں نصاب شہادت معتبر ہے نہ کہ نصاب روایت اس لیے کہ مسلمانوں کے عیوب کا ڈھکنا بہر حال اولیٰ ہے (نصاب شہادت وہ ہے جس سے یقین حاصل ہو جائے جیسے کہ دو عادل گواہی دیں اور اگر ایک ہی عادل ہو یا دو غلام گواہی دیں تو اس سے زن وگمان حاصل ہوتا ہے یقین نہیں۔)

۲۔ جس پر احتساب کرنا ہو اس کو اس امر منکر کی برائی معلوم کرائے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس گناہ پر جرأت کا منشاء اس شخص کی جہالت ہو یعنی اس کی برائی اور قباحت ہی سے ناواقف ہو لیکن چاہیے کہ اس کو معلوم کرانے میں حلم اور خوش خلقی کو ملحوظ رکھے کہ اس کی وجہ سے مقصود اکثر حاصل ہو جایا کرتا ہے اور زجر اور سختی اور ایذا دہی ہے اور کسی مسلمان کو بلا وجہ ایذا دینا حرام ہے خاص کر جب کوئی ایسی بات کہہ دے کہ اس میں اسکا انتساب حمق اور جہل کی جانب ہو رہا ہو اور علی الخصوص جب کہ یہ دین کے متعلق کسی معاملہ میں ہو اسکی وجہ سے انسان کو اتنی تکلیف اور ایذا ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے مزاج میں غصہ غالب ہوتا ہے۔ دینی مناظروں اور علمی بحثوں میں خاص کر جب کہ ان پر کوئی الزام آتا ہے نہایت دوجہ غصہ میں آجاتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کو جہل کی جانب منسوب کیا جاتا ہے جسکی وجہ سے وہ شرمندہ بھی ہوتے ہیں اور ایذا پاتے ہیں۔

حاصل یہ کہ مسلمانوں کو ان کی دینی خطا اور قصور پر مطلع کرنا اپنے ذمہ لازم بھی سمجھو اور انکو ایذا بھی نہ پہنچے۔ اسکا بھی دھیان رکھو اور یہ حکم دینی امور کے متعلق ہے اور جو امور دین کے علاوہ ہیں ان میں کسی سے کچھ مت کہو نہ کسی کی بات کا جواب دو اس لیے کہ اکثر لوگ اس قماش کے ہیں کہ تم ہی سے علم سیکھیں گے اور تمہارے ہی دشمن ہونگے اور تم ہی پر دعویٰ کریں گے۔

۳۔ آدمی اپنے وعظ ونصیحت کے ذریعہ لوگوں کو برائی سے روکے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور دوزخ کے خوف کے ذریعہ لوگوں کو معصیت سے بچائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ

ﷺ کی احادیث اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال جو ان معاصی کے بارے میں وارد ہوئے ہیں انہیں انکے سامنے بیان کرے اس طرح سے اگلے بزرگوں کی حکایات اور واقعات اور متقیوں کے طریقے اور انکے عادات ان لوگوں کے سامنے بیان کرے تاکہ یہ لوگ اس سے متاثر ہوں لیکن اس طریق میں بھی چاہئے کہ انداز نرمی اور مہربانی ہی کی ملحوظ رہے اور دوسرے لوگوں کو گناہ کو اپنے ہی گناہ کی طرح سمجھے کہ مسلمان سب ایک ہی ہیں۔

۴۔ اس سلسلہ میں مخاطب کو برا بھلا سخت اور سست بھی کہنا پڑے اور غصہ اور ترشروئی کی حاجت پڑے اور یہ اس صورت میں ہے کہ شفقت اور نرمی کے ساتھ منع کرنا نفع نہ دے اور وعظ و نصیحت سودمند نہ ہو اور یہ دیکھے کہ منع کرنے کے باوجود معصیت پر اصرار جاری ہے نیز نصیحت اور ناصح کے ساتھ تمسخر اور استہزا کیا جارہا ہے اور یہ طریقہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے واقعہ سے ماخوذ سے ہے کہ انہوں نے اول اول وعظ و نصیحت ہی فرمائی لیکن جب وہ بے اثر ثابت ہوئی تو فرمایا کہ: اُفٍ لَّکُما وَلِمَاتعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَفَلَاتَعْقِلُوْنَ (تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ سے سوا پرستش کرتے ہو کیا تم محض بے عقل لوگ ہو کہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے) برا کہنے سے مراد فحش بکنا نہیں ہے مثلاً یہ کہ اس کے زنا اور مقدمات زنا کی جانب منسوب کرے ایسا نہ کرے بلکہ چاہئے کہ کچھ اس طرح برا کہے کہ سچ سے خالی نہ ہو مثلاً یوں کہے کہ اے فاسق یا اے جاہل یا اے احمق خدا سے ڈر اور خود کو اپنے ہاتھوں ہلاک نہ کر اور اسی کے مثل کلمات کہے جو فی الجملہ سچائی بھی لیے ہوئے ہوں۔

۵۔ منکر کو ہاتھ سے مٹادے مثلاً باجہ ہے تو اس کو توڑ ڈالے۔ شراب ہے تو اس کو گرادے اور کوئی مرد ریشمی کپڑا پہنے ہوئے ہے تو اس کے بدن سے اتار دے یا کوئی شخص کسی کا گھر غصب کر کے اس میں رہ رہا ہے تو ہاتھ سے پکڑ کر اس کو نکال دے یا کوئی اجنبی شخص مسجد میں ہے اور نرمی سے کہنے سے نہیں نکل رہا ہے تو دھکا دے کر اس کو باہر کر دے اور یہ صورت ان ہی گناہوں میں ہو سکتی ہے جو زبان اور دل کے علاوہ ہیں باقی جو معاصی کہ زبان و دل سے متعلق ہیں ان کا ہاتھ سے ختم کرنا ممکن نہیں اور اگر ان مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی میں بغیر ہاتھ

استعمال کیے ہوئے صرف زبان سے ہی کام چل جائے تو پھر ہاتھ کے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور چاہیے کہ ان حالات میں بھی بغیر ضرورت کے کچھ نہ کرے اور حد اعتدال سے تو ہرگز تجاوز نہ کرے۔

۶۔ ڈرانا اور دھمکی دینا ہے مثلاً اس طرح کہنا کہ اس کام کو چھوڑتے ہو کہ نہیں۔ سیدھے سے چھوڑ دو ورنہ تمہارا سر توڑ دونگا یا کہ گردن مار دوں گا یا اس کے مانند اور کوئی بات کہنا چنانچہ کسی سخت معاملہ کے عمل میں لانے سے پہلے اس قسم کی دھمکی کو مقدم کر دینا لازم ہے کیونکہ اگر مقصود محض ڈرانے اور دھمکانے ہی سے حاصل ہو جائے تو اس سے زیادہ کی حاجت ہی کیا ہے اور جائز باتوں میں بھی جتنا کچھ نیت میں ہو اس سے زائد بطور مبالغہ کے کہنا تاکہ اس برے کام سے وہ رک جائے جائز ہے۔ اگر یہ سمجھتا ہے کہ مبالغہ کی وجہ سے وہ باز آ جائے گا اور یہ بھی اگرچہ صورۃً کذب ہے لیکن اتنا کذب اس مصلحت کے لیے جائز ہے جس طرح سے کہ دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے میں آخر جھوٹ بولنا جائز ہی ہے۔ پس یہ بھی اسی کے حکم میں ہے۔

۷۔ کسی کو کسی برائی سے باز رکھنے میں ہاتھ و پیر سے پٹائی کو بروئے کار لایا جائے یا علاوہ اس کے ایسی صورت اختیا کی جائے جس میں آلات جنگ اور اعوان و انصار کی احتیاج نہ پڑے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ بشرط ضرورت یہ درجہ ہر شخص کے لیے جائز ہے جب کہ کسی منکر کے دفع کرنے میں وہ اسے قدر حاجت پر ہی منحصر رکھے باقی اس میں بھی نرمی لازم ہے یعنی کسی ایسی جگہ نہ مارے کہ انسان کے مرجانے کا اندیشہ ہو۔

۸۔ انسان تنہا منع پر قادر نہ ہو بلکہ اسے معین و مددگار اور آلات و ہتھیار سے مدد لینی پڑے جس کی وجہ سے باہم قتل و قتال اور آپس میں مقابلہ کا احتمال ہو احتساب کے اس مرتبہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا بغیر اذن امام کسی کو احتساب کا یہ درجہ حاصل ہے یا نہیں ایک جماعت اس پر ہے کہ بدان اذن امام کسی کو یہ درجہ حاصل نہیں اس لیے کہ اس میں تحریک فتنہ و فساد ہے جس کا انسداد امام ہی کر سکتا ہے۔ اور دوسری جماعت کا یہ خیال ہے کہ اگر کسی شخص یا جماعت کو ایسی قوت حاصل ہے تو وہ اس مرتبہ میں بھی احتساب کر سکتا ہے۔ اس کے لیے اذن امام لازم نہیں۔ (۶۶)

غرض اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال کی راہ کا تعین کرتا ہے اور انسان کو معتدل راہ اپنانے کا حکم دیتا ہے اور ہر قسم کی نا انصافی سے منع کرتا ہے خواہ وہ نا انصافی خالق کے ساتھ ہو یا مخلوق، حیوان کے ساتھ ہو یا انسان، بچے کے ساتھ ہو یا بڑے کے ساتھ، جوان کے ساتھ ہو یا بوڑھے کے ساتھ عورت کے ساتھ ہو یا مرد، اور عدل بھی اسی اعتدال کا نام ہے جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط اس طرح اسلام اور عدل لازم وملزوم ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ IQBAL, MUHAMMAD(ALLAMA). (1982). The Reconstruction of Religious thought in Islam.Lahore: Sh. M. Ashraf. p 42

۲۔ دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۹۸۱ء)۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۱)۔ (مترجم، محمد سعید احمد نقشبندی)۔ لاہور: فرید بک اسٹال۔ صص۔ ۱۹۹۔۲۰۱

مترجم مکتوبات شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ، مولانا محمد فاضل مدرس دارالعلوم کراچی مکتوب نمبر ۴۸ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''صحیح فرمایا تھا رسول اللہ ﷺ نے: بدء الایمان غریبا و سیعود غریبا کما بدء (میری نظر سے الایمان کا لفظ نہیں گزرا بلکہ بجائے الایمان کے الاسلام کا لفظ معلوم ہے۔ ہوسکتا ہے مولاناؒ یا کاتب سے تسامح ہوگیا ہو یا مولانا ایمان اور اسلام کو ایک ہی سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم بندہ محمد فاضل عفا اللہ عنہ۔ (بحوالہ مکتوبات شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ از محمد فاضل۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔ ص ۲۱۹)

عنوان اسلام وایمان کی تصریح سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مولانا محمد فاضل کا بیان محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔

۳۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۱)۔ صص ۲۰۵۔۲۰۳

۴۔ ایضاً۔ ص ۲۹۳

۵۔ المکاتیب والرسائل۔ صص ۲۷۴-۲۷۵

۶۔ کتاب الہند۔ (ج۔۱)۔ ص ۳۲

۷۔ Encyclopaedia of Religion and Ethics (Vol xii)Artical on Sufis. p 1

۸۔ آزاد، جگن ناتھ (پروفیسر)۔ (اگست ۲۰۰۰ء)۔ تصوف کیا ہے۔ ماہنامہ سخنور۔ کراچی۔ ص ۷

۹۔ شہناز غازی۔ (۱۹۹۹ء)۔ صوفی ایک تحقیقی جائزہ۔ مجلّہ معارف اسلامیہ۔ جامعہ کراچی۔ ص ۴۸

۱۰۔ سنجری، امیر علاء۔ (س ن)۔ فوائد الفواد۔ (مترجم: شمس بریلوی)۔ کراچی۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ ص ۱۱

۱۱۔ شیخ محی الدین ابن عربی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے حقائق تصوف کو اس طرح مدون کیا کہ وہ سراسر ایک نیا علم بن گیا۔ آپکی تصانیف میں خصوصاً الحکم اور فتوحات مکیہ کو لافانی شہرت حاصل ہے۔ آپ نے وحدت الوجود کا نظریہ پیش کیا۔ مشرق میں ابن عربی کے خیالات کی اشاعت زیادہ تر صدر الدین قونوی (م ۶۷۳ھ/۱۲۷۴ھ) کے توسط سے ہوئی۔ انکے شارحین میں النابلسی، اسکاشانی، القیصری، مغربی مفکرین فلانساوی، ڈانٹے، ریمنڈ مل، شیعہ شارحین ابن ترکہ، سید حیدر آملی اور ابن جمہود نمایاں ہیں۔ عبدالکریم جیلی (م ۸۲۰ھ/۱۴۱۷ھ) کی کتاب الانسان الکامل ایک طرح سے فصوص ہی کی شرح ہے۔ (بحوالہ: جلد نمبر ۱/۱۴۱، اردو دائرہ معارف اسلامیہ صفحہ ۱۳۰)

۱۲۔ چشتی، یوسف سلیم (پروفیسر)۔ (س ن)۔ تاریخ تصوف۔ لاہور: دارالکتاب ص ۲

۱۳۔ اشعۃ اللمعات (ج۔ 1)۔ ص ۱۹۰

۱۴۔ Mysticism and Ethics by Russel - pp 1-12

۱۵۔ Encyclopaedia of Religion and Ethics.p 83

۱۶۔ اپنشد کا لفظی معنی ’’خدا کا عرفان حقیقی‘‘، کسی کے پاس باادب بیٹھنا اور اصطلاحی معنی ’’برہمہ گیان‘‘ حاصل کر کے جہالت کا ازالہ کرنا ہیں۔ اپنشدز کی تعداد ایک سو آٹھ ہے۔ اکثر و بیشتر کا زمانہ تصنیف آٹھویں صدی قبل مسیح ہے جبکہ بعض اپنشدز زمانہ مابعد کی پیداوار ہیں اور ایک اپنشد ’’اللہ اپنشد‘‘ اکبر کے عہد حکومت میں تصنیف کیا گیا تھا۔

۱۷۔ الکلابازی: امام ابو بکر ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری۔ (۱۹۹۸ء)۔ تعرف۔ مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن۔ لاہور، تصوف فاؤنڈیشن۔ صص ۴۱۔ ۴۰

۱۸۔ ایضاً۔ ص ۴۳

۱۹۔ ایضاً۔ مقدمہ از مترجم ص ۱۶

۲۰۔ الفرقان: ۶۳

۲۔ ہجویری، سید علی بن عثمان۔ (۲۰۰۰ء)۔ کشف المحجوب۔ (مترجم، محمد الطاف نیروی)۔ لاہور :النور پبلشر۔ صص ۷۱۔۶۸

آپ کا نام علی بن عثمان، کنیت ابوالحسن اور لقب داتا گنج بخش ہے۔ آپ کا تعلق افغانستان کے مشہور شہر غزنی سے تھا۔ ابتدائی تعلیم غزنی میں حاصل کی پھر سیر و سیاحت کے لیئے نکلے۔ تمام عالم اسلام کا سفر کرتے ہوئے دو مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔ آپکے مرشد حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن الختلی تھے۔ آپ حنفی المسلک تھے۔ لاہور کو آپ نے مستقل مسکن بنایا اور ہزاروں لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ آپ کی دس تصانیف میں سے کشف المحجوب کو لازوال شہرت ملی۔ خواجہ معین الدین چشتی جو کہ اپنے دور کے یکتائے روزگار مبلغ تھے اور جنکی جدوجہد سے نوّے لاکھ غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے، نے کی خدمات کو یوں خراج تحسین پیش کیا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ، ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

۲۲۔ دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۴۱۳ھ)۔ زبدۃ الآثار۔ (مترجم، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی)۔ لاہور۔ مکتبہ نبویہ۔ ص ۵۶

۲۳۔ دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۹۸۴ء)۔ شرح فتوح الغیب۔ (مترجم، مفتی محمد یوسف بندیالوی)۔ کراچی: ناشر احمد حسن قادری۔ ص ر (دیباچہ از مؤلف)

۲۴۔ المکاتیب وارسائل۔ ص ۲۱

۲۵۔ اس نکتے کے ضمن میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، فیلیکس، ایم پریجا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک روایت یہ پیدا ہوگئی تھی کہ شریعت و طریقت کو دو متناقص تصورات کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا کہ شریعت مذہب کا محض چھلکا ہے اور طریقت اس کا مغز ہے۔ (بحوالہ: علماء میدانِ سیاست میں۔ صص ۴۱۔۴۲) غالباً ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب نے الفاظ چھلکے اور مغز ہی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پریجا کی بات کی وضاحت کی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ چھلکا اور مغز دونوں لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں دوسرے یہ کہ افکار شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے مطابق شریعت و طریقت دونوں قرآن و حدیث کی رو سے ثابت ہیں اس لحاظ سے پریجا اور ڈاکٹر قریشی صاحب دونوں کے خیالات غلط فہمی پر مبنی ہیں۔

۲۶۔ مرج البحرین۔ صص ۹۲۔۹۳

۲۷۔ مدارج النبوت (ج۔۲)۔ صص ۲۔۸۶۱

۲۸۔ اشعۃ اللمعات۔ (ج۔۱)۔ ص ۲۰۵

۲۹۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۱۱۱

۳۰۔ خان رشید (ڈاکٹر)۔ قاضی قیصر اسلام۔ (۲۰۰۰ء)۔ افکارِ عالیہ۔ کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان۔ ص ۱۳۶

۳۱۔ المکاتیب والرسائل۔ صص ۱۵۔۱۰

۳۲۔ غزالی، ابو حامد محمد (امام)۔ (۱۹۹۷ء)۔ احیاء العلوم (ج۔۱)۔ (مترجم، مولانا فیض احمد اویسی)۔ لاہور: شبیر برادرز۔ ص ۱۰۱

۳۳۔ المکاتیب والرسائل۔ صص ۱۴۹-۱۵۰

۳۴۔ مدارج النبوت (ج۔۱)۔ ص ۱۱۹

۳۵۔ مرج البحرین۔ صص ۱۱۲۔۱۱۹

۳۶۔ ایضاً۔ ص ۱۲۱

۳۷۔ The Great Ideas Today.(1992). Encyclopedia Britannica, Inc.Chicago.London. Spain.p 437

۳۸۔ دہلوی، نور الحق (شیخ)۔ (س ن)۔ زبدۃ التواریخ۔ (غیر مطبوعہ)۔ لندن: برٹش میوزیم لائبریری۔ ص ۱۔۲ (الف)

۳۹۔ افکار عالیہ۔ صص ۱۲۰۔۱۳۰

۴۰۔ افلاطون۔ (۱۹۳۵ء)۔ جمہوریہ (مترجم، مرزا محمد ہادی)۔ دکن: مطبع جامعہ عثمانیہ۔ ص ۵۶

۴۱۔ الطلاق۔ ۲

۴۲۔ النساء۔ ۵۸

۴۳۔ الانعام۔ ۱۵۲

۴۴۔ البقرۃ۔ ۱۲۳

۴۵۔ الانعام۔ ۱

۴۶۔ النساء۔ ۱۲۹

۴۷۔ ابن منظور جمال الدین۔ لسان العرب۔ ایران: نشر ادب الحوزہ

۴۸۔ الجرجانی، میر السید الشریف۔ (س ن) کتاب التعریفات۔ ترکی۔ ص ۹۸

۴۹۔ النحل۔ ۷۶

۵۰۔ النحل۔ ۹۰

۵۱۔ اشعۃ اللمعات۔ (ج۔ ۳)۔ ص ۳۴۴

۵۲۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۳۳

۵۳۔ نصیحۃ الملوک۔ ص ۵۴

۵۴۔ صدیقی، ساجد الرحمٰن (ڈاکٹر)۔ (اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۷ء)۔ اسلام کا نظام احتساب۔ فکر و نظر (سہ ماہی)۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی۔ صص ۴۔ ۳

۵۵۔ آداب الصالحین۔ ص ۲۲۵

۵۶۔ Haque, Tamizul. (1997). Islam and its Legal and Moral Aspect. Dhaka: The Pioneer Printing Press. p 278

۵۷۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے الماوردی کی احکام السلطانیہ، ابن تیمیہ کی الحسبہ فی الاسلام، علامہ عبدالحئی کی التراتیب الاداریہ اور شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی ''آداب الصالحین''۔

۵۸۔ امینی، محمد تقی (مولانا)۔ (س ز)۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایات۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب۔ ص ۵۸

۵۹۔ حضرت ماغر بن مالک اسلمی اور بی بی غامدیہ کا خود سزا، نیز انصاری صحابی کا قبہ گرا کر معافی کا طلبگار ہونا اس بات کا بین ثبوت ہیں۔

۶۰۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل۔ (۱۳۵۲ھ)۔ صحیح بخاری۔ قاہرہ: طبعۃ السّلفیہ۔ (کتاب الحدود)

۶۱۔ آلِ عمران: ۱۰۴

۶۲۔ آداب الصالحین۔ ص ۲۲۵

۶۳۔ ایضاً۔ ص ۲۳۸

۶۴۔ ایضاً۔ صص ۲۱۳۔ ۲۲۰

۶۵۔ ایضاً۔ صص ۲۲۱۔ ۲۲۳

۶۶۔ ایضاً۔ صص ۲۳۱۔ ۲۳۷

باب دوم فصل سوم

نظریہ ریاست

جب انسان ترقی کی منزل طے کر گیا تو اسے ایک جگہ پر جمع ہونے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ اسے معلوم ہو گیا کہ انفرادی انداز میں زندگی کے ہر پہلو سے انصاف ممکن نہیں لہٰذا اس نے ایک سوسائٹی تشکیل دے کر اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں چند اصول بنا کر ان کی پابندی کو ناگزیر تصور کیا۔ چنانچہ ایک عظیم الشان سوسائٹی وجود میں آئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کنبوں میں اضافہ ہوا اور آپس کے تعلقات میں وسعت پیدا ہوئی تو یہی عظیم ترین سوسائٹی ریاست کہلائی۔ افلاطون اور ارسطو اور ان کے پیروکار فارابی کی مطابقت میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا بھی کا خیال ہے کہ انسان کے رہنے کا قدرتی وجدان اسے شرکت کی شکل میں رہنے پر ابھارتا ہے۔

مملکت کے متعلق دو بڑے مکتبہ فکر ہیں۔ ایک وہ جو یونانی مفکرین افلاطون وارسطو کی خاص پیروی میں کہتے ہیں کہ مملکت ایک فطری ادارہ ہے اور دوسرے وہ جو مملکت کو معاشرتی معاہدے کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اس کے بانیوں میں ہابس، لاک، روسو ہیں لیکن بینتھم دونوں کو مسترد کرتا ہوا کہتا ہے کہ مملکت دراصل افراد کے گروہ کی ایک ایسی جماعت ہے جسے افراد کے گروہ اپنی مسرتوں کے حصول کے لیے منظم کرتے ہیں (۱) جبکہ ٹامس ہل گرین کے مطابق ریاست کی بنیاد ارادہ ہے طاقت نہیں۔ (۲) افلاطون کے مطابق ریاست ذہن انسانی کی ایک خارجی تشکیل ہے (۳) جس کے چار محاسن ہیں۔ حکمت (حکمرانوں کا کمال)، شجاعت (مددگار محافظ)، عفت یا ضبط نفس (دولت آفرین طبقہ) اور عدل (۴)

افلاطون کے مطابق ریاست کی تین اقسام ہیں: بادشاہت، امارت اور آزاد ریاستیں۔ اس نے حکومت کو مذہب، ادب اور آرٹ پر پورا اقتدار دیدیا۔ ریاست جماعت عاملہ ہے جس پر قانون بنانے کی کوئی پابندی نہیں۔ اس جماعت عاملہ کا کام دراصل تعلیم کام ہے ریاست ایک

تعلیمی ادارہ ہے اور بس۔ ارسطو اور افلاطون کی کوشش یہ تھی کہ ریاست کو دولت اور جمہوریت کے چنگل سے آزاد کر سکیں جس سے ریاست فی الواقعہ اپنی غایت کو پہنچ سکے۔ دراصل جمہوریت کی غلطی متناسب مساوات کی بجائے مطلق مساوات پر زور دینا ہے۔ حکمرانی صرف قانون کی ہونی چاہیے اس سے مراد رسم ورواج ہیں۔ (۵)

دور جدید کے مغربی مفکر نکولو مکیاولی ریاست کی تین صورتیں بتلاتے ہیں بادشاہت، جمہوریت اور نراج۔ نئی یا پرانی مملکتوں کے لیے دو چیزیں اہم ترین ہیں: اچھے قوانین، اچھی فوج۔ (۶) سیاسی اکملیت اور سماجی رویہ کے درمیان مطابقت دہلی کے شاہ ولی اللہ کی تحریرات میں واضح طور پر منعکس ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ (۷) میں نظریۂ سماجی رویہ کو بیان کر کے اسے خلافت کے ضمن میں اُمت کے نظریۂ سماجیات سے متعلق کیا ہے جس کی شرح اپنی ایک اور کتاب ازالۃ الخفاء میں کی ہے۔ (۸)

تحریک لادینیت نے انسانی ذہن وقلب کو تشکیک اور انتشار دیا۔ اس صورتحال کی کوکھ سے اشراکیت اور فسطائیت جیسی تحریکوں نے جنم لیا جو انتہائی مادّہ پرستی پر مبنی ہے۔ کریوہنٹ کے تجزیے کے مطابق اشتراکیت دراصل اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے وجود میں آئی جو منظّم مذہب کو ہٹانے سے پیدا ہوا تھا۔ گویا لادینیت کا نتیجہ اشترکیت ہے اور اسکا مقابلہ بھی ایک ایسے ہمہ گیر نظام زندگی سے کیا جاتا ہے جو کچھ دوسرے اصولوں کا علمبردار ہو۔ (۹)

تجدید مسیحیت اور جوابی تجدید مسیحیت کی تحریکوں کے تین بڑے نام لوتھر، کیلون لائیلہ ہیں۔ (۱۰) مارٹن لوتھر کی کلیسا مخالف تحریک اور ھولی اوک کی مذہب کو نجی معاملہ قرار دینے کی تحریک، دونوں تحریکیں عیسائیت کے اصل منشاء ہی کے اظہار کی مختلف صورتیں تھیں۔ (۱۱) اسی لیے اسے جدید حکومتوں اور مغربی معاشرے نے اپنی حکمت عملی کی بنیاد قرار دیا۔ جدید حکومتیں سیکولرازم کی اس لیے مرہون منت ہیں کہ اس نے وہ تمام حجابات دور کر دیئے جو میکیاولی کی تعلیم پر عمل کرنے میں ان کے مانع تھے۔ میکیاولی نے سیاسی مصلحت کو سیاسی اخلاق کی بنیاد قرار دیا تھا اسکا استدلال یہ تھا کہ ریاست قانون کی محافظ ہوتی ہے اس لیئے اس کے قانون کی پابندی ضروری

نہیں وہ اپنی عمومی مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر عمل کرنے میں، آزاد ہے اور اپنی بقاء، استحکام اور توسیع کے لیے عام اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھ سکتی ہے (۱۲) میکیاولی کے بعد ہیگل (۱۷۷۰۔۱۸۳۱ء) نے مملکت کو بذات خود ایک مقصد بنادیا جس کا سب سے اہم فریضہ اپنی حفاظت اور بقاء کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔

اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ایک مکمل دین (ضابطہ حیات) ہے جو انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کے ہر شعبے میں رہنمائی اور ہدایت کرتا ہے۔ اسلام میں سیاست اور مذہب کو علیحدہ علیحدہ رکھنے کا کوئی تصور نہیں، اور نہ ہی کئی دیگر مذاہب کی طرح کسی ایک مذہبی گروہ کی اجارہ داری کا کوئی سلسلہ ہے۔ عام مسلمانوں میں سے ہر شخص قرآن وسنت کی تعبیر کرنے کا مجاز ہے، بشرطیکہ اس نے مطالعہ اور تحقیق وجستجو سے اس کی صلاحیت پیدا کرلی ہو۔ اگرچہ اسلامی ریاست دینی اصولوں کے مطابق تشکیل کی جاتی ہے لیکن یہ مروجہ معنوں میں ایک مذہبی ریاست نہیں کہلاسکتی، کیونکہ اس میں کوئی مذہبی گروہ کسی آسمانی یا شورائی منصب و حقوق کے تحت مسلمانوں پر حکمرانی کرنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا اور نہ ہی قانون سازی کا کوئی اختیار جتلا سکتا ہے۔

حکمرانی کے لیے اسلامی کے اپنے اصول اور نظریات ہیں جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر ایک اسلامی ریاست کا قیام ممکن نہیں۔ ان اصولوں اور نظریات کا مرکزی محور ایک اعلیٰ و ارفع اخلاقی نصب العین ہے۔ ایک اسلامی حکومت اور مسلمان حکمرانوں کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ سلطنت میں اسلامی قوانین کا نفاذ کریں اور اسلامی کے اخلاقی، سماجی اور اقتصادی نظام کو قائم کریں۔ ان وجوہ کی بناء پر ایک اسلامی ریاست نہ تو مروجہ معنوں میں ایک مذہبی یا تھیوکریٹک اسٹیٹ ہے اور نہ ہی یہ ایک سیکولر یا لادینی ریاست ہے، بلکہ یہ ایک نظریاتی اور اخلاقی ریاست ہے جس کے ہر شعبے میں اسلام کی اخلاقی اور روحانی اقدار اور اصول کارفرما ہوتے ہیں، اور جس کا بنیادی مقصد ہی ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ہے جس کا تصور اور خاکہ قرآن اور سنت نے ہمیں دیا ہے۔ (۱۳)

حکام اسلامی کی تنفیذ کے لیے ریاست کا وجود ناگزیر ہے جو بندگی رب کا تقاضا بھی ہے

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (۱۴)

(میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔)

اسلامی ریاست ایک نظریاتی مملکت ہے جسکی حدود اپنے نظریے کی طرح وسیع اور لامحدود ہوتی ہیں اس کے اندر رنگ، نسل اور علاقے کے امتیازات کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ اس کا یہی مزاج اسے ایک عالمی ریاست بناتا ہے۔ (۱۵) لوگوں کو خدا کی عبادت کے قابل بنانا، اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی سہولتیں فراہم کرنا اور اپنے زیراثر تمام شعبوں میں اسلامی احکام کو نافذ کرنا اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد و ذمہ داری ہے۔ (۱۶)

تاریخ حقی میں اپنے نظریۂ ریاست کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں:

اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعزّ من تشاء و تذلّ من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیءٍ قدیر (۱۷)

آیت مذکور کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ آپ اپنے رب تعالیٰ کی تعظیم کے طور پر اور اس کا شکر بجالانے کے لیے اور اسے اپنے تمام کام سونپ دینے کے لیے اور اس کی ذات پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے مذکورہ الفاظ میں اس کی بڑائی بیان کیجیے۔ مذید اس آیت میں اس بات کی بھی تنبیہہ اور اس نعمت کے شکر کا بھی حکم ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کی اُمّت کو مرحمت فرمائی گئی کہ نبوت بنی اسرائیل سے ہٹا کر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو دے دی گئی اور آپ کو علی الاطلاق نبیوں کے ختم کرنے والے اور تمام انس و جن کی طرف رسول بن کر آنے والے بنا کر بھیجا، تمام پہلوں کی خوبیاں آپ میں جمع کر دیں اور وہ فضیلتیں آپ کو دے دی گئیں جن سے دیگر انبیاء بھی محروم رہے خواہ وہ خدا تعالیٰ کے علم کی بابت ہوں یا اس کی شریعت کے معاملہ میں ہوں یا

گزری ہوئی اور آنے والی خبروں کے متعلق ہوں آپ پر خدا تعالیٰ نے آخرت کے کل حقائق کھولدیئے، آپ کی اُمت کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیا، آپکے دین اور آپکی شریعت کو تمام دینوں اور کل مذہبوں پہ غالب کردیا۔ (۱۸)

مذکورہ آیت کے بعد شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں:

منطوق آیت کریمہ شامل است بر تمامہ ملک ہارا کہ مالک الملک علی الاطلاق جل جلالہ عمنوالہ مر بندگان خدا عموماً و خصوصاً عطا فرمودہ چنانچہ ملک وجود و ملک حیات و ملک عافیت و ملک قناعت و ملک نیم شب و ملک فقر نیستی کہ ہر کدام ملکی عظیم و دولت گوار است ہر کرا خواہد دہد و ہر کرا نخواہد دہد و اگر خواہد آں دادہ را باز ستاند وے تعالیٰ بر ہر چیز توانا و قادر است و غالب در متعارف افہام مراد از ملک سلطنت و جہانبانی افتد کہ آں راملکے و بادشاہی خوانند بادشاہی بلند ترین مایہ عزت و ابہت و شوکت و عزت و جلالت و جہانگیری و جہانداری در حیطہ تصرف و اقتدار بندگان عالی در آمد متجاوز از حد حصر و احصار و خارج از حیطہ عدد و شمار است (۱۹)

ترجمہ: آیت کریمہ کا مضمون ان تمام ملکوں کو شامل کیے ہوئے ہے جو اللہ تعالیٰ (حاکم علی الاطلاق) نے اپنے عام یا خاص بندوں کو عطا فرمائے ہیں۔ چنانچہ ملک وجود (شخصیت انسانی)، ملک حیات (زندگی)، ملک قناعت (قانع ہونا)، ملک نیم شب (زہد) ملک فقر نیستی (تصوف اور گوشہ نشینی) کہ ہر ایک عظیم ملک اور خوشگوار حکومت ہے۔ جسکو چاہتا ہے دیتا ہے جسکو چاہتا ہے نہیں دیتا ہے، دیئے ہوئے کو واپس لے لیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور توانا ہے اور غالب ملک کا تعارف کرنے میں ملک سلطنت اور جہانبانی سے پیش آئے کہ اس کو ملک بادشاہی کہتے ہیں۔ بادشاہی بلند ترین عزت کا سرچشمہ اور مکمل ترین قوت و قدرت عزت و عظمت کا مظہر ہے اور ملکی فتوحات اور ملک کا نظام چلانا اور بندوں پر اقتدار رکھتا ہے جو کہ گننے کی حد سے زیادہ ہے بلکہ گنتی اور عدد کی حد سے بھی باہر ہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اسلام اقتدار چاہتا تو ہے لیکن یہ بجائے خود اس کا مقصد نہیں اسکے نزدیک یہ قوت ایک اعلیٰ مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ ہے دراصل اس عالم

اسباب میں رہتے ہوئے ہمیں دنیاوی ذرائع و وسائل سے استفادہ کرنا پڑتا ہے۔ ادیان عالم پر دین اسلام کو غالب کرنے اور مسلمانوں کی دنیاوی اوراخروی زندگی کو کامیاب بنانے اور عام انسانوں کی فلاح و بہبود کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے زمام اقتدار ہاتھ میں لیے بغیر چارہ نہیں۔

حدیث نبوی ہے:

ان اللہ لیزع با لسلطان ملا یزع بالقر آن (۲۰)

(اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے ان خرابیوں کا سدباب کردیتا ہے
جن کا سدباب قرآن سے نہیں کرتا۔)

مذکورہ حوالے (تاریخ حقی) سے یہ بات واضح طور پر پتہ لگی کہ آپ کی نظر میں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ مسلم ہے اور اللہ تعالیٰ ہی مقتدر اعلیٰ ہے۔ قرآن مجید کے سیاسی نظریات میں اہم ترین اقتدار اعلیٰ کا نظریہ ہے۔ اس کی رو سے اقتدار اعلیٰ کسی انسان کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ مقتدر اعلیٰ اس ذات حقیقی کو قرار دیا گیا ہے جو خالق کائنات ہے اور عقائد و اعمال، تدبیر و سیاست اور دستور و قانون کا سرچشمہ ہے۔ اس کی ملکیت کی کوئی حد نہیں، وہ سب سے بزرگ و برتر ہے۔ اس نظریے کے مطابق حاکمیت صرف اللہ کی ہے اور قانون ساز بھی صرف اس کی ذات ہے۔ انسان اللہ کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ترمیم نہیں کرسکتے، اور ایک اسلامی حکومت صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہوگی کہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرنے والی ہو۔

اسلامی ریاست کی دوسری اہم خصوصیات اس بنیادی نظریہ یعنی اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کے نظریے سے ماخوذ اور وابستہ ہیں۔ جب اللہ اس کائنات کا خالق اور حاکم اعلیٰ ہے تو انسان کی حیثیت حاکم اعلیٰ کے خلیفہ اور نمائندہ کی ہے۔ اس خلافت یا نیابت کا حامل کوئی ایک شخص یا خاندان یا طبقہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ ساری جماعت اپنی مجموعی حیثیت سے ہوتی ہے، جس نے اللہ کی حاکمیت اعلیٰ تسلیم کرتے ہوئے اپنی ریاست قائم کی ہو۔ اہل ایمان کی جماعت کا ہر فرد خلافت میں برابر کا حصہ دار

ہے۔ کسی شخص یا طبقے کو عام مومنین کے اختیارات سلب کر کے انہیں اپنے اندر مرکوز کر لینے کا حق نہیں۔ یہی چیز اسلامی خلافت کو ملوکیت سے الگ کر کے اسے جمہوریت کے رخ پر موڑتی ہے۔

ریاست کے ضمن میں خلافت کے بنیادی اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ اسی کا پیدا کردہ ہے، محمد رسول ﷺ اس کے برگزیدہ پیغمبر ہیں، وہ مالک ملک کہ جس نے انصاف کو سرمایہ جود اور پیرایہ وجود بنایا اور اسے مملکت ہستی اور کارخانہ عالم کے انتظام اور بقا کا ذریعہ بنایا اور بادشاہان کا مدار اور عالی مقدار کو یہ سعادت عظمیٰ عطا کی اور خاص طور پر مملکت ہندوستان (برصغیر و ہند بنگلہ دیش) میں احکام اسلام اور انوار ایمان کے اظہار سے کفر و شرک کی تاریکیوں کو دور کر کے اسے منور اور پاک بنایا۔ (۲۱) حاکم وقت (ذی امر) کہ وہ خدا تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے جبکہ خدا اور رسول ﷺ کے فرامین کے خلاف حکم نہ دے۔ (۲۲) امراء (اہل عقد) جو رعایا کے احکام کی حفاظت و نگراں اور تمام دینی و دنیوی احکام کا اہتمام کرتے ہیں۔ (۲۳)

ایک اسلامی ریاست کا پورا کام، اس کی تاسیس و تشکیل سے لے کر رئیس مملکت اور اولی الامر کے انتخاب اور تشریعی اور انتظامی معاملات تک، اہل ایمان کے باہمی مشورے سے چلانا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

و امر هم شوریٰ بینهم (۲۴)

(ان (مومنین) کا اجتماعی کاروبار باہم مشورے سے انجام پاتا ہے)

اس قرآنی حکم کی تشریح و تعبیر کے سلسلے میں علامہ محمد اسد یوں رقمطراز ہیں: یہ صریح نص ہے اور اتنی جامع ہے کہ سیاسی زندگی کے تقریباً ہر شعبے پر حاوی ہے، نیز اتنی واضح اور غیر مشتبہ ہے کہ من مانی تعبیر کی کوئی کوشش اس کے مفہوم میں تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں لفظ ''امر'' اجتماعی حیثیت کے تمام معاملات سے متعلق ہے۔ لہٰذا اسے اسلامی مملکت کی حکومت قائم کرنے کے طریقے سے بھی تعلق ہے، یعنی پورے سرکاری اقتدار کی تہہ میں انتخابی اصول کارفرما ہے۔ نیز اس میں باہم کا لفظ پوری ہیئت سے تعلق رکھتا ہے، لہٰذا قانون ساز مجلس (یا اسلامی

تاریخ کی معروف اصطلاح میں مجلس شوریٰ) پوری ملت کی حقیقی نمائندہ ہونی چاہیے۔ ملت میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ ایسی نمائندہ حیثیت صرف آزاد انتخاب ہی کے ذریعہ سے پیدا کی جاسکتی ہے۔ شریعت نے طریق انتخاب کا فیصلہ نہیں کیا، اسے ملت کے فیصلے پر موقوف رکھا ہے، خواہ انتخاب بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، ووٹ قابل منتقلی رکھے جائیں یا نہ رکھے جائیں، نمائندگی علاقائی ہو یا متناسب وغیرہ۔ (۲۵)

باہم مشاورت کے اسلامی اصول پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں: مشاورت اسلامی طرز زندگی کا ایک اہم ستون ہے، اور مشورے کے بغیر اجتماعی کام چلانا نہ صرف جاہلیت کا طریقہ ہے، بلکہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے ضابطے کی صریح خلاف ورزی ہے جو مشورہ اہل شوریٰ کے اجماع (یعنی اتفاق رائے) سے دیا جائے یا جسے ان کے جمہور یعنی اکثریت کی تائید حاصل ہو، اسے تسلیم کیا جائے، کیونکہ اگر ایک شخص یا ٹولا سب کی سننے کے بعد اپنی من مانی کا مختار ہو تو مشاورت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرمارہا ہے کہ ان کے معاملات میں ان سے مشورہ لیا جاتا ہے بلکہ یہ فرمارہا ہے کہ ان کے معاملات آپس کے مشورے سے چلتے ہیں۔ اس ارشاد کی تعمیل محض مشورہ لے لینے سے نہیں ہو جاتی، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ مشاورت میں اجماع یا اکثریت کے ساتھ جو بات طے ہو، اس کے مطابق معاملات چلیں۔ (۲۶)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی ریاست اور طریقۂ حکمرانی کا یہ ایک اہم اور بنیادی اصول ہے کہ مملکت کے تمام اختیارات قانون سازی ایک مجلس کے حوالے ہونے چاہیں جسے ملت خاص اس مقصد کے لیے منتخب کرے۔

دین و ملک کے آپس میں تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: دین و ملک آپس میں جڑواں بھائی ہیں اور جڑواں بھائیوں کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ ہر ایک کے وجود کے خیالات دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں، اگر ایک مریض ہو تو دوسرا بھی مریض ہو جاتا ہے، اگر ایک تندرست ہوگا تو دوسرا بھی تندرست ہوگا۔ اسی طرح دین کے نقصان میں بادشاہت کا نقصان ہے بادشاہت کے نقصان میں دین کا نقصان ہے۔ دین کے کمال میں بادشاہی کا کمال

ہے اور بادشاہی کے کمال میں دین کا کمال ہے۔ (۲۷)

اس ضمن میں محمد عزیز احمد لکھتے ہیں: اسلام میں مذہب اور ریاست کے امتیاز اور تفریق کا کوئی تصور نہیں ملت اسلامیہ بیک وقت مذہب اور ریاست کے نشوونما کی ذمہ دار ہے۔ (۲۸) اور آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے اسلام اور حکومت وریاست دو جڑواں بھائی ہیں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔ (۲۹) بقول اقبال ؎

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (۳۰)

شریعت میں نہ تو طبقاتی تفریق ہے اور نہ دین و دنیا کی جدائی۔ شریعت کا احترام مسلمانوں کے سماجی افکار میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ شریعت پر عمل درآمد ہی سے اسلام ایک نظام کی حیثیت سے برقرار رہ سکتا ہے۔ (۳۱) البتہ اس میں اور مغربی جمہوریت میں اصولی فرق یہ ہے کہ مغربی جمہوریت عوامی حاکمیت کے اصول پر قائم ہوئی ہے، اس کے برعکس اسلام کی جمہوری خلافت میں خود عوام اللہ کی حاکمیت تسلیم کر کے اپنے اختیارات کو برضا و رغبت قانون خداوندی کی حدود میں محدود کر لیتے ہیں۔

عوام الناس کے بادشاہ کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مسلم شریف کی ایک حدیث نقل کی ہے جس کے دو مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) عوام کے بادشاہ سے مراد وہ بادشاہ ہے جو بادشاہی کا مستحق نہ ہو اور اہل حل وعقد (متقی اور دین کا فہم رکھنے والے حضرات) کے مشورے کے بغیر محض عوام الناس کے ووٹوں اور ان کی آراء سے کرسی اقتدار پر مسلط ہو جائے، بلاشبہ یہ بڑی غداری ہے۔ کیونکہ اس میں خدا اور رسول ﷺ کے عہد کو توڑنا ہے۔ کہ اپنے ذمہ وہ کام لے لیا جس کا وہ مستحق نہیں ہے، اور مستحق کو اس سے محروم کر دیا۔ اور مسلمانوں کے عہد کو بھی توڑنا ہے کہ مسلمانوں کے امام کے خلاف

بغاوت کی، ان کی جانوں اور مالوں پر بزور بازو تسلط حاصل کیا اور ان پر شفقت، نرمی اور آسانی فراہم کرنے کو ترک کیا کیونکہ اس طرح مسلمان خون خرابے اور فتنہ فساد میں واقع ہوں گے۔

(۲) بعض شارحین نے کہا کہ امیر عامہ سے مراد، امام اعظم اور وقت کا بادشاہ ہے، مقصد یہ ہے کہ رعایا کے لیے امام کے عہد کو توڑنا، خصوصاً بادشاہ وقت سے عہد شکنی کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس میں فتنہ وفساد بڑا اور شدید ہے۔ (۳۲) ابوداؤد کی ایک حدیث شریف کی تشریح میں دوبارہ لکھتے ہیں کہ قوم کا نمائندہ سے مراد وہ شخص ہے جو حکمران کے پاس عوام کے اوصاف بیان کرے۔ (۳۳)

مذکورہ عنوان کے تحت علماء ومشائخ کی ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علماء اور فقیروں کی جماعت جو بادشاہوں کے دربار میں خیر خواہی اور دعا گوئی کا تحفہ پیش کرتے ہیں اور خدا اور رسول ﷺ کے حکم کو اور اہل دین کی باتوں کو اور انصاف دوست بادشاہوں کی سیرت کو درگاہ کے حاضرین کے کانوں میں پہنچاتے ہیں اور یہ آخرت کے خزانے اور سعادت کے گنجینے محفل میں موجود لوگوں پر نثار کرتے ہیں (۳۴) اور رعیت کی خرابی بادشاہوں کی خرابی کی وجہ سے ہے اور بادشاہوں کی خرابی علماء کی خرابی کی وجہ سے ہے اور علماء کی خرابی کا سبب غالب ہو جانے حب مال اور حب جاہ کے ہے۔ (۳۵) آگے چل کر لکھتے ہیں:

> علمائے کرام علم اور شریعت کو پھیلانے کے لحاظ سے، درویش اطاعت وعبادت کے مراسم قائم کرنے کے حوالے سے اور فوجی جہاد اور غزوہ کرنے سے بلکہ تمام اہل صنعت وحرفت مثلاً زراعت، کپڑا بننا، عمارتیں تعمیر کرنا، تجارت کرنا کہ جن سے عالم کی بقا اور کارخانہ وجود کا انتظام ممکن ہوتا ہے اس طور سے (یہ سب لوگ دین کو تقویت دینے والے اور رواج دینے والے ہیں) بادشاہ سب پر حاکم وغالب ہے اور اپنے عدل وانصاف کے ذریعے سے اس سلسلے کو قائم رکھتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جان کو جو بدن کے ساتھ نسبت ہے وہی نسبت بادشاہ کے وجود کو ارکان عالم اور بنی نوع انسان کے ساتھ دی جاتی ہے یعنی بادشاہ روح ہے اور معاشرہ بدن۔ کیونکہ جان یا روح بدن کو حرکت میں لاتی اور اسے قائم رکھتی ہے۔ روح کی بھلائی بدن کی بھلائی ہے اور روح کا فساد بدن کا فساد ہے سو بادشاہ کی بھلائی معاشرے کی

بھلائی اور بادشاہ کی برائی معاشرے کی برائی ہے۔ (۳۶)

نظریہ سربراہ مملکت: انسان انفرادی زندگی سے قبائلی زندگی کے دور میں داخل ہوا یہ کم و بیش جمہوری دور تھا۔ قبیلے کے بزرگ اجتماعی طور پر اصول مساوات کو مدنظر رکھتے ہوئے قبیلے کے امور نمٹایا کرتے تھا۔ پھر انسان قبیلے سے نکل کر ایک بڑے معاشرے میں شامل ہوا۔ اس اجتماع کی مرکزی قوت کی حیثیت کو دوام بخشنے کے لیے کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جس کی جسمانی، ذہنی اور اخلاقی قدریں اس سوسائٹی کے باقی افراد سے افضل ہوں، جس میں مرکزی قوت بننے کی صلاحیتیں ہر کسی سے زیادہ ہوں فکر اور عمل دونوں اس میں موجود ہوں اور جو لوگوں کے درمیان انصاف بھی کر سکے اور اپنی اعلی شخصیت کی بناء پر سوسائٹی کا اعتماد بھی بحال رکھ سکے۔ یہ آدمی مل گیا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں اسے مختلف ناموں سے پکارا گیا جن میں ایک نام بادشاہ بھی تھا۔ جدید ریاستی نظام کے بنیادی خیال کا تعلق نظریہ اقتدار اعلی سے ہے جو دوسری انسانی شراکت سے امتیاز رکھتا ہے۔ روایتی طور پر اقتدار اعلی کی تعریف ریاست میں رہنے ولا ایک خاص برتر انسان ہے۔ جدید عربی اصطلاح میں السیادۃ سید (سربراہ) سے نکلا ہے جو کہ مقتدر اعلی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (۳۷) قرآنی اصطلاح میں یہ ماہر (ماسٹر) کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ (۳۸)

اسلام فطری نظام حیات ہے۔ اس کے احکام و ہدایات اور اصول وقوانین فطرت انسانی سے مطابقت رکھتے ہیں دیگر امور کی طرح امیر ریاست سے متعلق اسلامی اصول و احکام بھی فطرت انسانی کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ اپنے رسالے نوریہ سلطانیہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بادشاہ کی اہمیت اس طرح بیان فرمائی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے زمین و آسمان کے نور مسلمانوں کے دلوں کو اپنے دین اور
حق یقین کے نور سے منور فرما دے۔ آمین۔

ادب یہ ہے کہ جب بادشاہ اور سلاطین کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو درود وسلام اور مدح و

تعریف سے بات شروع کریں اور بادشاہوں اور سلاطین کی عزت و مرتبہ و مقام کے مطابق ان کی مدح وثنا کا حق ادا کریں۔ بعد ازاں اظہار بندگی وفرمانبرداری کریں اور ان کی خدمت میں فرمانبرداری و اطاعت پر کمر بستہ رہیں اور ان کی شایان شان تحفہ نذر کریں لیکن جو ہمارے حضرت معلیٰ (یعنی جو ہمارے بادشاہ وقت) ہیں زبان ان کی مدح وستایش کرنے سے قاصر ہے اوران کی مدح وتعریف کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ کوئی تعریف بھی کیا کرسکتا ہے جب پروردگار عالم نے اسے دنیا کا بادشاہ اور بنی آدم کا حکمران بنایا ہے۔ بادشاہی سے بلند مرتبے کی حامل کون سی تعریف ہے جو اس کی شان میں بیان کی جائے۔ اے اللہ۔ صفت عدل اور دینداری کا ہم اثبات کریں اور کہیں بادشاہ دیندار عادل کہ جس کے کہے ہوئے اس ایک کلمہ میں دنیا کی تمام خوبیاں اور ستائش ومنقبت کی تمام اقسام، دنیاوآخرت کی سعادت ونیک بختی کے اسباب درج ہیں۔

بادشاہ کو ظل اللہ اور جانشین مصطفیٰ ﷺ کہتے ہیں اس سے بڑھ کر کون سی منقبت اور کون سا مرتبہ و مقام ہوسکتا ہے جب بادشاہ عادل آنحضرت ﷺ کا جانشین ہوگا تو لامحالہ وہی کام سر انجام دے گا جو آنحضرت ﷺ نے سرانجام دیئے اور جانشین کے یہی معنی ہوتے ہیں۔ (۳۹)

عربی زبان میں سربراہ کے لیے شعب کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے جسکے لغوی معنی سربراہ اعلیٰ کے ہیں (۴۰) مجازی طور پر سب سے بڑے بادشاہی گروہ جن میں کئی قبائلی شامل ہیں کے سربراہ کے لیے استعمال ہوتا ہے یہ ابوالقبائل بھی کہلاتا ہے شعب نچلی سطح پر قبیلہ ہے جو کہ ایک جتھہ ہے اور بہت سے جتھے مل کر دستوری طور پر شعب میں شامل ہیں۔ یہ جتھے تقسیم در تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں حکمرانی کی سب سے چھوٹی اکائی عیالہ عسرہ (خاندان) ہے۔ (۴۱)

بادشاہت کا ادارہ جنوبی عرب کے زراعتی قبائل میں بہتر طور سے منظّم تھا۔ جنوبی عرب ریاستوں میں ماقبل دور اسلامی براہ راست یہ ادارہ ساسانی اور ابی سینین بادشاہوں کے زیر اثر تھا۔ قدیم ایران میں یہ ادارہ موروثی طور پر سلسلہ وار چلتا رہا ہے بادشاہ مطلق، ناقابل تقسیم قوتوں کا مظہر تھا۔ وہ نہ صرف کسی کو جواب دہ نہ تھا بلکہ اسکی طاقت بھی لامحدود تھی۔ ایران میں بادشاہت کے لیے زیادہ خاص معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوتا تھا۔ فارسی زبان میں اس کے

لیے بادشاہ (سربراہ) اور شہنشاہ (بادشاہوں کا بادشاہ) کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ (۴۲) بعینہ قدیم انڈیا میں مہاراجہ (۴۳) اور سمراٹ (۴۴) بالترتیب انہی معنوں میں استعمال ہوتے تھے۔ ایک فرنچ مستشرق نے بادشاہت کی بنیادیں، فطرت اور ارتقاء پر بنیادی تحقیقی کام کیا جسمیں شمالی اور جنوبی عرب زراعتی برادریاں شامل ہیں۔ انکے مطابق بادشاہت کے نظریہ کی بنیاد غالباً عرب کے حصوں میں ایران اور ایبی سینیا کی ہمسایہ عظیم حکومتوں سے ماخوذ تھا۔ (۴۵) دین اسلام کے مطابق اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق، مالک اور چلانے والا ہے۔ اس ضمن میں قرآن نے ربوبیت کا لفظ بیان کیا ہے۔ (۴۶) قرآنی اصطلاح میں الملک کی اصطلاح بادشاہت، مقتدر اعلیٰ، مالک یا امیر کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ (۴۷) اس لیے بعض مسلمان مفکرین کے مطابق کائنات کا مالک واحد اللہ تعالیٰ ہے اس لیے انسان کو اقتدار اعلیٰ کا درجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس نکتہ نظر کے تحت وہ مقدس مقتدر اعلیٰ کا سیاسی نظریہ، اخذ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کائنات کا مقتدر ہے وہ سیاسی طور پر بھی مقتدر ہوگا۔ (۴۸) سلطان اللہ فی الارض اور سلطان الٰہی فی الارض، دونوں نکات بادشاہ کے حقوق الٰہیہ کو واضح کرتے ہیں جنکی شرح عیسائی پادریوں نے اپنی تحریرات میں واضح کی ہیں۔ دور وسطیٰ اور اس کے بعد جیمز اول انگلستان کے دور میں۔ غالباً یہ اسی کا خاصہ ہے کہ بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے یا بادشاہ زمین پر خدا کا نائب ہے۔ (۴۹) یہاں یہ بات بہت نمایاں ہے کہ حضور ﷺ نے مکمل طرز کے قبائلی اداروں و رواجات کو نظر انداز نہیں فرمایا تھا مدینہ کے قبائل کے اتحاد کو حاصل کرنے میں آپ نے بغیر کسی پس و پیش کے اسلام کی اس نئی مذہبی برادری کی عمارت کی تعمیر کے طریقہ کو رواجات کام میں لیا۔

بنیاد پرستوں کے مطابق بادشاہت کے بنیادی تقاضے، غیر تقسیم، مستقل اور اختیار کی غیر معمولی طاقت اللہ کی طرف سے ہے۔ کسی شخص کو حق نہیں کہ وہ اقتدار اعلیٰ کی مذکورہ خصوصیات کو اپنانے کے لیے حق کا تقاضا کرے۔ (۵۰)

سینٹ پال نے نیو ٹیسٹمنٹ میں اپنے مقصد کے بارے میں لکھا:

ہر ذی روح میں اس کی قوت پوشیدہ ہے خدا کے سوا کوئی طاقت ور نہیں طاقت خدائی قسمت

ہے۔ جو کوئی خدا کی طاقت میں مزاحم ہوگا وہ خود اپنے آپ کو چھٹکارے کا مستحق بنائے گا۔ (۵۱) ابن تیمیہ نے وضاحت کی کہ حضور ﷺ کی امامت احکام الٰہیہ کے تحت تھی۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین نے خلافت نبویؐ کے جوہر کو اپنایا جس کی بنیاد قوانین الٰہیہ اور عقل تھی۔ آپ ﷺ کی امامت مثالی منضبط۔ (مطلق) تھی جبکہ چاروں خلفاء راشدین کی امامت مقید تھی۔ (۵۲) قرآنی آیت ''اطاعت کرو اللہ کی اطاعت کرو اور اسکے رسول ﷺ کی اور جو تم میں سے ہو اس امیر کی، کی شرح ''جو تم میں سے صاحب امر ہو'' میں امراء اور علماء شامل ہیں۔ (۵۳)

امیر ریاست کے تقرر کے سلسلے میں اسلامی احکام و ہدایات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں انہیں فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اسلام ہر معاملے میں انسانی تنظیم کے قیام اور اس کے لیے امیر کے تقرر پر زور دیتا ہے مثلاً نماز کے لیے امام، لشکر کے لیے سالار، حج کے لیے امیر حج مقرر کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ امارت کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لا لثلاثہ تکون فی القلاہ من الارض الاامروا علیھم احدھم (۵۴)

(تین آدمی اگر چٹیل میدان میں بھی ہوں تو ان کے لیے
بغیر اس کے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں۔)

کسی بھی انسانی تنظیم کا امیر اس تنظیم کا ذمہ دار ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ امیر ان لوگوں کا جو اس تنظیم میں شامل ہوں خدمت گار ہوتا ہے۔ اسلام نے امیر تنظیم کے اس فطری منصب کو تسلیم کرتے ہوئے قوم کے سربراہ کو اس کا خدمت گار قرار دیا ہے صرف ریاستی اور ملکی سطح پر ہی نہیں بلکہ ہر سطح پر امیر کا یہی منصب بتایا گیا ہے۔ (۵۵) اسلام میں یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ کوئی شخص خود سے امیر بننے کی کوشش کرے۔ اس سلسلے میں حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یا عبد الرحمن لا تسئا ل الامارۃ فانک ان اوتیتھا عن مسئا لۃ وکلت الیھا وان اعطیتھا من غیر مسئا لۃ اعنت علیھا. (۵۶)

(اے عبدالرحمٰن ابن سمرہ! تم کبھی امارت کی خواہش نہ کرنا پھر اگر تم کو وہ بغیر مانگے مل جائے تو تمہاری اعانت کی جائے گی اور اگر مانگنے سے ملی تو اس کا سارا بوجھ تم پر ہی پڑ جائے گا۔)

یہ اسلام میں دین و سیاست کے لازم و ملزوم ہونے کا تصور ہی ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنی ریاست کو اسلامی اصولوں پر قائم کرنے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ یہ جدوجہد انکے ایمان کا اسی طرح بنیادی تقاضا ہے جس طرح معاشرت، معیشت اور تعلیم کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا۔ فقہائے اُمّت نے نصب امامت کو متفقہ طور پر فرض کفایہ قرار دیا ہے اور اس بارے میں کوتاہی کو ایک شرعی حکم کی تعمیل میں کوتاہی کا ارتکاب قرار دیا ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں خلیفہ و امام کا تقرر و تعین واجب و لازم ہے اور اس کا وجوب اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔ بادشاہت انسانی خاصہ ہے یہاں تک کہ جانوروں میں بھی رئیس ہوتے ہیں۔ (۵۷) چونکہ بنی نوع انسان کی تخلیق اس طور سے ہوئی کہ جب تک کوئی امیر و سرداران کے سروں پر نہ ہو اور ان کا انتظام و انصرام نہ کرے تو دنیا کا نظام اور بنی آدم کے معاملات کے انتظام صورت پذیر نہیں ہوتے اگر سبھی ترک دنیا کر جائیں، گوشہ نشین اور خلوت گزیں ہو جائیں، تو کاروبار عالم خراب ہو جائے اور دنیا اور زندگی کا سارا انتظام و انصرام درہم برہم ہو جائے۔ (۵۸)

اسلام میں بادشاہت کے ارتقاء کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کا دور سنہری دور کہلاتا ہے جو نہ صرف تقدس کی بنیاد پر بلکہ لازمی طور سے کامیاب ثابت ہوا۔ البغدادی، (۵۹) امام ابو یوسف (۶۰) امام ابویعلی اور الماوردی نے خلافت کے تمام پہلوؤں پر جامع طور سے اپنی تحریروں میں مسلم دستوری قوانین کو پیش کیا۔ عباسی خلفاء کے ابتدائی دور میں ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں الصفقہ قائم کیا گیا تھا جس نے غیر عرب عناصر کو عباسیوں کی حمایت میں وفاداری کو تقویت پہنچائی۔ (۶۱)

اس دور کے اسلامی سیاسی نظام کے بنیادی نکات یہ تھے۔

i۔ شریعت (مذہبی قوانین) کے تحت تمام قوتیں آزاد تھیں۔

ii۔ حکومتی ڈھانچہ مکمل طور سے مرکزی تھا۔

iii۔ خلیفہ کی ذات تمام قوتوں کا سرچشمہ تھی۔

iv۔ تمام برادریوں کے معاملات میں فیصلہ سازی کا مکمل اختیار شوری کے تحت تھا۔ (۶۲)

۴۱ھ/۶۶۱ء میں حضرت امیر معاویہ کے خروج فرمانے پر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ ۵۰ھ/۶۷۰ء میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شامیوں کو بلایا کہ انکے بعد انکے بیٹے یزید کی خلافت ماننے کے لیے اس کی ولی عہدی پر بیعت کریں اور گورنر مدینہ مروان بن حکم کو فرمان بھیجا کہ باشندگان مدینہ سے بھی یزید کی ولی عہدی کی بیعت لی جائے چنانچہ مروان نے مدینہ میں خطبہ دیتے ہوتے کہا امیر المومنین امیر معاویہ کا منشاء ہے کہ وہ اپنے فرزند یزید کو ولی عہد مقرر کریں جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں نامزدگی کا طریقہ رائج تھا۔ یہ سن کر حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکر صدیق کھڑے ہوئے اور کہا اس نامزدگی کو خلافت کا طریقہ نہ کہو بلکہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ کہو۔ بزرگوار حضرات ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے کسی ایک نے بھی اپنی اولاد کو ولی عہد خلافت مقرر نہیں فرمایا اور اپنے خاندان والے کو بھی ولی عہد یا نامزد خلافت نہیں فرمایا۔ ۵۱ھ/۶۷۱ء میں حج کر کے حضرت امیر معاویہؓ نے دوسرے لوگوں کے ہمراہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یزید کی ولی عہدی کے سلسلے میں بلوایا۔ استفسار کرنے پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: واقعہ یہ ہے کہ انہوں (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے خلیفہ کا انتخاب عام مسلمانوں پر چھوڑا اور ہر دور کے مسلمانوں نے اپنے حق خود اختیاری کے پیش نظر اپنے لیے خلیفہ کا انتخاب کیا میں اُمت مسلمہ کا ایک فرد ہوں جب پوری اُمت کسی پر اجماع کر لے گی تو میں بھی انکو مان لوں گا۔

علامہ ابو عبداللہ واقدیؒ نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیلؓ کی زبانی لکھا ہے: قسم بہ خدا ہم یزید پر چڑھائی نہ کرتے لیکن اس کے حالات اور مختلف جرائم کے سبب ہم خوفزدہ تھے کہ کہیں ہم پر آسمان سے پتھر کی بارش نہ ہو یزید کے زمانے میں اس کے مقرب لوگ اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے شادی کرنے لگے تھے۔ یزید خود شراب نوشی کرتا اور تارکِ نماز تھا۔ (۶۳)

چاروں خلفاء کے طریق انتخاب کی روشنی میں کسی بھی دور کی اسلامی ریاست کے امیر کے انتخاب کے لیے مندرجہ ذیل طریق کار وضع کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ کوئی بھی شخص خود سے اسلامی ریاست کا امیر بننے کی کوشش نہ کرے۔

۲۔ کوئی امیر کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کرے۔

۳۔ ریاست میں کوئی ایک پارٹی یا گروہ امارت کے لیے کسی کا نام تجویز نہ کرے۔

۴۔ امیر ریاست کے انتخاب کے لیے ارکان پر مشتمل ایک مجلس مشاورت تشکیل دی جائے جو مسلمان اور متقی ہوں، امور مملکت اور امور ملیّ کا عملی تجربہ رکھتے ہوں اور اپنی قابلیت اور خدمت کی وجہ سے لوگوں کا اعتماد حاصل کر چکے ہوں۔

۵۔ مجلس شوریٰ اعلانیہ بحث و تمحیص اور مشاورت کے بعد امارت کے لیے کسی باصلاحیت اور متقی مسلمان کا انتخاب کرے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ پھر عام لوگ مجلس شوریٰ کے اتباع میں منتخب امیر سے بیعت کر لیں۔

۶۔ اگر مجلس شوریٰ کسی ایک نام پر متفق نہ ہو اور ایک سے زائد نام تجویز کیے جائیں تو پھر نسبتاً عام رائے شماری کے ذریعے یعنی ایک اور عمومی مجلس کی منظوری سے جو مجلس شوریٰ کے ارکان سے کئی گنا زیادہ ایسے افراد پر مشتمل ہو جو کسی نہ کسی درجے میں امور ملیّ کا تجربہ رکھتے ہوں متقی اور باصلاحیت ہوں میں کسی ایک نام کا فیصلہ کیا جائے اور باقی لوگ اس فیصلے کے مطابق منتخب امیر سے بیعت کر لیں۔

۷۔ اگر ارباب اقتدار میں سے کوئی شخص امارت کا امیدوار ہو تو وہ نئے امیر کے بارے میں فیصلہ ہونے تک اقتدار سے الگ ہو جائے۔ (۶۴) مذکورہ نکات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ نہ امور مملکت کو سمجھتے ہوں اور نہ امارت کے لیے کسی شخص کی صلاحیت کو، ان سے انتخاب امیر کے سلسلے میں رائے لینا ایک لاحاصل بات ہے۔

ذمے داریاں

وہ مفید باتیں جن کا جاننا امور سلطنت کے اجرا میں ضروری ہے۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ تمام مخلوقات عقل کی محتاج ہیں اور عقل تجربے کی محتاج ہے اور تجربے کے لیے ایک زمانہ دراز، طویل عمر، وقت کی فراغت اور سکون قلب چاہیے۔ بس دانائے روزگار

نے جب یہ دیکھا کہ انسان کی عارضی زندگی وفا نہیں کرتی انہوں نے چارہ اور تدبیر کی تا کہ اس کمی اور اس محرومی کا علاج ہو سکے۔ پس انہوں نے بادشاہوں اور سلاطین کے واقعات امراء اور وزراء کے حالات اور علماء اور حکماء کے اقوال کتابوں اور تاریخ ناموں میں تحریر کیے اور گذشتہ لوگوں کے تاریخی واقعات اور قصوں کو غافلین کی تنبیہہ اور آنے والے لوگوں کے نفع کے لیے کتابوں میں درج کیا اور انہوں نے مخلوق کے لیے عبرت نامہ اور وزرا اور سلاطین کے لیے دستور العمل زمانے کے صفحات میں چھوڑ دیے تا کہ جو کچھ اپنی طویل عمر میں اور دور دراز سفروں کے بعد اور مختلف لوگوں کے ساتھ تعلقات قائم کر کے اور ان کے افعال اعمال کو پرکھ کے زمانے کی خامیوں اور تجربوں سے جو چیز حاصل نہیں ہوتی اسے تھوڑی سی مدت میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔ عقلمند کو چاہیے کہ وہ عبرت حاصل کرنے سے محروم نہ رہے اور اپنے لیے اور اپنے حالات کے لیے ایک معیار مقرر کرے۔ اور ان قواعد کا خلاصہ جو اہل دولت وسلطنت کے لیے فائدے مند ہے تین چیزیں ہیں۔

۱۔ انہوں نے کیا کام کیا جس سے انہیں دولت وسلطنت حاصل ہوئی۔

۲۔ وہ کیا بات تھی جس سے ان کی سلطنت کے اہم کام منظّم ہوئے اور ان کی حکومت کی بقا کا باعث بنے۔

۳۔ وہ باتیں کیا ہیں جو ان گذشتہ حکومتوں کی بربادی اور زوال کا سبب بنیں۔ (۶۵)

اس بات کی تائید چانکیہ کوتلیہ بھی کرتا ہے کہ حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ تاریخ کا علم رکھے کہ کس طرح حکمرانوں نے اپنی ریاستوں کو قائم رکھا (۶۶) اور مکیاولی بادشاہ کی ذہنی تربیت کے لیے تاریخی کتابوں کے مطالعے کی تلقین کرتے ہوئے مشاہیر کے کارناموں کو ذہن نشین کرنے کی خاص تلقین کرتا ہے کہ وہ نمونے کے طور پر ہر وقت کسی شخصیت کو سامنے رکھے جو غیر معمولی شہرت کے حامل ہوں جیسے سکندر کے سامنے اچیلیز، سیزر کے پیش نظر سکندر اور سیپو کے سامنے سائیرس۔ (۶۷) مکیاولی کے اسی قول کے پیش نظر بیکن اسے خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔ (۶۸)

اشعۃ اللمعات میں ''امامت'' کی وضاحت اس طرح کی: امامت بمعنی پیشوا بننا، امام بمعنی

پیشوا۔ نماز کی امامت، امامت صغریٰ اور کاروبار عالم میں پیشوائی اور اہلِ جہاں کے امور میں تصرف امامت کبریٰ کہلاتی ہے۔ مسلم شریف کی حدیث کے مطابق امامت کا اہل وہ ہے جو کتاب اللہ کا علم زیادہ رکھتا ہو پھر وہ جو حدیث و سنت کا عالم ہو پھر مہاجر وہ شخص جو گناہوں اور خطاؤں کو ترک کر دے، پھر عمر میں سب سے بڑا پھر خوش شکل پھر شریف النفس پھر قرعہ اندازی یا قوم جسے امام بنالے (یعنی آخر میں قوم کی طرف سے چناؤ)۔ (۶۹)

سربراہ مملکت (بادشاہ) کے اوصاف

جنس: سربراہ مملکت مرد مذکر ہو۔ تاریخ حقی میں رضیہ سلطانہ کے تذکرہ میں آپ نے واضح طور پر تحریر فرمایا کہ اور یہ قصہ بہت عجیب و غریب ہے کہ اس (فیروز شاہ) نے خلاف شریعت عورت (رضیہ) ہونے کے باوجود اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

عورت کا سربراہ ریاست وحکومت ہونا شریعتِ اسلامی کے خلاف ہے۔ (۷۰)

۲۔ دیندار: بادشاہ دیندار عادل کہہ کر آپ نے پوری طرح اس بات کی صراحت کر دی کہ صفت عدالت کے ساتھ دینداری بادشاہت کا خاصہ ہے۔ بادشاہوں کو چاہیے کہ دن میں لوگوں کے کام میں مشغول رہیں اور رات کو اپنے کام میں مصروف رہیں، یعنی رات کو بارگاہ خداوندی میں تضرع، مناجات اور عبادات کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ اس دنیا کا بوجھ جو ان کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے ہلکا اور آسان ہو جائے تا کہ کوئی شخص کسی مظلوم پر ظلم نہ کر سکے۔ تیرے دروازے پر بڑے بڑے گردن کش کمر بستہ ہوں اور تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عبادت کے لیے اپنا سر جھکائے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح فریاد کر جس طرح مفلس امیر آدمی کے سامنے فریاد کرتا ہے۔ اگر دن کو تم بادشاہی کرتے ہو تو رات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فقیروں کی طرح فریاد کرو کہ اے اللہ حقیقی توانگر تو ہی ہے غریب، امیر کا پالنے والا بھی تو ہی ہے، تو مجھے خیر و نیکی کی توفیق بخشنے والا ہے ورنہ کسی کے لیے میں کیا نیکی کر سکتا ہوں، اگر تیری مہربانی میرے ساتھ نہ ہو تو میرے ہاتھ سے کیا نیکی ہو سکتی ہے۔ (۷۱) اللہ اور رسول ﷺ اور اس کی کتاب اور خاص اور عام مسلموں کے لیے ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ دین کے حقوق کی ادائی اور اس کا ہر

ادب اس کی ہر رعایت کو اس طرح ملحوظ رکھنا کہ وہ بخوبی ادا ہو جائے جب کسی سے اس طرح حقوق کی ادائی ہو جاتی ہے تو وہ دیندار ہو جاتا ہے۔ (۷۲)

لیکن دورِ جدید کا مشہور مغربی مفکر مکیاولی کہتا ہے: ہماری زندگی کا انداز جیسا ہے اور جیسا ہونا چاہیے ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے کیونکہ ایسی دنیا جہاں تمام انسان نیک نہیں ہر معاملے میں کامل نیکی کو اپنا معیار بنانا اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیکی کے علاوہ اور بھی کچھ سیکھے اور نیکی کا استعمال موقع محل کے لحاظ سے کرے۔ (۷۳) آگے چل کر کہتا ہے کہ دنیا کے کچھ امور قسمت اور کچھ امور انسانی عقل کے تابع ہیں۔ (۷۴)

۳۔ عادل: بادشاہوں کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسی جگہ رات کو سوئے کہ آدھی رات کو بھی اگر کوئی فریادی فریاد کرے تو اس کے کانوں میں اس کی فریاد پہنچ سکے۔ بعض بادشاہوں نے ایک زنجیر بنوائی ہوتی تھی جس کا ایک سرا ان کی خواب گاہ کی کھڑکی میں بندھا ہوتا تھا اور دوسرا سرا باہر۔ اگر کوئی مظلوم داد خواہ اہل حاجت آتا تو وہ زنجیر ہلا دیتا اور اپنے حال سے آگاہ کر دیتا۔ (۷۵)

۴۔ عاقل و دور اندیش: عاقل جب لوہے اور پتھر کو یکجا دیکھتا ہے تو آگ کا تصور کر لیتا ہے اور نادان جب تک آگ نہ بھڑک اُٹھے اس کے نقصان کا تصور نہیں کرتا۔ یعنی حادثے کا تدارک اس کے واقع ہونے سے پہلے کرنا چاہیے۔ (۷۶)

مکیاولی کہتا کہ ہے بادشاہ کی سیرت اور دانائی کا صحیح اندازہ اس کے مصاحب اور ملازموں سے لگایا جا سکتا ہے اسے چاہیے کہ خوشامدیوں سے بچے۔ (۷۷) اپنی قوم اطالیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہودیوں سے بدتر غلام، اہل فارس سے بڑھ کر مظلوم اور اہل اثنیہ سے زیادہ منتشر نہیں ہیں جنھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قابلیت، سائیروس کی روحانی عظمت اور تھیسیوس کی صلاحیتوں نے نجات دلائی۔ (۷۸)

۵۔ بہادر: بادشاہ دلاور اور بہادر ترین آدمی ہو۔ اگرچہ بہادری اور بزدلی دونوں ہی طبعی

اور فطری صفت ہیں: جو انسان کے کسب و اختیار میں داخل نہیں لیکن اس کے باوجود معرکوں میں شامل ہونے کی عادات ڈالنا اور بہادروں اور دلیروں سے ملنا جلنا اس کے وجود میں بہادری پیدا کرنے اور اسے بڑھانے میں بے تاثیر (غیر مؤثر) نہیں ہیں۔

بادشاہ کو چاہیے کہ اپنے زور اور قوت بازو میں سب پر فائق ہو اور سب سے ممتاز ہو، یہاں تک کہ کوئی بھی اس کی کمان کو نہ کھینچ سکے اور کوئی شخص بھی اس کا پنجہ نہ موڑ سکے تاکہ اس کو قوت جہاد اور جنگ میں بلند ترین رتبے پر ہو اور اس کی ہیبت و قوت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ قوت بدن کے حصول کے بھی چند اسباب ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ صبح کے وقت پہلوانوں کی طرح زور اور ورزش کرنے کو عادت بنائے۔ کہتے ہیں کہ یہ ورزش کرنا تہجد ادا کرنے سے بادشاہ کے حق میں افضل ہے، جب بادشاہ کی نیت جہاد کرنے کی ہو۔

دوسرا سبب بدن کی قوت کے حصول کا یہ ہے کہ شکار کرنے، گھوڑا دوڑانے، تیراندازی اور چوگان بازی کو اپنی عادت بنالے جب کہ کہا جاتا ہے کہ کشتی کرنے، شکار کرنے، نشانہ لگانے اور گیند کھیلنے سے جنگجو بہادر ہو جاتا ہے۔ وہ شخص جو حمام میں عیش و ناز سے پلا ہو وہ ڈر جاتا ہے، خوف زدہ ہو جاتا ہے جب جنگ کا دروازہ کھلتا ہے۔ قوت بدن کے حصول کا قوی ترین سبب جماع کم کرنا اور عورتوں سے صحبت کم کرنا ہے۔ چونکہ بدن کی قوت کے لیے جماع مضر ترین چیز ہے، ہاں البتہ مہینے میں ایک بار یا ہفتے میں ایک بار یا چند روز ٹھہر کر، کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کے علاوہ ہمیشہ شراب پینا اور مست رہنا بھی اسی طور پر مضر ہے اور بہت سے امراض کا سبب بھی ہے جو لاعلاج ہیں۔ (۷۹)

۶۔ سخی: بادشاہ کو چاہیے کہ وہ سب سے زیادہ سخی ہو۔ سخاوت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ فضول خرچی کرے اور غیر ضروری اخراجات میں مال کو ضائع کرے بلکہ خزانے کو لشکر سے دریغ نہ رکھے اور بیت المال کو امانت سمجھے اور ان مصارف میں خرچ کرے جن کا تعین شریعت نے کیا ہے۔ وہ ہنر جو تمام عیوب کو چھپا دیتا ہے وہ سخاوت ہے اور وہ عیب جو تمام خوبیوں پر پردہ ڈال

دیتا ہے وہ بخل ہے۔ سخاوت ایک ہنر ہے اور دیگر خوبیاں اس کی خادم ہیں۔ اگر چہ تیرے پاس ہزاروں ہنر (خوبیاں) کیوں نہ ہوں۔ (۸۰)

مکیاولی کے مطابق بادشاہوں کا مشکلات سے مقابلہ دو طرح سے ممکن ہے بزور قانون یا بزور بازو اس کے لیے وہ سنتور دیوتا کی مثال پیش کرتا ہے جو کہ یونانی خیال کے مطابق ایک ایسا خیالی جانور ہے جو نصف اسپ اور نصف انسان سمجھا جاتا ہے بادشاہ کو دونوں طریقوں کا معقول استعمال جاننا چاہیے۔ (۸۱)

۷۔ بردبار: بادشاہی کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق خدا کا بوجھ اپنے اوپر رکھنا اپنی راحت و آسائش کو ترک کر دینا اور مخلوق خدا کی آسائش کا خیال رکھنا ہے۔ بھیڑ چرواہے کے لیے نہیں بلکہ چرواہا بھیڑ کی خدمت کے لیے ہے۔ بادشاہوں کا بہترین اور خوب ترین ادب یہ ہے کہ مخلوق خدا کے ساتھ بردباری اور عفو و درگزر سے معاملہ کریں کیونکہ ان کی قدرت و طاقت بے انتہا ہے اور ان کی پکڑ بھی شدید ہوتی ہے اور کسی کی سفارش کرنا ان کی بارگاہ میں مشکل ہے۔ ہاں اگر وہ خود شفقت و عفو کے پانی سے اپنے غصے کی آگ ٹھنڈا کر لیں تو کر لیں ورنہ کام بہت دشوار ہے یعنی کوئی اور کر ہی نہیں سکتا۔ (۸۲)

۸۔ رعایا سے باخبر رہنا: بعض بادشاہوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ لباس بدل کر فقیروں کے بھیس میں اور عوام الناس کے لباس میں راتوں کو شہر میں گشت کرتے تھے، عوام کے حالات کی تفتیش کرتے تھے اور مخلوق سے اپنے حکام وزراء اور خود اپنے بارے میں حقیقت حال معلوم کرتے تھے، تاکہ وہ جان سکیں کہ مخلوق خدا ان کے بارے میں اور ان کے وزراء کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ بلکہ اس مقولے کے مطابق کہ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو، آنے والے حالات اور معاملات کے نتائج کو ان کے ذریعے سے سمجھ جاتے تھے۔ (۸۳) سربراہ ریاست و حکومت سے متعلق صحیحین کی حدیث شریف کے مطابق:

”جس نے میری اطاعت کی اسنے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی

اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ جس نے حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ امام ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے۔"

مذکورہ حدیث شریف کی شرح کے ضمن میں حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ فرماتے ہیں: پس احکام شریعت کے مطابق حکام کی فرمانبرداری رسول ﷺ کی فرمانبرداری ہے اور آپکی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔ اس طرح نافرمانی اور جیسے جنگ میں تیر اور تلوار لگنے سے ڈھال بچاتی ہے اور درمیان میں حائل ہو جاتی ہے اسی طرح حاکم کا وجود آفتوں اور دین کے دشمنوں کی طرف سے پیش آنے والے حوادث سے باعث امن وامان ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ صحیحین کی حدیث شریف کے مطابق آپ ﷺ نے عوام کو مزید یہ تنبیہ بھی فرمائی کہ تم اپنی طرف سے حکمرانوں کے حقوق مثلاً اطاعت، تعمیل اور امداد ادا کرو اور اگر وہ تمہارے حق میں کوتاہی کریں تو صبر کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرو کہ وہ تمہیں جزا عطا فرمائے۔ (۸۴)

خطبہ نوریہ سلطانیہ میں عدل کی تصریح اسطرح فرمائی:

خلاصہ موجودات سرور کائنات آنحضرت ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے (ایک گھنٹے کا عدل وانصاف ساٹھ سال کی عبادت کے برابر ہے) ایک گھنٹہ بھی بادشاہ عادل اگر بیٹھتا اور لوگوں کے ساتھ مہربانی اور عدل وانصاف کرتا ہے تو اس کی یہ کارگزاری ساٹھ سال کی نفلی عبادت کے برابر ہے۔ (۸۵)

کہتے ہیں بادشاہ روح کی طرح ہے اور رعایا بدن (جسم) کی طرح ہے جو (بادشاہ) کی فرمانبرداری کرنے والی ہے پس جو اپنی ذات کے ساتھ انصاف نہیں کرسکتا دوسروں کے ساتھ کیسے انصاف کرسکتا ہے۔ جسطرح تیراک جب خود ڈوب جائے تو دوسرے کو کیسے بچا سکتا ہے۔ (۸۶) وہ محبت وشفقت جوان پانچ آدمیوں کو ہے ان کے سوا کسی کے پاس نہیں (۱) خدا کی رحمت اپنے بندوں پر (۲) پیغمبر کی محبت اُمت سے (۳) بادشاہ کی شفقت عوام پر (۴) ماں باپ کی محبت بچوں پر (۵) شیخ (مرشد) کی محبت اپنے مرید سے۔ (۸۷)

قیامت میں ہر شخص سے اس کی رعیت کے حقوق اور حالات کا سوال ہوگا۔ رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

كلكم راع و كلكم مسئول عَنْ رَعِية

(تم میں سے ہر شخص راعی (یعنی نگراں) ہے اور تم سب سے اپنی اپنی رعیت کے متعلق (قیامت میں) سوال ہوگا۔)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ خبردار ہو جاؤ کہ تم سب کے سب اپنی اپنی رعیت کے نگہبان ہو اور تم سب سے اس کے متعلق سوال ہوگا۔ امام (خلیفہ) لوگوں (رعایا) کا نگہبان ہے لہٰذا اس سے رعایا کی نگہبانی کے متعلق سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے پس اس سے اپنی رعیت کے حقوق کا سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور اس کی اولاد کی نگراں ہے پس ان سب کے حقوق کی ادائیگی کا سوال ہوگا۔ غلام (خادم) اپنے مالک کے مال اور سامان کا محافظ ہے لہٰذا اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ غرض تم سب لوگ نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔ اگر چہ حقوق کی نوعیت ان سب میں مختلف ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان تمام لوگوں کو نصیحت فرمائی ہے جنکے ماتحت کچھ لوگ ہوں (یا جن کے تصرف میں کچھ چیزیں ہوں) کہ وہ اس کے حقوق کی رعایت رکھیں اور کوتاہی پر تنبیہ فرمائی ہے کہ قیامت میں حق تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ یہیں سے علماء نے فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنے اعضاء (یعنی ہاتھ۔ پاؤں۔ کان۔ زبان۔ آنکھ وغیرہ) اور اپنے حواس خمسہ پر بھی نگراں ہے اور اس سے قیامت میں ان کے متعلق یہی سوال ہوگا کہ کہاں استعمال کیا۔ اور کیونکر استعمال کیا۔ (۸۸)

راعی اور رعیت سے متعلق حدیث شریف کی تشریح کے ضمن میں فرماتے ہیں: الرعی کے معنی چرنا اور چرانا ہیں۔ کلام عرب میں راعی کے معنی ہیں دوسرے کی حفاظت اسکی مصلحت کے مطابق کرنا، پس لازم ہے کہ ہر فرد اپنی رعایا کی نگہبانی دینی اور دنیاوی دونوں قسم کی مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر کرے۔ (۸۹) مذکورہ حدیث میں حرام کاموں کو ممنوعہ علاقے سے تشبیہ دی گئی ہے کہ ان کاموں میں واقع ہونے سے منع کیا گیا ہے اور ان سے بچنا واجب ہے مشتبہ کاموں میں واقع

ہونے کو ممنوعہ علاقے کے اردگرد جانور چرانے سے تشبیہ دی گئی ہے، اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح چرواہے کو جانور ممنوعہ علاقے سے دور چرانے چاہیں کہ کہیں اس علاقے میں نہ چلے جائیں اسی طرح آدمی کو چاہیے کہ وہ مشتبہ کاموں سے دور رہے تاکہ وہ حرام کاموں میں نہ جا پڑے۔ (۹۰) چانکیہ کوتلیہ کے مطابق کیونکہ ایک پہیہ کبھی نہیں چل سکتا لہذا بادشاہ کو مشورے کے لیے گرد اور وزیر مقرر کرنا ہوں گے۔ (۹۱) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اہل الرائے اور اہل رزم کی پرورش کا عندیہ دے کر واضح کر دیا کہ بحران اور طوائف الملوکی میں ملٹری کمانڈر ریاستی سربراہ بطور نگراں کی حیثیت سے تعینات کیا جاسکتا ہے تاکہ تبدیلی کی راہ ہموار ہو۔ (۹۲) قرآن و حدیث کی رو سے فلسفہ ریاست وحکومت کا ماحصل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک بادشاہ نے ایک درویش سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کرو۔ اس نے کہا کہ جان لو کہ دنیا سے آخرت میں تم نے نیکی لے کے جانی ہے یا برائی۔ اب تمہیں خود اختیار ہے نیکی لے جاؤ چاہے برائی۔ یہ ایک نصیحت کے باب میں کافی ہے۔ (۹۳)

حاصل کلام یہ ہے کہ ریاست وحکومت کے ضمن میں آپ نے تاریخی وسیاسی استدلال کے ذریعے ریاست وسربراہ ریاست کی خصوصیات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی متنبہ کیا کہ ان کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے سربراہ کے حقوق مثلاً اطاعت، تعمیل اور امداد کریں نیز جہاں زیادتی محسوس کریں وہاں صبر کریں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ناسک، صلاح الدین۔ (۱۹۸۰ء)۔ افکار سیاسی مشرق ومغرب۔ لاہور: عزیز پبلشرز۔ ص ۳۴۸

۲۔ جعفری، سید اصغر علی شاہ۔ (۱۹۷۲ء)۔ مشرق ومغرب کے سیاسی افکار۔ لاہور: نیو بک پیلس۔ ص ۳۰۳

۳۔ افلاطون۔ (۱۹۳۵ء)۔ جمہوریہ۔ (مترجم، مرزا محمد ہادی صاحب)۔ دکن: مطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔ ص ۲۷

۴۔ افلاطون۔ (س ن)۔ ریاست یا تحقیق عدل۔ (مترجم، ذاکر حسین)۔ نئی دہلی: ساھتیہ اکیڈمی۔ ص ۱۶

۵۔ ارسطو۔ (۱۹۵۹ء)۔ سیاسیات۔ (مترجم، سید نذیر نیازی)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب۔ صص ۳۷۔۳۸

۶۔ مکیاولی، نکولو۔ (س۔ن)۔ بادشاہ۔ (مترجم، ڈاکٹر محمود حسین)۔ کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی۔ صص ۵۸-۶۹

۷۔ دہلوی، ولی اللہ (شاہ)۔ (۱۹۷۷ء)۔ حجۃ البالغہ۔ (مترجم، خلیل احمد اسرائیلی)۔ لاہور۔ ص ۶۲

۸۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ۔ (س ن)۔ ازالۃ الخفاء وعن خلافۃ الخلفاء۔ (مترجم، مولوی عبدالشکور)۔ لکھنو۔ ص ۴۰۳

۹۔ Crewhunt, R.N. (1951).Theory and Practice of Communsim.London. p 6

۱۰۔ برٹرینڈ رسل۔ ۱۹۹۱ء۔ ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی۔ (مترجم، ذکی احمد) کراچی: انڈس پبلی کیشن۔ ص ۵۹

۱۱۔ شاہین، رحیم بخش (پروفیسر)۔ (۱۹۸۳ء)۔ اقبال اور لادینی تصور ریاست۔ مقالات تصور ریاست اسلامی ۱۴۰۴ھ (مرتب: حکیم محمد سعید)۔ کراچی۔ ہمدرد فاؤنڈیشن۔ ص ۳۸۸

۱۲۔ بادشاہ۔ صص ۱۵۶۔۱۵۵

۱۳۔ Gibb,H.A.R. (1962). Studies in the Civilisation of Islam: Roultedge & Kegan Paul. p 20

۱۴۔ الذریات: ۵۶

۱۵۔ زیدان، عبدالکریم (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۰ء)۔ اسلام میں ریاست اور فرد کا مقام۔ لبنان: دارالقرآن الکریم۔ صص ۲۰۔۳۰

۱۶۔ ایضاً۔ صص ۳۲۔۳۳

۱۷۔ آل عمران: ۲۶.

۱۸۔ ابن کثیر، عمادالدین (امام)۔ (۱۹۸۴ء)۔ تفسیر ابن کثیر (ج ۱)۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت۔ ص ۴۴

۱۹۔ تاریخ حقی۔ (غیر مطبوعہ)۔ ص ۱ تا ۲ الف

۲۰۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ (۱۹۷۴ء)۔ تفہیم القرآن۔ لاہور۔ اداہ ترجمان القرآن۔ ص ۶۳۸

۲۱۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۲۷

۲۲۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۲)۔ ص ۱۱

۲۳۔ ایضاً (ج۔۲)۔ ص ۴۱۶

۲۴۔ الشوریٰ: ۳۸

۲۵۔ محمد اسد (لیوپولڈ وائس)۔ (۱۹۶۳ء)۔ اسلامی مملکت وحکومت کے بنیادی اصول۔ (مترجم، مولانا غلام رسول مہر) کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ صص ۷۶-۸۷

۲۶۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ (۱۹۷۴ء)۔ اسلامی ریاست۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت۔ صص ۶۳۸۔۶۴۲

۲۷۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۵۰

۲۸۔ Ahmed , Muhammad Aziz. (1975) . The Nature of Islamic Political Theory. Karachi :Ma'aref Ltd p 38)

۲۹۔ علی المتقی بن حسام الدین برھانپوری۔ (س ن)۔ کنز العمال (ج ۳) حدیث نمبر ۳۸۰۳

۳۰۔ اقبال، محمد (علامہ)۔ (۱۹۸۲ء)۔ کلیات اقبال (اردو)۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ ص ۳۳۲

۳۱۔ Gibb, H.A.R.(1962). Studies in the Civilization of Islam. p 20

۳۲۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۴)۔ صص ۷۸۰۔۷۸۹

۳۳۔ ایضاً۔ ص ۷۶۲

۳۴۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۲۵

۳۵۔ آداب الصالحین۔ ص ۲۵۲

۳۶۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۲۴

۳۷۔ Fawo el'-Adal, Samouhi. A Dictionary of Diplomacy and International (English-French-Arabic)Affairs. (Beirut: Maktabah

Lebanon,1974).p 403

۳۸۔ یوسف: ۲۵

۳۹۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۲۳

۴۰۔ Roberts, Robert.(1925). The Social Law of Islam . London: Williams and Nergate Ltd. p 4

۴۱۔ Zaydan , Jurji.(1907).Umayyads and Abbasides. English translation by D.F. Morgoliouth Leiden: E.J.Bill; London: Luzac & Co.Introduction pp3-4.

۴۲۔ Arnold,T.W.(1965). The Caliphate . London: Routledge & kegan Paul Ltd.p 203

۴۳۔ سنسکرت زبان میں اس لفظ کے معنی عظیم بادشاہ کے ہیں۔

۴۴۔ یہ لفظ بھی سنسکرت زبان کا ہے جس کے معنی بادشاہوں کا بادشاہ ہیں۔

۴۶۔ Ahmed . Manzooruddin. Islamic ...op,cit p 138

۴۶۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ ۔ (۱۹۵۱ء)۔ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات۔ رامپور: جماعت اسلامی۔ ص ۲۵

۴۷۔ Shah Rev.Ahmad. (1906). Miftah all-Quran Part I.(Benares: E.J.Lazarus & Co. p 202

۴۸۔ Ahmad ,Ilyas. Sovereignty,Islamic and Modern.(Karachi: Allies Book Corporation. p 6

۴۹۔ Carlyle,op.cit. p 149

۵۰۔ Watt. Muhammad at Medina....op.cit.pp78 142

۵۱۔ Carlyle, Sir R.W.,(n.d).A History of Medieval Political Theory in the west(Vol-I).London & Edinburgh : William Blackwood & Sons Ltd.pp 89-90

۵۲۔ Ibn Taimiyah, Taqi al-Din Ahmad, (1341 A.H). Minhaj-al-Sunnah.(Vol-II). Bulaq: pp112-113

۵۳۔ ibid, p 282

۵۴۔ مشکوٰۃ۔ باب الامارۃ

۵۵۔ محمد طیب (قاری)۔ (س۔ن)۔ الکلم الطیب۔ دیوبند: ادارہ تاج المعارف۔ ص ۹۸

۵۶۔ بخاری و مسلم، باب الامارۃ

۵۷۔ مقدمہ ابن خلدون۔ (ج۔۱)، ص ۲۲۲۔۲۱۹

۵۸۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۲۸

۵۹۔ al-Baghdadi, Abu Mansur'Abd al-Qahir.(1928) . Usul al-Din. Istanbul. p 365

۶۰۔ Abu Yusuf . (1302 A.H.). Kitab al -Kharaj. Bulaq. p 65 .

۶۱۔ Zaydan, Umayyads...... op.cit. p 41

۶۲۔ Studies in the Civilization of Islam . pp 10-14

۶۳۔ مومن کے ماہ و سال۔ صص ۴۲۔۳۵

۶۴۔ سعود، محمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۳ء)۔ اسلام میں امیر ریاست کے انتخاب کا طریقہ کار۔ مذاکرہ ہمدرد۔ صص ۳۰۶۔۳۰۷

۶۵۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۳۹

۶۶۔ ارتھ شاستر۔ ص ۲۸

۶۷۔ بادشاہ۔ ص ۴۲

۶۸۔ ایضاً۔ ص ۱۴

۶۹۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۲)۔ ص ۴۱۷

۷۰۔ دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ تاریخ حقی۔ (غیر مطبوعہ قلمی مخطوطہ) انڈیا: لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ ورق: ۱۰ (الف)

۷۱۔ نوریہ سلطانیہ۔ صص ۴۸۔۴۹

۷۲۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۹۷

۷۳۔ بادشاہ۔ ص ۸۳

۷۴۔ بادشاہ۔ ص ۱۲۴

۷۵۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۴۴

۷۶۔ ایضاً۔ صص ۵۱

۷۷۔ بادشاہ۔ صص ۱۱۷۔ ۱۱۸

۷۸۔ ایضاً۔ ص ۱۲۸

۷۹۔ نوریہ سلطانیہ۔ صص ۴۲۔ ۴۳

۸۰۔ ایضاً۔ ص ۴۳

۸۱۔ بادشاہ۔ ص ۹۲

۸۲۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۴۵

۸۳۔ ایضاً۔ ص ۴۴

۸۴۔ اشعۃ اللمعات۔ (ج۔ ۴)۔ صص ۷۳۲-۷۸۴

۸۵۔ ایضاً

۸۶۔ ایضاً

۸۷۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۵۱

۸۸۔ آداب الصالحین۔ صص ۴۹۔ ۵۰

۸۹۔۔ اسلامی ریاست ۔ ص ۴۱۴

۹۰۔ اشعۃ اللمعات۔ (ج۔ ۴)۔ صص ۴۴۔ ۴۳

۹۱۔ ارتھ شاستر۔ ص ۳۲

۹۲۔ Islamic Political....op.cit.p 231

۹۳۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۵۲

باب دوم فصل چہارم

نظریہ حکومت

کسی بھی سیاسی نظام کو مختلف کردار، ڈھانچے، نظام میں موجود مختلف علامتیں اور نفسیاتی عناصر اپنے باہمی تعلقات کی وجہ سے اثر انداز کرتے ہیں۔ جدید تقابلی سیاست کے مطالعہ میں نظام کا استعمال شدت سے عمل میں آیا ہے، روایتی مطالعہ کے تحت اسے حکومتوں یا بیرونی طاقتوں کی اصطلاحات کے حوالے سے بیان کیا جاتا تھا۔ نظام کا نظریہ سیاسی نظریے کو مزید واضح اس لیے کرتا ہے کہ اس میں علم الانسان اور علم عمرانیات کے افعالی نظریے کی جھلکیاں موجود ہیں۔

نظام سے مراد کسی بھی مملکت یا سیاسی معاشرے سے ہے لیکن اب علم سیاسیات میں نئی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے جس کے تحت ملک اور مملکت کو State اور Country نہیں کہا جاتا بلکہ سیاسی معاشرہ کہتے ہیں اور کسی بھی سیاسی معاشرے کی وضاحت یا مطالعہ کرنے کو سیاسی نظام کا نام دیا جاتا ہے۔ ڈیوڈ ایسٹن نے اسے سیاسی نظام اس لیے کہا ہے کہ روایتی طریقہ کار میں ملک (State) سے مراد وہ ادارہ تھا جس میں چار عناصر یعنی آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ موجود ہوں مگر ریاست کے تجزیے کے لیے اور بھی کئی علامتیں مشین کی طرح سیاسی معاشرے میں موجود ہوتی ہیں لہٰذا اگر کسی سیاسی نظام کا مطالعہ اندرونی طور پر کیا جائے تو مشین کے باقی پرزوں کو بھی دیکھنا ہوگا اور اس طرح اس سیاسی نظام کا پورا تجزیہ بآسانی سامنے آجائے گا۔ اس لیے اس نے اپنے مطالعہ میں جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دی وہ سیاسی نظام کے اندرونی حالات تھے جو اس کے کہنے کے مطابق دو عناصر پر مشتمل ہیں ایک عوام دوسرے حکومت۔ (۱)

مغربی سیاسی مفکرین نے مملکت سے متعلق پانچ نظریات قائم کیے ہیں۔ سر قبیلی حکومت، مادری حکومت، خدائی اختیارات کا نظریہ، نظریہ قوت، نظریہ میثاق (۲)

ہندوستانی ارسطو کوتلیہ چانکیہ حکمرانی کے مندرجہ ذیل چھ عوامل بیان کرتا ہے۔ بادشاہ، وزیر مملکت، قلعہ، خزانہ، سپاہ، حلیف (۳) مشہور مسلمان مفکر ابن ابی ربیع کے طابق ارکان مملکت

چار ہیں۔ بادشاہ، رعایا، عدل، تدبیر (۴) جبکہ علامہ ابن خلدون کے مطابق ہر حکومت کی بنیاد دوستونوں پر ہوتی ہے۔ فوج اور خزانہ (۵)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مطابق سلطنت کی عمارت کے چار ستون ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو یہ عمارت گر جائے گی اور مستحکم نہیں رہے گی۔

۱۔ خزانہ ۲۔ لشکر

۳۔ لشکر میں اتحاد و اتفاق ۴۔ عدل اور مخلوق پر ظلم و ستم ترک کرنا

یہ چاروں ارکان اپنی قوت اور مرتبے کے لحاظ سے متفرق ہیں۔ رکن لشکر خزانے سے قوی تر ہے چونکہ اگر خزانہ ہو اور لشکر نہ ہو تو سلطنت کا اصل مقصد دین و حکومت کے دشمنوں کو ختم کرنا اور ملک کے اہم امور کا انتظام کرنا ہے وہ حاصل نہ ہو گا۔ اگر لشکر ہو اور خزانہ نہ ہو تب بھی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور اگر دونوں ہوں تو پھر تو مقصد باتمام و کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر لشکر میں اتفاق لشکر کے وجود سے زیادہ قوی ہے۔ چونکہ اگر لشکر بہت ہو اور لشکر میں اتفاق نہ ہو اور ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور وہ لشکر جو تھوڑا ہو اور ان کے درمیان اتفاق و اتحاد ہو وہ اس بڑے لشکر پر غالب آجاتا ہے۔ لشکر کی زیادتی اور کمی لشکر کے اتفاق کے مطابق معتبر ہوتی ہے نہ کہ تعداد کے مطابق۔ چونکہ وہ لشکر جو کم ہے لیکن ہے متفق اور کسی قسم کی منافقت اور مخالفت اس میں نہیں ہے اور وہ لوگ جو بہت زیادہ ہیں اگر ہر ایک دوسرے کا مخالف ہے تو اس لشکر میں سے تمام لوگ ایک آدمی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ اگر ایک جماعت دوسرے کی مخالف ہو تو اس جماعت کی طرح ہیں جس میں منافق اور مخالف شامل ہیں پس لازمی طور پر ایک متحد اور خالص جماعت اس جماعت سے جو باہمی مخالفین پر مشتمل ہے بہتر اور کارآمد تر ہو گی۔ اگر لشکر بہت بھی ہو اور سب کے سب ظلم پر متفق ہوں تو یہ لشکر کی بہتات بہت بڑے خلل کا سبب ہو گی نہ کہ مملکت کے انتظام و اصلاح کا باعث بنے گی۔ وہ لشکر جو تھوڑا ہو لیکن سب کے سب عدل پر متفق ہوں تو وہ اس بہت بڑے لشکر پر جو ظلم کرنے پر متفق ہوں غالب آجاتا ہے خواہ وہ تھوڑا لشکر کافر ہی کیوں نہ ہو۔ (۶)

ارا کین سلطنت کے حصول کے طریقے

ا۔خزانہ: خزانے کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ رعایا آسودہ دل ہو تا کہ ناجائز مطالبے اور جھگڑے برپا نہ ہوں اور ان کی گردن پر بھاری بوجھ نہ ڈالے جائیں۔ اتنا ہی خراج لیا جائے جتنا شریعت نے مقرر کیا ہے۔ وہ معینہ رقم جو حاصل نہ ہو سکے وہ عوام کے ذمے نہ ڈالی جائے تا کہ عوام فارغ البالی، خوشحالی آسودگی خاطر اور دل جمعی کے ساتھ زراعت میں مشغول رہیں اور زمین کی اور مال کی آمدنی میں اضافہ کریں اور یہ بات مملکت کی ترقی اور خزانے کی زیادتی کا سبب بنے گی جو کچھ بھی کرے وہ شریعت کے مطابق کرے تا کہ حق کی رضا بھی حاصل ہو اور ثواب آخرت بھی پا سکے۔ سخاوت کی حقیقت یہ کہ دنیا کے مال و اسباب کو اپنی نظر میں کوئی اہمیت نہ دے اور رعایا سے جو کچھ وصول کرے حق کے مطابق وصول کرے، اس سے زیادہ نہ وصول کرے۔ زیادہ وصول کرنے کا لالچ اور ناحق مال طلبی دنیا کی محبت اور بخل کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (۷)

زیادہ ٹیکس وصول کرنے کے ضمن میں اس حدیث شریف سے استدلال فرمایا ہے کہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ (صحابی رسول ﷺ اور دور امیر معاویہؓ میں مصر کے والی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ٹیکس لینے والا جنت میں داخل نہ ہوگا یعنی جو لوگوں سے دسواں حصہ لیتا ہے۔ (۸)

شمس الائمہ امام السرخسی (۹) نے ایک اندھے کنویں میں بمقام اوزجند پندرہ سال کی قید محض اس وجہ سے کاٹی کہ انہوں نے حکومت وقت سے ٹکر لی کہ بعض محاصل خلاف قانون ہیں اور اس کے خلاف ایک تحریک بھی چلائی۔ جس پر ان کی گرفتاری ناگزیر سمجھی گئی۔ وہ چاہتے تو اپنے موقف واپس لے کر رہائی پا سکتے تھے، لیکن وہ اعلیٰ کردار کے فقیہ تھے اس لیے انہوں نے اپنے موقف سے انحراف نہ کیا۔ سرخسی خود لکھتے ہیں کہ وہ سچائی کے علمبردار ہونے کی وجہ سے گرفتار ہوئے۔ (۱۰)

حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ بھی عوام کے پاس جمع ہو وہ بھی حکومت کا خزانہ ہی ہے کہ ضرورت کے وقت ان سے بطور قرض لیا جا سکتا ہے اور عوام کی بہبود کے معاملات میں مثلاً بند بنانے، نہریں کھودنے پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ جزیہ (۱۱) جو کافروں (۱۲) سے شریعت کے مطابق لیا جاتا ہے وہ بھی بغیر ظلم و زیادتی کے لیا جائے۔ ساتھ ہی آپ نے اس بات کی وضاحت کی کہ

مسلمان کو نہیں چاہیے کہ دارالحرب میں کافروں کے درمیان جزیہ ادا کر کے قیام کرے اور جس کا دین اسلام کے مخالف ہے اسے دارالاسلام میں جزیہ ادا کیے بغیر قیام کی اجازت نہ دی جائے اور اسے اپنے دین کی ترویج و سربلندی اور اس دین کے شعائر کی تشہیر کی اجازت نہ دی جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کو نہیں چاہیے کہ کافروں کے درمیان جا کر رہے اور ذلت و خواری برداشت کرے اور کافر کو اس بات کی اجازت نہ دی جائے کہ دارالاسلام میں آئے اور جزیہ ادا نہ کرے ساتھ ہی کفر کی اشاعت کرے کہ ان دو صورتوں میں دین اسلام اور دین کفر، قوت و شوکت ہوں اور کافر کمزور اور ذلیل ہوں۔ (۱۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے عثمان بن احنف کو خطۂ فارس میں بھیجا کہ حد بلوغ میں داخل ہونے والے پر جزیہ مقرر کریں۔ انہوں نے امیروں اور غریبوں میں فرق کیا۔ احناف کے نزدیک مالدار پر ہر مہینے میں چار درہم، متوسط طبقے پر ہر مہینے میں دو درہم اور کمائی کرنے والے فقیر پر ماہانہ ایک درہم کے حساب سے جزیہ مقرر ہوگا۔ (۱۴)

جسطرح قرآن حجت ہے اسی طرح حدیث بھی حجت ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آگاہ رہو بے شک میں نے اللہ کی قسم کچھ باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور تمہیں وعظ و نصیحت کی ہے اور کچھ باتوں سے منع کیا ہے بیشک جو امر و نہی اور وعظ و نصیحت میں نے تمہیں کی ہے وہ قرآن کی مقدار جتنی ہے بلکہ اس سے زیادہ۔ پھر فرمایا، بے شک اللہ نے تمہارے لیے حلال و جائز نہیں کیا کہ تم لوگ اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو۔ انکی عورتوں کو مارنا حلال نہیں انکے پھل کھانا حلال نہیں جبکہ وہ تمہیں جزیہ اور خراج ادا کریں۔ (۱۵) اس طرح اور ٹیکس جو کانوں اور دفینوں سے وصول کیا جاتا ہے اس کا بھی یہی طریقہ ہونا چاہیے۔ ہر ایک کے لیے کوئی نہ کوئی حکم ہے اور ان کا مصرف بھی شریعت کی کتابوں میں بیان کر دیا گیا ہے کہ ان کو کیا کرنا چاہیے کسے دینا چاہیے کس پر خرچ کرنا چاہیے اور کہاں رکھنا چاہیے۔ پس خزانے کا جمع کرنا رعایا کی خوشحالی اور لشکر کے جمع کرنے کا سبب ہے۔ (۱۶) جوڈ، اپنی کتاب (Guide to the Philosophy of Morals and Politic) کے خاتمہ پر لکھتا ہے: اچھی زندگی سے

مفہوم یہ ہے کہ انسان مستقل اقدار کو حاصل کر سکے۔ مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ایسے حالات پیدا کرے جن میں ایک انسان کے لیے مستقل اقدار کا حصول ممکن ہو جائے۔ سوسائٹی کی ترقی کا یہی ایک پیمانہ ہے۔ (۱۷) جیسا کہ مذکور ہوا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا ''جو کچھ بھی کرے شریعت کے مطابق کرے۔'' اس ضمن میں سود کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔

اشعۃ اللمعات میں باب الربوٰ (سود کا باب) میں آپ نے مستقل طور پر تینوں فصلوں میں سود سے متعلق تشریحات فرمائی ہیں۔ (۱۸) سود کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لغت میں ربا کا معنی زیادتی ہے۔ یہ حروف جہاں بھی ہوں گے زیادتی کا معنی دیں گے۔ شریعت میں اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو اور نفس عقد میں اسکی شرط لگائی گئی ہو۔''

اسلام میں ربوٰ یعنی سود کی قطعی ممانعت ہے۔ سودی نظام میں انسانی محنت کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے اور روپے پیسے کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے، اور اسلام بہرحال عظمت انسانی کا علم بردار ہے۔ رباء کے متعلق حکم یہ ہے:

احل اللہ البیع وحرم الربوٰ (۱۹)

اللہ نے خرید و فروخت (تجارت) کو حلال قرار دیا ہے۔ (اور اس سے منافع حاصل کرنے کو جائز فرمایا ہے) لیکن سود کو (اور اس کے ذریعہ سے حاصل ہونے والے پیسے کو) حرام قرار دیا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں فرمایا ہے کہ: یمحق اللہ الربوٰ ویربی الصدقت واللہ لا یحب کل کفار اثیم (۲۰)

(اللہ سود کو نابود (برکت سے) کرتا اور خیرات کی (برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔)

ایسے لوگوں کو جو پچھلا سود چھوڑ دینے کے واضح احکام کے باوجود سود چھوڑنے پر تیار نہیں یہ سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ کہ ان کا یہ طریق کار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کو مترادف ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ میں مصروف

ہوں اللہ کے نزدیک ان کا مقام کیا ہوگا۔ سودی کاروبار کے بارے میں اہم نکتہ یہ ہے کہ:

لا تظلمون ولا تظلمون (۲۱)

(یعنی ایسا اقتصادی نظام اختیار کیا جائے جس میں) تم نہ ظلم کرنے والے بنو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں سود لینا جرم ہے وہاں سود دینا بھی سخت ناپسند فعل ہے۔ موجودہ دور میں ہم اپنی مجبوری ظاہر کر کے سود دینے کے لیے جواز کا راستہ تلاش کریں تو ظاہر ہے کہ ہماری یہ دلیل اللہ کے ہاں ہمارے لیے کارآمد نہیں ہوسکتی۔

نظام زکوٰۃ وعشر: اسلامی اقتصادی نظام میں نظام زکوٰۃ ایک کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ نظام حقیقت میں معاشرے کے اندر حسن اعتدال اور حسن توازن پیدا کرتا ہے۔ اس سے رزق حلال میں سے ایک مناسب حصہ ضرورت مندوں تک پہنچتا رہتا ہے۔

اشعۃ اللمعات میں آپ نے زکوٰۃ کی توضیح اسطرح کی:

زکوٰۃ لغت میں بڑھنے اور پاک کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ زکوٰۃ مال کے بڑھنے یا اسے طیب و پاک کرنے اور صاحب مال کے مال میں برکت اور اضافے کا موجب و ذریعہ ہے۔ اور اس سے صاحب زکوٰۃ گناہوں سے بھی پاک ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کو صدقہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ صاحب زکوٰۃ کے دعوی ایمان میں اس کے صدق کی دلیل ہے۔

واضح ہو کہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات عشر وغیرہ اور ان کے احکام وحدود میں حکمتوں اور مصلحتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو اہل فہم وبصیرت پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح تمام احکام شرعیہ میں اس قدر باریک حکمتیں ہیں جو حدو شمار سے باہر ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ زکوٰۃ وصدقات میں فقرا ومساکین کی رعایت اور ان کی خیر خواہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ زکوٰۃ وصدقات پہنچانے میں دیانت، امانت، رغبت، بے محنت ومشقت اور بے احسان جتلائے اور بے تکلیف دیے ان تک پہنچانے کی وصیت کرتے اور ترغیب دیتے تھے۔ (۲۲)

بیت المال: ساتویں صدی عیسوی میں خزانہ عامرہ کا کوئی تصور نہیں تھا۔ انگلستان میں یہ رواج چودھویں صدی میں اور دیگر مغربی ممالک میں اس کے بھی بعد شروع ہوا۔ اکثر مصنفین

مثلاً کوہن اور ٹارٹ وغیرہ نے چودھویں صدی میں، انگلستان کی حکومت کو سارے مغربی یورپ میں سب سے زائد عمدہ اور منظم قرار دیا ہے۔ (۲۳) شاہ کی ذاتی آمدنی اور ریاست کی آمدنی میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ریاست کی کل آمدنی بادشاہوں کو آمدنی سمجھی جاتی تھی بلکہ ایڈورڈ دی کنفیسیر (ایڈورڈ سوم، ۶۶۔۱۰۴۲ء) تو ملک کا سارا خزانہ صندوق میں مقفل کر کے اپنے بستر کے نیچے رکھا کرتا تھا۔ بعد میں چیمبر کا یہی تخیل چیمبر لین (شاہی افسر امور خانہ داری) کے عہدے سے بدل گیا۔ (۲۴)

سب سے پہلے دنیا کو خزانہ عامرہ کے ایک نئے تصور سے متعارف کرنے والی شخصیت پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات بابرکات تھی۔ بیت المال کے لفظی معنی تو مال کا گھر ہیں لیکن اسلام میں اس سے مراد اسلامی حکومت کا خزانہ کہا جاتا ہے جو جملہ مسلمانوں کی مشترک ملکیت ہوتا ہے۔ ہدایہ میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ بیت المال کا مال مسلمانوں کا مال ہے رسول کریم ﷺ کے ابتدائی دور حکومت میں ریاست کی آمدنی اور خرچ بمنزلہ صفر تھا۔ اس وقت حقیقی معنوں میں ''اپنی مدد آپ'' کے اصول پر عمل ہوتا تھا۔ مسلمانوں نے مل کر مسجد نبوی تعمیر کی تھی اور اس میں سادہ ترین سامان استعمال ہوا تھا اور اسی سے سیکریٹریٹ، پارلیمنٹ، عدالت، دفتر خارجہ، سرکاری مہمان خانہ کا کام لیا گیا۔ انتظامیہ کے عمال بغیر کسی معاوضہ کے خدمات انجام دیا کرتے تھے، نظام زکوٰۃ کے نفاذ کے بعد عاملین زکوٰۃ کو اپنے اخراجات لینے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس وقت نہ تو باقاعدہ فوج تھی اور نہ لڑائی کے موقع پر سپاہ کو کوئی تنخواہ ملتی تھی۔ فتح کی صورت میں وہ صرف مال غنیمت کی حق دار ہوتی تھی۔ رسالت کے آخری دور میں جب مال زکوٰۃ نیز بحرین، عمان اور یمن وغیرہ سے جزیہ اور خراج آنے لگا تو وہ مسجد نبوی میں اکٹھا کر کے تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس وجہ سے بیت المال ہمیشہ خالی رہتا تھا۔ جب کسی غزوہ کے موقع پر مال وسائل کی ضرورت ہوتی تو پھر یا تو اپنی مدد آپ کے اصول پر کام ہوتا جیسا کہ غزوۂ احزاب میں ہوا کہ ہر دس افراد کے ذمے ۲۰ گز خندق کی کھدائی کا کام سپرد کیا تھا جس میں خود حضور اکرم ﷺ نے بھی حصہ لیا یا چندہ عام کیا جاتا تھا جیسا کہ غزوۂ تبوک میں ہو جہاں

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کل اثاثہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصف اثاثہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار دینار اور تین سو اونٹ خدمت اقدس میں پیش کیے اور دوسرے مسلمانوں نے بھی حتی المقدور معاونت کی۔

اسلام میں مقروض کا بڑا خیال رکھا گیا ہے۔ صاحب جائداد اگر مقروض مر جائے تو پہلے متوفی کی جائداد سے اس کا قرض ادا کیا جائے پھر اس کی جائداد وارثوں میں تقسیم کی جائے۔ اگر مقروض نادار مرے تو اس کے قرض کی ادائی بیت المال سے ہوگی۔ ابتدا میں بیت المال میں کچھ نہ ہوتا تھا تو مقروض مسلمان کی موت پر اس کے قرابت دار یا عام مسلمان اس کے قرض کی ادائی کی ذمہ داری لیا کرتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ مقروض کی نماز جنازہ تک نہ پڑھاتے تھا۔ لیکن جب حالات بدل گئے تو یہ ذمہ داری حکومت نے اپنے سر لے لی۔

"حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ، اگر کوئی مسلمان قرض دار ہو کر مر جائے تو میں (یعنی حکومت بذریعہ بیت المال) اس کا قرضہ ادا کروں گا اور اگر اس کے پاس کچھ مال ہو تو اس کے حق دار اس کے وارث ہوں گے۔"(۲۵)

ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنے ایک مضمون میں اسی موضوع پر ایک اور امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "سود کی ممانعت عہد نبوی کے آخری احکام میں سمجھی جاتی ہے اور خوش باش لوگوں کو قرض حسنہ کے احکام رسالت مآب ﷺ کی وفات سے بہ مشکل سال بھر پہلے کے ہیں اس لیے عہد نبوت میں اس کا کوئی خصوصی ادارہ قائم نہ ہو سکا۔ اگرچہ عہد فاروقیؓ میں اس کا عام رواج ہو گیا تھا حتیٰ کہ عورتیں تک تجارتی اغراض کے لیے بیت المال سے قرض لیا کرتی تھیں۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان کا نام اس سلسلے میں قابلِ ذکر ہے۔(۲۶)

۲۔ لشکر: لشکر کا جمع ہونا بھی خزانے کے جمع ہونے کا سبب ہے کیونکہ جتنا لشکر زیادہ جمع ہوگا شہروں کی فتح بھی زیادہ ہوگی ملک خوشحال ہوگا اور خزانہ زیادہ ہوگا۔(۲۷) ایک موقع پر آپ نے لشکر سے مراد عوام بھی لیا ہے۔ لکھتے ہیں:

اگر عوام کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے تو ان کا وجود بھی بطور لشکر ہی ثابت ہوگا۔ ہر علاقے

میں جہاں دس ہزار گاؤں ہوں اور ہر گاؤں سے ایک سوار تصور کیا جا سکتا ہے یوں اس علاقے سے دس ہزار سوار مل سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے اور جتنے زیادہ آسودہ ہوں گے اتنے ہی فوجی بھی زیادہ ہوں گے۔

بارعیت صلح کن وز جنگ خصم ایمن نشین
زانکہ لشکر شہنشاہ عادل رارعیت لشکر است

(عوام سے صلح کر لو اور دشمن کی جنگ سے محفوظ ہو جاؤ کیونکہ انصاف دوست بادشاہ کے لیے رعایا ہی اس کا لشکر ہے۔)(۲۸)

مذکورہ بات کی دلیل میں نوریہ سلطانیہ صفحہ ۷۰ پر ایک تاریخی حکایت پیش کی ہے کہ عمرو لیث کو شکست اسکی سختی، بدخلقی، کینہ پردازی اوعوام کی نفرت کی وجہ سے ہوئی تھی۔ غزوہ ذوات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی معرفت کاروانی اور بہادری کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ اس دوران میں ایک امر میں اختلاف کی بناء پر حضرت عمرؓ نے مداخلت کی تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اے عمرؓ! اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ نبی ﷺ نے انہیں جنگ کا شائستہ کار اور جنگی تدابیر کو جانتے ہوئے امیر لشکر بنایا ہے۔ (۲۹)

دور اکبری میں سرحدوں کی حفاظت کے علاوہ فوج کا ایک بہت بڑا گروہ ملک کے ہر صوبے میں مختلف کاموں پر مامور تھا۔ (۳۰)

سپاہیوں کی خصوصیات اور ان سے سلوک کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

سپاہی زراعت کی طرح ہیں انہیں غلط قسم کی گھاسوں سے پاک رکھنا چاہیے تاکہ پھل دیں۔ بہادروں کو بزدلوں سے علیحدہ رکھنا چاہیے تاکہ وہ بہادری کا کام کر سکیں۔ کیونکہ بزدلوں کی صحبت سے بہادر آدمیوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ نیز لشکر کے ساتھ میل جول اعتدال کے ساتھ کرنا چاہیے۔ انصاف اور برابری کا طریقہ جاری رکھا جائے افراط و تفریط اس معاملے میں مضر ہوتی ہے اور بغض و عداوت پید کرتی ہے۔ (۳۱)

چیف آف اسٹاف (فوج کا سپہ سالار) کی خصوصیات کے بارے میں لکھتے ہیں:

لشکر کے سردار کا دل ایسا ہونا چاہیے کہ اس میں حیوانات کی نو خصلتیں ہوں۔ اس کی غیرت مرغ کی طرح، عوام پر شفقت چوزوں سے مرغی کی محبت کی طرح، شیر کی طرح شجاع، بھیڑیے کی طرح غارت گر، سور کی طرح حملہ آور، کتے کی طرح صابر، کاموں کا انتظام و انصرام کلنگ کی طرح، مکر و حیلہ لومڑی کی طرح اور کوّے کی طرح ہوشیار ہو۔ (۳۲)

۳۔ لشکر میں اتحاد و اتفاق: لشکر میں اتفاق دو طریقوں سے ممکن ہے ایک اللہ کے کرم سے جو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی اور کرم سے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ موافقت و اتحاد پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں رسول اکرم ﷺ کو خطاب کیا ہے اے محمد ﷺ اے میرے دوست یہ محبت الفت جو میں نے تیرے دوستوں اور تیری اُمّت میں پیدا کی ہے تم یہ مت سمجھو کہ تم نے ایسا کیا ہے اگر میں یہ بات تم پر چھوڑ دیتا کہ تم خود یہ کام کرو تو تم سارے جہان کے خزانے بھی صرف کر دیتے تب بھی تم ان کے دلوں میں دوستی نہ پیدا کر سکتے، البتہ یہ میرا ہی کام ہے کہ میں نے انہیں الفت بخشی ہے اور ان کے دل ایسے ہو گئے ہیں گویا ایک ہیں اور کفر و گمراہی کے آثار کو مٹانے میں سب متفق ہیں۔ مثلاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق و اتحاد ہر معاملے میں بے حد تک تھا۔ دوسرا طریقہ لشکر کے اتفاق کا یہ ہے کہ لشکر کے سرداروں اور لشکر کو یہ علم ہو کہ امیر کی اطاعت اور فرمانبرداری خواہ دشوار ہو خواہ آسان، دین کا ایک رکن ہے اور ان کی مخالفت کرنا گناہ عظیم اور دین و دنیا کے فتنے کا سبب ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے خواص میں وہ عالم تکریم کے دہشت زدہ ہیں۔ نا امید مت ہو کہ حق کی رحمت عام ہے۔ مغرور بھی مت ہو کہ خواص بھی خوفزدہ ہیں۔

لشکر کے اتفاق اور اس کی اطاعت کا ایک سبب امید و خوف بھی ہے۔ بادشاہ کی بارگاہ سے کہ جہاں پر امن و سلامتی کا راستہ خوف و رجا کے درمیان ہو اگر ان دونوں میں سے ایک نہ ہو تو اطاعت و فرمانبرداری پر عمل کرنا ممکن نہ ہوگا خوف و رجا دونوں ہی ہونے چاہیے تا کہ معاملہ درست ہو اگر تمام تر خوف ہو تو دلوں میں نفرت پیدا ہوگی محبت نہیں ہوگی۔ اگر تمام تر امید ہوگی اعتماد اور دوستی دونوں چیزیں پیدا ہوں گی۔ بادشاہ کو چاہیے کہ خوف میں بھی، غصہ کرنے میں بھی

امیدوار بنانے اور مہربانی کرنے میں بھی طریقہ اعتدال اختیار کرے اور اختیار و اعتدال کے دائرے سے باہر نہ جائے۔ بادشاہ اپنے فرمانبرداروں پر اس طرح غصہ کرتا ہے جس طرح باپ بیٹے پر کبھی اسے مارتا ہے تاکہ خوف زدہ ہو اور کبھی اس کی آنکھوں سے آنسو پونچھتا ہے۔ سختی اور نرمی دونوں ہی باہم بہتر ہیں جس طرح جراح کہ زخم بھی لگاتا ہے اور مرہم بھی رکھتا ہے۔ (۳۳)

۴۔ عدل اور مخلوق پر ظلم و ستم ترک کرنا: عدل کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ تمام کام شریعت کے حکم کے مطابق کرے اور دیندار علماء کے قول کو جو حیلہ گری اور فتنہ انگیزی سے پاک ہوں عمل میں لائے اور بادشاہان عادل کے طور طریقوں کو اپنی نظر میں رکھے اور ان کے حالات و واقعات سنے۔ عقل کو شریعت کے مطابق اور خواہش کو دین کے تابع کر دے۔

بہ بی حکم شرع آب خوردن خطاست
واگر خون بفتوی بریزی رواست

بغیر شریعت کے حکم کے پانی پینا بھی غلطی ہے لیکن دین کے فتویٰ کے مطابق اگر خوں ریزی کرو پھر بھی جائز ہے۔ (۳۴)

آپ حکومت میں عوامی نمائندے کی شرکت کو ناگزیر سمجھتے ہوئے ابو داؤد کی ایک حدیث شریف کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اے قدیم تم کامیاب ہو اگر تم اس حال میں فوت ہو کہ تم نہ تو امیر کے منشی ہو اور نہ سردار ہو“۔ مذکورہ حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک کسی امیر کے منشی نہ ہو۔ دوسرے سردار یعنی قوم کا وہ نمائندہ جو حکمران کے پاس عوام کے اوصاف بیان کرے۔ (۳۵)

سلطنت کی عظمت، دبدبہ اور کاموں، کا انحصار تین باتوں پر ہے۔ رعایا کی بے فکری، فوج کی خوشحالی، اور علماء کی تعظیم تمام عدل اور ترک ظلم و ستم کا خلاصہ یہی ہے۔ (۳۶)

عادل حکمران کی ایک اور اہم خاصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عادل حکمران وہ ہے کہ جب کوئی شخص انہیں رعایا میں انصاف کرنے کے بارے میں کلمہ حق کہے تو اسے قبول کرلیں۔ (۳۷)

رسول اکرم ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء نے بہ حسن و خوبی ایک عظیم الشان سلطنت میں اس

قوانین کا نفاذ کیا۔ فقہاء جو کہ آزاد قانونی ماہرین تھے وہ اس بات کے ذمہ دار تھے کہ حالات و واقعات کے مطابق اسلامی قوانین کی تشریح کریں قاضی، اُمت میں ان قوانین کے مطابق فیصلے کرنے اور صحیح قانون کا کلی اختیار رکھتے تھے اور صاحب الشرطہ اور محتسب پر انہیں رائج کرنے کی ذمہ داری تھی اسطرح مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کا تصور اور علیحدگی اختیارات کے قوانین شروع سے ہی اسلامی ریاستوں میں رائج تھے جسکی تشریح بعد میں مانٹسکیو نے اپنے نظریۂ علیحدگی اختیارات میں کی۔ (۳۸)

ڈیوڈ ایسٹن کے مطابق، مطالبات وضروریات جو معاشرے میں پیدا ہوتی رہتی ہیں جب سیاسی نظام میں داخل ہوتی ہیں تو In Put کی حیثیت رکھتی ہیں اور جب یہ سیاسی نظام سے فیصلے یا پالیسی کی صورت میں دوبارہ معاشرے میں واپس آجاتی ہیں تو Out Put کہلاتی ہیں، سیاسی اصطلاح میں اس عمل کو Conversion Process کہا جاتا ہے۔ سیاسی نظام کے تجزیے کے لیے آلمنڈ نے Input اور Output کے افعالوں کی وضاحت سے کی ہے جسے دو افعالی نہج کے نام سے پکارتا ہے آلمنڈ نے ان دو نکات کو واضح کو طور پر پیش کرنے کے لیے ان کے علیحدٰہ علیحدٰہ انجام دینے والے افعال کا بھی تفصیلاً جائزہ لیا ہے (۸)۔ آلمنڈ کے مطابق اندرونی و بیرونی ماحول سے پیدا شدہ Input کے افعال چار حوالوں سے عمل میں آتے ہیں جو Input Functions کہلاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(i) سیاسی ثقافت اور سیاسی معاشی تربیت: ثقافت کا وہ حصہ جو سیاست کو متاثر کرے سیاسی ثقافت کہلاتا ہے اور سیاسی معاشی تربیت وہ طریقہ کار ہے جو افراد کو مختلف طریقوں کے ذریعے سیاسی ثقافت میں ملوث کرتا ہے

(ii) تشکیل مفادات: مطالبات کا تشکیل کیا جانا ہے۔ اسے عام طور پر پریشر گروپ کہا جاتا ہے

(iii) اجتماعِ مفادات: مطالبات کا ایک مجموعی حیثیت رکھتے ہوئے سرگرمیوں کی طرف بڑھنا ہے۔

(iv) سیاسی مراسلات وتربیت: نظام کی مختلف سیاسی سرگرمیوں کو سیاسی نظام اور ماحول کے

درمیان پہنچا[۳] ہے۔

آلمنڈ کے مطابق Output افعال تین ہیں

(i) قانون بنانا: اس کے معنی مقتدرانہ قوانین کا قائم ہونا ہے۔

(ii) قانون نافذ کرنا: قوانین کا لاگو اور نافذ کیا جانا ہے۔

(iii) قانونی عدالتی تصفیہ کرنا: قوانین کا قانونی عدالتی تصفیہ کرانا ہے۔(۳۹)

۱۔قانون بنانا (مقننہ): انسان کی سیاسی، عمرانی اور اقتصادی ضرورتیں ہنگامی ہوتی ہیں، اور ان میں برابر تغیر ہوتا رہتا ہے اس لیے مومن کو گنتی کے بنیادی سیاسی اُصول بتا دیئے گئے ہیں۔ ان کے سوا دستور اور قانون سازی کی سرگرمیوں اور حکومت کے کاروبار کا وسیع دائرہ اس کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ وقتی حالات کے مطابق اجتہاد کی روشنی میں قانون بنائے جائیں البتہ یہ ضروری ہے کہ جو وضع وہیئت اور ادارے ترتیب دیئے جائیں وہ اجتماعی زندگی کے متعلق شریعت کے واضح قوانین کے عین مطابق ہوں۔ شریعت کے واضح نصوص اور بنیادی اصولوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ذیلی قانون سازی کی اجازت ہے۔

اسلامی قانون سازی کے بنیادی تصورات: اللہ تعالیٰ نے بحیثیت مقتدر اعلیٰ انسان کو کچھ اختیارات دیکر زمین پر مبعوث کیا۔ قانون سازی کرنے کے اختیارات میں دو تصورات بطور خاص شامل ہیں۔

۱۔رعایا سے اطاعت کا مطالبہ: اسلام میں بادشاہ، خلیفہ، امیر المومنین، چیف ایگزیکٹیو یا سربراہ مملکت جو بھی وہ کہلائے لامحدود اختیارات کا حامل نہیں ہے۔(۴۰) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے:

یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (۴۱)

(اے ایمان والوں حکم مانو اللہ اور حکم مانو رسول اللہ کا اور انکا جو تم میں حکومت والے ہیں)

آیت مذکور میں مسلمانوں پر اولی الامر کی اطاعت ان کے اختیارات کی حد تک واجب ہے مشہور حنفی مفکر امام جار اللہ الزمخشری فرماتے ہیں: اولی الامر سے مراد امراء الحق ہیں۔ امراء

الجور اللہ اور اس کے رسول سے بری الذمہ ہیں اور انکی اطاعت واجب نہیں۔ خلفاء راشدین کا یہ معمول تھا کہ وہ جب خلافت کا حلف لیتے تو یہ کہتے تھے کہ اس وقت تک اطاعت کرو جب تک میں تمہارے درمیان عدل و انصاف کروں اور اللہ کے حکم کی پابندی کرتا رہوں اور اگر ہم نے ان امور کی مخالفت کی تو آپ لوگوں پر ہماری اطاعت ضروری نہیں۔ (۴۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے امیر کی اطاعت کرو چاہے تمہارا امیر ایسا حبشی غلام بنایا گیا ہو جس کا سر انگور کے خشک دانے جیسا ہو۔ (۴۳) پھر خطبہ حجۃ الوداع کے خطاب میں فرمایا:

اگر تم پر ناک کٹا سیاہ فام غلام بھی امیر مقرر کیا گیا ہو جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کر رہا ہو تو اسکی بات سنو اور اسکی اطاعت کرو۔ (۴۴)

مغربی مفکرین کے مطابق نشہء اقتدار وہ بلا ہے جس سے انسانی قلب کی ہر حرکت اُلٹی ہو جاتی ہے۔ ہر شے ٹیڑھی نظر آتی ہے۔ ہر نقطہ نگاہ باطل ہو جاتا ہے۔ ہر فیصلہ میں ذاتی رجحانات کی رنگ آمیزی ہو جاتی ہے۔ ہر معاملہ میں تعصب دخیل ہو جاتا ہے۔ تمام ذہنی سکے فریب کی ٹکسال میں ڈھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ پُر فریب اقتدار دل و دماغ پر مستولی ہو جاتا ہے۔ (۴۵) والٹرلپ مین اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: انسان اس دنیا کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں جو پہلے ہی سے موجود ہے۔ اس لیے اس کے کنٹرول کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ایسے نظم میں دخل اندازی ہے جو ان کے اختیارات اور فہم سے بلند ہے۔ (۴۶)

۲۔ اجتماعی حکومت کا تصور: اسلام کسی فرد کا حکومت کی بجائے تمام مسلمانوں کی اجتماعی حکومت قائم کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ما كان لبشر ان يؤتيه الله الكتب والحكم والنبوة ثم يقول
للناس كونوا عبادا لي من دون الله ولكن كونوا ربانين (۴۷)
(کسی بشر کا کام یہ نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت

سے سرفراز کرے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کی بجائے میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی بنو۔)

مذکورہ اُصول ہر طرح کی آمریت کی نفی کرتا ہے۔ اقتدار قوت اور طاقت کا مظہر ہوتا ہے اگر کوئی اپنی من مانی خواہشات کو بذریعہ قانون، لوگوں کی زندگی میں داخل کرے تو یہ غلط ہے۔ اس کے رد میں مشاورت کا زریں اصول دیا گیا ہے۔

مشاورت: اسلام میں فرد کو اس حد تک تو آزادی ہے کہ وہ اپنی نجی زندگی کے فیصلے اپنے فہم اور شعور کے مطابق کرے لیکن جب وہی شخص اجتماعی مسائل حل کرنے پر مامور ہوتا ہے تو یہ اصول بھی شامل ہو جاتا ہے کہ اس کی شخصی رائے کا احترام تو کیا جائے لیکن ایک شخص پر انحصار کرنے کے بجائے بہت سے افراد کو شامل کیا جائے۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:

شاور هم فی الامر (۴۸)

(اے نبی ﷺ) معاملات میں ان کو (اپنے ساتھیوں کو) بھی شریک رکھو۔)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ لیتے نہیں دیکھا۔ (۴۹) دوسری طرف مشورہ دینے والے پر آپ نے بڑی بھاری ذمہ داری عائد کی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

ان المستشار مو تمن (۵۰)

(بے شک وہ امین ہے جس سے مشورہ طلب کیا جائے)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لاخلافة الاعن مشورة (۵۱)

(مشورے کے بغیر کوئی خلافت نہیں)

یوں مشاورت سے دو اہم طریق فوائد ہو جاتے ہیں۔ اجتماعی ذمہ داری اور مکمل معلومات کا حصول۔ اختلاف رائے کے حق کا احترام، اہل ترین افراد کا انتخاب، انفرادی آراء پر اجتماعی آراء کی فوقیت، عزم صمیم اور اللہ پر توکل، احکام الٰہی کی پابندی اور ملکی دستور، مشاورت کے لوازمات ہیں۔

اسلام کا نظام قانون سازی : شریعت کے اصول سامنے رکھتے ہوئے اسلامی ریاست کے تینوں اجزا (مقننہ، انتظامیہ، عدلیہ) اپنے اپنے شعبوں میں قانون سازی کے مجاز ہیں۔ جس کا دائرہ کار کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ مقننہ کے ذریعے قانون سازی: کسی ملک کی مجلس قانون ساز کوئی قانون منظور کرنے کے بعد اس کی تنفیذ کے لیے انتظامیہ کو مختار بنا دیتی ہے۔ مجلس قانون ساز کے پیش نظر جو کچھ بھی رہا ہوتا ہے اس کی روح کو قانون کے الفاظ میں سمو دیا جاتا ہے۔ رہا تنفیذ کا عمل تو اس کے لیے مجلس، انتظامیہ کو قواعد وضع کرنے کا اختیار دے دیتی ہے۔

اسلامی نظام میں ریاست کی مقننہ، قرآن وسنت کے احکام کی تنفیذ کے لیے قواعد وضع کرتی ہے۔ مقننہ کا پہلا کام یہ ہے کہ قرآن وسنت کے واضح احکام کو رائج کرنے کے لیے مناسب لوازم کا اہتمام کرے۔ ان احکامات کو نافذ کرنے کیلیے مجلس قانون سازی کر سکتی ہے۔ اس کے لیے چاہے آئینی تبدیلی، ایکٹ یا قواعد کی اصطلاحات استعمال کی جائیں، مقصد بہر حال قرآن وسنت کے احکام کی تنفیذ ہے۔ اسی طرح قرآن وسنت کے بعض احکام کی ایک سے زائد تشریحات ممکن ہیں۔ یہ اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے اس لچک کا اہتمام کیا ہے۔ یہ تشریحات تبدیل شدہ ظروف اور پیمانوں کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں۔

اسلامی ریاست کی مجلس قانون ساز کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ تدبر اور غور کے بعد اس بات کا تعین کرے کہ قرآن سنت کی کون سی تشریح ملکی حالات کے مطابق ہے۔ اس تعین کے بعد مناسب قانون سازی باآسانی کی جا سکتی ہے۔ کسی زمانے میں مجلس قانون ساز کے سامنے بالکل نئے معاملات بھی آسکتے ہیں جن کی کوئی نظیر پہلے نہ ملتی ہو۔ ایسی صورت میں مجلس کو از خود نئے قوانین وضع کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ یہ قوانین اسلامی تعلیمات اور مقاصد شریعہ سے متصادم نہ ہوں۔ (۵۲)

۲۔ انتظامیہ کے ذریعے قانون سازی: جدید ریاستی تنظیم میں انتظامیہ بہت سے امور میں قانون سازی اور عدالتی کاروائی کے اختیارات رکھتی ہے مثلاً عدالتی کاروائی کے حوالے سے سرکاری

ملازمین کی کارکردگی اور انضباط کے قواعد کے تحت ۔ انہیں مناسب سزا دے سکتی ہے۔ ان کی ملازمت ختم کرسکتی ہے۔ کم تولنے والے دکانداروں کو بااختیار افسر موقع پر جرمانے کرسکتے ہیں۔ محصول چنگی ادا نہ کرنے والوں کو جرمانے کرنے کے اختیارات بھی انتظامیہ اپنے پاس رکھتی ہے۔

کئی میدانوں میں انتظامیہ قانون وضع کرنے کے اختیارات بھی رکھتی ہے۔ جیسے ملازمین کی تنخواہ اور دوسرے الاؤنس اور مراعات کا تعین وغیرہ۔ انتظامیہ بعض عوامی نوعیت کے امور میں بھی قانون وضع کرتی ہے جو عام طور پر قواعد وضوابط کی ذیل میں آتے ہیں۔ مثلاً درآمد برآمد سے متعلق پالیسی وضع کرنا، درآمدی وبرآمدی اشیاء پر ٹیکس لگانا، مختلف سرکاری خدمات جیسے بجلی، گیس ٹیلی فون اور پانی مہیا کرنے کے بارے میں طریقہ کار وضع کرنا قانون سازی ہی کی مثالیں ہیں۔

قانون سازی کی ایک اور قسم بھی انتظامیہ کے پاس ہوتی ہے جس کے مطابق انتظامیہ کسی علاقے کو کچھ وجوہ کی بنا پر آفت زدہ یا پس ماندہ قرار دے کر وہاں کے لوگوں کو کچھ مراعات دے سکتی ہے۔ کسی علاقے کو ٹیکس فری زون قرار دے کر وہاں کاروبار یا صنعت کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

۳۔ عدلیہ کے ذریعے قانون سازی: جدید دور کی ریاست میں عدلیہ بھی کئی میدانوں میں قانون سازی کا فرض انجام دیتی ہے مثلاً دستوری شعبوں میں ابہام ہونے کی صورت میں ان کی تشریح عدلیہ کا فرض اولین ہے۔ مشورہ طلب کرنے پر ملک کی عدالت عظمیٰ حکومت کی معاون ومشیر بھی ہوتی ہے۔ بعض ملکوں میں اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کے لیے ضابطہ اخلاق مرتب کرنے کے لیے مختلف ناموں سے کوئی نہ کوئی ادارہ بھی موجود ہوتا ہے۔ جیسے پاکستان میں سپریم جوڈیشل کونسل عدلیہ کے ارکان پر مشتمل ایک ادارہ ہے۔(۵۳) جو عدلیہ کے معزز ارکان کے رویوں کے بارے میں ضابطہ اخلاق مرتب کرتا ہے نیز عدالتیں کئی ایسے معاملات کی نشان دہی کرتی ہیں جن میں ملکی قانون خاموش ہوتا ہے۔ لاتعداد معاملات میں قانون کے خشک اور بے جان الفاظ روزمرہ کے معاملات میں بے بس ہوتے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کی تشریح ماتحت عدالتوں کے لیے آئندہ کے لیے بطور نظیر کام آتی ہے۔ یہ تمام شکلیں

کسی نہ کسی پہلو سے قانون سازی ہی کی مختلف صورتیں ہیں جو ہر ملک ۔ میں اس کے دستور کے مطابق کم وبیش ہوسکتی ہیں۔

اسلامی ریاست میں عدلیہ کے ذریعے قانون سازی کے ضمن میں دوسرا اصول یہ ہے کہ وضع کیا جانے والا قانون، اُمتیازی نہ ہو۔ ایک عام فرد کے لیے جو پابندیاں اور سزائیں مقرر کی جائیں، کوئی بڑے سے بڑا عہدے دار حتیٰ کہ سربراہ مملکت بھی اس سے بچا ہوا نہ ہو۔ کسی شخص کا دعویٰ اگر سربراہ مملکت کے خلاف ہو تو قاضی کو ایسے اختیارات حاصل ہوں کہ وہ سربراہ مملکت کو عدالت میں طلب کر سکے۔ (۵۴)

ماقبل اسلام قبائل کے قوانین تحریری طور پر موجود نہ تھے۔ مروجہ قوانین میں قرآن وسنت نے اصلاحات کیں۔ ابتدائی غیر تحریری قوانین سنت کہلائے۔ اس لیے شریعت کے تین عناصر قرار پائے ماقبل اسلام کے رواجات، قرآنی احکامات اور رسول اکرم ﷺ کی سنت جن کی بناء پر ابتدائی اسلامی ریاست میں قانون شریعت نافذ ہوا۔ یہ اصطلاح تیکنیکی اعتبار سے عدلیہ میں ابتک رواج نہیں پائی تھی۔ فقہ کا لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا تھا اور اس میں تمام مذہب کے بنیادی عقائد شامل تھے اور اسطرح ایک جامع قانونی نصاب تشکیل پاتا گیا۔ (۵۵)

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں دین وشریعت کے اصول تین ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ

۲۔ سنت رسول اللہ ﷺ

۳۔ فریضہ عادلہ

فریضہ عادلہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وہ فریضہ جو قوت وثبوت میں کتاب وسنت کی طرح ہو۔ اس میں اجماع اور قیاس کی طرف اشارہ ہے جو مستند اور کتاب وسنت سے اخذ کیا گیا ہو۔ اس وجہ سے اسے کتاب وسنت کے مساوی وبرابر کہہ دیا گیا ہے اور اسے لفظ فریضہ سے تعبیر کیا تاکہ تنبیہہ ہو کہ اس پر عمل کرنا بھی ویسے ہی واجب وضروری ہے جس طرح کتاب وسنت پر عمل کرنا ضروری ہے تو حدیث کا حاصل معنی یہ ہوا کہ دین کے اصول چار ہیں۔ کتاب،

سنت، اجماع اور قیاس۔ (۵۶)

اجماع اور قیاس کی وضاحت کے لیے درج ذیل حدیث نقل کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن بھیجا تو فرمایا: جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم کیسے فیصلہ کرو گے۔ آپ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا: اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ تو؟ عرض کیا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا: اگر تم رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی نہ پاؤ، عرض کیا میں اپنے قیاس سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہیں کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر دست اقدس مار کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے ہر تعریف ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندے کو اس چیز کی توفیق دی جسے رسول اللہ ﷺ پسند کرتے ہیں۔ (۵۷)

این پی اگانیڈز اس بات کی توضیح اس طرح کرتے ہیں: مسلم قانون کے چار بنیادی ذرائع ہیں۔ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس (اجتہاد) مذکورہ چاروں ذرائع کو فقہاء ماخذ، عادلہ اربعہ یا اصول (بنیاد) کہتے ہیں۔ (۵۸)

اجتہاد کی تعریف: لغت میں اجتہاد کا معنی ہے مشقت کا برداشت کرنا، اصطلاح میں فقہ کے حکم شرعی کا ظن حاصل کرنے کے لیے اپنی قوت صرف کر دینے کو اجتہاد کہتے ہیں۔ علماء اصول کے مطابق مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے اپنی پوری کوشش صرف کر دینا ہے، اسی طرح علامہ تفتازانی نے توضیح کی شرح (تلویح) میں فرمایا کہ انسان اپنی پوری طاقت اس طرح خرچ کر دے کہ اس سے زیادہ کی قوت اپنے اندر محسوس نہ کرے، اگر غیر فقیہہ حکم شرعی کی معرفت کیلیے اپنی کوشش صرف کرتا ہے یا فقیہہ (مجتہد) حکم شرعی قطعی کی معرفت یا غیر شرعی حکم کا ظن حاصل کرنے کے لیے اپنی قوت صرف کرتا ہے تو وہ اجتہاد نہیں ہے۔

اجتہاد کے لیے شرائط: اجتہاد کے لیے چار امور کے علم کا جامع ہونا شرط ہے۔

ا۔ کتاب یعنی ''قرآن پاک کے معانی لغت اور شریعت کی رو سے جانے'' لغت کے اعتبار

سے اس طرح کہ مفردات اور مرکبات کے معانی اور بحیثیت مفید ہونے کے ان کو خواص جانے، اس مقصد کے لیے اسے لغت، صرف، نحو، معانی اور بیان کی حاجت ہوگی، ہاں اگر وہ پیدائشی عرب ہو، تو اسے ان علوم کی حاجت نہیں ہوگی۔

۲۔ سنت کی اتنی مقدار جو احکام سے متعلق ہے، ان کے لغوی اور شرعی معانی اور ان کی اقسام کا علم ہو جیسے قرآن پاک کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، نیز احادیث کے متون اور ان کی سندوں کو جانے، یہ بھی جانتا ہو کہ وہ حدیثیں سند کے اعتبار سے متواتر، مشہور ہیں یا اخبار آحاد، اسی طرح اسے راویوں کے احوال، جرح و تعدیل اور ان کی ولادت اور وفات کی تاریخوں کا علم ہو، اصول حدیث میں بیان کئے گئے قواعد اور استدلال و استنباط کے قوانین کا علم بھی رکھتا ہو۔ ہاں اس زمانے میں راویوں کے احوال کی معرفت کے سلسلے میں مستند محدثین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام احمد، امام ابوداؤد اور صحاح ستہ کے باقی مصنفین وغیرہم کی تعدیل و توثیق پر اعتماد کر لے تو کافی ہے۔

۳۔ قیاس کی شرائط، اس کے احکام و اقسام کا علم ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ کونسا قیاس مقبول اور کون سا مردود ہے تاکہ صحیح استنباط کر سکے۔ منطق اور علم الخلاف میں بیان کردہ طریقے کے مطابق مفید مطلوب طریقے پر دلائل کی ترتیب اور صحیح طور پر نظر و فکر کی کیفیت کی معرفت بھی اسی میں داخل ہے، بعض اوقات یہ معرفت سلیقے اور فطرت ہی سے حاصل ہو جاتی ہے، منطق کی حاجت نہیں ہوتی۔

۴۔ ان مسائل کی معرفت بھی ضروری ہے جن پر اجماع ہو چکا ہے، تاکہ مجتہد کا اجتہاد اجماع کے خلاف واقع نہ ہو، جس طرح کتاب و سنت سے قیاسوں کا استنباط کیا جاتا تھا۔ اسی طرح مجتہد کو صحابہ کرامؓ کے اقوال اور ان کے بیان کردہ احکام کا علم بھی ہونا چاہیے، یہ ان حضرات کے نزدیک ہے جو صحابہ کرامؓ کی تقلید اور اتباع کو ضروری قرار دیتے ہیں، مثلاً امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین، خصوصاً ان کے اختلاف کے مقامات کو جانتا ہو، کیونکہ اگر اختلاف کی صورت میں ان کے صرف دو قول ہیں تو تیسرے قول کی نفی لازم ہوگی، اسی کو اجماع مرکب

کہتے ہیں۔

۵۔ امام رازی کے مطابق اجتہاد کے لیے ایک اور شرط یہ ہے کہ وہ اصول دین اور عقائد کلامیہ کو جانتا ہے۔ اس کلام کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ اجتہاد کے لیے عقائد کلامیہ کا ہونا شرط ہے اگرچہ نقل اور تقلید کے طور پر ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان کا مقصد یہ ہو کہ عقائد کو علم کلام کے دلائل اور عقلی براہین سے جانے، جیسے کہ ان کا حق ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶۔ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اصول فقہ کا قوی علم رکھتا ہو، امر و نہی، خصوص و عموم، استثناء تخصیص اور، نسخ کے تمام احکام، تاویلات، ترجیحات اور قیاس کے تمام احکام کا علم رکھتا ہو، اسی طرح امام رازی نے بیان کیا، مقصد یہ ہے کہ ان تمام قواعد کی رعایت کرے جن کا استنباط میں دخل ہے۔

آخر میں اجتہاد سے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کے مکمل طور پر منظم اور مرتب ہونے سے اجتہاد کا معاملہ منظم ہو چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل ہو چکی ہے، اس کے بعد اب اجتہاد کی حاجت نہیں رہی اگر کوئی عالم اجتہاد کرنا چاہتا ہے تو اسے ائمہ کے اجتہادی فیصلوں میں اجتہاد کرنا چاہیے جیسے کہ اجتہاد فی المذہب کی شان ہے۔ (۵۹)

قانون نافذ کرنا (نظمیاتِ عامہ)

''بیوروکریسی'' (انتظامیہ) ایک ایسا عمومی لفظ ہے جو عام طور پر لوگوں کے اذہان میں یقینی طور سے ایک منفی تاثر رکھتا ہے یہ حکومت کی دیگر عمومی تنظیموں کی طرح ایک آہستہ رو تنظیم خیال کیا جاتی ہے جو عوام کی خدمت کرتی ہے اور تحکم محتاط رکاوٹ اور اپنے اختیارات کے لیے بے جا استعمال کا آمیزہ ہوتی ہے۔ (۶۰)

نظمیات عامہ کی چند تعریفات:

☆ پروفیسر ایل ڈی وائٹ نظمیات عامہ سے مراد وہ تمام امور ہیں جو عوام الناس کی بہتری کے لیے سرانجام دیئے جائیں۔ بشمول ایسے امور جو پبلک پالیسی سے متعلق ہوں۔

☆ پفنر: نظمیات عامہ سے مراد وہ سرکاری افعال ہیں جو لوگوں کی مشترکہ کوششوں اور رابطے سے انجام پاتی ہیں۔

☆ گلیڈن: یہ حکومت کی انتظامیہ ہے۔

☆ ہاروے واکر انتظامیہ سے مراد حکومتی امور ہے جو قانون کے نفاذ کے لیے سر انجام دیئے جاتے ہیں۔

☆ مارشل ایڈیمک: نظمیات عامہ سے مراد پبلک پالیسی کے نفاذ کا طریقہ کار ہے ایسی پالیسی جو اتھارٹیز کے ذریعے وضع ہوتی ہیں یہ علم مسائل اور قوت (پاور) سے بحث کرتا ہے۔ اور اسکے ساتھ ساتھ حکومتی ایجنسی جو قانون بناتی ہیں اور انہیں نافذ کرنا چاہتی ہے ان کی تیکنک اور آرگنائزیشن سے بھی بحث کرتا ہے (۶۱)

مذکورہ تعریفات کی روشنی میں مغربی نظمیات عامہ کے دو اہم پہلو ہمارے سامنے ابھر کر آتے ہیں۔

ا۔ نظمیات عامہ کا پہلو براہ راست گورنمنٹ سے متعلق ہے اس پہلو میں عام طور سے سرکاری احکامات، سرکاری منصوبہ بندی اور سرکاری فیصلوں سے بحث ہوتی ہے۔

۲۔ دوسرا پہلو ہمیں براہ راست عوام سے متعلق نظر آتا ہے بلا مبالغہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پبلک ایڈمنسٹریشن کا اطلاق عوام پر ہوتا ہے اور اسی لیے بڑے پیمانے پر آرگنائزیشن ترتیب پاتی ہیں جسمیں مختلف لوگ مختلف طریقوں سے حصہ لیتے ہیں۔ (۶۲)

ہر حکومت کو اپنی پالیسیاں نافذ کرنے کے لیے افسران کے ایک رسمی شعبے کی ضرورت ہوتی ہے جس کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ حکومت کے بنائے گئے قوانین اور مختلف فیصلوں کو حکومت کی جانب سے دی گئی ہدایات کے مطابق عوام پر نافذ کرے، حکومت میں بہت سے افراد ان

فرائض کو انجام دیتے ہیں جنہیں انتظامیہ کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسے افسران صدر، وزیر اعظم، جج، سپاہی، پولیس، کلرک وغیرہ جیسے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ انتظامیہ دو قسموں میں منقسم ہوتی ہے۔ پہلی سیاسی انتظامیہ اور دوسری نوکر شاہی یا بیوروکریسی۔

سیاسی انتظامیہ: اس میں ان افراد کا شمار ہوتا ہے جو مملکت کے واحد سربراہ ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے چند مشیر ہوتے ہیں۔ ان کا کام حکومت کے تمام فیصلوں کو عوام پر نافذ کرنا ہوتا ہے۔ مگر ان کے اختیارات اس قدر وسیع ہوتے ہیں کہ بعض اوقات یہ خود حکومت میں اپنے قانون نافذ کرنے لگتے ہیں۔ ان کے پاس حکومت کے دیئے ہوئے ذاتی اختیارات بھی ہوتے ہیں۔ جس کے سہارے یہ قانون سازی کا فرض بھی انجام دے سکتے ہیں جو سیاسی نظام کے اپنے طریقوں پر منحصر کرتا ہے۔ ان کا ایک اہم فعل ملک کی لیڈر شپ ہوتا ہے یہ اپنے ملک میں، اپنے عوام کی نمائندگی کرتے ہیں اور بیرونی ممالک میں عوام کی جانب سے اپنے ملک کی نمائندگی کرتے ہیں۔

نوکر شاہی یا بیوروکریسی: انتظامیہ کے ڈھانچہ کا دوسرا حصّہ نوکر شاہی ہے جو حکومتی انتظامیہ کی دیکھ بھال کے فرائض انجام دیتی ہے اور جسے انتظامیہ کی تنظیم کو سنبھالنے کے لیے نیا نام بیوروکریسی دیا گیا۔ بیوروکریسی انتظامیہ کا وہ حصّہ ہے جو براہ راست سیاسی انتظامیہ کے اقتدار کے تحت اپنے فرائض انجام دیتی ہے اور سیاسی انتظامیہ کے تشکیل دیئے ہوئے قوانین اور فیصلوں کو فافذ کرنے کا فعل ادا کرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیوروکریسی کا ادارتی مقصد حکومت کے فرائض کو انجام دینا ہے۔ بیوروکریسی کے ہاتھوں میں اختیارات خود بخود آجاتے ہیں اور وہ اس طرح کہ انتظامی چیف اکیلا سارے کام انجام نہیں دے سکتا لہٰذا وہ اپنے کئی امور ماتحتوں کے سپرد کرتے ہوتے ان پر انحصار کرنے لگتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف فنی ماہرین سیاسی نظام کے پہلوؤں سے متعلق معلومات مہیا کرنے کا فرض ادا کرتے ہیں۔ (۶۳)

اسلامی نظمیات عامہ: اسلامی نظام ریاست میں انتظامیہ عوام سے کوئی الگ تھلگ تنظیم نہیں ہوتی بلکہ عوام ہی سے ہوتی ہے اور عوام ہی سے ابھرتی ہے۔ بنیادی اوصاف مناسب تعلیم اور

عمدہ تربیت کی بناء پر قوم کے اندر ایسی عمومی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں کہ پوری قوم ایک خصوصی کردار کی حامل ہو جاتی ہے اور اگر تمام افراد نہیں تو افراد کی اکثریت اس قابل ہو جاتی ہے کہ انتظامی امور کی ذمہ داریوں سے بحسن وخوبی عہدہ براہ ہو۔ زمانہ قدیم ہی سے نظمیات عامہ اور انتظامیہ کو ایک فن سمجھا جانے لگا تھا غالباً اس موضوع پر سب سے پرانی کتاب ''دی افیس'' رومی مفکر سیسرو (۱۰۶ تا ۲۳ قبل مسیح) کی ہے۔ پھر ماوردی، ابویعلی، نظام الملک طوسی، ابن خلدون، اطالوی فلاسفر مکیاولی اور دربار اکبری کے نورتن ابوالفضل نے اس موضوع پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انتظامیہ کو علم کی ایک مستقل شاخ بنانے کا سہرا فی الوقت جرمنی کے مفکر میکس ویبر (م ۱۹۲۰ء) کے سر باندھا جاتا ہے۔

ویبر نے ان پانچ قدیم انتظامیوں کا ذکر کیا ہے

الف۔ مصر قدیم، نئی سلطنت کے دور میں جس میں ارثی عنصر بہت نمایاں تھا۔

ب۔ بعد کی رومی شہنشاہیت، بالخصوص کلیسائی ریاست اور بازنطینی ریاست، جس میں جاگیردارانہ اور ارثی عناصر بہت قوی تھے۔

ج۔ رومن کیتھولک کلیسا بالخصوص تیرہویں صدی کے اواخر سے یہاں اسقف اعظم اور ان کے حوارین ہی کا بول بال تھا۔

د۔ چین کی انتظامیہ جس کا آغاز شی ہوانگ شی (قبل مسیح) سے ہوا اور جس کا سلسلہ نویں صدی کے اوائل تک چلتا رہا۔ اس میں ارثی اور وظیفہ خوار راہبوں کا پہلو نمایاں تھا۔

ہ۔ جدید سرمایہ دارانہ نظمیات جہاں پیمانہ کار بہت بڑا اور نوعیت کار کافی پیچیدہ ہوگئی۔ (۶۴)

ویبر نے موجودہ بیوروکریسی کے مختلف پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لیا بلکہ تاریخ کی قدیم اور نیم قدیم انتظامیوں کا بھی ذکر کیا ہے، مگر اس نے اسلامی انتظامیہ کی کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد احمد قادری لکھتے ہیں:

> شورائیت کے ساتھ انتظامی معاملات کے چلانے کا موجد اسلام ہی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھ کر ایک باقاعدہ تنظیمی

ڈھانچے کا آغاز کیا۔ اس طرح اسلامی نظمیات عامہ کی اساس ڈکٹیٹر شپ کے اصولوں پر نہیں بلکہ باہمی مشاورت اور جواب دہی کے اصولوں پر ہے۔ (۶۵)

اپنے فاضل مقالے کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:

مجملاً اگر کہا جائے تو یہ بے جا نہ ہوگا کہ اسلامی نظمیات عامہ نے مغربی ترقی یافتہ اقوام کو بیشتر اصول مدون کر کے دیئے۔ اسلامی نظمیات عامہ اپنی خصوصیات اور ہمہ گیریت کی وجہ سے نہ صرف نظری موضوع ہے بلکہ اس کا عملی پہلو بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ بات کہی جا سکتی ہے اسلامی نظمیات عامہ ایک نظری و عملی پہلو کی حیثیت رکھتا ہے۔ (۶۶)

اسلامی نظمیات عامہ کی خصوصیات

۱۔ جان و مال کی حفاظت

۲۔ ذاتی ملکیت کا تحفظ

۳۔ عقیدے کی آزادی

۴۔ شخصی آزادی

۵۔ قانونی مساوات

۶۔ معاشرتی مساوات

۷۔ قرضوں کی ادائیگی

۸۔ نیک افعال سرانجام دینا

۹۔ قیام عدل

۱۰۔ انسداد جرائم و منشیات

۱۱۔ سیاسی شعور

۱۲۔ سیاسی تمدن کا ارتقاء

۱۳۔ ووٹ کی اہمیت

۱۴۔ جواب دہی کا تصور

۱۵۔ مصلحت دینی

۱۶۔ قرآنی احکام کا مکمل طور پر نفاذ

۱۷۔ اسلامی قانون فوجداری و دیوانی پر عملدرآمد

۱۸۔ شورائی فیصلہ سازی

۱۹۔ قومی وحدت

۲۰۔ جذبۂ حب الوطنی کا فروغ

۲۱۔ ملک و قوم کا خدمت

۲۲۔ جمہوری روایتوں کا فروغ (۶۷)

عمالِ حکومت: ہر اکیلا سربراہ حکومت کمزور ہوتا ہے۔ اس پر حکومت کا بھاری بوجھ ہوتا ہے اس لیے اسے اپنے جیسے انسانوں کی مدد درکار ہوتی ہے اسے اپنی ضروریات زندگی اور دیگر امور کے لیے ان کی خدمات کی ضرورت ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ اسے اپنی سیاسی قیادت قائم رکھنے اور خدا کے ان بندوں کی نگرانی کے لیے جو اس کی تحویل میں دیئے گئے ہیں دوسروں کی امدادی خدمات کی کتنی ضرورت ہوتی ہے۔ (۶۸)

دوتن پرور ای شاہِ کشور کشائی　　یکی اہل رزم و دگر اہل رائی (۶۹)
بشمشیری یکی یا دہ تواں کشت　　برا یی لشکر یرا بشکند پشت (۷۰)

اے بادشاہ سلامت! دو آدمیوں کی پرورش کر، ایک اہل رائے کی اور دوسرے اہل رزم کی۔ تلوار سے ایک یا دس کو قتل کیا جاسکتا ہے لیکن رائے اور تدبیر سے ایک لشکر کو شکست دی جاسکتی ہے۔ (۷۱)

امام غزالی کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ خلیفہ تمام خصوصیات کو پوری کرے ہاں اگر خلیفہ علماء ، امراء و منتظم جیسے وزیر، امیرالجیش (سپہ سالار، وزیر دفاع) اور دوسرے اگر وہ خلیفہ کی بنیادی تعلیمات و تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، ہاتھ بٹاتے ہیں تو خلیفہ اپنی کابینہ کے ساتھ باضابطہ دستوری تقاضے پورے کرسکتا ہے۔ (۷۲)

شجاعت تلوار کی طرح ہے اور مشورہ ہاتھ کی طرح ہے۔ جس آدمی کے ہاتھ میں تلوار نہیں ہے وہ کچھ کرسکتا ہے لیکن اگر ہاتھ نہ ہو تو وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ پس اگر دونوں ہو تو نور علی نور ہیں۔ (۷۳) مرزبان نامہ میں مذکورہ قول کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

الرای قبل شجاعة الشجعان　هو اوّل وهي المحل الثاني (۷۴)

(دلیر مردوں کی دلیری سے پہلے رائے اور تدبیر ہے رائے کا مقام پہلے ہے اور شجاعت کا مقام بعد (دوسرا) میں ہے۔)

داناؤں نے کہا ہے کہ قلم سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں ہے کیونکہ تمام کارہائے گزشتہ اسی کے ذریعے دوبارہ جمع کر کے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ قلم کی فضیلت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ خود خدائے تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی ہے:

والقلم وما یسطرون (۷۵)
(قلم اور ان کے لکھے کی قسم)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم (۷۶)

(مجھے زمین کے خزانوں پر کر دے بے شک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔)

آیت مذکور کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ میں فرماتا ہے کہ مجھے زمین کے خزانے دے دے کیونکہ میں کاتب ہوں اور ان کا حساب رکھتا ہوں۔ کتابت زرگری جالینوس نے کہا ہے کہ قلم الفاظ کا طبیب ہے، اور ایک یونانی دانا نے کہا ہے کہ قلم میں سحر بند ہے سکندر نے کہا ہے کہ دنیا دو چیزوں کے ماتحت ہے، تلوار اور قلم اور تلوار قلم کے ماتحت ہے۔ (۷۷)

امام غزالی قلم و تلوار (اہل الرائے اور اہل رزم) کی توضیح اس طرح کرتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ تلوار اور قلم، دونوں حکمران کی ملک گری کے اوزار ہیں۔ ہر حکومت کے دور کے آغاز میں، جب لوگ اپنی حکومت جمانے میں مصروف ہوتے ہیں حکمران کو قلم کی نسبت تلوار کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے ایسے حالات میں قلم محض حکمران کا ملازم اور اس کے اختیارات قائم کرنے میں ایک عامل کا کام دیتا ہے جب کہ تلوار ٹھوس امداد دیتی ہے۔ اور جب کوئی دور یا حکمرانی ختم ہونے لگتی ہے تو اس زمانے میں بھی یہی حال ہوتا ہے۔ قومی یک جہتی کا احساس کمزور ہو جاتا ہے اس کمزوری کی وجہ سے اس حکومت کی حمایت کرنے والوں کی اور ان افراد کی جو احساس قومیت کی اساس ہوتے ہیں تعداد کم ہو جاتی ہے اس حالت میں حکمران کو فوج کی طاقت کے استعمال پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے اس وقت حکمران کو اپنی حفاظت اور اپنے اختیارات قائم رکھنے کے لیے تلوار کی اتنی ہی ضرورت پڑتی ہے جب یہ حکمران اپنے آپ کو شروع میں مستحکم بنا رہا تھا ان دونوں صورتوں میں تلوار کو قلم پر برتری حاصل ہوتی ہے ان حالات میں فوج، پولیس اور جاسوسی کا رتبہ اونچا ہو جاتا ہے۔ انہیں اہل قلم کی نسبت زیادہ سہولتیں اور جاگیریں دی جاتی ہیں۔ (۷۸) خط و کتابت کا قلم، جس کے معنی ہیں ٹیکس کی وصولیابی، تنخواہوں کی ادائیگی، وزیر جنگ کے دفتر کا نگران اعلیٰ، تلوار کی کئی ذیلیں ہیں، مثلاً جنگی

کارروائیوں کے شعبے کا افسر اعلیٰ، پولیس کا افسر اعلیٰ، پرچہ رسانی اور ڈاک کا افسر اعلیٰ (جس کا کام نہ صرف ڈاک بھیجنا، بلکہ سراغ رسانی اور جاسوسی بھی تھا) اور سرحدی علاقوں کا ناظم اعلیٰ۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث فرماتے ہیں: ایک آدمی کو کئی کام نہیں سونپنے چاہیں، دوسرے ملازمین کو یہ بات اچھی نہیں لگتی اور چند آدمیوں کو ایک کام نہیں سونپنا چاہئے چونکہ جب کئی آدمی ایک کام میں شریک ہوں تو وہ کام حسب مراد انجام نہیں پائے گا۔ اگر دونوں آپس میں مل جائیں تو خیانت پیدا ہوگی اور اگر ایک دوسرے کے مخالف ہوں گے تو بدانتظامی وجود میں آئے گی۔ (۷۹)

عمال کا انتخاب

کتب تواریخ میں ۱۲۱۵ء کے منشورِ آزادی (میگنا کارٹا) کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے جو انگریزوں نے بادشاہ جان سے حاصل کیا جس کی رو سے انگریز قوم کو شخصی، سیاسی اور کلیسائی آزادی حاصل ہوئی، یہ منشور تو ایک چھوٹی سی قوم کا داخلی معاملہ تھا حالانکہ انسانیت کو منشور اعظم اس سے کوئی چھ سو سال پہلے ذی الحجہ ۱۰ھ/۶۳۱ء میں حجۃ الوداع کے موقع پر دیا گیا۔ محسن انسانیت نے اس موقع پر جو خطبہ دیا اس کا لب لباب یہ تھا کہ ''سب کا رب ایک، سب کا باپ ایک، لہٰذا کسی کو وطن، قوم، نسل یا رنگ کی بناء پر فوقیت حاصل نہیں بلکہ انسان کو برتری صرف تقویٰ کے سبب ہے۔ اس منشور نے پرانے اعتقادات، عبادات، سیاست، معیشت، انفرادی اور اجتماعی امور سب ہی کو بدل دیا۔ انسانیت میں برتری کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی لہٰذا اقربا پروری، خاندانی رشتوں، رنگ نسل سب کو نظر انداز کر کے محض ذاتی قابلیت اور شخصی کردار کو اہمیت دی گئی۔ چنانچہ والیوں، عاملوں، محصلوں اور جرنلوں کے انتخاب میں ان باتوں کو بطور خاص مدنظر رکھا گیا نہ اس سلسلے میں سفارش قبول کی جاتی تھی اور نہ کسی شخص کی ذاتی خواہش پر اس کا تقرر کیا جاتا تھا۔ سرکاری خدمات کو امانت سمجھا جاتا تھا اور اس امانت کا بار کمزور یا ضعیف افراد نہیں اٹھا سکتے تھے۔ عمال حکومت کو ان کے معارف اور اگر گھر، بیوی اور غلام نہ ہو تو اس کی فراہمی بھی حکومت کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ جو کوئی اس سے زائد لے وہ خائن تھا نیز ان لوگوں کو تحائف لینے کی بھی ممانعت تھی۔ (۸۰) اس دور میں خواندگی کا رواج تو بہت کم تھا اس

وجہ سے تحریری امتحانوں کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ البتہ تقرر سے پہلے امتحان لیا جاتا تھا۔ مثلاً جب حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا عامل بنانے کی تجویز ہوئی تو ان کو بلا کر امتحان لیا گیا اور جب وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو ان کا تقرر ہوا۔ اس امتحان میں مندرجہ ذیل امور شامل کیے گئے تھے۔

(الف) علمیت	(ب) قابلیت
(ج) دیانت	(د) قوانین سے واقفیت

(ہ) قوت فیصلہ کا امتحان (۸۱)

اس طرح ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جہاں عدل و انصاف کا بول بالا تھا اور رشوت، ریاکاری، نفس پروری، ظلم و تعدی ناپید تھا۔ جہاں موروثی عہدوں کی گنجائش نہ تھی۔ اور جہاں انتظامیہ کے عہدے دار قانون کی حدود میں مطلقاً آزاد تھے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ سرکاری ملازمین کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر کوئی ملازم بے محل بات کرتا ہے تو اسے سننا نہیں چاہیے ایسے شخص کو جسے اچھی طرح آزمانہ لیا جائے اسے اپنا معتمد نہیں بنانا چاہیے اور اپنا راز اس سے نہیں کہنا چاہیے چونکہ بارگاہ سلطانی کے ملازمین آپس میں رشک و حسد رکھتے ہیں ایک کی بات دوسرے کے حق میں نہیں سننی چاہیے۔ سب کو دوستی، الفت اور اتفاق کی ترغیب دینی چاہیے۔ ملازمین اور مقربین میں سے بنیادی بات موافقت ہے۔ (۸۲)

آگے چل کر فرماتے ہیں:

سات قسم کی جماعتوں کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دینا چاہیے اور انہیں اپنا مقرب نہیں بنانا چاہیے۔

(۱) حاسد (۲) بخیل (۳) کمینہ (۴) غیبت کرنے والا (۵) جھوٹ بات کرنے والا (۶) نمک حرام اور (۷) فضول باتیں کرنے والا (۸۳)

مذکورہ اوصاف رذائل اس بات کو صاف طور پر واضح کرتے ہیں کہ ایک عامل میں ان کی

موجودگی نہ صرف خود اس کے لیے بلکہ سربراہ حکومت اور عوام کے لیے نقصان دہ ہے نیز ان کی موجودگی میں کوئی بھی منتظم اپنے ادارہ کو کامیابی سے نہیں چلا سکتا۔

قانونی عدالتی تصفیہ کرنا (عدلیہ): جدید تقابلی سیاست کے مطالعہ میں عدلیہ ایک اہم ادارہ ہے جس کا لازمی مقصد قوانین سے متعلق عدالتی تصفیہ کرانا، فیصلے دینا اور انکی حفاظت کرنا ہے۔ کسی بھی سیاسی نظام کا اہم اصول افراد پر اقتدار کو نافذ کرنا ہوتا ہے جسے افراد اخلاقی اور قانونی طور پر قبول کریں۔ یہ قوانین معاشرے میں نافذ کیے جاتے ہیں اور اپنی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھتے ہوئے معاشرہ انہیں قبول کر لیتا ہے۔ سیاسی نظام میں قانونی عدالتی فیصلے کا فعل یہ ہے کہ وہ اس بات کا ممکنہ حد تک خیال رکھے کہ معاشرے میں ان قوانین کی خلاف ورزی نہ کی جائے اور خلاف ورزیوں سے متعلق سزائیں متعین کر لے۔

قانونی عدالتی تصفیے کے بنیادی طور پر دو فرائض ہوتے ہیں پہلا یہ کہ سیاسی نظام میں مقننہ اور انتظامیہ کے ڈھانچوں پر اس کا کنٹرول قائم رہے کہ قوانین جائز طور پر بنائے اور نافذ کیے گئے ہیں یا نہیں۔ دوسرے الفاظ میں عدالتی تصفیے کا کردار تقسیم اختیارات کے نظریئے کے تحت تحدید اور توازن کا ہے اس کا بنیادی فعل سیاسی نظام کے قوانین، رسم و رواج اور روایتوں کی حفاظت کرنا ہے لہٰذا قانونی عدالتی تصفیے کا دوسرا فرض عوام کے درمیان کسی بھی قسم کے تصادم کو ختم کرنے یا سلجھانے سے متعلق معاملات پر فیصلے دینے کا ہے یعنی عدالتی کاروائی اور انصاف کے فرائض یہ ادارہ یا ڈھانچہ ہی انجام دیتا ہے۔ ان دونوں فرائض کو ادا کرنے میں سیاسی نظام میں دو علامتیں یا عناصر موجود ہوتے ہیں۔ ایک عدلیہ بحیثیت ادارہ اور دوسرا جج۔ عدلیہ ایک عمارت ہوتی ہے جہاں بنائے جانے والے اصول، قوانین اور روایتوں کے پس منظر میں ادارہ اپنے فرائض انجام دینے میں مصروف رہتا ہے جبکہ دوسرا عنصر جج بحیثیت ایک انسان کے ہے۔ یہ اس ادارے میں اپنے عہدے کے تحت عدالتی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ عدالتی طریقۂ کار کی کاروائی کا منتظم اعلیٰ ہوتا ہے اور اسی طرح سرکاری طور پر عدالتی اختیارات کے فرائض انجام دیتا ہے۔ لہٰذا ایک جج بیک وقت معاشرے میں دو طرح کے کردار ادا کرتا ہے ایک بحیثیت

معاشرے کے عام فرد کے، جس میں وہ باپ، بھائی بیٹا، رشتہ دار، دوست، کچھ بھی ہوسکتا ہے اور دوسرا بحیثیت ایک ادارے کے جہاں وہ جج ہونے کی حیثیت سے قانون کی حفاظت کرتا ہے اور سیاسی نظام کے بنائے ہوئے قوانین کی روشنی میں تنازعات سے متعلق صادر کرتا ہے۔

ریاست کے تینوں شعبوں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ میں جبتک عدلیہ کو برتری حاصل نہ ہوگی قیام عدل وانصاف اور امن وامان ناممکن ہوگا۔ قوانین کتنے ہی بہتر کیوں نہ ہوں، انتظامیہ کیسی ہی مستند اور مضبوط کیوں نہ ہو لوگوں میں اختلاف اور خصومات بہرحال پیدا ہوجاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے حقوق کی حفاظت کو باقی تمام امور پر ترجیح دیتا ہے پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے حقوق سے زیادہ وصول کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان حالات میں جب تک صحیح اور بروقت فیصلہ نہ ہو، حق دار کو اس کا حق نہ دلوایا جائے، مظلوم کی دادرسی نہ کی جائے ریاست میں امن کا قیام ناممکن ہے۔

شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ میں مملکت کے ارتقاء کے ضمن میں فرماتے ہیں: تمدن وترقی، معاشرتی اقدار کی بلندی اور سیاسی تنظیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ بعض اوقات بخل وحسد ریاء وکبر اور غصب حقوق کے جذبات بھی ترقی کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے عمدہ اور پائیدار امن وامان نظام عدل پر ہی موقوف ہے اور عدل اانصاف کا قیام ہی سب سے اہم فریضہ ہے۔

لارڈ ڈیننگ اپنی کتاب روڈ ٹو جسٹس میں کہتے ہیں: اگر انصاف موجود ہو تو پھر برے اور ظالمانہ قوانین کی موجودگی میں بھی ایک ریاست سلامت رہ سکتی ہے لیکن اگر انصاف موجود نہیں تو کوئی بھی ملک زیادہ مدت تک سلامت نہیں رہ سکتا۔

مکیاولی، جو حکومت کے مخالفین کو کسی صورت معاف کرنے کا قائل نہیں، وہ بھی عدل و انصاف کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے کہ ''جہاں تک ممکن ہو عدل وانصاف کے تقاضے پورے کیئے جائیں۔

سیوامی دیانند نے انصاف کے بارے میں کہا ہے کہ اگر عدل وانصاف کو تباہ کیا گیا تو وہ اپنے تباہ کرنے والوں کو تباہ وبرباد کردے گا اور اگر عدل وانصاف کو محفوظ ومعنون رکھا گیا تو وہ

اپنے محافظین کو محفوظ رکھے گا۔ (۸۴)

عدل و انصاف کا مفہوم و اہمیت: انصاف کا لغوی معنی کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دینا ہے۔ مگر ہمارے ہاں یہ لفظ بالعموم عدل کے معنوں میں آتا ہے۔ قرآن و حدیث میں انصاف کا لفظ ان معنوں میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ قرآن و حدیث میں اس مفہوم کو ادا کرنے یا باہمی حقوق کے صحیح تعین کے لیے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں ایک عدل اور دوسرا قسط۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (۸۵)

(جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔)

دوسری جگہ فرمایا:

واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین (۸۶)

(اور انصاف سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)

ان کے علاوہ ایک تیسرا لفظ ''قضا'' بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔ قضا کے لفظی معنی کسی کام کو پورا کرنے یا فیصلہ کرنے کے ہیں۔ مگر جب اس کے ساتھ بالحق کا استعمال ہو تو اس کا مفہوم عدل و انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

واللہ یقضی بالحق (۸۷)

(اور اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔)

بقول امام راغب ''کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان میں سے کسی میں ذرا بھی کمی بیشی نہ ہو''۔ (۸۸) ایک اسلامی ریاست میں منصف کی شرائط و فرائض یہ ہیں۔

شرائط: مسلم، مرد، بالغ، ذہین، عادل، قوانین شریعت کا عالم، صحیح الجسم، تندرست اور حالات ومسائل حاضرہ سے واقف ہو۔

اختیارات وفرائض

۱) شہادتوں کی جانچ کرنا
۲) گواہوں اور امینوں کی منظوری دینا
۳) مقدمات کا فیصلہ کرنا
۴) نابالغ اور یتیموں کے مال واسباب کی نگرانی کرنا
۵) حدود جاری کرنا
۶) قوانین شریعت کا دوٹوک نفاذ کرنا
۷) اوقاف کی نگرانی کرنا
۸) وصیت ناموں پر عمل درآمد کرانا
۹) ناجائز تعمیرات اور غیر قانونی قبضوں کو ختم کرانا
۱۰) مظلوموں کی دادرسی کرنا اور ان کے حقوق دلوانا
۱۱) آئین کی بالادستی قائم کرنا
۱۲) فیصلے کرنے اور عدالتی اختیارات کے استعمال کرنے میں قاضی کو مکمل آزادی دیجائے۔
۱۳) قاضی کے فیصلے پر دوٹوک عمل درآمد کرایا جائے
۱۴) اسکی جان و مال کا تحفظ کیا جائے
۱۵) اسے معاشرے میں اعلیٰ مقام دیا جائے
۱۶) اسے مکمل عدالتی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں (۸۹)

اشعۃ اللمعات کی چوتھی جلد میں باب العمل فی القضاو والخوف منہ (قضا کے فرائض انجام دینا اور اس سے ڈرنا) میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جج کی اہمیت، اہلیت اور معیار کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا کوئی حاکم دو آدمیوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔ نیز قاضی بنائے جانے کی ذمہ داری کو پورا کرنے سے متعلق تاکید کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی اور حاکم بنایا گیا تو اسے چھری کے بغیر ذبح

کیا گیا۔'' اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس سے غیر معروف ذبح ہے جسمیں بدن ہلاک نہیں ہوتا، دین ہلاک ہوتا ہے، مطلب یہ کہ جسے قاضی بنایا گیا ہوا سے چاہیے کہ اس کے خبیث میلانات، ردی خواہشیں اور نفسانی ارادے مرجائیں۔ کسی معاملے کے فیصلہ کرنے سے متعلق ایک اہم ترین بنیادی اصول آپ ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا:

''حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے قاضی بنا کر یمن بھیجا۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے بھیج رہے ہیں حالانکہ میں نوعمر ہوں اور مجھے فیصلہ کرنے کا علم نہیں ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو ہدایت اور تمہاری زبان کو پختگی عطا فرمائے گا، جب دو شخص تمہارے پاس مقدمہ پیش کریں تو پہلے کے لیے فیصلہ نہ کرنا، یہاں تک کہ دوسرے کی بات سن لو کیونکہ یہ طریقہ فیصلے کے ظاہر ہونے کے زیادہ لائق ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس کے بعد مجھے کسی فیصلے میں شک واقع نہیں ہوا۔''

کتاب الامارہ والقضاء میں لکھتے ہیں کہ امارۃ کے معنی امیر اور فرمانروا بنانا اور قضا کے معنی حکم کرنا ہے۔ اس جگہ وہ منصب مراد ہے کہ امیر کسی شخص کے ذمہ لگا دے کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔ (۹۰)

تصورِ سزا: ایمان کا دارومدار اور بنیادی باتوں کے علاوہ جزا اور سزا کے تصور پر ہے۔ یوم آخرت پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے جو کہ دنیاوی زندگی میں ایک صالح معاشرے کے لیے لازمی ہے۔ شریعت کے جملہ اوامر ونواہی کلیتہ انسانی مصالح پر مبنی ہے جنکی اساس مندرجہ ذیل پانچ (۹۱) امور ہیں۔ حفظ دین، حفظ نفس، حفظ عقل، حفظ مال اور حفظ نسب، جنہیں تحفظ فراہم کرنا اور جرائم سے پاک رکھنا اسلامی نظام حدود وتعزیرات کا حقیقی مقصد ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے سزا کا تصور دراصل دفع مفاسد اور حصول مصالح پر مبنی ہے سزا (عقوبت) کی چند تعریفات یہ ہیں: ابن تیمیہ: عقوبت دراصل شریعت میں اس شخص کی سزا کا نام ہے جس نے اللہ کے اوامر ونواہی کی مخالفت کی ہو اور سزا اس لیے مقرر کی ہے تاکہ واجبات کے انجام دینے اور محرمات کے ترک کرنے پر آمادہ کرے۔ (۹۲)

الماوردی: سزائیں اللہ کی طرف سے مقرر کردہ جز ہیں تاکہ کوئی اس کے احکام کی خلاف

ورزی اور اسکے منہیات کا ارتکاب نہ کرنے پائے۔ (۹۳)

انسان کے فطری جذبہ انتقامی کو عفو میں تبدیل کرنا اسلام کے مکارم اخلاق کا ایک اہم قدم ہے۔ اسلامی نظام عقوبات کے پیش نظر بیک وقت تین مقاصد انتقامی، امتناعی اور اصلاحی ہوتے ہیں۔ (۹۴) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ قیدیوں کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

امیروں کے بارے میں یہ ہے کہ وہ قیدیوں کے حالات سے فارغ اور غافل نہ ہوں۔ ہر دو تین دن کے بعد قیدیوں کے حالات کی خبر گیری کریں تا کہ جسے سزا دینی ہو اس کو سزا دے دی جائے اور جو بے گناہ یا معافی کے لائق ہو اسے آزاد کر دیا جائے۔ (۹۵)

مذکورہ تنبیہ خصوصاً عمالِ حکومت کے لیے یہ خاص اشارہ ہے کہ وہ عوام کو سستا اور جلد انصاف مہیا کریں انیسویں صدی کے اوائل میں انگریز قانون داں بینتھم (م۱۸۳۲ء) نے نظریہ تغریر پیش کیا جس کا مقصد اصلاح معاشرہ اور اصلاح کردار تھا۔ بینتھم کے عدالتوں، سزاؤں اور اصلاح معاشرہ کے بارے میں نظریات پر عمل کیا گیا اور جیل خانوں اور عدالتوں کی بہبود کے لیے کاروائیاں کی گئیں بعد ازاں ڈیوڈ ریکارڈن، جیمز مل اور جان آسٹن نے بینتھم کے نظریات کو اپنے لیے مشعل راہ بنایا۔ (۹۶)

نظام ابلاغ: شعبۂ ابلاغ عامہ (صحافت) کسی بھی حکومت کا چوتھا ستون سمجھا جاتا ہے جس کا کام حکومتی نظم و نسق کی چولیں درست کرنا ہوتا ہے جسے قدیم ایران میں محکمۂ روزنامہ نویسی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ بادشاہ ملک کے بڑے بڑے مقامات پر براہ راست وقائع نگار مقرر کرتا تھا ان سے اپنے اپنے علاقے کی خبریں حاصل کرتا تھا اور نظم و نسق پر اتنا کڑا احتساب رکھتا تھا کہ وقائع نگاروں کو بادشاہ کے ''چشم و گوش'' کہا جاتا تھا اور امراء؛ سردار اور مختلف علاقوں کے عامل اور عالی ان سے ڈرتے تھے۔

صاحب ''سیر المتاخرین'' سید غلام حسین خان نے وقائع نگاروں کی چار قسمیں بتائی ہیں۔ اوّل وانح نگار یا سوانح نویس۔ تاریخ کے اہم واقعات ان کے سپرد کیے جاتے تھے تا کہ ان کے بارے میں مستند معلومات حاصل کر کے مستقل مواد تیار کریں۔ دوم۔ وقائع نگار یا وقائع

نویس کا کام تھا۔ حالات حاضرہ کی خبریں فراہم کرنا اور ان کے خبرنامے بنا کر شہنشاہ کو روانہ کرنا تھا۔ سوم۔ اخبار نویس کا کام وہی تھا جو وقائع نگار کا لیکن یہ ملازمت چھوٹی تھی۔ چہارم۔ خفیہ نویس اور اخبار نویس میں فرق یہ تھا کہ خفیہ نویس لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہ کر کام کرتا تھا اور وقائع نگار یا اخبار نویس پبلک طور پر فرائض ادا کرتے تھے۔ اس مؤرخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ چار مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کر کے ان کا موازنہ کی جاتا تھا علاء الدین خلجی کے عہد میں چار ذرائع موجود تھے اور خاص طور پر مہنگائی کے روکنے اور قیمتوں کو کنٹرول کرنے کے لیے بروئے کار لائے جاتے تھے۔

خلافت عباسیہ کے دوران اس محکمے کے سربراہ کو صاحب البرید والاخبار کہا جاتا تھا۔ وہ ڈاک کے نظام کا بھی ذمہ دار تھا اور اخباری نظام کا بھی۔ وہ ساری سلطنت سے ''صاحب الاخبار'' حضرات سے اخبار یا خبرنامہ منگوا کر انہیں سلطان کے سامنے پیش کرتا تھا اور سلطان انہی کی بنیاد پر تقرری، برطرفی اور معطلی کے احکام صادر کرتا تھا۔ سلطینِ مغلیہ کے عہد میں اس نظام کو عروج پر پہنچایا گیا۔ وقائع نگاروں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ ان کی نگرانی کے حلقے مختصر ہوگئے تاکہ ہر وقائع نگار اپنے حلقے کی زیادہ سے زیادہ خبریں مہیا کرے۔ ان خبروں کو اخبار ہی کہا جاتا تھا اور لکھنے والے کو وقائع نگار یا اخبار نویس۔ مقصد یہ تھا کہ ایک تو مرکزی حکومت کو عوامی جذبات و احساسات سے آگہی ہوتی رہے۔ دوسرے یہ معلوم ہوتا رہے کہ سرکاری عمّال کس حد تک اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں اور کس حد تک ان میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں وہ کون کون سی بے انصافیاں اور بدعنوانیاں کر رہے ہیں اور عوام کو ان سے کیا شکایات ہیں۔ تمام وقائع نگاروں کی تقرری اور برطرفی براہ راست بادشاہ کے ہاتھ میں تھی۔ ان سے صوبائی اور مقامی عامل اور والی خائف رہتے تھے اور دباؤ ڈالنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے۔ نیز وقائع نگاروں کی معاشی اور معاشرتی سطح بلند ہوتی تھی۔ پھر ہر حلقے میں ایک ایک خفیہ نگار بھی تھا جو اپنی اطلاعات براہ راست اوپر بھیجتا تھا۔ ان دونوں خبرناموں کا موازنہ کیا جاتا تھا اور جو غلطی پر ہوتا اسے شدید سزا دی جاتی تھی۔ خبر چھپانے پر وقائع نگار کو سزا کے کئی واقعات تاریخ

میں ملتے ہیں۔ گر اخباری نظام کے تناظر میں برعظیم کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جب تک سلطنت کا اخباری نظام درست رہا اس کا نظم ونسق بھی نہ صرف برقرار رہا بلکہ مضبوط تر ہوا لیکن جب اس نظام سے توجہ ہٹی اور اسے کرپٹ ہونے دیا گیا نظم ونسق بھی کرپٹ ہوگیا اور سلطنت کا شیرازہ پارہ پارہ ہونے لگا۔ (۹۷) نوریہ سلطانیہ میں حکومت اور عوام کے رابطے کی اہمیت اسطرح بیان کرتے ہیں:

کہتے ہیں ایک بادشاہ نے ایک وزیر سے کہا کہ بیوقوف ترین آدمی کون ہے۔ اس نے کہا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک درخت کی شاخ پر بیٹھا ہوا اس شاخ کی جڑ کاٹ رہا تھا اس سے زیادہ بیوقوف کوئی نہیں ہوسکتا۔ ایک دانشور وہاں بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا اس سے زیادہ بیوقوف وہ ہے جو جڑ کو کاٹ ڈالے یعنی عوام پر ظلم کرے۔ عوام جڑ کی طرح ہیں اور بادشاہ درخت کی طرح ہے۔ اے بیٹے! درخت جڑ سے ہی مضبوط ہوتا ہے۔ (۹۸)

عوام کے حالات سے آگاہی سربراہِ حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ایک ہے۔ نوریہ سلطانیہ میں لکھتے ہیں:

بادشاہوں کے آداب مین سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ رعایا، حکام، امراء اور اپنی مملکت کے تمام احوال ومعاملات سے باخبر رہے۔ (۹۹)

اہل عرب کا قول ہے کہ ملک کو کوئی چیز اتنی برباد اور رعایا کو تباہ نہیں کرتی جتنی کہ بادشاہ کی رعیت سے دوری اور ان سے حجاب۔ رعیت اور اہل کاروں کے دلوں میں ہیبت پیدا کرنے کے لیے بادشاہ کا لوگوں سے رابطہ رکھنا ہی سب سے زیادہ مؤثر طریقہ ہے اور اگر بادشاہ تک رسائی آسان ہو تو اہلکار رعایا پر ظلم اور رعیت ایک دوسرے پر ستم نہیں کرتے ہیں اس طرح سے حجاب اٹھا کر بادشاہ تمام حالات سے باخبر رہتا ہے اور بادشاہ کو رعیت کے احوال سے بے خبر نہیں ہوتا چاہیے تا کہ شکوہ مملکت باقی نہ رہے اور وہ بغیر تکلیف کے حکومت کر سکے۔ پیغمبر علیہ السلامؐ نے فرمایا ہے کہ ملک کفر سے باقی رہ سکتا ہے لیکن ظلم سے باقی نہیں رہ سکتا ہے۔ روایات نبوی مین لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ وحی نازل کی کہ اے داؤد اپنی قوم سے کہہ دو کہ اہل عجم

کی برائی نہ کریں کیونکہ وہی تھے جنہوں نے دنیا بسائی اور تمدن دیا تا کہ میرے بندے اسمیں رہ سکیں ۔ مجوسیوں نے چار ہزار سال حکومت کی اور بادشاہت انکے خاندان میں چلی اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کیا اپنے مذہبی نظام میں ظلم پروری یا بے انصافی کی اجازت نہیں دی اپنے عدل و انصاف سے دنیا میں خوش حالی قائم کی اور رعیت کی فلاح و بہبود کا خیال رکھا ۔ دنیا کی ترقی یا تباہی کا دارومدار حکمرانوں پر ہے اگر بادشاہ عادل ہے تو دنیا کی ترقی ہوتی ہے خوشحالی بڑھتی ہے اور رعایا محفوظ رہتی ہے جیسا کہ اردشیر فریدوں ، بہرام گور اور کسریٰ نوشیرواں کے دور میں ہوا اور اگر بادشاہ جابر و ظالم ہے تو دنیا تباہ و برباد ہو جاتی ہے جیسا کہ ضحاک ، افراسیاب کی حکومتیں وغیرہ ۔ (۱۰۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حکومت و ریاست کے ان اصولوں کا تذکرہ کرتے ہیں جن پر ان کی بقاء کا دارومدار ہے:

سلطنت و ریاست اور حکمرانی و فرمانروائی کے کاموں کا مدار عقل کی قوت ، خبرداری ، ذہنی طور پر بیدار رہنا ، نگہبانی ، احتیاط اور اعتدال میں ہے پس جو چیز ان صفات کے منافی ہو گی وہ امور سلطنت کے بھی منافی ہو گی ۔ ارباب حکومت کو چاہیے کہ وہ دنیا کے معاملات میں اس طرح تدبیر کریں کہ دنیا کا وجود ان کے لیے مضر نہ ہو اور وہ دولت و سلطنت کے حصول سے فارغ و محروم نہ رہیں ۔ حکومت کے زوال کا سبب اکثر تین چیزیں ہیں : بادشاہ سے خبروں کا چھپانا ، کمینے لوگوں کی تربیت کرنا اور حکام کا ظلم ۔ (۱۰۱)

نظام الملک طوسی نے سیاست نامہ میں سلطان محمود غزنوی کے نظام ابلاغ کا ذکر اس طرح کیا: محمود نے ہر جگہ اپنے قابل اعتماد مخبر مقرر کر دیئے تھے ۔ یہاں تک کہ سلطنت کے اندر اگر کوئی ایک مرغی بھی ناحق چھینتا یا کسی کو مکا بھی مارتا تو اسے خبر ہو جاتی ۔ (۱۰۲)

مذکورہ نظام کے تحت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے امن و امان نافذ کرنے والی ایجنسیوں کو یہ نظمیاتی اصول دیا کہ:

بادشاہ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھے کے تحت آنے والے حالات اور معاملات کے نتائج کو اپنی

دانائی سے بان لیا کرتے تھے اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو انکی کہی ہوئی باتوں کو سچے اور دین دار لوگ جو خود غرضی، شریر و کم ذات اور کینہ و دشمنی سے مبرا ہوں معاملات کی تحقیق کریں لیکن لوگوں کے گھروں کے اندرونی حالات کی تحقیق کرنا شریعت میں جائز نہیں۔ (۱۰۳)

سفارت کاری (امور خارجہ)

کسی بھی ملک کی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں تاریخی ،نظریاتی ،اقتصادی اور سیاسی وجغرافیائی عوامل کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ عالمی امور کے بارے میں مختلف ممالک کا نقطہ نظر انہی عوامل سے ترتیب پاتا ہے تاہم کوئی بھی ملک جامد خارجہ پالیسی کا حامل نہیں ہو سکتا یہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ خارجہ پالیسی میں جمہوریت ، انسانی حقوق ،محنت ،انسداد منشیات، نفاذ قانون، پناہ گزینوں کے مسائل ، انسانی ہمدردی کے امور اور بین الاقوامی جرائم وغیرہ کے عنوانات شامل ہیں۔ دیگر حکومتی شعبوں کی طرح امور خارجہ میں بھی قرآن ہماری مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور یہ ارشاد براہ راست نہیں نبی کریم ﷺ کے لیے ہے اور آنحضور ﷺ کے توسط سے تمام اُمت مسلمہ کے لیے ہے:

یایھا النّبی اتق اللہ ولا تطع الکفرین والمنفقین ء ان اللہ کان علیماً حکیماً. (۱۰۴)

(اے نبی ﷺ اللہ سے ڈریں اور کافروں اور منافقوں کے کہے پر نہ چلیں۔

بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔)

پھر فرمایا گیا:

ولا تطع الکفرین والمنفقین ودع اذٰھم وتوکل علی اللہ وکفٰی با للہ وکیلاً. (۱۰۵)

(اور کافروں اور منافقوں کا کہانہ ماننا اور نہ ان کے تکلیف دینے پر نظر کرنا اور اللہ پر بھروسا رکھنا اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔)

اپنی خارجہ حکمت عملی میں کافروں اور (بیرونی اور اندورنی) دشمنوں کا کہا ماننا اس خوف سے کہ اگر نہ مانا تو وہ تکلیف پہنچائیں گے قرآنی اصول مملکت کے منافی ہے۔ اور یہاں ایک بار پھر اللہ پر بھروسا کرنے اور اس کی کارسازی پر ایمان رکھنے کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ اگر اللہ پر

پورا بھروسا ہو تو دشمن کسی طرح بھی تکلیف پہنچانے پر قادر نہیں ہو سکتے ہیں۔

حکمت عملی، غیر ملک میں خارجہ پالیسی کی حمایت اور منصوبے کے آلات میں سے ایک ہے جو بین الاقوامی میدان میں آزاد ریاستوں کی حکومتوں کے درمیان رابطے بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ سر ارنسٹ سیٹو کے مطابق حکمت عملی، آزاد ریاستوں کی حکومتوں کے درمیان تعلقات کے برتاؤ کے طریقوں کو ذہانت سے لاگو کرنا ہے جو بعض اوقات تابع ریاستوں سے انکے تعلقات بڑھاتا ہے مختصراً پر امن مقاصد کے لیے ریاستوں کے درمیان کاروبار کا سا طرز عمل اختیار کرنا کے ہیں۔ (۱۰۶)

سفیر کی ذمہ داریوں کے بارے میں سر تھامس رو جو برصغیر میں برطانیہ کے پہلے سفیر کی حیثیت سے ۱۶۱۵ء تا ۱۶۱۹ء تک متحدہ ہندوستان میں تعینات رہے، لکھتے ہیں: ہر دور میں، سفیر کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ایک اطلاعات فراہم کرنا ہے۔ جبکہ ظاہری خدمات کے طور پر سربراہ ریاست کے نمائندہ کی حیثیت سے ایک ماہر سفارتکار کے معنیٰ غیر ملکی دربار میں اپنے آقا کے کان اور آنکھیں بننا ہے۔ اس کے علاوہ اسکی ذمہ داریوں میں اس ملک سے متعلق مکمل معلومات فراہم کرنے کے ساتھ خصوصی طور پر سیاسی فضاء، اور معاشی حالات کا بیان قابل ذکر ہیں۔ (۱۰۷)

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ سفیر کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سفیر بادشاہ کی زبان ہوتا ہے ہر بادشاہ کی حالت اس کے سفیر کو دیکھ کر معلوم کی جا سکتی ہے۔
جس کے پاس سفیر بھیجا جائے وہ اس کے حال کے مطابق طاقتور (باہمت) اور دانشور ہو۔ (۱۰۸)

آگے چل کر سفراء کی دو اقسام بیان کرتے ہیں۔ عارضی سفیر، مستقل سفیر

۱۔ عارضی سفیر: حکومت کو چاہیے کہ اپنے ملازمین میں سے ہر ایک کو اس کی مناسبت سے مہم پر نامزد کیا جائے۔ (۱۰۹) مولانا اشرف علی تھانوی عنوان مذکور کے تحت فرماتے ہیں:

بعض سلطنتیں غلطئ انتخاب کی بدولت تباہ و برباد ہیں ان کی خاص وجہ یہ ہے کہ اکثر حکام اہل نہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس کے جو کام سپرد کیا جائے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ یہ اس کام کی

ذمہ داری کا اہل ہے یا نہیں۔ سلطنت کی تباہی و بربادی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اکثر حکام اہل نہیں ہوتے وہ اپنے فرائض منصبی کو محسوس نہیں کرتے اور اگر بعض کرتے بھی ہوں تو اس کی انجام دہی میں غفلت سے کام لیتے ہیں۔(۱۱۰)

۲۔ مستقل سفیر: مستقل سفیر میں مندرجہ ذیل چھ خصوصیات ہونی چاہئیں۔

۱۔ دانشور
۲۔ اچھی گفتگو کرنے والا (بلیغ)
۳۔ فصیح
۴۔ خوبصورت
۵۔ سخی
۶۔ بزرگ ہمت

صاحب اخلاق محسنی نے بھی انہی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے۔(۱۱۱)

حضور اکرم ﷺ نے حبشہ، روم، اسکندریہ، یمامہ، شام، مدائن اور طائف کے حکمرانوں کو مکاتیب دے کر جن قاصدوں کو بھیجا تھا وہ تمام مذکورہ خوبیوں سے مالا مال تھے۔ آنحضرت ﷺ جو سفیر اور قاصد جس قوم کی طرف بھیجتے تھے وہ وہاں پہنچ کر وہ اسی قوم کی زبان اور لغت میں گفتگو فرماتے تھے۔ انمیں حضرت عمرو بن امیہ نمری، حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی، حضرت عبداللہ حذافہ سہمی، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ، حضرت شجاع بن وہب، حضرت سلیط بن عمرو، حضرت علاء بن الحضرمی، حضرت جریر بن عبداللہ، حضرت مہاجر بن امیہ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہم شامل ہیں۔(۱۱۲)

جب ہرقل نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفیر سے آپ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا لا یَخدع و لا یُخدع (نہ وہ کسی کو دھوکہ دیتے ہیں نہ کسی کے دھوکے میں آتے ہیں) یہ سن کر ہرقل نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تم نے سنا دھوکہ نہ دینا دین کی اور دھوکے میں نہ آنا عقل کی دلیل ہے لہٰذا عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) دین و عقل دونوں کے جامع ہیں۔(۱۱۳)

مذکورہ قرآنی آیات اور افکار شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی روشنی میں یہ بات صاف عیاں ہے کہ مسلم ریاست دیگر اقوام عالم سے برابری کی بنیاد پر تعلقات قائم کرے لیکن ان پر قطعاً

بھرو نہ کریں کیونکہ آپس میں وہ ایک ہیں اس بات کی تائید تو چانکیہ کوتلیہ بھی کرتا ہے کہ دو طاقتور بادشاہوں میں سے جو ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات رکھتے ہوں اس کے ساتھ اتحاد کرنا چاہیے جو اسے پسند کرتا ہوں۔ (۱۱۴)

ان حالات میں ممتاز سیاستدان اور امریکہ میں سابق پاکستانی سفیر سیدہ عابدہ حسین فرماتی ہیں:

اپنی قوم کے لیے میرے پاس یہ گھریلو نعمت ہے کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے اسے ہاتھ سے نہ جانے دو، سارا عالم تمھارے پاس آئے گا۔ (۱۱۵)

دوسرے سفیر سے براہ راست ریاست وحکومت کا پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ دیندار عادل کی طرح سفیر بھی دیگر خصوصیات کے ساتھ دیندار ہوتا کہ وہ ان مہمات کے اہداف پوری طرح حاصل کر سکیں جس کی اسے ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

آخر میں حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے نظریہ حکومت کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو نظمیاتی عناصر آپ نے پیش کیے اگر ان کا عملی اطلاق کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ریاست تمام طبقات کے لیے امن وامان کا گہوارہ بن جائے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ Easton, David.(1965). A System Analysis of Political Life- New York: John Wiley and Sons. pp 11-13

۲۔ پرویز۔ (۱۹۵۵ء)۔ انسان نے کیا سوچا۔ کراچی: ادارہ طلوع اسلام۔ ص ۱۷۲

۳۔ کوتلیہ چانکیہ۔ (۲۰۰۱ء)۔ ارتھ شاستر۔ (مترجم، سلیم اختر)۔ لاہور: نگارشات۔ ص ۳۳۵

۴۔ ربیع، ابن ابی۔ (۱۹۶۲ء)۔ سلوک الممالک فی تدبیر الممالک\ (مترجم، مظہر علی کامل)۔ کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف ترجمہ جامعہ کراچی۔ ص ۴۷

۵۔ مقدمہ ابن خلدون (حصہ دوم)۔ ص ۱۳۲

۶۔ نوریہ سلطانیہ۔ صص ۳۱۔ ۳۳

۷۔ ایضاً۔ صص ۳۵۔ ۳۶

۸۔ اشعۃ اللمعات (ج۔ ۴)۔ ص ۷۶۳

۹۔ بین الاقوامی اسلامی قانون کے ماہر حضرت شمس الائمہ السرخسی کا اصل نام ابوبکر محمد بن ابی سہل تھا۔ وہ گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں پیدا ہوئے اور اس کے آخر میں انتقال کر گئے۔ مقام ولادت عظیم ثقافتی اور ذہنی روایات کا امین، قدیم شہر سرخس تھا جو مشہد اور مرو کے درمیان، لیکن آج کی سوویت جمہوریہ ترکمانیہ کی سرحد کے اندر واقع ہے۔ شمس الائمہ کا لقب اصلاً ان کے استاد عبدالعزیز الحلوانی کا تھا جنہوں نے بخارا کو اپنے علمی مشاغل کا مرکز بنا رکھا تھا۔ انہی کے قدموں میں رہ کر سرخسی نے علم کی مختلف شاخوں میں دسترس پیدا کی اور ایسی مہارت حاصل کی کہ استاد کے انتقال پر سب نے اتفاق رائے سے انہی کو جانشین قرار دیا۔ انہیں شمس الائمہ کا خطاب دیا اور ان سے درخواست کی کہ اس علمی مرکز میں اپنے مرحوم استاد کا کام جاری رکھیں۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے پندرہ سال کی قید کاٹی اور اسی دوران میں اسلامی بین الاقوامی قانون پر اپنی وہ ضخیم کتاب لکھی جس نے انہیں ایک لازوال شہرت بخشی۔

۱۰۔ اسلامی قانون بین الاقوامی شمس الائمہ امام سرخسی کے افکار کی روشنی میں۔ مذاکرہ ہمدرد۔

کراچی: ہمدرد سینٹر۔ ص ۳۱۵

۱۱۔ قاموس میں ہے جزیہ، زمین کا خراج اور وہ جو ذمی سے لیا جائے۔ مشتق ہے جزاء سے جس کا معنی بدلہ ہے کیونکہ جزیہ اسلام کے ترک کرنے اور کفر پر باقی رہنے کی جزاء ہے بعض اِجزاء سے مشتق کہتے ہیں جس کا معنی ہے ذمیوں کے خون کی حفاظت میں کفایت، پہلا معنی زیادہ صحیح ہے۔ (باشعۃ اللمعات (ج۔۵) ص ۳۰۳)

۱۲۔ ہمارے نزدیک مجوسیوں اور عجمی بت پرستوں سے بھی جزیہ لیا جائے گا۔ (اشعۃ اللمعات (ج۔۵)۔ ص ۳۰۴)

۱۳۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۲)۔ صص ۷۔۳۰۶

۱۴۔ ایضاً۔ ص ۳۰۶

۱۵۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۱)۔ ص ۴۵۷

۱۶۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۴۱

۱۷۔ JOAD, C.E.M.(1948)Guide to the Philosophy of Morals and Politics: London: Vaitor Gallenez p-806

۱۸۔ اشعۃ اللمعات۔ (ج۔۴)۔ صص ۲۷۔۸۷

۱۹۔ البقرہ: ۲۷۵

۲۰۔ البقرہ: ۲۷۶

۲۱۔ البقرہ: ۲۷۹

۲۲۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۳)۔ صص ۱۔۳

۲۳۔ ایضاً۔ صص ۹۷۔۶۷: ڈاکٹر سید شاہد علی رضوی نے اپنی کتاب نظمیات عامہ کے انیسویں باب میں مختصراً اس کا ذکر کیا ہے۔

۲۵۔ سبزواری، محمد احمد۔ (س ن)۔ اسلام میں بچت کا تصور، لاہور ایڈیشن۔ صص ۲۱۶۔۲۱۷)

۲۶۔ تاریخ طبری (ج۔۳) (اردو)۔ صص ۳۲۵۔۳۲۶

۲۷۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۳۹

۲۸۔ ایضاً۔ ص ۳۸

۲۹۔ مدارج النبوت (ج ۔۲) ۔ ص ۷٦۵

۳۰۔ آئین اکبری (جلد اول حصہ اول) ۔ ص ٦۵

۳۱۔ نوریہ سلطانیہ ۔ ص ۴۸

۳۲۔ ایضاً ۔ ص ۵۲

۳۳۔ ایضاً ۔ صص ۳۷۔۳۹

۳۴۔ ایضاً ۔ ص ۳۹

۳۵۔ اشعۃ اللمعات (اردو) ج ۔۴ ۔ حاکم اور قاضی بننے کا بیان فصل ۲

۳٦۔ نوریہ سلطانیہ ۔ ص ۳۹

۳۷۔ اشعۃ اللمعات ۔ (ج ۔۴) ۔ ص ۷٦۷

۳۸۔ Ahmed ,Manzooruddin.(1983).Islamic Political System in the Modern Age Theory and Practice, Karachi: Saad Publication.p-91

۳۹۔ Almond, G.A.(1976). Comparative Politics:A Developmental Approach. New Dehli: Oxfor and IBH- p 19

۴۰۔ Chaudhry,M.Sharif. (1988). A Code of the Teachings of Al-Quran. Lahore: Fazal Haque and Sons . p 379

۴۱۔ النساء:۵۹

۴۲۔ الزمخشری، جاراللہ (امام) ۔ (س ن) ۔ الکشاف (الجزالاول) ۔ قم (ایران): نشر ادب العوزہ ۔ ص ۵۲۴

۴۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل ۔ (س ن) ۔ الجامع الصحیح (کتاب الاحکام) ۔ استنبول: دارالطباعۃ العامرۃ

۴۴۔ صدیقی، محمد میاں ۔ (۱۹۸۵ء) ۔ خطبہ حجۃ الوداع ۔ اسلام آباد، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی ۔ ص ۲۲

۴۵۔ Robert, Briffault.(1980). The Making of Humanity. Lahore: Islamic book foundation. p 83

۴٦۔ Lipp,manWalter (1944). The Good Society. London: George allan & unwin. p 65.

۴۷۔ آلِ عمران: ۷۹

۴۸۔ البقرہ: ۱۵۹

۴۹۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ۔ (۱۴۰۱ء)۔ الجامع۔ استنبول: دار الدعوہ۔ ابواب الجہاد، باب ماجاء فی المشورہ

۵۰۔ ایضاً۔

۵۱۔ المتقی، علی (شیخ)۔ (۱۹۸۵ء)۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال (ج۔ ۵)۔ بیروت: موسستہ الرسالہ۔ ص ۶۴۸

۵۲۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ (۱۹۸۵ء)۔ اسلامی قانون اور پاکستان میں اس کے نفاذ کی عملی تدابیر۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز۔ ص ۲۹

۵۳۔ Federal Judicial Academy.(1990).The Constitution of the Islamic Republic of Pakistan. Article 209.

۵۴۔ شام، شہزاد اقبال۔ (۱۹۹۳ء)۔ اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار۔ اسلام آباد: شریعۃ اکیڈمی (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی)۔ صص ۱۶۔۲۲

۵۵۔ Schacht, J.The Origins......op.cit.,pp 281-287.

۵۶۔ اشعۃ اللمعات (ج ۱)۔ ص ۵۰۸

۵۷۔ اشعۃ اللمعات (ج ۴)۔ صص ۷۸۶۔ ۷۸۷

۵۸۔ Aganids, N.P. (1916). Muhammaden Theories of Finance. New York . pp 23-24

۵۹۔ فقہ و تصوف۔ صص ۳۱۶۔ ۳۲۲

اجتہاد فی المذہب کی شان کی توضیح مترجم فقہ و تصوف اس طرح کرتے ہیں: نو پیدا مسائل مثلاً انسانی اعضا کی پیوند کاری، انشورنس، نظام بینکاری، ہوائی جہاز میں نماز، بے بی ٹیسٹ ٹیوب، کلوننگ وغیرہ مسائل میں علوم دینیہ اور دنیاویہ ضروریہ کے ماہرین کتاب و سنت، اجماع امت اور ائمہ مجتہدین کے فیصلوں کی روشنی میں اجتہاد سے کام لے سکتے ہیں، بلکہ ایسا کرنا ضروری ہے۔ (بحوالہ: ایضاً (حاشیہ)۔ ص ۳۲۲)

۶۰۔ Wallis, Malcolm., (1989). Bureaucracy-Its Role in Third World Development.London :Macmillan Publishers. p-1.

۶۱۔ Vidyabhusana Bhagwan, vishno. (1987). Public Administration. New Delhi; S Chand and Company p.4

۶۲۔ Gupta Shidyo. (1988) A Simple Study of Public Administration. Delhi; Gupta Publishers p 4

۶۳۔ تقابلی سیاست۔ صص ۷۰-۷۲

۶۴۔ Weber, Max,. (n.d). The Presupposition and causes of Beaurocracy. Illinois ; The Free Press .p.6

۶۵۔ قادری، محمد احمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۹ء)۔ اسلامی نظمیات عامہ۔ نظریہ و عمل۔ غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی۔ کراچی: شعبہ سیاسیات، جامعہ کراچی۔ صص ۸۔۹

۶۶۔ ایضاً۔ ص ۵۳۸

۶۷۔ ایضاً۔ صص ۱۰۔۵۵

۶۸۔ نصیحۃ الملوک۔ صص ۱۸۔۱۱۷

۶۹۔ شیرازی، سعدی۔ (۱۳۱۹ھ)۔ کلیات سعدی (بوستان)۔ تہران: انتشارات جاویداں علمی۔ ص ۱۹۵

۷۰۔ اخلاق محسنی۔ ص ۱۳۵

۷۱۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۵۰

۷۲۔ Binder, L.(July,1955)."Al-Ghazzali's Theory of Islamic Government". The Muslim World, Vol.xiv,No.3.pp 232-240

۷۳۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۵۰

۷۴۔ طبرستانی، مرزبان بن رستم بن شروین۔ (۱۹۱۸ء)۔ مرزبان نامہ۔ تہران۔ ص ۱۹۸

۷۵۔ القلم: ۱

۷۶۔ یوسف: ۵۵

۷۷۔ نصیحۃ الملوک۔ صص ۱۱۲۔۱۱۳

۷۸۔ ایضاً۔ ص ۱۱۹

۷۹۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۵۰

۸۰۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۴)۔ صص ۷۴۸-۷۹۶

۸۱۔ قدسی، عبیداللہ۔ (س ن)۔ رحمۃ للعالمین۔ کراچی۔ ص ۱۵۸

۸۲۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۴۱

۸۳۔ ایضاً۔ ص ۴۸

۸۴۔ نجیب، فاروق اختر۔ (۱۹۸۱ء)۔ ریاست وسیاست۔ کراچی۔ ص ۱۶۶

۸۵۔ البقرہ: ۵۸

۸۶۔ الحجرات: ۶

۸۷۔ المومن: ۲۰

۸۸۔ الاصفہانی، راغب (امام)۔ (۱۳۸۰ھ)۔ المفردات فی غریب القرآن۔ کراچی۔ ص ۳۲۷

۸۹۔ الرحمٰن، محمد اکرام، تصور ریاست اسلامی تعلیمات قرآنی کی روشنی میں۔ مذاکرہ ہمدرد۔ صص ۱۰۱-۱۰۳

۹۰۔ اشعۃ اللمعات۔ (ج۔۴)۔ صص ۹۲۔۱۳۵

۹۱۔ الغزالی۔ (۱۲۹۴ھ)۔ المستصفی (ج۔۱)۔ مصر: مطبعہ امیریہ۔ ص ۲۸۷

۹۲۔ ابن تیمیہ۔ (س ن)۔ السیاستہ الشرعیہ۔ کراچی: تیرتھ داس روڈ کلام کمپنی: ص ۱۲۰

۹۳۔ الماوردی۔ (۱۹۸۲ء)۔ الاحکام السلطانیہ والولدیات الدینیۃ۔ بیروت: دارالکتاب العلمیہ۔ ص ۲۱۹

۹۴۔ شہتاز، نور احمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۸ء)۔ تاریخ نفاذ حدود۔ کراچی۔ فضلی سنز۔ ص ۳۷

۹۵۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۳۸

۹۶۔ مشرق ومغرب کے سیاسی افکار۔ صص ۲۱۲۔۲۱۵

۹۷۔ خورشید، عبدالسلام (ڈاکٹر)۔ (س ن)۔ نظم ونسق اور شاہی وقائع نگاری کا نظام۔ سہ ماہی نظم ونسق۔ لاہور: پاکستان اکیڈمی برائے انتظامی امور۔ صص ۲۶۔۲۷

۹۸۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۵۱

۹۹۔ ایضاً۔ ص ۴۴

۱۰۰۔ نصیحۃ الملوک۔ صص ۱۲-۸۸

۱۰۱۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۲۸

۱۰۲۔ سیاست نامہ۔ ص ۷۷

۱۰۳۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۴۴

۱۰۴۔ الاحزاب: ۱

۱۰۵۔ الاحزاب: ۲۸

۱۰۶۔ Satow, Sir Ernest Harold.(1957). A Guide to Diplomatic Practice. London .p 181

۱۰۷۔ Mitchell, Colin Paul.(2000). Sir Thomas Roe and the Mughal Empire, Karachi: Area Study Centre for Europe, University of Karachi.p 132

۱۰۸۔ نوریہ سلطانیہ ص ۴۹

۱۰۹۔ ایضاً۔ ص ۵۰

۱۱۰۔ تھانوی، اشرف علی (مولانا)۔ (س ن)۔ الافاضات الیومیہ (ج۔ ۱)۔ ملتان۔ ص ۱۶۸

۱۱۱۔ کاشفی، حسین واعظ (ملاّ)۔ (۱۳۳۱ھ)۔ اخلاق محسنی (فارسی) طہران: سعی و اہتمام سید حسن۔ ص ۲۷۳

۱۱۲۔ مدارج النبوت (ج۔ ۲)۔ صص ۷۷۳۔ ۷۸۰

۱۱۳۔ الافاضات الیومیہ (ج۔ ۱)۔ ملتان۔ ص ۱۱

۱۱۴۔ کوتلیہ، چانکیہ۔ (۲۰۰۰ء)۔ ارتھ شاستر۔ لاہور: نگارشات۔ ص ۳۵

۱۱۵۔ خان، محمد الیاس۔ (۱۹۹۷ء)۔ پاکستان کا جوہری پروگرام۔ قومی سلامتی کے تناظر میں۔ اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز۔ ص ۱۸۱

باب دوم فصل پنجم

نظریۂ علم

ع۔ل۔م اس سہ حرفی لفظ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حرا کے غار میں اللہ کے عبد کامل پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں صوم وصلوٰۃ کا حکم تھا نہ حج وزکوٰۃ کا، نہ معاشی، معاشرتی، تمدنی، سیاسی یا اخلاقی قوانین کی وضاحت کی گئی تھی اور نہ سائنسی یا فلسفیانہ موشگافیاں کی گئی تھیں۔ اس وحی میں جو آیات نازل ہوئیں۔ ان میں پڑھائی، علم اور قلم کا ذکر یوں کیا۔

اقرا بسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق،

اقراء و ربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم (۱)

(پڑھیے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ انسان کو وہ کچھ سکھادیا جو وہ جانتا نہ تھا)

ریاست میں حکومت کا کام تعلیم ہے اور تعلیم کا کام افراد کو جمعیت کے مقاصد سے آشنا کرنا اورانہیں جسم سیاسی کا صحیح عضو بنانا ہے۔ عمدہ طریقے پر پرورش اور تعلیم کے ثابت رہنے سے اچھی فطرت کے لوگ پیدا ہونگے۔ (۲) یہی ارباب علم و اصحاب فضل افلاطون کی اصطلاح کے مطابق فلسفی حکمراں رفلسفی بادشاہ ہوتے ہیں۔ ان پر نہ قانون کا پابندی عائد ہوتی ہے نہ بیجا رسم و رواج کی بندش۔ (۳) قرآن مجید میں ایک اور مقام پر علم کی فضیلت کا بیان اسطرح ہے:

فلنقصّن علیهم بعلم (۴)

(تو ضرور ہم انکو بتادیں گے اپنے علم سے)

خلق الانسان ٗعلمه البیان (۵)

(انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ما کان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔ (۶)

مذکورہ آیت میں انسان سے مراد حضور ﷺ ہیں اور بیان کے ما کان وما یکون کا بیان کیونکہ آپ ﷺ اولین اور آخر کی خبریں دیتے تھے۔ (بحوالہ: خازن)

حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے زیادہ پسند ہے علم کی فضیلت، عبادت کی فضیلت سے۔

☆علم مومن کا دوست، عقل اسکی دلیل اور عمل اس کا سردار ہے۔

☆علم دین اسلام کی حیات اور ایمان کا ستون ہے۔ جس نے علم حاصل کیا اللہ تعالیٰ اس کو پورا اجر عطا فرمائے گا اور جس نے علم پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اس کو وہ علم عطا فرمائے گا جسے وہ نہیں جانتا۔ (۷)

آثار صحابہ وغیرھم: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے عزیز ایسا علم سیکھو جس سے تم ہمیشہ زندہ رہو تمام لوگ مردہ ہیں زندہ صرف عالم دین ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کو اختیار دیا گیا تھا کہ علم، مال اور سلطنت میں سے جو پسند کرو طلب کرو۔ آپ نے علم کو پسند فرمایا پھر علم کی وجہ سے مال اور سلطنت عطا ہوئی۔

حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: جس طرح کسی مریض کو تین دن کھانا پینا اور دوا میں سے کچھ نہ دیا جائے تو وہ مرجائے گا یہی حال دل کا ہے جب اس سے تین دن تک علم و حکمت روک دیئے جائیں تو وہ (دل) مردہ ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ جس شخص کا خیال ہو کہ علم کا طلب کرنا جہاد نہیں ہے تو اس کی عقل و خیال ناقص ہے۔ (۸)

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سب سے آخری نبی تھے چونکہ نبوت کا سلسلہ اب ختم ہو چکا ہے اس لیے ملّت کو اب اسلامی تعلیمات کی ہدایت صرف ایسے ہی افراد کے ذریعے بہم پہنچ سکتی ہے جو علم و فضل اور فہم و بصیرت رکھتے ہوں۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے علماء کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ (۹) علماء کے بارے میں قرآن مجید کی صراحت اس طرح کی گئی ہے:

انما یخش اللہ من عبادہ العلماء (۱۰)

(اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔)

اس آیت مبارکہ سے فضیلتِ علم مراد ہے کیونکہ علم اللہ سے خوف اور تقویٰ کا ذریعہ ہے جس نے اللہ کی وحدانیت اور عدل کو پالیا اس نے درحقیقت خشیت الٰہی اور تقویٰ کی منزل کو پالیا۔ یہاں علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (۱۱)

امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں علوم کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ شرعی اور غیر شرعی۔

شرعی علم سے مراد وہ علوم ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام سے حاصل ہوئے ہیں عقل، تجربہ اور سماع ان کی ہدایت نہ کرتا ہو۔

غیر شرعی علوم کی تین اقسام ہیں۔

الف۔ اچھا علم ب۔ برا علم ج۔ مباح علم

الف۔ اچھا علم: وہ علم جس سے دنیا کے امور کی مصلحت وابستہ ہے۔ جیسے طب، حساب، کپڑا بننا، کاشت کاری، سیاست، پچھنے لگانا، کپڑے سینا فرض کفایہ ہیں۔

ب۔ برا علم: جیسے سحر، طلسمات اور شعبدے وغیرہ۔

ج۔ مباح علم: جیسے اشعار و علم و تاریخ وغیرہ۔ (۱۲)

سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں: بندے پر فرض ہے کہ اسے موجودہ وقت کا علم حاصل ہو نیز وہ علم حاصل کرنا فرض ہے جو وقت کے تقاضوں کے مطابق ظاہر اور باطن میں کام آئے۔ اسکی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ علمِ اصول: اس علم کی ظاہری قسم کلمہ شہادت ہے اور باطنی قسم معرفت کی تحقیق ہے۔

۲۔ علمِ فروع: اس علم کی ظاہری قسم شریعت پر مکمل علم کرنا اور باطنی قسم نیت کی درستی ہے۔ (۱۳)

خشیت کا تعلق علم سے ہے اور علم سے مراد کسی شے مجہول کا جاننا ہے لہٰذا اس طرح علم کی دو اقسام مرتب ہوتی ہیں۔ (۱۴) ظاہری علم اور باطنی علم۔

(۱) ظاہری علم: اس کی مزید دو ذیلی اقسام ہیں۔ (الف) مبادی علوم (ب) مقاصدی علوم

(الف) مبادی علوم: وہ علوم ہیں جن پر کتاب وسنت کی معرفت موقوف ہے جیسے علمِ لغت، علمِ صرف، علمِ نحو وغیرہ۔

(ب)۔ مقاصدی علوم: وہ علوم ہیں جو اعمال، اخلاق اور عقائد سے متعلق ہیں انہیں علوم معاملت بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) باطنی علم: اسے علم مکاشفہ یا علم حقیقت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک نور ہے کہ طریق مستقیم پر چلنے اور صدق معاملہ کے بعد دل میں القا ہوتا ہے اس علم کے ساتھ حقائق اشیاء کی معرفت کما حقہ منکشف ہوتی ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ علمِ ظاہری اور علمِ باطنی کی اس طرح نسبت ہے جس طرح جسم وجان اور مغز وپوست کی۔

علماء کی اقسام

حضرت احوص بن حکیم (تابعی) اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے شر کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے شر کے متعلق نہ پوچھو بلکہ خیر کے متعلق پوچھو۔ یہ بات آپ نے تین بار دہرائی۔ پھر آپ نے فرمایا۔ ”آگاہ رہو سب بُروں سے بُرے علماء ہیں اور نیکوں سے نیک علماء ہیں۔ (رواۃ الدارمی)

”شِرَارُ العُلماءِ“ اور ”خِیارُ العلماءِ“ فرما کر آپ نے علماء کی تقسیم فرمادی کیونکہ علماء متبوع اور پیشوا ہوتے ہیں اور لوگ ان کے تابع اور پیروکار۔ لہٰذا علماء کی بدی اور نیکی دوسروں کی نسبت لوگوں میں زیادہ پھیلتی اور سرایت کرتی ہے۔ (۱۵) اس لحاظ سے علماء کی دو اقسام ہیں۔ علماء حق اور علماء سوء

ا۔ علماء حق: علماء کا وہ طبقہ ہے جن کا ظاہر وباطن درست ہو اور قول وفعل میں کوئی تضاد نہ ہو۔ ایسے علماء کی فضیلت میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”علماء انبیاء کے وارث ہیں چنانچہ متعدد مقامات پر رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین نے علماء حق کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔

علماء حق کے اوصاف

☆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر

ایک عالم کے پاس مت بیٹھو بلکہ اس عالم کے پاس بیٹھو کہ پانچ امور سے پانچ امور کی طرف بلائے۔ اوّل شک سے یقین کی جانب، دوم ریا سے اخلاص کی طرف، سوم دنیا کی خواہش سے زہد کی طرف، چہارم کبر سے تواضع کی جانب، پنجم عداوت سے خیر خواہی کی طرف۔ (۱۶)

☆ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ سب سے بڑا عالم وہ ہے جو لوگوں کے اختلافات کے وقت بھی حق کو پہچانتا ہو۔ (۱۷)

☆ عالم کے لیے افضل ترین ادب یہ ہے کہ خاکسار ہو، اپنے علم پر مغرور نہ ہو اور اس کا دل حُب ریاست سے پاک ہو۔ (۱۸)

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کرلو''۔ ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ سردار بنائے جانے کے بعد بھی علم حاصل کرو۔ (۱۹)

☆ علماء باران رحمت ہیں۔ جہاں بھی ہوں گے نفع پہنچائیں گے۔ (۲۰)

۲۔ علماء سوء : علماء کا وہ طبقہ ہے جن کے قول وفعل میں تضاد ہو، جو وقتی مصلحتوں کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے اپنے مفادات حاصل کرتا ہو اور قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح کتمانِ حق کی صورت میں کرتا ہو۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے۔

ولا تلبسو الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون (۲۱)

(اور تم حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ حق کو چھپاؤ، حالانکہ تم (حقیقتِ حال) جانتے ہو۔)

علماء سوء کی علامت ومذمّت

☆ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم آدمیوں سے چھینا نہیں جاتا لیکن علماء کے مٹنے سے مٹ جاتا ہے۔ عالم باقی نہیں رہتے تو لوگ جاہلوں کو سردار اور پیشوا بنالیتے ہیں جو علم کے بغیر فتوے دیتے ہیں اس طرح خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور مخلوق کو بھی گمراہ کر ڈالتے ہیں۔ (۲۲)

☆ اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم پر بادشاہوں کی حکومت ہوگی، وہ اچھے بُرے ہر طرح کے کام کرینگے ان کی

بُرائیوں پر جو اعتراض کرے گا خدا کے حضور بری الذمہ ٹھہرے گا، اور جو خاموشی اختیار کرے گا مگر دل میں انہیں بُرا سمجھے وہ بھی بچ جائے گا لیکن جو ان سے راضی ہوگا اور ان کے پیچھے لگ جائے گا تو اللہ اسے میٹ دے۔ (۲۳)

☆ حجاج بن عطا نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جان بوجھ کر علم چھپایا تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی۔ (۲۴)

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانے میں عابد جاہل ہوں گے اور علماء فاسق۔ (۲۵)

☆ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: بدترین علماء وہ ہیں جو حکام کے نزدیک رہتے ہیں۔ (۲۶)

اہل علم پیغمبروں کے وارث ہیں پیغمبروں سے انکو علم دین وراثتاً پہنچتا ہے لیکن انبیاء علیہم اللہ کے وارث کہلانے کے یہ اس وقت مستحق ہوتے ہیں جبکہ دنیا انکی خاطر میں نہ آئے اس طرف رغبت نہ کریں، بادشاہ، امراء کے پاس رسوخ نہ چاہیں وہ علماء جو دنیا و اہل دنیا کے مصاحب بن جائیں ان سے ڈرو کہ یہ دین کے چور ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اہل دنیا اور دنیا میں پھنسے ہوئے، اہل علم دین کو دنیا کے بدلے میں بیچیں گے دین کے کام میں سستی کاہلی برتیں گے ناحق فتوے دیں گے بخلاف اس کے جو عالم یہ باتیں نہ کریں، دین کو پھیلائیں اسلام کے احکام رائج کریں مسلمانوں کی مدد و اعانت کریں دین حق کو تقویت دیں تو یہ بہترین کارنامہ ہے۔ (۲۷)

حدیث شریف میں آیا ہے: بیشک عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔ حضور اکرم ﷺ نے عالم دین کو چودھویں رات کے چاند سے اس لیے تشبیہ دی کہ جس طرح اسکا نور ساری زمین کو روشن رکھتا ہے اسی طرح عالم دین کا فائدہ متعدی اور سارے جہاں کو پہنچتا ہے وہ تحصیل علم کے بعد ضروری عبادات کی بجا آوری کر کے علم کی نشر، اشاعت اور دین کی ترویج کرتا ہے جبکہ عابد کو ستاروں سے تشبیہ دی کہ جس طرح

وہ دوسروں کو اپنی روشنی سے مستفید نہیں کرتے اسی طرح عابد تحصیل علم کے بعد عبادت میں مشغول رہتا ہے اور اپنے اوقات عبادت گزاری سے آباد رکھتا ہے اس لیئے علم کی فضیلت عبادت پر زیادہ ہوتی ہے۔ (۲۸)

دنیا میں انسان کو مطلوب چار چیزیں ہیں۔ علم، صحت، جاہ اور مال
علم کے فوت ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں اور نہ کسی کو اس پر قدرت ہے کہ کسی کا علم ضائع کردے ہاں صحت ضائع کرسکتا ہے۔ مال اور جاہ بھی برباد کرسکتا ہے مگر علم کا نقصان اس کے قبضہ میں نہیں۔ چنانچہ علم کے فضل اور بزرگی کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہ ایک باقی اور دائم رہنے والی شے ہے اس کو زوال نہیں ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

رَضِینَا قِسمَتَه الجَبَّارِ فِینَا
لَنَا عِلمٌ وَ لِلجُهَّالِ مَالٌ
(ہم خدائے جبار کی اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ
ہم کو علم (دین) دیا اور جاہلوں کو مال دیا۔)
فَاِنَّ المَالَ یَفنِیُ عَن قَرِیبٍ وَاِنَّ العِلمَ مُلکٌ لَایَزَالُ
(بلاشبہ مال تو عنقریب فنا ہو جائے گا اور علم ایک لازوال دولت ہے۔) (۲۹)

نفس کے احوال اور ان کو فاسد کرنے والی چیزوں کا علم ضروری ہے۔ اور مفسدات اعمال سے جاہل اور ناواقف رہنا بدترین عیب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا جاننا شریف ترین علم ہے یعنی ضروریات دین پر ایمان کے بعد بس اسی کا درجہ ہے۔ اب اگر یہی علم حاصل نہ ہوتو بدون اس کے جس قدر بھی عمل زیادہ ہوگا آفت وہلاکت ہی ہے کیونکہ عمل کی صحت اور اس کی صفائی اسی علم پر موقوف ہے اور یہی وجہ ہے جو علم کو عمل سے افضل کہا جاتا ہے۔ حالانکہ علم تو وسیلہ ہے اور وسیلہ مقصود سے مرتبہ میں کم ہوتا ہے پس اس لحاظ سے عمل کا درجہ زیادہ ہونا چاہیے مگر عمل کی صحت اور صفائی چونکہ علم پر موقوف ہے اس لیے اس میں بھی محتاج الیہ ہونے کی وجہ سے ایک گونہ شان مقصودیت کی آ گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ میری فضیلت تم میں کے ایک ادنیٰ شخص پر۔ چنانچہ آیات وروایات اور آثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کی فضیلت کے باب میں بیشمار وارد ہیں۔ اوران سب میں علم سے مراد علم دین ہے یا جو علم کہ دین کا وسیلہ بنے۔ باقی رہے اور دوسرے علوم تو ان میں تفاوت مراتب ہے۔ بعض مباح ہیں اور بعضے ان میں سے حرام ہیں پس علم کی فضیلت کا مرجع اور مال تین امور ہیں۔ ایک تو یہ کہ صحت عمل کی اس پر موقوف ہے۔ دوسرے یہ کہ علم کا نفع عام ہے اور متعدی ہے یعنی تمام مخلوق کو پہنچتا ہے اور علم کا نفع لازم ہے۔ یعنی خود عامل کی ذات کے ساتھ رہتا ہے۔ اور تیسرے یہ کہ علم سے مقصود قلوب کو مخلوق کی جانب سے پھیر کر خالق کی جانب لانا ہے اور اس کی معرفت اور محبت میں سرشار رہنا ہے۔ اور یہ علم (یعنی جو کہ خالق جل وعلا کی محبت اور معرفت سے متعلق ہے) تو مقصود اصل ہے باقی جس علم کو وسیلہ کہا گیا ہے وہ علم معاملات ہیں (اور معاملات سے مراد یہاں وہ علم ہے جو عمل کا سبب ہو مثلاً علوم تجارت وغیرہ اور آفات نفس کے علوم وغیرہ)۔

پس جس شخص نے علم وسیلہ ہی کو نہ جانا وہ مثل اندھے کے ہے کہ کنوئیں والے راستہ کو راہ نجات سمجھ رہا ہے اور جس شخص نے سیکھا اور عمل نہیں کیا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کہ ہاتھ میں شمع لیے ہوئے ہے مگر راستہ چل نہیں رہا ہے اور جو شخص ہمیشہ کی مشقت میں رہے (یعنی بدون علم صحیح اور نیت صالح کے) وہ اس شخص کی طرح ہے جو راہ تو بہت قطع کرے مگر مقصد کو نہ پہنچے۔ (۳۰)

دین حق کی مدد کے لئے ہر ایک کو ایسی باتوں سے نکل آنا ان اسباب کا پیدا اور حاصل کرنا ضروری ہے جن سے دین وملت کی بقا قرار وقیام اور تقویت ہوتی ہو جس سے یہ ہاتھ آتے ہیں۔ ان میں مقدم اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنّت کا علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے اور وہ سب علوم جو ان کے ابتدائی کاموں اور وسائل میں مدد دیتے ہوں۔ جیسے صرف ونحو اور اسی طرح دوسرے دینی علوم قواعد ادب وانشا وغیرہ کا سیکھنا۔

علم دین فقہ است وتفسیر وحدیث
ہر کہ خواند غیر زایں گردد خبیث

(دین کا علم فقہ تفسیر اور حدیث ہے جو کوئی ان علوم کے سوا پڑھے وہ گندہ ہو جاتا ہے۔)

علوم دین میں سے کوئی علم ایسا نہیں کہ وہ اس دائرہ اور اس معانی کے شامل نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کوئی علم اس سے سوا اس سے باہر نہیں عام اس سے کہ وہ الوہیت کا علم ہو یا خالقیت کا مقام نبوت سے متعلق ہو یا شریعت سے متعلق ہو۔ (۳۱)

مدارج النبوت میں علم حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

> اُمت خدا کے خصائص میں سے ہے کہ انہیں اسناد دی گئی ہیں جن سے آنحضرت ﷺ کی احادیث کا سلسلہ باقی ہے اور روز قیامت تک اسی طرح رہے گا۔ اور یہ خاصہ کسی سابقہ اُمت کو نہیں دیا گیا تھا۔ ان کے انبیاء کے صحائف ان کے ہاتھوں میں تھے۔ انہوں نے اپنی خبروں کو ان میں خلط ملط کر دیا جو ان کو غیر ثقہ حضرات سے ملیں۔ تورات وانجیل میں ملائی گئی خبروں میں امتیاز کا کوئی طریقہ ان کے پاس نہیں تھا۔ لیکن اس اُمت نے ان ثقہ حضرات سے جو اپنے زمانہ میں صدق و امانت کے ساتھ مشہور تھے، سے احادیث لیں اور انہوں نے دوسروں سے لیں یہاں تک کہ سلسلہ نبی پاک ﷺ پر ختم ہوتا ہے۔ انہوں نے احفظ اور اضبط کے مرتبہ کی پہچان کے لیے بحث اور تفتیش کی اور اپنے شیخ کے ساتھ لمبی اور طویل مصاحبت والوں اور کم اور تھوڑی مصاحبت والوں میں تمیز کرتے رہے اور متعدد طریق سے احادیث لکھتے رہے اور احادیث کے الفاظ کو غلط و خطاء اور زلل وخلل سے ضبط کئے اور تہذیب اور تنقیح کرتے تھے۔ بالخصوص اصحاب صحاح، ان میں بخاری اور مسلم عمدہ ترین ہیں جو وہ جلالت وعدالت کے آفتاب ہیں۔ ابو حاتم رازی نے کہا ہے کہ گزشتہ اُمتوں میں آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر ایسے علماء نہیں ہوئے جو اپنے نبیوں اور رسولوں کے آثار کو محفوظ کر لیں سوائے اس اُمت مرحومہ کے۔ (۳۲)

علمائے حدیث (محدثین) کا طریقہ تحقیق وتفتیش یہ ہے کہ وہ روایت، راوی اس کی مناسبت کو سونگھتے اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں نہایت احتیاط کے ساتھ ظاہری و باطنی طور پر اسناد کی صحت کرتے ہیں۔ احادیث کو اصول علم حدیث کے تحت جانچتے ہیں کہ یہ عمل کس طرح کیسا کب اور کیونکر، اور کس کے بارے میں کہا گیا۔ جب پوری طرح سے مطمئن ہو جاتے ہیں تو

روایت کو مانتے خود اس پر عمل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس پر عمل کرنے کے لیے کہتے تھے۔ یہ تحقیق بالکل ایسی ہے جیسا کہ صوفیا نفس کے احوال، اس کے دھوکے، حیلے، چالبازیوں، بے شرمیوں کے وسائل اور اس کی باریکیوں کو جانچتے ہیں اسی طرح فقہاء بھی حرام و حلال، صحت و فساد، برے بھلے کو جانچ کر بیان کرتے ہیں، یہ اہل علم ایک دوسرے کے محتاج ہیں ایکدوسرے کی مدد و اعانت کرتے ہیں اور جو چیز کہ ان تین طریقوں کی جامع ہو وہ اپنی وجوہات کی بناء پر اس کی حیثیتوں کے لحاظ سے سب سے بہتر ہوتی ہے۔ قرآن و حدیث، اقوال، اعمال، مشاہد و معائنہ کے بعد انتہائی خلوص کے ساتھ ادا ہو جائے تو اس سے عمدہ بات کیا ہو سکتی ہے۔ (۴۳)

علم کے ضمن میں حکمت کی توضیح اس طرح کرتے ہیں:

حکمت کو ایک اعلیٰ مرتبہ بہترین درجہ کہا جاتا ہے کیونکہ علم و عمل سے اللہ تعالیٰ کی شناخت ہوتی ہے اور نفس کے کمال حاصل کرنے کا نام حکمت ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کا یہ بھی ایک کمال ہے انسان کے لیے اس سے بڑھکر کسی اور کمال کا تصور نہیں آسکتا۔ حقیقتاً شریعت کی شرع میں جو کچھ ہے وہ مجموعی طور سے علم کلی ہی ہے۔ اس کی تفصیل اس کا بیان حکمت کے ساتھ کر کے منقول کو معقول سے اُجاگر کیا کرتے ہیں۔ بلحاظ انتہا و نتیجہ یہ شریعت کی باطن ہے۔ یعنی شریعت ظاہر اور حکمت اس کی باطن ہے۔ مثلاً شریعت میں جو کہا گیا ہے جن باتوں کی اطلاع دی گئی ہے اور جن چیزوں کے ہونے کی خبر دی گئی جیسے کہ لوح و قلم، جنت و دوزخ، پل صراط، میزان اور اسی طرح کی اور چیزیں، ان کی صورت کا اثبات اور جس سے کہ ان کی شکل بنائی گئی اس کی اضافت اس کے معنی اس کے حقائق کو حکمت ہی سے ثابت کیا جاتا ہے جو معنی از روئے حکمت ہو سکتے ہیں اس کی تعبیر، توضیح و تشریح کی جاتی ہے۔ (۴۴)

اشعۃ اللمعات (ج۔۱) میں ''الحکیم'' کی شرح کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

الحکیم حکمت سے بنا ہے حکمت کمال علم اور حسنِ عمل، ایقان اور علم و عمل کے احکام سے عبارت ہے۔ علم محکم کو بھی حکمت کہتے ہیں پس یہ لفظ احکام کے اضافے کے ساتھ علیم کے معنیٰ میں آتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں حکیم حاکم کا مبالغہ ہے اور حکیم اُسے کہتے ہیں جو حقائق اشیاء کا

عالم ہو اور جو مصنوعات کی باریکیوں کو بہتر طور پر جانتا ہو اور کسی چیز کے بنانے میں بہت محکم اور پائیدار ہو ان تمام معنی میں کمال صرف خدائے تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے ہے۔ چنانچہ وہ جو کام بھی کرتا ہے بہ تقاضائے حکمت کرتا ہے اور دانش اور بینش سے کرتا ہے وہ اپنے کاموں میں سستی و کمزوری سے منزہ و مبرا ہے وہ اسرار کے حقائق و دقائق کو جاننے والا ہے اور جو شخص جان لیتا ہے کہ پروردگار تعالیٰ حکیم ہے اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ اس کے حکم سے راضی ہو اور اس بات کو جانے کہ ہر بات میں اُس نے بہت اعلیٰ حکمتیں رکھی ہیں اگر چہ ظاہراً معلوم نہیں ہوتیں تو اسے چاہیے کہ کسی بات پر اعتراض نہ کرے نہ غصہ کرے اور یہ جانے کہ وہ فاعل مختار اور حاکم علی الاطلاق ہے۔ اس اسم سے متخلق ہونے کی صورت یہ ہے کہ قوت نظریہ کی تکمیل اور قوت عملیہ کی تحسین میں پوری پوری کوشش کرے اور ان علوم و فنون کو اچھی طرح جانے جو اُس کے نفس کی تکمیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس اسم کے مطابق بندے کو یہ بھی چاہیے کہ بے وقوفی اور لغو باتوں سے پرہیز کرے کوئی بھی کام حقانی اشارے اور ربانی تقاضے کے بغیر نہ کرے تاکہ اسم الحکیم کے اطلاق کا مستحق بنے۔ (۳۵)

علم کی خصوصیات کا تذکرہ فرماتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ بے ادب کو علم سکھانا ڈاکو کے مترادف ہے دوسرے یہ کہ ادھورا علم حاصل نہیں کرنا چاہیے بلکہ کسی بھی عنوان پر پورا علم حاصل کرنا چاہیے۔ (۳۶) گویا آپ تحقیقی علم کے قائل تھے۔ رسالہ الدین النصیحۃ میں علم و حکمت کا ملاپ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: علم کی بتائی ہوئی بنیادوں پر کام کرنے کا نام عمل ہے علم کو عمل میں لائے بغیر فائدہ نہیں ملتا اور علم بلا عمل بیکار، بے فائدہ، بے نتیجہ چیز ہے۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ علم کی بزرگی بذاتہ ہے۔ علم علم ہے اس کے جوہر کی نفاست ضرور باقی ہے لیکن عمل سے جو خوبی، روشنی اس میں آجاتی ہے جو چار چاند لگ جاتے ہیں وہ اور ہی صورت ہوتی ہے۔ عمل اصول ضائع و حرفت مثلاً زراعت (کاشتکاری)، کپڑا بننا، تعمیرات (عمارت تعمیر کرنا)، تجارت (کاروبار کرنا) ایسے ہی اور کاروبار و صنعتیں قسم قسم کے پیشے اور چیزیں اسی قسم میں داخل ہیں دین و ملت کی بقاء بلکہ سارے عالم کے معاملات سب آدمیوں کی

زندگی، رہن سہن بلحاظ حکمت اس کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ (۳۷)

حاصل بحث یہ ہے کہ گیارہویں صدی ہجری میں علماء ہند کی توجہ زیادہ تر فلسفہ اور علم کلام کی جانب تھی۔ قرآن و حدیث کو اس زمانے کے نصاب میں ایک ثانوی حیثیت حاصل تھی اگر قرآن و حدیث سے رجوع کیا جاتا تھا تو حیلہ بازی کے جواز کے لیے، تفسیر لکھی جاتی تھی تو تاویلات کا ایک طوفان برپا کرنے کے لیے، ان حالات میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے قرآن و حدیث کو تمام علوم دینی کی اساس و بنیاد قرار دینے کی جدوجہد کی اور اس کے لیے سب سے پہلے خود اسکو عملی جامہ پہنایا اور علوم دینیہ کی تعلیم کو اپنے دارالعلوم میں مرکزی حیثیت دی۔ آپ نے اس ماحول میں اعلان کیا کہ علم صرف وہ ہے جو دین و ملت کی بقاء و تقویت کا باعث ہو۔ کتاب اللہ، احادیث اور علوم صرف و نحو کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہوئے معاشی سہولتوں کے لیے زراعت، تجارت، پارچہ بافی اور معماری کی طرف بھی توجہ دیتے ہیں نیز بے ادب کو علم سکھانے کی ممانعت کرتے ہوئے کسی بھی علم کے حصول کے لیے اس کے تخصص کی تاکید کرتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ العلق: ۳۰

۲۔ افلاطون۔ (۱۹۳۵ء)۔ جمہوریہ (مترجم، مرزا محمد ہادی)۔ دکن: مطبع جامع عثمانیہ۔ ص ۱۶۷

۳۔ افلاطون۔ (س۔ن)۔ ریاست یا تحقیق عدل۔ (مترجم، ذاکر حسین)۔ دہلی: ساہتیہ اکیڈمی۔ صص ۱۷۔ ۲۴

۴۔ الاعراف: ۷

۵۔ الرحمٰن: ۴

۶۔ کنزالایمان۔ ص ۷۶۸

۷۔ السیوطی۔ جامع صغیر۔ (ج۔ ۲)۔ ص ۶۹

۸۔ ۱۶۔ الغزالی، محمد بن محمد۔ (س ن)۔ احیاء العلوم الدین (ج۔ ۱)۔ (مترجم، محمد احسن صدیقی نانوتوی)۔ لاہور: ملک سراج الدین اینڈ سنز۔ ص ۵۰

۹۔ قریشی، اشتیاق حسین (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۴ء)۔ علماء میدان سیاست میں: ۱۵۵۶ تا ۱۹۴۷ء۔ کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی۔ ص ۵

۱۰۔ فاطر: ۲۸

۱۱۔ الحنفی، ابی بکر احمد بن علی الرازی۔ (۱۹۸۰)۔ احکام القرآن (ج۔ ۳)۔ لاہور: سہیل اکیڈمی۔ ص ۳۷۳

۱۲۔ احیاء العلوم (ج۔ ۱)۔ ص ۶۵

۱۳۔ کشف المحجوب۔ ص ۲۹

۱۴۔ دہلوی، عبدالحق محدّث (شیخ)۔ (۱۹۸۱)۔ اشعۃ اللّمعات (جلد اوّل)۔ (مترجم، محمد سعید احمد نقشبندی)۔ لاہور: فرید بک اسٹال۔ ص ۴۸۱

۱۵۔ ایضاً۔ ص ۵۲۲

۱۶۔۔ احیاء العلوم الدین (ج ۱)۔ ں ۱۵۳

۱۷۔ اندلسی، ابن عبدالبر (علاّمہ)۔ (س ن)۔ العلم والعلماء۔ (مترجم: عبدالرزاق ملیح آبادی)۔ لاہور: ادارہ اسلامیہ۔ ص ۱۵۸

۱۸۔ ایضاً۔ ص ۱۱۰

۱۹۔ بخاری، ابوعبداللہ (امام)۔ (س ن)۔ صحیح بخاری (جلد اوّل)۔ (مترجمین، مولانا امجد علی، مولانا ابوالفتح، مولانا سبحان محمود، مولانا قاری احمد)۔ کراچی: محمد سعید اینڈ سنز کمپنی۔ ص ۱۱۹

۲۰۔ العلم والعلماء۔ ص ۱۲۷

۲۱۔ البقرۃ: ۴۲

۲۲۔ العلم والعلماء۔ ص ۱۵

۲۳۔ ایضاً۔ ص ۱۲۲

۲۴۔ احکام القرآن (ج۔۳)۔ ص ۳۷۳

۲۵۔ احیاء العلوم الدین (ج۔۳)۔ ص ۷

۲۶۔ العلم والعلماء۔ ص ۵۵

۲۷۔ المکاتیب والرسائل۔ صص ۱۰۵۔۱۰۶

۲۸۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۱)۔ ص ۵۲۵

۲۹۔ آداب الصالحین۔ ص ۲۲۳

۳۰۔ ایضاً۔ ص ۱۸۵

۳۱۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۹۶۔۹۸

۳۲۔ مدارج النبوت (ج۔۱)۔ ص ۲۳۷

۳۳۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۱۱۰

۳۴۔ ایضاً۔ ص ۱۱۳

۳۵۔ اشعۃ اللمعات (ج۔۱)۔ ص ۴۲۷

۳۶۔ ایضاً (ج۔۱)۔ ص ۴۵۸

۳۷۔ المکاتیب والرسائل۔ صص ۹۸

☆☆☆

باب دوم ۔ فصل ششم

نظریۂ اُمت

ایک چھوٹے یا بڑے گروہ کے افراد جو آپس میں اسطرح رہتے ہوں کہ زندگی کے بنیادی مسائل مل کر حل کریں برادری کہلاتا ہے۔ (۱) اسلامی دنیا نے اپنے طور پر ایک مضبوط قوت کی بناء پر مقامی قومیت کی ترویج کی یہ مساواتی قوتیں جو کہ علاقائی قومیتیں کہلائیں جغرافیائی طور سے چھوٹے علاقوں کی نشاندہی بھی تھیں جیسے مغرب، مصر میں دریائے نیل اور سوڈان، جزیرہ نمائے عرب وغیرہ۔ (۲) قرآن کریم میں کئی مقامات پر اُمت کا لفظ لوگوں کے عام معنوں میں استعمال ہوا ہے جن میں یہ لفظ قوم سے بہت زیادہ فرق کے ساتھ نہیں ہے۔ سورہ الانعام آیت ۳۸ میں یہ جانوروں اور پرندوں کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ قرآنی تاریخ میں مکی سورتوں کی روشنی میں یہ لفظ تمام معنوں میں استعمال ہوا ہے یہ خیال حقیقت میں ہے کہ مدنی زندگی میں حضور ﷺ نے برادری کے ڈھانچہ کے بنیادی مسائل حل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے لیے قرآن کی مدنی آیات میں مسلم برادری کے لیے یہ اصطلاح وضع ہوئی مدینہ میں اُمت، اُمت وسطی (معتدل برادری) اور بعض اوقات اُمت واحدہ کہلائی۔ (۳)

اُمت کا لفظ قرآن میں چالیس بار آیا ہے اور یہ عبرانی زبان کا لفظ امہ سے اخذ شدہ ہے۔ (۴) لیکن واٹ کی جدید تحقیق کے مطابق یہ لفظ قدیم عربی کے لفظ اُم (والدہ) سے نہیں ہے بلکہ سمیرین زبان سے ہے انہی کے مطابق یہ ابتدائی دور میں عربی زبان میں در آیا خواہ وہ بلاواسطہ سمیرین سے آیا ہو یا بالواسطہ عبرانی سے یا آرامی زبانوں سے جو کہ یقینی نہیں ہے۔ (۵) جدید عربی زبان میں ''قوم'' کے معنی نیشنلٹی ہے جبکہ قومیت نیشنل ازم کے مساوی ہے۔ (۶) لہٰذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جماعت، اُمت، ملت، قوم اور شعب ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ جدید معنی صرف خاص سماجی گروپ کی شکل میں ہیں لیکن خصوصی طور پر جماعت کی اصطلاح سوسائٹی کی سماجی مطالب میں استعمال ہوتی ہے۔ ابن خلدون نے اسلام میں سوسائٹی کا ایک اہم نظریہ پیش کیا اس کے لیے ''الاجتماع'' کا بار بار حوالہ دیتا

ہے۔ (۷) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان هذه امّتكم امة واحدةً وانا ربكم فاعبدون (۸)

(تحقیق تمہاری یہ امّت (واقعاً) ایک ہی امّت ہے اور میں ہی تمہارا روزی رساں ہوں) یعنی دوسروں کے در پر کیوں دستک دیتے ہو ان کی طاقت کو نگاہ میں نہ لاؤ، میرے ہی احکام مانو اور ان طاقتور قوموں کے سامنے مت جھکو۔

حق تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْ مِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ
بَعْضٍ يَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْف وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَر (۹)

(مومن مرد اور مومن عورتیں اس میں سے بعض بعض کے دوست
ہیں حکم کرتے ہیں اچھی باتوں کا اور منع کرتے ہیں بری باتوں سے)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

اَلْمُؤمِنُ لِلْمُؤمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّبَعْضُه بَعْضاً

(ایک مومن دوسرے مومن کے حق میں مانند بنیاد کے ہے
کہ اس کا بعض بعض کو مضبوط کرتا ہے)

جس طرح بنیاد اور دیوار میں ایک اینٹ دوسری اینٹ سے کسی اور جڑی ہوتی ہے اور ہر ایک کو دوسرے سے تقویت پہنچتی ہے اسی طرح سے ایک مومن دوسرے کا خیر خواہ اور ناصح ہوتا ہے جسکی وجہ سے ہر ایک کو دوسرے سے دینی قوت حاصل ہوتی ہے۔ (۱۰)

امّت اس جماعت کو کہتے ہیں جس کی جانب کوئی رسول مبعوث کیا گیا ہو۔ اسی طرح ایک گروہ کی جنس کو بھی امّت کہتے ہیں۔ وہ شخص چاہے یہودی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ہو یا نصرانی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم سے پھر وہ اس حال میں مرجائے کہ ایمان نہ لائے اس دین وشریعت پر جسے میں ﷺ لے کر آیا ہوں مگر ایسا شخص اہل دوزخ میں سے ہوگا۔ یعنی جس شخص نے میری نبوت ورسالت کی خبر سنی اسنہ میرا معجزہ بھی اس پر ثابت ہوکر ظاہر

ہو گیا پھر اس نے میرا دین قبول نہیں کیا تو وہ کافر ہے اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا چاہے اہل کتاب میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۱)

فضائل و خصائص اُمّت محمدیہ

عباداتی خصائص: ان پر اموال غنیمت حلال کر دیئے گئے جبکہ کسی دوسری اُمت پر غنائم حلال نہ تھے۔ تمام زمین کو ان کے لیے مسجد بنادی گئی اور مٹی کو انکے لیے پاک کنندہ بنایا۔ پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی جبکہ اُمّت سابقہ میں صرف چار نمازیں ہوتی تھیں عشاء کی نماز نہ تھی۔ اذان، اقامت، نماز میں رکوع کرنا، تحیۃ السلام کے ساتھ ان کی صفیں نماز اور جنگ میں ملائکہ کی صفوں کی مانند ہیں قدر و منزلت اور بارگاہ الٰہیہ میں قرب کے لحاظ سے۔ اُمت کے خصائص میں سے جمعہ بھی ہے کہ اس دن میں وہ مبارک ساعت ہے جس میں جو کچھ اللہ سے درخواست کی جائے عطا کیا جاتا ہے۔

رمضان شریف میں اس اُمت کو پانچ خصوصیات عطا کی گئیں۔ رات کو اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر عنایت سے دیکھتا ہے، سحری کھانا، افطاری میں جلدی کرنا مستحب ہے (روزے کے افطار کے وقت فرشتے انکے لیے استغفار پڑھتے ہیں اور شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے) رات کو تا فجر کھانا پینا اور جماع کرنا مباح کر دیا گیا۔ اور شب قدر عطا کی گئی اس ایک رات کے دوران قیام کرنا ہزار ماہ جنگ و قتال فی سبیل اللہ سے فاضل تر ہے۔

اعمال کے لحاظ سے خصائص امّت: یہ مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے صلوٰت و رحمت اور موجب ہدایت کا سبب بنتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت سے ان تکالیف شاقہ کو اٹھالیا ہے جو پہلی اُمتوں پر تھیں۔ مثلاً خطا اور قتل عمد کے درمیان قصاص کا تعین ہونا، خطا کرنے والے کے عضو کاٹ دینا اور توبہ کے سلسلہ میں اپنی جانیں مارنا وغیرہ۔

☆ جو امور دوسرے لوگوں پر مشکل تھے وہ اس اُمّت پر آسان کر دیئے گئے اور انکے دین میں کوئی بھی مشکل یا سختی نہ رکھی گئی مثلاً اگر کوئی مجبور کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ

لے اور سفر کے دوران روزہ کے افطار اور نماز فرض میں کمی کو مباح کر دیا اور توبہ کا دروازہ دائمی طور پر کھلا رکھا۔

☆ حق تعالیٰ نے خطا و نسیان (۱۲) پر اور جبر و اکراہ سے سرزد شدہ عمل پر مواخذہ نہ رکھا۔

☆ اس اُمت کا اجماع کبھی بھی گمراہی پر نہ ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے میں ﷺ نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ یا اللہ میری اُمت ضلالت پر مجتمع نہ ہو پس حق تعالیٰ نے میرا سوال قبول کر لیا۔ یہ اجماع کی حجت پر دلیل ہے اور ان کا اجماع حجت ہے انکا اختلاف رحمت ہے جبکہ سابقہ اُمتوں کا اختلاف عذاب تھا۔

☆ طاعون اس امت کے لیے شہادت اور رحمت ہوتا ہے جبکہ دیگر اُمتوں پر یہ عذاب تھا۔

☆ کسی آدمی کی نیکی و بھلائی پر دو گواہ ہو جائیں تو انکے لیے جنت واجب ہے۔ جبکہ گزشتہ اُمتوں میں سو آدمی کی گواہی کے بعد جنت واجب ہوتی تھی۔

☆ اُمت مسلمہ کی عمریں بھی تھوڑی ہیں اور اعمال بھی تھوڑے ہیں بمقابلہ گزشتہ کے اور ان کا اجر زیادہ اور وافر ہوتا ہے۔

☆ اس اُمت کو اسناد دی گئی ہیں جن سے آنحضرت ﷺ کی احادیث کا سلسلہ باقی ہے اور روز قیامت تک اسی طرح رہے گا یہ انکی مخصوص خصوصیت ہے۔

☆ تواریخ و انساب کی معرفت عطا کی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصیت کرتے تھے کہ عرب کے شاعروں کے دیوان اور نعت یاد کرو اور ان کا التزام رکھو تا کہ قرآن پاک کی تفسیر کے اسباب اور اعراب کی پہچان میں مدد ملے۔

☆ اس اُمت کو اپنے دین کے متعلق تصنیف و تحریر کتب کی توفیق اور خصوصیت اللہ تعالیٰ سے ملی ہے۔

☆ اس اُمت میں اولیاء، اقطاب، اوتاد، نجباء اور ابدال ہیں۔ حلیہ میں ابونعیم حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع طریق سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: پانچ صد اشخاص اخیار اُمت ہیں اور ابدال چالیس (مرد اور عورتیں) ہیں۔ صفت ابدال سخاوت

اور مسلمانوں کی خیر کے باعث حاصل ہوتی ہے نیز یہ کہ ہر ولی ایک نبی کے قدم پر ہوتا ہے۔ تاریخ بغداد میں خطیب نے لکھا ہے کہ نقیب تعداد میں تین سو، نجباء ستر، ابدال چالیس، اخیار سات، عمد (شاید اوتاد) چار اور ایک غوث ہوتا ہے۔ نقیبوں کا مسکن مغرب، نجباء کا مصر، ابدال کا شام: اخیار زمین پر سیاح، عمد زمین کے کونوں اور غوث کا ہیڈ کوارٹر مکہ شریف ہوتا ہے۔ جب کوئی امر عامہ عارض ہو جائے تو نقیب حاجت برآری کے لیے عاجزی و انکساری سے دعا کرتے ہیں ان کے بعد نجیب پھر ابدال پھر اخیار اور انکے بعد عمد۔ اگر انکی وہ مستجاب ہو جائے تو بہتر ورنہ غوث عاجزی اور دعا کرتا ہے جو قبول ہوتی ہے۔

☆ یہ اُمّت جلال و جمال اور قہر و لطف کے درمیان کمال مرتبہ توسط اور اعتدال کے ساتھ جامع ہے۔ جبکہ شریعت موسوی جلالت اور شریعت عیسوی فضل و احسان اور لطف و کرم والی تھی۔ نصاریٰ کی پیدا کردہ رہبانیت بدعت ہے یہ انہوں نے خود گڑھ لی اللہ تعالیٰ نے انجیل میں نہ یہ لکھی تھی نہ واجب کی تھی۔

☆ اس اُمّت کے لوگوں کو دوسرے لوگوں پر شاہد بنایا اور انہیں رسولوں کے مقام پر کھڑا کیا گیا۔

خصائص اُمّت بعد از وفات

☆ مسلمان گناہ گاروں کی حیثیت میں قبر میں آتے اور قبر سے باہر بے گناہ آئیں گے۔

☆ قیامت کے روز سب سے پہلے اس اُمّت کے لوگ قبر سے نکلیں گے۔

☆ اُمّت محمدیہ کو بلایا جائے گا تو انکے ہاتھ پاؤں اعضاء وغیرہ بوجہ شرف وضو چمکتے ہوں گے۔

☆ قیامت کے دن موقف میں یہ اُمّت بلند اور اونچے مقام پر ہوگی۔

☆ ان کے ماتھے پر مسجدوں کے باعث نشانات چودھویں رات کی طرح جگمگاتے ہوں گے۔ عطا خراسانی نے کہا اس بات کے ضمن میں ہر وہ شخص آتا ہے جو پانچ اوقات کی مفروضہ نماز جماعت میں ادا کرتا ہے۔

☆ انکے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

☆ اس اُمّت کے لوگوں کے آگے اور داہنی طرف ان کا نور چل رہا ہوگا۔ نیز جس چیز کے

لیے انہوں نے سعی و کوشش کی ان کے لیے ہی مخصوص ہے اور وہ بھی جو ان کے بعد ان کے لوگوں نے ان کے حق میں اعمال (جیسے کنویں کھدوانا، درخت لگوانا اور قرآن مجید پڑھنا اور پڑھوانا وغیرہ سرانجام دیئے۔ جبکہ گزشتہ اُمتوں کے لیے صرف وہی اعمال ہیں جو انہوں نے خود کیے تھے۔

☆ تمام سابقہ اُمتوں سے پہلے یہ اُمت بہشت میں جائے گی۔

☆ اُمت سے ستر ہزار لوگ بلا حساب بہشت میں داخل ہوں گے۔

اُمت مسلمہ کو جہاد کے علاوہ بھی متحد ہو کر رہنے کا حکم دیا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے مسلمان اس وقت اتحاد کریں گے جب ان کے روزمرہ کے مفاد انہیں باہم مل کر رہنے پر مجبور کریں گے۔ جب ان کی تجارت، زراعت، صنعت، دفاعی ہتھیاروں کی پیداوار اور ذرائع مواصلات ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح پیوستہ ہوں گے کہ ایک کی شکست دوسروں کو بھی نقصان پہنچائے گی۔ یعنی جب وہ علیحدہ علیحدہ انتظامی وحدتوں یعنی علیحدہ علیحدہ ریاستوں اور حکومتوں میں صرف انتظامی امور کی آسانی کے لیے بٹے ہوں گے اور ان کی ہر طاقت و دولت مشترک ہوگی اور وہ عملاً ایک ہی اُمت کے ہوں گے اور احکام قرآنی کے مطابق زندگی گزار رہے ہونگے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اُمت مسلمہ خیر الامم ہے اور جملہ شریعتوں کے مقابلے میں کامل تر۔ رسول اکرم ﷺ مکارم اخلاق اور محامد افعال کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے تو لازمی طور پر آپکی شریعت اور دین بھی سب سے زیادہ اکمل ہے۔ یہ شریعت جلال و جمال اور قہر و لطف کے درمیان کمال مرتبہ توسط اور اعتدال کے ساتھ جامع ہے۔ کسی جگہ تو آپ ﷺ کی شریعت میں فرائض و ایجاب پائے جاتے ہیں اور کسی جگہ استحباب ہیں۔ مقام شدت پر پائی جاتی ہے اور نرمی کے مقام پر نرمی۔ اگر ایک مقام پر شمشیر چلاتے تھے تو دوسرے مقام پر عطا و بخشش کرتے تھے۔ کہیں عدل و انصاف فرماتے ہیں تو کہیں فضل و کرم سے نوازتے ہیں۔ ایک وقت پر فرمایا جا رہا ہے کہ بدی کے بدلے میں اس کے برابر بدی کی جائے اور یہ تقاضہ عدل ہے اور دوسرے قوت پر آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جو معاف کردے اور اصلاح کرے

اس کا اجر بذمہ رب تعالیٰ ہے لہذا یہ آپ کا فضل اور مہربانی ہے۔ اس سے عدل و انصاف ضروری قرار دیا اور ظلم کو حرام، ہر خبیث اور نقصان دہ چیز کو اس اُمّت پر حرام کر دیا گیا اور ہر پاک اور فائدہ مند چیز کو مباح کر دیا۔ اس اُمّت کے لیے یہاں تحریم باعث رحمت ہے اور سابقہ اُمّتوں کے لیے باعث عقوبت تھی۔

اس اُمّت کے لوگوں کو دوسرے لوگوں پر شاہد بنایا اور انہیں رسولوں کے مقام پر کھڑا کیا گیا۔ کیونکہ وہ اپنی اپنی اُمّتوں پر گواہ بنائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اُمّتوں میں سے اس اُمّت کو بہتر اُمّت بنایا گیا۔ اور اس اُمّت کو مخصوص کر دیا گیا فضائل و کرامات سے اور مراتب و درجات سے خصوصیت عطا کی۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے اختصاص عطا فرماتا ہے اور بہت بڑے فضل والا ہے۔ (۱۳) مرج البحرین میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے خاص طور پر اس بات کی نشاندہی کی کہ "اہل قبلہ کو کافر نہیں کہنا چاہیے اور نہ انکو دائرہ اسلام سے خارج سمجھنا چاہیے"۔ (۱۴) اس ضمن میں مولوی اشرف تھانوی رقمطراز ہیں: آجکل کہنے کے تو علم کی ترقی ہو رہی ہے مگر حقیقت میں جہل کا بازار گرم ہے۔ ہر شخص مجتہد اور محقق بنا ہوا ہے جہاں کسی سے ذرا سی کوئی بات خلاف نفس ہوئی اور کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ (۱۵)

حقوق مسلم

☆ وہ تمام حقوق جو ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر ہیں انکا حاصل تمام ہی حقوق کو حاوی ہے کہ مسلمان کو اس طرح محبوب رکھے جیسے اپنے نفس کو رکھتا ہے یہ کمال دینداری اور اعلیٰ درجہ کا مسلمان ہونا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے اتفاق و اتحاد میں مسلمانوں کی مثال جسم کی سی ہے کہ اگر اسکے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو دوسرے اعضاء بھی بیقرار ہو جاتے ہیں مسلمانوں کو اس طرح ہونا چاہیے کہ ایک کی تکلیف سے دوسرا بھی بے قرار ہو جائے اور اسکے دفع کی تدبیر کرے۔

☆ کسی مسلمان کو تمہارے ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہ پہنچے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسلمان کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرو اور اگر بھلائی نہ کر سکو تو کم از کم اسکو تکلیف نہ پہنچاؤ

کہ یہ بھی ایک قسم کی بھلائی ہی ہے۔

☆ کسی مسلمان کو بدون کسی شرعی وجہ کے تکلیف پہنچانا بدترین عمل ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے راستہ سے ایذاء کی چیزوں کو دور کرو جیسے کانٹا، کنکر، پتھر، کیلے کے چھلکے وغیرہ یا کوئی موذی انسان یا جانور بیٹھا ہو تو اسکو بھی ہٹا دینا اسی میں داخل ہے۔

☆ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ تواضع سے پیش آئے اور تکبر کو راہ نہ دے۔

☆ کسی مسلمان کی چغلی نہ کھائے یعنی کسی کی بات کسی کو نہ لگائے۔

☆ اگر کبھی کسی مسلمان سے لڑائی ہو جائے تو تین دن سے زیادہ ناراض نہ رہے۔

☆ بدون کسی امتیاز اور فرق کے جس کسی بھی مسلمان کے ساتھ حسن سلوک کرسکو ضرور کرو خواہ وہ اہل ہو یا نااہل۔

☆ ہر شخص سے اس سے حال کے مناسب معاملہ کرے اور اس کے مرتبہ کے مطابق اپنا طور رکھے۔

☆ اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے کشادہ روئی کے ساتھ ملے اور نرمی سے پیش آئے۔

☆ کسی سے وعدہ کرے تو پورا کرے۔

☆ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہو۔

☆ بڑے بوڑھوں کا ادب کرے اور چھوٹوں پر رحم اور شفقت کرے۔

☆ کسی مسلمان کی ظاہری ہیئت اور لباس وغیرہ سے معلوم ہو رہا ہو کہ کوئی بڑے مرتبے کا شخص ہے تو اس کی رعایت کرے اور اس کے مرتبے کا لحاظ کرے۔

☆ اگر ہو سکے تو مسلمانوں میں باہم صلح کرا دیا کرے۔

☆ مسلمانوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرے۔

☆ تہمت کی جگہوں میں جانے سے پرہیز کرے تا کہ دوسرے لوگ بدگمانی میں نہ پڑیں۔

☆ محتاجوں اور غریبوں کی سفارش کرے ایسے شخص سے کہ جس کے یہاں کچھ قدر و منزلت رکھتا ہو اور مسلمانوں کی حاجت روائی میں سعی کرے۔

☆ کسی مجلس میں حاضر ہونے سے پہلے اور گفتگو کرنے سے پہلے مسلمانوں کو سلام کرے۔

☆ سلام کے ساتھ مصافحہ بھی کرے۔

☆ اپنے مسلمان بھائیوں کی جان، مال اور آبرو کو حتی الوسع ظالموں کے پنجرے سے محفوظ رکھے اور مظلوموں کی فریاد کو پہنچے۔

☆ جب کوئی مسلمان اس پر الحمدللہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے۔

☆ شریر لوگوں سے پرہیز کرے اور خلق و مدارت کا معاملہ رکھتے ہوئے اپنے کو ان کے شر سے محفوظ رکھے اور اپنی زبان پر انکی برائی نہ لائے کہ موجب فتنہ وفساد ہے۔

☆ مسلمانوں میں سے فقیروں اور مسکینوں سے ملا کرے اور یتیموں پر شفقت اور احسان کرے۔

☆ ہمیشہ سب مسلمانوں کا خیر خواہ رہے اور انکی حاجت روائیوں میں کوشش کرے۔

☆ کوئی مسلمان بیمار ہو تو اسکی عیادت کو جائے اور وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو۔

☆ مسلمان بھائی کی تعزیت کرے۔

☆ کبھی کبھی زیارت قبور کو جایا کرے۔ اس سے مقصود صاحب قبر کے لیے دعا کرنی اور اپنے قلب کو نرم کرنا ہو۔(۱۶)

جتنے بھی کلمہ گو ہیں وہ سب کے سب اللہ سے نسبت رکھتے ہیں حقیقت میں کے ساتھ انہیں انتساب (نسبت کرنا، لگاؤ کرنا) حاصل ہے حق سبحانہ تعالیٰ کو ایمانی قوت کی تحقیر پسند نہیں اگرچہ وہ بدکار ہی کیوں نہ ہوں اس کو بُرا نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ جو فعل یا برائی ان سے صادر ہو بلحاظ شرع بُرا سمجھنا لازمی بات ہے لیکن لعن طعن کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جو لوگ محبت کرتے اور رکھتے ہیں اگر ان سے برے اعمال سرزد ہو جائیں تو وہ سزائیں جو شرع شریف میں مقرر ہیں، اللہ ورسول کی نیابت میں انہیں دی جاتی اس لیے ضروری ہیں کہ انہوں نے نسبت کی بے عزتی کر کے اپنی سزا آپ پیدا کر لی۔ اپنے آپ کو ذلیل اور سزا کا مستحق بنا لیا۔ ان پر حد جاری کرنا (مقررہ شرعی سزا کا دینا) اس لیے

ضروری ہے کہ وہ اپنے مخصوص پابندیوں کی حد سے نکل گئے۔ یہ بھی حکم ہے کہ کسی کو سزا دینے میں نفس کا دخل نہ ہو۔ زبان لعن طعن، گالی گلوچ سے محفوظ رہے۔ تاکہ ضرر کے لوٹ آنے کا سبب نہ ہو جائے۔ بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جس میں ضرر لوٹ آتا ہے۔ بعض لوگوں کا تکلیف میں مبتلا اور بیمار ہو جانا، صدمہ اٹھانا اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگ ایسے حضرات کو جو حدود شریعت پر قائم ہیں چھیڑتے ان سے بری طرح سے پیش آتے ہیں۔ یہ چھیڑنا بری طرح سے پیش آنا اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ حق پر نہیں ہیں بلکہ ان کے حق پر ہونے کے باوجود ان کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں اس کا بدلہ پاتے ہیں ایسی حرکت ہم سے سرزد نہ ہونے کے لیے ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتے ہیں۔ میرے سردار حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مومنین نیک ہوں یا بد ان کی عزت کیا کرو۔ ان کی تحقیر ان سے بدسلوکی نہ کرو۔ ان کے حال پر انہیں چھوڑ دو۔ ان پر رحم اور ان کی بہتری کی دعا کرتے رہو۔ (۱۷)

غرض ان تمام اخلاق کا حاصل یہ ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرے وہی تمام مسلمانوں کے لیے پسند کرے کہ یہی کمالِ ایمان ہے۔

بنیادی حقوق: اسلام نے انسانی حقوق کی ضمانت اس وقت دی جب دنیا اس تصور سے ناآشنا تھی۔ انسانی حقوق اسلامی ریاست کے دستور کا ایک ناقابل تغیر جز و تصور ہوتے ہیں۔ اور اسلام کی تمام پالیسیوں کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ احترام آدمیت اسلام کے بنیادی تصورات میں سے ہے، اور قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں حضور نبی کریم ﷺ نے ان حقوق کا جو خلاصہ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطاب میں بیان فرمایا وہ آج بھی بنی نوع انسان کے لیے شمع ہدایت کا کام دیتا ہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اسلام میں فرد کے حقوق و فرائض اور اس کی صلاحیتوں کے ارتقا کا تصور ملت کے ساتھ وابستگی سے ہے کیونکہ دین اسلام کی اعلیٰ اخلاقی و روحانی اقدار کا نفاذ اور فروغ بھی تو ایک اسلامی معاشرے ہی میں ممکن ہے۔ اس لیے جہاں فرد کے اوپر حکومت اور ملت کے حقوق اور فرائض عائد ہوتے ہیں وہاں حکومت پر بھی یہ ذمہ داری آتی ہے کہ وہ انسان کے بنیادی

حقوق کا تحفظ کرے۔ (۱۸)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ) کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان امن و سلامتی میں رہیں کہ زبان سے کسی کو گالی نہ دے اور کسی کی غیبت نہ کرے اور کوئی نازیبا بات نہ کرے۔ اور ہاتھ سے نہ کسی کو مارے نہ تکلیف دے اور نہ غضب و غصہ کا اظہار کرے۔ ہاتھ اور زبان کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ ایذاء اور تکلیف پہنچانے کی اکثر انواع انہیں دو اعضاء سے تعلق رکھتی ہیں اور انسان کے نفس اور باطن میں جو کچھ ہے زبان اس کی ترجمان اور معبر ہے اور زیادہ تر کام ہاتھ سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اور زبان کا ذکر پہلے اس لیے فرمایا کہ زبان سے ایذاء پہنچانا زیادہ اور سخت تر ہوتا ہے اور زبان سے ہی گزرے ہوئے اور موجود اور آنے والے لوگوں کو بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔ ہاتھ سے تو صرف سامنے موجود اور حاضر لوگوں کو ہی اذیت دی جاسکتی ہے اور لکھنا زبان سے کہنے کی طرح ہے بلکہ اس میں زبان اور ہاتھ دونوں شریک ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کی تخصیص غالب صورت حال کے تحت ہے ورنہ کافر جو ذمی اور مطیع اسلام ہوں وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں اور ابن حبان کی روایت میں۔ (من سلّم الناس) کے الفاظ زیادہ عام ہیں جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ بہر صورت وہ اذیت مراد ہے جو ناحق دی جائے۔ ورنہ حکم شرع کے مطابق جو زجر و زدوکوب اور جو گالی وغیرہ ہو جائز و روا ہے بلکہ بعض اوقات واجب اور ضروری ہو جاتی ہے۔ آداب الصالحین میں لکھتے ہیں:

بنی آدم اعضاء یکدیگر اند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

(تمام بنی آدم ایک دوسرے کے لیے بمنزلہ اعضاء کے ہیں اس لیے کہ ایک ہی ذات سے

سب وجود میں آئے اور عضو کا یہ حال ہے کہ اگر ایک عضو کو بھی تکلیف ہو جاتی ہے تو دوسرے تمام اعضا سے بھی قرار جاتا رہتا ہے)

شرع میں دیگر بنیادی حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ احترام آدمیت کی تلقین (۱۹)
۲۔ غیبت سے گریز کی ہدایت (۲۰)
۳۔ بدگمانی سے بچنے کی ہدایت (۲۱)
۴۔ خواتین کے معاملہ میں حد درجہ احتیاط (۲۲)
۵۔ شہریوں کی جان کی حفاظت کرنا (۲۳)۔
۶۔ شہریوں کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنا۔
۷۔ رعایا کے مال و جائیداد کی حفاظت کرنا۔
۸۔ رعایا کو ضروریات زندگی بہم پہنچانا۔
۹۔ شہریوں کو انفرادی ملکیت رکھنے کی اجازت دینا
۱۰۔ رعایا کو اظہار رائے کی آزادی دینا
۱۱۔ شہریوں کو سستا انصاف بہم پہنچانا
۱۲۔ رعایا کو انفرادی آزادی دینا
۱۳۔ شہریوں کو ضمیر و اعتقاد کی آزادی دینا
۱۴۔ معذوروں اور کمزوروں کی کفالت اور تحفظ کرنا
۱۵۔ رعایا کو گناہوں اور گناہ کے کاموں سے بچائے رکھنا
۱۶۔ شہریوں کو کسی ظالم کے حکم ماننے پر مجبور نہ کرنا
۱۷۔ رعایا کو امور سیاست میں شریک ہونے کی اجازت دینا
۸ ۔ شہریوں کو مذہبی دل آزاری سے محفوظ رکھنا
۱۹۔ رعایا کو اجتماع کرنے کی آزادی دینا

۲۰۔ اصل مجرم ہی کو سزا دینا

۲۱۔ ایک کے جرم کی سزا دوسرے کو نہ دینا

۲۲۔ صرف شبہات کی بنیاد پر فیصلہ صادر نہ کرنا

۲۳۔ تعلیم کو عام اور مفت کرنا

۲۴۔ رفاہ عامہ کی بنیادی سہولتیں فراہم کرنا

۲۵۔ امن عامہ قائم کرنا

۲۶۔ علم کی اشاعت کے لیے دارالمطالعے قائم کرنا

۲۷۔ رعایا کو سکونت کی آزادی دینا

۲۸۔ شہریوں کی صحت کی حفاظت کے لیے مناسب انتظامات کرنا

۲۹۔ عام راستوں کی دیکھ بھال کرنا

۳۰۔ صفائی ستھرائی کا معقول بندوبست کرنا

۳۱۔ عوام کی سہولت کے لیے ہر محکمے میں فرض شناس اور دیانتدار عملے کا تقرر کرنا

۳۲۔ سرکاری ملازمین کے فرائض کی نگرانی کرنا

۳۳۔ طبقاتی نظام کا خاتمہ کرنا

۳۴۔ ممنوع اور حرام اشیاء کے کاروبار پر پابندی لگانا

۳۵۔ اسلامی نظام اخلاق کو موثر طور پر نافذ کرنا

۳۶۔ بیواؤں، یتیموں، مسکینوں اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کی امداد و کفالت کا مناسب بندوبست کرنا

۳۷۔ ملی و قومی اتحاد کو فروغ دینا

۳۸۔ مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کا معقول انتظام کرنا

۳۹۔ بلا امتیاز رنگ و نسل تمام شہریوں کو بنیادی سہولتیں فراہم کرنا

۴۰۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو قانون کی حدود میں رہتے ہوئے مذہبی آزادی دینا

۱۴۔ب غرمسلم باشندوں کو محدود مذہبی آزادی دینا (۲۴)

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ایذاء دینا مسلمانوں کی صفت اور شان کے خلاف ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ اس کی یہی شان ہو۔ اور جس کی یہ شان وصفت نہ ہو وہ گویا مسلمانوں میں سے نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ جو شخص صرف یہ صفت رکھتا ہو وہ مومن کامل ہے۔ اگرچہ باقی احکام و ارکان دین میں سستی اور کوتاہی کرتا ہو جیسا کہ ملحد اور بے دین لوگ مطلب نکالتے ہیں۔

مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن — کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست (۲۵)

(کسی کے درپے آزار نہ ہو اس کے سوا جو چاہے کر کہ
ہماری شریعت میں اس کے سوا کوئی گناہ نہیں)

بخاری و مسلم کی حدیث کے مطابق مظلوم انسان کی مدد کرو، کی تشریح یہ ہے کہ وہ انسان چاہے ذمی ہو یا کافر (اسلامی حکومت کی قلمرو میں رہنے والا غیر مسلم) اور چاہے مستامن (چند روز کے لیے دارالسلام میں آنے والا غیر مسلم) ہو۔ (۲۶) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ ”ان (غیر مسلموں) کا خون ہمارے خون کی طرح ہے“۔ (۲۷)

اللہ کی مخلوق پر شفقت (مہربانی) کی نسبت حاصل کرنا، محبت کا رشتہ جوڑنا فیض و رحمت کا پانا ہم جنسی اور جنسیت کے علاقہ و تعلق کی رعایت کرنا، انصاف کا راستہ طے کرنا، انصاف کرنا، مولیٰ تعالیٰ کی شکر گذاری میں رہنا بہت بلند مرتبہ اعلیٰ مقام ہونے کے علاوہ سلامتی فطرت، بلندی ہمت ذکار طبیعت کی دلیل ہے۔ دنیا و آخرت میں اچھے بدلے اچھے ذکر خوشنودی و رضامندی حق تعالیٰ کا سبب و ذریعہ ہے۔ خلق کے ساتھ معاملت اور کاروبار یہ ہے کہ ان کے حقوق کی ادائی اچھی طرح ہو جائے ان کا حق ان کو پہنچا دیا جائے۔ نرمی معافی درگزر جو ہو سکتی ہے وہ کی جائے ان کی ہر ایسی بات ہر ایسی چیز سے جو دل کو کچھ اور کر دے، الٹ پلٹ دے۔ صحیح راستہ سے ہٹانے پر بھاگ کھڑا ہونا ضروری ہے اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ایسی بات یا چیز جو حق ہو، حق کے لیے ہو، حقیقت رکھتی ہو۔ واجب و لازم ہو۔ جس کے بغیر چارہ نہ ہو اس کا ماننا اس میں رہنا اس کا کرنا ضروری ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی جاننا ضروری

ہے کہ وہ مقررہ حدود ہی کے اندر ہوں (۲۸)

ابو نصر فارابی نے اپنے سماجی نظام کی فلسفیانہ توضیح افلاطون کے مطابق کی۔ اسکے مطابق مدینہ جو کہ ایک مثالی شہری ریاست تھی اس میں رسول اکرم ﷺ "فلسفی بادشاہ" کے طور پر سربراہ تھے۔ یہ چھوٹی شہری ریاست اسلامی اُمت بنی اور یہ عالمی اُمت میں تبدیل ہوئی۔ (۲۹) خلافت کے روایتی عالمگیر نظریہ کی شرح، عالمی اور غیر تقسیمی اسلامی ریاست کے حوالے سے مسلمان فقہاء جیسے الماوردی، ابویعلی نے کی۔ انہوں نے دارالاسلام کے طول وعرض میں ایک سے زیادہ خلیفہ کی قانونی موجودگی کو تسلیم نہیں کیا۔ (۳۰)

دورِ جدید میں اسلامی قومیت کی توضیح سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کی ان کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور پھر جمال الدین افغانی نے اس کی تشریح کی۔ اس بات کا احساس برصغیر کے مسلمانوں کو تقسیم ہند کے وقت ہوا۔ اس دوران علامہ اقبال نے نظریۂ خودی کے ذریعے اس بات کی وضاحت کی کہ ملت کا انحصار مذہب پر ہے۔ آپ نے پرزور وکالت کرتے ہوئے واضح کیا کہ اسلامی روحانی عالمگیریت کی اساس نظریۂ توحید ہے جو کہ قطعاً وطنی قومیت کے مخالف ہے اگرچہ دیوبند مکتبہ فکر کی ایک مضبوط مذہبی جماعت اس بات کی تائید نہیں کرتی تھی۔ (۳۱)

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا نظریۂ اُمت یہ ہے کہ:

اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ﷺ ہے

حواشی وحوالہ جات

۱۔ Mclver, R.M.(1928).Community. London.p 22

۲۔ Tutsch, Hans E.(1965).Facts of Arab Nationalism. Detroit:Wayne State University Press. pp 124-128

۳۔ Watt, W.M.(1956). Muhammad at Medina.Oxford: University Press. p 68.

۴۔ Hughes, T.P. (1935).Dictionary of Islam. London: W.H.Allen & Co.Lahore:Premier Book House. p 654

۵۔ Muhammad at Medina, op.cit, p 240

۶۔ Wehr, Hans. (1961). A Dictionary of Modern Written Arabic, edited by J.M. Cowan Wiesbaden:Otta Marrassowitz. p 800

۷۔ مقدمہ ابن خلدون (ج ۔۱) ۔ص ۳۵

۸۔ الانبیاء: ۹۲

۹۔ التوبہ: ۷۱

۱۰۔ آداب الصالحین ۔ص ۲۴۵

۱۱۔ اشعۃ اللمعات (ج ۔۱) ۔ص ۲۲۰

۱۲۔ نسیان یہ ہے کہ آدمی بالکل ہی بھول جائے خطا یہ ہے کہ یاد تو ہو مگر عمل غلط کرتا ہے جیسے کہ روزہ رکھنے والے کو اپنا روزہ تو یاد ہوتا ہے لیکن کلی کرتے وقت حلق میں پانی چلا جائے۔ اور اکراہ یہ ہے کہ کسی کو زبردستی کسی کام کے کرنے پر مجبور کرنا۔ جس طرح کہ ظالم زبردستی کرے اور کہے کہ تم منہ سے کلمہ کفر ادا کرو نہیں تو میں تجھے مار دوں گا اس مقام پر وہ اگر کفریہ کلام کرے اور دل اپنی جگہ پر ثابت و برقرار رہے تو کوئی نقصان نہیں ہے اس پر مواخذہ نہیں ہے۔

۱۳۔ مدارج النبوت (ج ۔۱) ۔ص ۲۲۸۔۲۳۲

۱۴۔ مرج البحرین ۔ص ۹۵

۱۵۔ الصداق نمبر ۱۔ (۱۹۹۶ء) ۔ص ۳۸

۱۶۔ آداب الصالحین ۔ص ۱۱۵۔۱۴۴

۱۷۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۵۸

۱۸۔ انوارالحق، شیخ (جسٹس)۔ تصور ریاست اسلامی تعلیمات قرآنی کی روشنی میں۔ مذاکرہ ہمدرد۔ ص ۳۴

۱۹۔ الحجرات: ۱۱

۲۰۔ الحجرات: ۱۲

۲۱۔ الحجرات: ۱۲

۲۲۔ النور: ۲۳۔ ۲۵

۲۳۔ بنی اسرائیل: ۳۳

۲۴۔ پروفیسر اکرام الرحمٰن۔ تصور ریاست اسلامی تعلیمات قرآنی کی روشنی میں۔ مذاکرہ ہمدرد۔ ص ۱۰۴۔ ۱۰۵

۲۵۔ اشعۃ اللمعات (ج۔ ۱)۔ ص ۲۱۴

۲۶۔ اشعۃ اللمعات (ج۔ ۲)۔ ص ۳۹۷

۲۷۔ Anwar Hashmi. (1976). An Introduction to Islamic Idealogy.Karachi: Karachi Book Center. p 158

۲۸۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۱۳

۲۹۔ Al-Farabi.(1345 A.H). Rasail Tahsil al-asadah. Hyderabad Deccan: Matba'Da'irah al-Ma'arif al-'Uthmaniyah. p 2.

۳۰۔ Al-Farabi,(1895). Madinah al-Fadila. Leiden. p 126

۳۱۔ Ahmed ,Manzooruddin, Pakistan.........Isalmic State, op.cit., pp 86-88

☆☆☆

باب دوم فصل ہفتم

نظریۂ جہاد

انسانی تمدن کی بنیاد جس قانون پر قائم ہے اس کی پہلی شق یہ ہے کہ انسان کی جان اور خون محترم ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کہ تمام مذاہب اور سیاسی قوانین اس کے تقدس اور تکریم کو اہمیت دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ظلم و بربریت انسانی تہذیب کے لیے ہمیشہ خطرہ رہا ہے اسی ظلم کو روکنے اور ختم کرنے کے لیے دین اسلام نے جہاد کی ترغیب دی ہے۔ لفظ جہاد، جہد سے نکلا ہے جس کے معنی طاقت اور مشقت کے ہیں۔ جہاد اور مجاہدہ دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنا جنگ کا ارادہ کرنا، اس کے لیے نکلنا اور قوت و طاقت کا صرف کرنا ہی مُراد نہیں ہے کیونکہ مؤلف مشکوٰۃ شریف ''کتاب الجہاد'' میں ایک باب جہاد میں جنگ کرنا لائے ہیں اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے بغیر بھی جہاد ہوتا ہے۔ کافروں کے ساتھ جہاد فرض کفایہ ہے ہاں اگر جنگ کا اعلان عام ہو تو فرض عین ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بتیس مختلف مقامات پر جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱) جہاد سے کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں حتیٰ کہ خود نبی اکرم ﷺ سے بھی ارشاد ہوتا ہے:

یایھا النبی جاھد الکفار و المنفقین و اغلظ علیھم. (۲)

(اے نبی ﷺ کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر شدت کیجیے۔)

فلا تطع الکفرین وجاھدھم بہ جھاداً کبیراً. (۳)

(پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور ان سے زور شور سے لڑیں)

فلسفہ جہاد بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ان چیزوں سے جو بہادری کا سبب بنتی ہیں وہ انسان کا علم یقین ہے۔ اس نکتے کے بارے میں کہ انسان کا حال ان دو چیزوں سے خالی نہیں۔

دو روز حذر کردن از مرگ روانیست
روزی کہ قضا باشد وروزی کہ قضا نیست
روزی کہ قضا باشد کوشش نکند سود
روزی کہ قضا نیست درمرگ روانیست (۴)

(دو دن موت سے ڈرنا جائز نہیں ایک وہ جس دن موت آنی ہے دوسرا وہ
جس دن موت نہیں آنی جس دن موت آنی ہے موت سے بچنے کی کوئی کوشش
فائدہ مند نہیں اور جس دن موت نہیں آنی اس میں موت کا آنا ممکن نہیں)

جس دن اس کی موت تقدیر میں لکھ دی گئی ہے اس روز اگر ہزار بہانے کیے جائیں تب بھی جان کی سلامتی ممکن نہیں اور جس دن انسان کی موت کو نہیں لکھا گیا اس دن تلواریں بھی اس کے سر پر برسائیں یا وہ آگ میں گر جائے وہ نہیں مرے گا۔ (۵) اور یہ بات قرآن نے یوں کہی ہے کہ:

اذ جآء اجلھم فلایستاخرون ساعة ولا یستقدمون (۶)

(جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹیں نہ آگے بڑھیں)

اس کی علاوہ دنیا کی زندگی اور حیات مستعار آخرت کی نعمتوں اور ہمیشہ رہنے والی دنیا کے مقابلے میں ضائع کرے۔ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص دین کی تقویت اس کی تائید اور خدا کے راستے میں جان کی بازی لگا دیتا ہے اس کو ملک ابدی اور حیات جاودانی بخشی جاتی ہے اس سے زیادہ سود مند اور کیا سودا ہوگا۔

جان بجانان دہ وگرنہ از تو بستاند اجل
ہم تو منصف باش آخر آن نکو یا این نکو

(جان محبوب کو دے دیں ورنہ تجھ سے موت تو لے ہی
جائے گی۔ اب تم خود فیصلہ کرو بہتر ہے یا یہ بہتر)

کہا جاتا ہے کہ بہادری کا نشان یہ ہے کہ بہادر پوچھے کہ دشمن کہاں ہے یہ نہ پوچھے کہ اس کی تعداد کتنی ہے۔ (۷) حقیقت یہ ہے کہ ہر مسلمان اللہ کی راہ میں لڑنے والا مجاہد ہے اور ہر مسلمان کی زندگی اور مال جنت کے عوض اللہ کے ہاتھ فروخت ہو چکا ہے اس لیے اگر وہ اللہ کی راہ میں اپنا مال اور اپنی زندگی صرف کرتا ہے تو محض ایک عہد کو نبھاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ ط
یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون .(۸)

(بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی زندگیاں اور مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں اس لیے وہ اللہ کی راہ میں لڑائی کرتے ہیں اور قتل کرتے اور قتل ہوتے ہیں۔)

مگر اللہ کی راہ میں قتل ہونا کوئی گھاٹے کا سودا نہیں کیونکہ جنت کی بشارت کے علاوہ یہ بشارت بھی موجود ہے: اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں مگر تم ان کی زندگی (کے راز) کو سمجھ نہیں سکتے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ جہاد ایک ایسا فریضہ ہے جو ہر مسلمان کو بہر حال انجام دینا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان مرد کو جو جسمانی طور پر معذور نہ ہو بوقت ضرورت محاذ جنگ پر جانا پڑے گا اور دشمنان اسلام سے لڑنا پڑے گا۔

قرآن کریم میں جہاد کا جہاں بھی ذکر آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص پر دونوں (جہاد بالمال اور جہاد بالسیف) طرح کا جہاد فرض ہے، اور اگر کوئی شخص جہاد کے لیے روپیہ اور سامان جنگ فراہم کرتا ہے تو جہاں بالسیف اس کو معاف نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اگر کسی وجہ سے وہ جہاد بالسیف سے معذور ہے تو بھی جہاد بالمال کے باوصف وہ ان کا (مجاہدین کا) ہمسر نہیں ہو سکتا جو میدان جنگ میں اپنی جانیں پیش کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فضل اللہ المجاھدین باموالھم و انفسھم علی القاعدین درجۃ.(۹)

(مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجے میں فضیلت دی ہے)

اس طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وفضل اللہ المجاھدین علی القعدین اجراً عظیماً۔ (۱۰)

(اجر عظیم کے لحاظ سے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت بخشی ہے۔)

جہاد کرنے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں اعلیٰ مقام یقینی ہے۔ جہاد زبان، اعضاء، دعوت و بیان (تصانیف و تالیفات) اور تلوار برچھے سے بھی ہوتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ جہاد کی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ جہاد نفس ۲۔ جہاد شیطان ۳۔ جہاد کفار ۴۔ جہاد منافقین

جہاد نفس: اس جہاد کی مزید چار صورتیں ہیں۔

ا۔ دین کا علم حاصل کرنا

ب۔ مشکلات پر صبر کرنا

ج۔ دعوت تبلیغ میں حائل مشکلات پر صبر کرنا

د۔ خلق کی طرف سے دی گئی تکالیف برداشت کرنا

جہاد شیطان: اس جہاد کی دو صورتیں ہیں۔

ا۔ ان وسوسوں کا مقابلہ کرنا جو شیطان کسی مسلمان کے دل میں ایمان و عقائد کے مسائل کے ضمن میں ڈالتا ہے۔

ب۔ دین کے احکامات پر راسخ رہنا۔ احکام شریعت کے خلاف شیطان جو خواہش پیدا کرے انہیں دفع کرنے کی کوشش کرنا، احکام دین پر راسخ رہنا اور انکی تعمیل کرنا نیز اس راہ میں کہ صلاح و فلاح ہے کو یقینی جاننا۔

جہاد کفار و منافقین: اس ضمن میں جہاد کی چار صورتیں ہیں۔

ا۔ اپنی زبان، جان اور مال سے ان کا مقابلہ کرنا۔

حکم الٰہی ادا کرتے ہوئے کفر و نفاق کے انکار میں اپنی جان قربان کرنا۔

ج۔ ان سے دلی نفرت کرتے ہوئے جدال و قتال کرنا
د۔ ظالموں اور اہل بدعت کے ساتھ۔

مختصر یہ کہ ناپسندیدہ باتوں اور بدعت سے جہاد کرنے کا مطلب حکم الٰہی (نیکی کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا) پر عمل کرنا ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ ہاتھ سے (بزور طاقت): اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر کسی موقع پر جنگ کرنا پڑے، قتل کرنا ہو یا مار پیٹ کی نوبت آئے تو ایسا کریں۔

۲۔ زبان سے: اگر بزور طاقت عاجز ہو تو زبان سے برا جانے اور برا بھلا کہہ کر منع کر دے۔

۳۔ دل سے: اگر زبان سے بھی عاجز ہو جائے تو اس کام کا دل سے انکار کرے اور اسے دفع کرنے کا قصد رکھے۔

جہاد کے ان مذکورہ تیرہ مرتبوں (صورتیں) سے بے بہرہ ہو وہ نفاق سے بہرہ مند رہے گا یعنی وہ منافق ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ جو اپنا حال بیان نہ کرے اور مرے اور جہاد پر آمادہ نہ ہو، وہ نفاق پر مرا۔ نفاق کی دیگر علامتوں میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو جہاد کے لیے تیار نہ کرے اور نہ ارادہ کرے اور بزدلی دکھائے وہ کفر و نفاق کی حالت میں مرے گا۔ رسول اکرم ﷺ کی ذات میں جہاد کی تمام قسمیں اکمل اور اعلیٰ طریقے پر موجود تھیں۔ اعلان رسالت کے پہلے روز سے سفر آخرت کے زمانے تک آپ ﷺ ہمیشہ جہاد میں مصروف رہے۔ جن ہو یا انس، عجمی ہو یا عربی، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، غلام ہو یا آزاد، ہر ایک کو حق کی دعوت دیتے کفر و شرک کی گمراہی سے منع فرماتے اور ہر ایک کو صراط مستقیم دکھاتے۔ (۱۱)

مسلمان کی زندگی کا ہر لمحہ دین اسلام کے لیے وقف ہے لہٰذا آپ نے جہاد کے سلسلے میں ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی آلہ جہاد کے تیار رکھنے کی خاص تاکید فرمائی۔ حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کافروں کے لیے وہ قوت تیار

کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو اور تین بار فرمایا، خبردار قوت تیراندازی ہے۔ (۱۲)

قرآن وسنت کے مطابق مسلمانوں کو حکم ہے کہ جہاد کے لیے وہ تمام جدید جنگی طریقوں اور ہتھیاروں سے واقفیت رکھتے ہوئے انہیں اپنائیں ان میں این بی سی (نیوکلییر، بائیولوجیکل اور کیمیائی) ہتھیار شامل ہیں۔ (۱۳) انہی روایت کرتے ہوئے مؤلف مشکوۃ شریف ایک دوسری حدیث (۱۴) لائے ہیں جسکی تشریح کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں اہل روم (اس دور کی سپر پاور) کی جنگ عموماً تیراندازی سے ہے اس لیے تمہیں تیراندازی سیکھنا چاہیے اسکی تیاری کی مشق کرو۔ بعض شارحین نے اس کا یہ مطلب لیا کہ روم کی فتح کے باوجود تیراندازی ترک نہ کرو اور اسکی مشق مسلسل جاری رکھو اور اس بات پر مغرور نہ ہو جاؤ کہ روم فتح ہو گیا ہے اب تیراندازی کی حاجت نہیں ہے کیونکہ اس کی حاجت دائمی ہے۔ تیراندازی کو صورت کے اعتبار سے لہو کہا گیا ہے۔ نیز ترغیب مقصود ہے کیونکہ انسان فطری طور پر لہو کی طرف مائل ہے جیسے گھوڑے اور اُونٹ کی دوڑ کا مقابلہ۔ (۱۵)

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے اشعتہ اللمعات (اردو) کی پانچویں جلد میں درج ذیل ابواب کے تحت ''جہاد'' کے بارے میں مفصل معلومات فراہم کی ہیں۔

☆ جہاد کا بیان

☆ آلہ جہاد تیار کرنے کا بیان

☆ آداب سفر کا بیان اس باب میں ایام واوقات سفر نیز لشکریوں کی روانگی وغیرہ سے متعلق فصلیں بیان کی گئی ہیں

☆ کافروں کو فرمان لکھنا اور انہیں دعوت اسلام دینا

☆ جنگ سے پہلے کافروں کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے۔ اصول مذکور کے تحت احادیث کی شروح بیان کی گئی ہیں۔

☆ جہاد میں جنگ کرنے کا بیان (جنگی چالوں وغیرہ کا بیاں)

☆ قیدیوں کے حکم کا بیان

☆ امن دینے کا بیان

☆ غنیمتوں کی تقسیم اور ان میں خیانت کا بیان

مذکورہ عنوانات کی روشنی میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، امام سرخسی کے اقوال بیان کرتے ہوئے اس طرح صراحت کرتے ہیں۔

امام سرخسی کے نزدیک مندرجہ ذیل چیزیں جنگ میں ممنوع ہیں:

۱۔ غیر متحارب افراد کی ہلاکت۔ عورتیں، بچے، ایسے نوکر اور غلام جو اپنے آقاؤں کے ساتھ ہوتے ہیں، لیکن حقیقی جنگ میں حصہ نہیں لیتے، نیز اندھے، راہب، ایسے بوڑھے افراد جو جسمانی طور پر لڑائی کے قابل نہ ہوں اور فاتر العقل لوگ۔

۲۔ انسانوں اور جانوروں کے اعضاء قطع کرنا

۳۔ فصلوں کی بربادی اور درختوں کو غیر ضروری طور پر کاٹنا

۴۔ خوراک کے مقاصد کی خاطر ضرورت سے زیادہ جانوروں کو ذبح کرنا

۵۔ زیادتی اور بدمعاشی

۶۔ دشمن کے یرغمالیوں کی ہلاکت

۷۔ کسی ہارے ہوئے دشمن کا سر قلم کر کے کسی اعلیٰ مسلم حاکم کو بھیجنا

۸۔ کسی کے والدین کو ہلاک کرنا

۹۔ نہ لڑنے والے کسانوں، تاجروں، معماروں اور دوسرے کارکنوں کو موت کے گھاٹ اتارنا

امام سرخسی کے نزدیک جنگ میں مندرجہ ذیل چیزوں کی اجازت ہے:

۱۔ چالیں چلنا کہ یہ جنگ کا خاصہ ہے۔

۲۔ ہر قسم کے ہتھیاروں سے حملہ۔

۳۔ غیر متحارب افراد کی غیر ارادی ہلاکت۔

۴۔ دشمن کے پانی کی سپلائی کاٹ دینا۔

جنگی قیدیوں کے بارے میں اسلامی قانون کی بعض تاویلات سرخسی نے یوں کی ہیں:

۱۔ اگر کسی مسلمان قیدی کو پیرول پر رہا کیا گیا ہے تو اس کے ضوابط کی پوری پابندی ضروری ہے۔ بہرحال اگر ایسا نہیں ہے تو اسے اختیار ہے اور آزادی ہے کہ فرار ہو جائے یا ان لوگوں کو نقصان پہنچائے جن کا وہ قیدی ہے۔

۲۔ دشمن کے جو افراد مسلمانوں کی قید میں ہیں انہیں حق حاصل ہو گا کہ اپنے وطن میں چھوڑی ہوئی املاک کے بارے میں وصیت تیار کریں۔ قیدیوں میں ماں کو بچے سے الگ نہ کیا جائے اور حقیقی رشتے داروں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہ رکھا جائے۔

۳۔ قیدیوں کے تبادلے میں کام آنے والی گاڑیوں کا تحفظ فریقین کے لیے لازم ہے۔

جہاں تک جاسوسوں کا تعلق ہے، مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں۔ بہرحال نابالغ فرد کو کسی صورت میں انتہائی سزا نہ دی جائے۔ سرخسی یہ کہتے ہیں کہ اسلامی قانون کے مطابق مسلمانوں سے چھینی ہوئی املاک کا دشمن قانونی طور پر جائز مالک ہے۔ یہاں تک کہ وہ چاہے تو یہ املاک مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کر دے نیز اگر مالک کو پناہ دی گئی ہے تو پھر بھی اس کی مذکورہ املاک کے ضمن میں حمید اللہ کہتے ہیں کہ اسلامی قانون کے تحت دشمن اور مسلمانوں کے حقوق یکساں ہیں۔ (۱۶)

جنگی قوانین کے حوالہ سے فوجوں کی روانگی کے قوت جنگی برتاؤ کے متعلق ہدایات دینے کا طریقہ، جن سے انیسویں صدی کے وسط تک مغربی دنیا نابلد تھی، ساتویں صدی عیسوی میں رسول اللہ ﷺ نے شروع کیا تھا۔ آپ ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی سردار کو جنگ پر بھیجتے تو اسے اور اس کی فوج کو پہلے تقویٰ اور خوف خدا کی نصیحت کرتے پھر فرماتے:

اغزوا بسم الله وفي سبيل الله قاتلوا من كفر بالله

اغزوو لا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا. (۱۷)

(جاؤ اللہ کا نام لے کر اور اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو اللہ سے کفر کرتے ہیں مگر جنگ میں کسی سے بدعہدی نہ کرو غنیمت میں خیانت نہ کرو، مثلہ نہ کرو اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو۔)

اسی طرح جب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کی طرف فوجیں روانہ کیں تو ان کو دس ہدایتیں دی تھیں:

۱۔ عورتیں بچے اور بوڑھے قتل نہ کئے جائیں

۲۔ مثلہ نہ کیا جائے

۳۔ راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کے معبد مسمار کئے جائیں

۴۔ کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں

۵۔ آبادیاں ویران نہ کی جائیں

۶۔ جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے

۷۔ بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے

۸۔ جو لوگ اطاعت کریں ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے جو مسلمانوں کی جان و مال کا ہے

۹۔ اموال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے

۱۰۔ جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے (۱۸)

اسی طرح اسیران جنگ، سفراء، معاہدین، مجروحین جنگ، غیر اہل قتال کا قتل، اعضاء کی قطع و برید، مردوں کی بے حرمتی، آگ کا عذاب، لوٹ مار اور قطع طریق، فصلوں اور بستیوں کی تخریب، بدعہدی و پیمان شکنی، فوجوں کی پراگندگی و بدنظمی، لڑائی کا شور و ہنگامہ سب کچھ آئین جنگ کے خلاف قرار دے دیا گیا اور جنگ صرف ایک ایسی چیز رہ گئی جس میں شریف اور بہادر آدمی دشمن کو کم سے کم ممکن نقصان پہنچا کر اس کے شر کو دفع کرنے کی کوشش کرے۔ (۱۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بادشاہ کی دیگر خصوصیات بیان کرنے کے ساتھ ایک خاصیت یہ

بھی بیان کرتے ہیں کہ وہ معرکوں میں شامل ہونے کی عادت ڈالے نیز بادشاہوں کا بہترین لباس زرہ ہے اور بہترین تاج خود ہے، بہترین کھیل جنگ اور بہترین رقص جنگ کرنے والوں کا حرکت کرنا، بہترین شراب خون دشمن ہے اور بہترین آواز گھوڑے کی ہنہناہٹ ہے، اور بہترین شکار عوام کے دلوں کا شکار کرنا ہے اور بہترین قید احسان ہے۔ (۲۰)

غرض اسلام کے مذکورہ قوانین جنگ، جنگ کے ہر قسم کے دنیوی مقاصد سے پاک کر دیتے ہیں۔ شہرت و ناموری کی طلب، عزت و فرمانروائی کی خواہش، مال و دولت اور حصول غنائم کی طمع، شخصی و قومی عداوت کا انتقام، غرض کوئی دنیوی غرض ایسی نہیں ہے جس کے لیے جنگ جائز رکھی گئی ہو۔ ان چیزوں کو الگ کر دینے کے بعد جنگ محض ایک اخلاقی و دینی فرض رہ جاتی ہے جس کے مہلک وخطرات میں مبتلا ہونے کی از خود خواہش تو کوئی کر ہی نہیں سکتا اور اگر دوسرے کی طرف سے فتنہ کی ابتداء ہو تب بھی صرف اس وقت مقابلہ کے لیے تلوار اٹھا سکتا ہے جبکہ اصلاح حال اور دفع ضرر کے لیے تلوار کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ باقی نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود ہی فرما دیا کہ:

> لاتتمنو القاء العدو و اسئلو الله العافت فاذا القیتموھم فاصبروا
> و اعلموان الجنة تحت ظلا السیوف. (۲۱)

(دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ سے امن وعافیت کی دعا کیا کرو۔ مگر جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر جم کر لڑو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ اشعۃ اللمعات (ج۔ ۵)۔ ص ۷۵

۲۔ التوبۃ: ۳۷

۳۔ الفرقان: ۸۲

۴۔ اخلاق محسنی۔ ص ۱۴۲

۵۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۴۲

۶۔ یونس: ۴۹

۷۔ نوریہ سلطانیہ۔ صص ۴۲۔ ۴۳

۸۔ التوبہ: ۱۱۱

۹۔ النساء: ۹۵

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۹۸۲ء)۔ شرح سفر السعادۃ (فارسی)۔ سکھر: مکتبہ نوریہ رضویہ۔ ص ۴۹۵

۱۲۔ القشیری، مسلم بن حجاج۔ (۱۳۰۸ھ)۔ صحیح مسلم۔ دہلی: مطبع مجتبائی۔ کتاب الجہاد

۱۳۔ Ahmed, Manzooruddin. Islamic Political....op.cit. p 98.

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ اشعۃ اللمعات (ج۔ ۵)۔ ص ۱۳۸

۱۶۔ خورشید، عبدالسلام (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۳ء)۔ ریاست اسلامی اور قانون بین الاقوامی حضرت شمس الائمہ السرخسی کے افکار کی روشنی میں۔ مذاکرہ ملی ہمدرد۔ صص ۳۱۰۔ ۳۱۹

۱۷۔ العسقلانی، احمد بن حجر۔ (۱۳۵۲ھ)۔ فتح الباری۔ قاہرہ: طبعۃ السلفیہ۔ کتاب الجہاد

۱۸۔ ابن الاثیر، ابی الحسن علی محمد۔ (۱۹۵۷ء)۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ تہران: ص ۱۹۵

۱۹۔ حسام الدین۔ (۱۹۹۹ء)۔ اسلام کے قوانین جنگ۔ ایک تحقیقی جائزہ۔ (مجلہ معارف اسلامیہ)۔ کراچی: شعبہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی۔ ص ۳۴

۲۰۔ نوریہ سلطانیہ۔ صص ۳۶۔ ۴۲

۲۱۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ۔ (س ن)۔ سنن ابن ماجہ۔ ریاض:۔ باب الجہاد

☆☆☆

دوسرا باب وصل اول

افکار شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کا تسلسل

(افکارِ ولی اللّٰہیہ، افکارِ خیریہ، افکارِ بریلویہ)

افکار ولی اللّٰہیہ

جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء) کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدین محمد شاہجہاں تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں وہ ردِ عمل، جو اکبری طریقِ کار کے خلاف جہانگیر کے عہد حکومت میں شروع ہوا تھا اور بھی قوی ہو گیا اور اسلام اور شعائرِ اسلامی پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ جہانگیر کے زمانے میں عام لوگوں کے لیے درباری سجدہ برقرار تھا شاہجہاں نے اسے موقوف کر دیا۔ وہ شرع کے مطابق مقدمات فیصل کرتا اور علماء فضلا کا بھی بڑا قدردان تھا۔ نماز روزے کا پابند تھا۔ بلکہ اگر درباری مؤرخوں کے پُر جوش اندراجات پر اعتماد کیا جائے تو خیال ہوتا ہے کہ شاہجہاں کو نہ صرف نیک، پابند شریعت مسلمانوں بلکہ مجددین ملت میں سے شمار کرنا چاہیے۔ (۱)

علماء ہی کی کوشش سے شاہ جہاں کے عہد میں اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ گستاخی کرنے کی سزا مقرر ہوئی اور ان عورتوں کو جو غیر مسلموں کی زوجیت میں آ گئی تھیں چھٹکارا دلایا گیا اور جو مسجدیں شہید کر کے مندر بنا دی گئیں تھیں ان کو واگزاشت کرایا اس نے علماء ہی کے اثر سے شراب سازی اور شراب نوشی کی ممانعت کرادی تھی (۲) شاہجہاں ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۷ء میں سخت بیمار ہوا تو اس نے اپنے بڑے بیٹے داراشکوہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ دوسری طرف اس کے تینوں بیٹوں شاہ شجاع، مُراد بخش اور اورنگ زیب عالمگیر اوّل نے اپنے اپنے علاقوں میں بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ داراشکوہ کے بارے میں اسکا دوست ڈاکٹر برنیر لکھتا ہے:

داراشکوہ گفتگو میں بہت شیریں زبان، حاضر جواب، خوش خلق اور فیاض و دریا دل تھا۔ مگر باایں بڑا خود پسند اور خود رائے تھا۔ اسے یہ گھمنڈ تھا کہ اپنی عقل کی رسائی اور خوش تدبیری سے ہر امر کا بندوبست اور انتظام کر سکتا ہے بس وہ پیدائشی مسلمان تھا۔ کیونکہ وہ اپنے اوقات تخلیہ میں ہندوؤں کے ساتھ ہندو اور عیسائیوں کے ساتھ عیسائی تھا۔ (۳)

اقتدار کی اس خانہ جنگی میں اورنگ زیب کی فتح ہوئی جو ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء میں تخت نشین ہوا۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی کے زمانے کی اخلاقی اور اجتماعی حالت کے متعلق ڈاکٹر ہنٹر ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ''نہ اکبر کا بیٹا اور نہ اس کا پوتا شاہجہاں بد چلنی اور بد اخلاقی کے اس طوفان کا مقابلہ کر سکا جو الحاد و تشکک کی تین نسلوں کے درمیان بڑھتا چلا آتا تھا'' بد اخلاقی تو ہم پرستی اور الحاد کی یہ دنیا تھی۔ جس میں نوجوان، زاہد خشک اورنگ زیب نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ چنانچہ جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے اپنی ساری کوششیں ان خرابیوں کا قلع قمع کرنے میں صرف کر دیں۔ تخت نشین ہونے کے بعد ہی اس نے بھنگ وغیرہ کاشت کرنے کی ممانعت کر دی۔ شراب نوشی ممنوع قرار دی۔ جوا بند کر دیا۔ بدکاری کے خلاف پوری کوشش کی۔ بازاری عورتوں کو حکم دیا کہ یا تو شادی کر لیں یا ملک چھوڑ دیں۔ ان احکام کی تعمیل کرانے کے لیے محتسب مقرر کیے۔ ۱۰۷۵ھ/۱۶۶۴ء میں اس نے ''ستی'' کی ممانعت کی اور بچوں کو بطور غلام یا خواجہ سرا بیچنے کے خلاف احکام جاری کیے۔ اس کے علاوہ اس نے خود اپنی پرہیز گاری اور سادگی سے اپنی رعایا کے لیے نیک مثال قائم کی۔ بادشاہ کے درشن کو موقوف کیا۔ اگرچہ وہ خود موسیقی کا ماہر تھا، لیکن اس نے گانے والوں اور گانے والیوں کو دربار سے ہٹایا۔ اس کی سالگرہ پر جو اسراف ہوتا تھا، اسے ترک کر دیا۔ اور شاہجہاں کی ضیافتوں اور فضول خرچیوں کی وجہ سے رعیت پر جو ٹیکس کا بوجھ پڑا ہوا تھا، اسے ہلکا کر دیا۔ اس نے تقریباً اسی (۸۰) ٹیکس معاف کیے۔ وہ عالموں اور بزرگوں کی قدر کرتا۔ اس نے ملک کا انتظام شرع کے اُصولوں پر قائم کیا تھا اور عدل و انصاف کا محکمہ علماء کے ہاتھ میں تھا۔

بیت المال کے پیسے کو ہاتھ نہ لگاتا۔ اپنی روزی ٹوپیاں بنا کر اور قرآن شریف لکھ کر کماتا۔ اس نے ۲۱ فروری ۱۷۰۷ء بروز جمعہ نوے سال کی عمر میں بمقام احمد نگر وفات پائی اور اورنگ آباد سے بارہ کوس کے فاصلے پر ''روضہ خلد آباد'' میں دفن ہوا۔ مرتے وقت اس نے وصیت کی تھی کہ چار روپے دو آنے جو میں نے ٹوپیاں بنا کر کمائے ہیں، میرے کفن پر خرچ ہوں اور تین سو پانچ روپے جو میں نے قرآن پاک لکھ کر کمائے ہیں، مساکین میں تقسیم کر دیے

جائیں۔ (۴) اورنگزیب کی وفات کے بعد قطب الدین بہادر شاہ اول ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء میں تخت پر بیٹھا۔ بہادر شاہ اپنی مزاجی کیفیت اور اپنے عقیدے دونوں کے مطابق اس قابل نہیں تھا کہ وہ اپنے باپ کے اعلیٰ اصولوں کے لیے جنگ کرتا۔ وہ مذہباً شیعہ تھا اور اس حد تک آگے بڑھ گیا تھا کہ شیعہ نسخے کے مطابق خطبہ پڑھنے کا حکم دے دیا تھا اور ایک زبردست شورش اور متعدد بلووں کے بعد اس حکم کو واپس لینے پر آمادہ ہوا تھا اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ کافی عرصے تک زندہ بھی نہیں رہا کہ کوئی امتیاز حاصل کرتا۔ اس کے بعد پھر کوئی ایسا حکمران ہی نہیں آیا جو قابل ہوتا یا جس میں اتنی کافی قوت ہوتی کہ وہ خودغرض اور سازشی امراء پر ضبط قائم رکھ سکتا۔ مناسب قیادت کے فقدان نے مسلمانوں کو پراگندہ اور غیر مؤثر رکھا۔ یہ ایک ایسے صورتحال تھی جس میں مشترک ورثے کو بچانے یا اس کے کچھ خفیف اجزا ہی کو تباہی سے نجات دلانے کے لیے کوشش اس قابل معلوم نہیں ہوتی تھی کہ اس پر وقت صرف کیا جائے اور انتہائی انفرادی کامیابی یہ سمجھی جاتی تھی کہ کچھ حصہ اپنی ذات کے لیے جھپٹ لیا جائے۔ (۵)

یہ تھا وہ ماحول جس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس دعوت کو محسوس کیا کہ وہ مزید تباہی کو دفع کرنے کے اپنے مقصد کے لیے کام شروع کریں (۶) ۱۷۳۳ء میں آپ حجاز تشریف لے گئے اور وہاں شیخ ابو طاہر الکردیؒ (۷) اور دوسرے مشائخ حرمین سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اس ضمن میں آپ خود فرماتے ہیں ”مجھے اس طرف رہنمائی کی گئی کہ فقہ میں سے پسندیدہ مسالک کو یکجا کر کے فقہ وحدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھوں۔ اسی طرح اسرارِ حدیث، مصالح احکام، ترغیبات اور جو کچھ رسول مقبول ﷺ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہوئے ہیں اور جنکی آپ نے تعلیم دی ہے ان تمام کے اسرار و رموز کا بیان ایک مستقل فن ہے جس کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ وقیع بات کسی اور سے نہیں بن آئی ہے“ (۸)

غالباً اسی بناء پر امیر جمعیت علمائے اسلام، مولانا عبداللہ درخواستی فرماتے ہیں:

اتفاق کی بات کہ اس دور میں ہندوستان سے حدیث کا علم ایک حد تک اٹھ چکا تھا معقولات اور فلسفہ کی رغبت نے لوگوں کو علم حدیث سے بیگانہ کر دیا تھا اس لیے تکمیل تعلیم حدیث کے لیے

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ (۹)

جبکہ ڈاکٹر خلیق نظامی کہتے ہیں:

گیارہویں صدی ہجری کے شروع سے تیرہویں صدی کے آخر تک (۱۶۰۰۔ ۱۸۰۰ء) علم حدیث پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کا بیشتر حصہ دہلی یا شمالی ہندوستان میں لکھا گیا ہے یہ سب شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہی کا اثر تھا۔ (۱۰)

مذکورہ بات کی صراحت ڈاکٹر محمد رانا اسحاق اس طرح کرتے ہیں:

پاک و ہند (غیر منقسم ہندوستان) میں سب سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ان کی اولاد، احفاد اور تلامیذ راشدہ کی جانفشانیوں اور محنتوں سے اس ملک کی سر زمین نور سنت نبوی ﷺ سے جگمگا اٹھی۔ (۱۱)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب کثیر التصنیف تھے (۱۲) تحریک آزادی کے معروف مجاہد اور برصغیر کے نامور عالم معقولات علامہ فضل حق خیر آبادی نے آپ کے بارے میں فرمایا: اس کتاب (ازالۃ الخفاء) کا مصنف (شاہ ولی اللہ) ایسا بحر ذخار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں (۱۳) بقول مفتی عنایت احمد کاکوروی ”شاہ ولی اللہ ایسا شجر طوبیٰ ہیں جس کی جڑیں تو اپنی جگہ قائم ہیں اور اسکی شاخیں تمام مسلمانوں کے گھروں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ (۱۴)

- آپ کے دینی سیاسی نظریات حجۃ اللہ البالغۃ، الخیر الکثیر، البدور البالغۃ اور ازالۃ الخفاء من خلافۃ الخلفاء میں ملتے ہیں۔ جنہیں آپ نے بڑی تفصیل سے معاشرہ، سیاست، حکومت، سلطان کے اوصاف وفرائض، عمائدین حکومت، خلافت، خلیفہ کے اوصاف وفرائض، انتخاب اور معاشی نظریات پر روشنی ڈالی ہے۔ (۱۵) آپکے سیاسی فلسفہ کے ماخذ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتا لکھتے ہیں:

شاہ ولی اللہ کا فلسفہ اسلامی دینی فلسفہ ہے جس کی بنیاد قرآنی تعلیمات کے اصول پر حضور اکرم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ اور خلفائے راشدین کے طرزِ عمل پر مبنی ہے۔ (۱۶)

- مسلک کے لحاظ سے آپ بیعت، خرقہ خلافت، حضر مختار کل، عالم الغیب. حاظر و ناظر حضور

ﷺ، تصرف اولیاء کرام مزارات کی زیارات، استمداد، انکے فیوض و برکات محفل میلاد شریف اور اسکی برکتیں، بے سایہ جسم ﷺ، ختم خواجگان، جھاڑ پھونک، دم درود، ندائے یا رسول اللہ ﷺ، قصیدہ بردہ شریف، طواف قبر، یا علی مدد، گیارہویں شریف، عقیدہ وحدت الوجود (۱۷) کے نہ صرف پوری طرح قائل تھے بلکہ متعدد دلائل و شواہد کے ذریعے مذکورہ عقائد کی عوام و خواص کو تعلیم دی۔ مذکورہ نظریات شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کے تحت کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے بھی وہی نظریات تھے جو شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے تھے۔

برصغیر کی اس عظیم شخصیت کو ہم اپنے اختلافات میں رہبر بنانے کے بجائے اُلٹا اپنی مخصوص گروہ بندیوں میں لے آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کی فکر و تعلیمات پر کئی اکیڈمیاں کام کررہی ہیں لیکن دانستہ آپکے خانقاہی معمولات پر ایک حرف نہیں لکھا گیا۔ راقم یہاں جماعت اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ الاعتصام کا ایک اقتباس ''الرحیم'' سے نقل کرتا ہے اقتباس دینے کے بعد صاحب مضمون نے لکھا:

> شاہ صاحب کا جو حصہ تصوف سے متعلق ہے اس میں ایسا مواد ملتا ہے جس سے بریلویت کی خاصی تائید ہوتی ہے۔ (۱۸)

مفتی فیض احمد اویسی ''عقائد شاہ ولی'' میں لکھتے ہیں:

> دور حاضر کے وہ عقائد و مسائل جو فتوائے شرک و بدعت کی زد میں ہیں اور عوام میں یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ ان عقائد و مسائل کے موجودہ امام احمد رضا ہیں مذکورہ رسالے سے ثابت ہوگا کہ یہی عقائد و مسائل چودہ سو سال سے چلے آرہے ہیں جس کے ایک گواہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں۔ (۱۹)

حاصل بحث کے طور پر یہ بات عیاں ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ اور حضرت مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی کے عقائد و نظریات میں سر مُو فرق نہیں۔

سائنسی طرز استدلال کے تحت مذکورہ امر کا ریاضیاتی حل اس طرح ہوگا۔

اگر x = شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

y = شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

z = مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی

ہو تو

اصول متعارفہ (AXIOMS) کی Tranisitive Property کے مطابق دو مقداریں جو ایک ہی مقدار یا مساوی مقدار کے برابر ہوں تو آپس میں برابر ہوتی ہیں۔

اگر $x = y$

$y = z$

تو $x = z$

مذکورہ ریاضیاتی ($x = z$) حل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی کہ تینوں اکابرین ایک دوسرے کا پرتو ہیں۔

ڈاکٹر عبدالواحد ''پیش لفظ از مصنف'' میں تحریر فرماتے ہیں:

شاہ ولی اللہ، امام ربانی مجدد الف ثانی کے بعد ایک ایسے مجدد پیدا ہوئے جو دورِ جدید اور جدید فلسفہ کے بانی ہیں اور وہ دورِ جدید کے فاتح اور بنیاد رکھنے والی شخصیت ہیں۔ جب کے فلسفہ کے اثرات اٹھارویں صدی میں ان کے بعد کے دور کے مغربی خواہ مشرقی یا مغربی حکماء اور فیلسوف میں ملتے ہیں۔ آپ کا فلسفہ جامع اور بین اللملی ہے جس کو دنیا کی ہر قوم سے ذوق سلیم رکھنے والی ہستیاں تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتیں، یہی سبب ہے کہ استاذی مولانا عبیداللہ سندھیؒ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ شاہ ولی اللہ کے الٰہی فلسفہ کی بنیاد پر اسلامی تعلیم کو کسی بھی دنیا کے فرد کو خواہ وہ ہندو ہو یا کوئی دوسرا اس کو اسلام کے اصلی اصول آسانی سے سمجھائے جا سکتے ہیں۔ (۲۰)

ہمارے خیال میں ڈاکٹر صاحب کی رائے کہ ''شاہ ولی اللہ دورِ جدید اور جدید فلسفہ کے بانی ہیں'' محل نظر ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا موصوف نے خود لکھا آپکا فلسفہ اسلامی دینی فلسفہ ہے جو

قرآنی تعلیمات، اُسوہ حسنہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے طرزِ عمل پر مبنی ہے، تو عرض ہے آپ کی پیدائش سے پچپن برس قبل حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے اپنے دینی سیاسی نظریات کی بنیاد مذکورہ مآخذات پر ہی رکھی جیسا کہ باب دوم فصل اول شیخ عبدالحق کا دینی سیاسی فلسفہ میں مرقوم ہوا۔ دوسرے یہ کہ شیخ موصوف پر آج تک تحقیقی کام (۲۱) نہ ہونے کے سبب آپکی کئی تصانیف، مخطوطوں کی صورت میں بکھری پڑی ہیں اس کمی کو کافی حد تک ڈاکٹر خلیق نظامی صاحب نے پورا کیا اسمیں ڈاکٹر صاحب نے مرآۃ الحقائق کے حوالے سے علم سیاسیات، علم کلام، علم منطق، علم فلسفہ پر لکھی گئی کتب کا تذکرہ کیا ہے نیز المکاتب والرسائل کے کئی رسائل اس بات کی توضیح ہیں کہ شیخ عبدالحق محدث نے معاصر دور کی ہر خرابی کا ازالہ اپنی تحریرات میں کیا ہے اور کئی مقامات پر باقاعدہ آپ نے کلامی مباحث کے ذریعہ منطقیانہ و فلسفیانہ انداز میں دلائل دے کر اپنی بات کی وضاحت کی ہے لہٰذا بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپکا دینی فلسفہ جامع ہے اور آپ ہی دورِ جدید کے اسلامی فلسفہ اور اسلامی علوم کے بانی ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ (م۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کے بعد آپ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ (۱۷۴۶-۱۸۲۴ء) اپنے والد کے جانشین بنے۔ انہوں نے اپنا سب سے زیادہ وقت اپنے باپ کے نظریات کو مقبولِ عام بنانے کے لیے وقف کیا اور وہ اپنے وعظوں اور تحریروں کے ذریعے بہت زیادہ کامیاب ہوئے۔ اگر برّعظیم کے مسلمانوں کے سیاسی غلامی سے نجات دلانی تھی تو انہیں کسی حد تک ایک وسیع سیاسی تحریک کے لیے تیار کرنا ضروری تھا۔ اس سمت میں پہلا قدم مسلمانوں کے متوسط طبقے اور عوام سے روابط قائم کرنا اور انہیں غفلت، سستی اور انحطاط سے دور لے جانا تھا۔ انہیں اس کام میں اپنے تبحر علمی، اپنے روحانی مرتبے اور اپنے غیر مشتبہ اخلاص سے بڑی مدد ملی۔ بتدریج اور آہستہ آہستہ ان کے مرید اور شاگرد بھی برّعظیم میں پھیل گئے۔ (۲۲) آپ کے مشہور شاگردوں میں شاہ رفیع الدین، شاہ محمد اسحٰق دہلوی، مفتی صدر الدین، شاہ غلام علی صاحب، مولوی مخصوص اللہ، مولوی عبدالحئی، مولانا میر محبوب علی صاحب، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا سید

احمد بریلوی (م۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) شامل ہیں۔ (۲۳) آپ نے کئی کتب و رسائل تحریر فرمائے ہیں جنمیں تحفہ اثناعشریہ بڑی تاریخی حیثیت کا حامل ہے جو فی الحقیقت شیعہ سنی مسائل کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ (۲۴) شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کے شاگرد شاہ محمد اسحٰق دہلوی کے تلامذہ سے دو گروہ ہوئے۔ اہلحدیث اور حنفی (۲۵)

افکارِ خیریہ

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کے شاگردوں میں دبستان خیر آباد کے نمائندے خاتم الحکماء مولانا فضل حق خیر آبادی ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے دیگر اکابرین جیسے مفتی عنایت اللہ احمد کاکوروی، علامہ کفایت اللہ کافی شہید (۲۶)، علامہ احمد اللہ شہید مدراسی (۲۷)، مفتی صدرالدین آرزدہ۔ جنرل بخت خان، مولانا، رحمت اللہ کیرانوی اور مولانا شاہ نقی علی خان بریلوی کے ساتھ مل کر مذہب اہل سنت کا نہ صرف نظریاتی دفاع کیا بلکہ عملی طور پر بھی نہایت بے جگری سے حاکم وقت کے سامنے ڈٹ گئے۔

سرسید احمد خان، مولانا فضل حق خیر آبادی کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

مستجمع کمالات صوری و معنوی، جامع فضائل ظاہری و باطنی، بنابنای فضل و افضال، بہار آرائی چمنستان کمال، متکی ارا ایک اصابت رائی مسند نشین، دیوان افکار رسائی، صاحب خلق محمدی، موردِ سعادت ازلی و ابدی، حاکم محاکم، مناظرات، فرماں روائی کشور محاکمات عکسِ آئینہ صافی ضمیری ثالث اثنین بدیعی و حریری، المعی دقت ولوزعی آواں فرزدق عہد لبید دوراں مبطل باطل و محقق وحق۔ (۲۸)

آپ نے اس عہد میں آنکھ کھولی جو طرح طرح کے سیاسی فتنوں سے بھرا ہوا تھا۔ مسلمانوں میں طرح طرح کی جہالت کارفرما تھی۔ سلطنت مغلیہ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ چکے تھے اور انگریزوں کے قدم روز بروز مضبوط ہوتے جارہے تھے۔ بادشاہ سے لے کر عام آدمی تک غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ عیش و عشرت کا بازار گرم ہو چکا تھا کہ کسی کو ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں تھی۔ انگریزوں کا ظلم روز بروز بڑھتا جارہا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ انگریزوں

کی حکومت کے خلاف فتویٰ دے کر ہندوستان کو دارالحرب قرار دے چکے تھے۔ دہلی میں خود بادشاہ تمام گرمیوں کے مرکز اعلیٰ تھے اور ان کے اس وقت کے مشیروں میں علامہ فضل حق خیر آبادی ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے، اطلاعات فراہم کرتے، مشورے دیتے اور جنگ سے متعلق دیگر کاموں میں حصہ لیتے مشہور کماندار جنرل بخت خان بھی ان سے مشورہ لیتے اور آخر ایک روز جنرل بخت خان سے گفتگو کرنے کے بعد انہوں نے جامع مسجد میں ایک ولولہ انگیز تقریر کی اور علماء کے سامنے انگریزوں کے خلاف استفسار پیش کیا جس پر تمام قابل ذکر علماء نے دستخط کیے اس فتویٰ نے آگ اور بڑھادی اور مجاہدین کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا۔ آخر کار یہ جنگ ناکامی کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اور پھر انگریزوں نے انتقامی کاروائی کے طور پر ظلم و بربریت کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ انسانیت قاصر ہے۔ ہزاروں آدمیوں کو پھانسی دی گئی۔ اور ہزاروں کی جائیداد اور املاک ضبط کر لی گئیں مولانا فضل حق خیر آبادی کو بھی باغی قرار دیا گیا۔ اور اس فتویٰ کے جرم میں اُن پر لکھنو میں مقدمہ چلایا گیا۔ اور آپ کو کالے پانی کی سزا ہوئی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء میں جزائر انڈیمان میں آپ کا انتقال ہوا۔ (۲۹) آپ کا مزار سینڈوے (برما) میں پلیڈنگ مسجد کی پہاڑی پر واقع ہے۔ (۳۰)

مولانا فضل حق کٹر حنفی اور اسلاف صالحین رحمہم اللہ کے عقائد و مسائل پر مضبوطی سے عمل پیرا تھے۔ یہاں تک کہ جب مولانا شاہ اسماعیل دہلوی (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) نے عقائد وہابیہ و مسائل تجدید کا ہندوستان میں آغاز کیا تو سب سے پہلے آپ ہی کی ذات ہے جنہوں نے ان کو دلائل قاہرہ و براہین باہرہ سے لاجواب فرمایا۔ یہاں تک مرزا اسد اللہ خان غالب نے بھی شاہ اسماعیل دہلوی کے غلط عقیدے کے رد میں ایک نظم لکھی۔ (۳۱) اثنائے قیام کلکتہ ایک روز مولانا شاہ اسماعیل دہلوی وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا سے فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریز پر جہاد درست ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ:

> ایسی بے رُوریا اور غیر متعصب سرکار انگریزی پر کسی طرح بھی جہاد درست نہیں (۳۲)

مولانا شاہ اسماعیل دہلوی نے فرمایا ''اگر کوئی انگریزوں پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض

ہے کہ وہ اس حملہ آور سے لڑیں۔ اور اپنی انگریزی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔ ان کے پیرو مرشد سید احمد بریلوی فرماتے ہیں: ہم اور ہمارے متبعین سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرادیں۔ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت نہیں کرنا چاہتے۔ نہ انگریزوں کا اور نہ سکھوں کا۔ (۳۳) انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل اسمیں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہوجاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔ زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی سے مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا انہی جیسے بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالتمآبؐ ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے کیونکہ شیخ کا خیال تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے اور بیل گدھے کے خیال کو نہ تو اسقدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم۔ (۳۴) شاہ اسماعیل دہلوی سے مولانا فضل حق خیر آبادی کے کئی بار مناظرے ہوئے۔ بنیادی مسئلہ مقام مصطفےٰ ﷺ کا تھا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے مولانا اسماعیل دہلوی کے مندرجہ ذیل عقائد پر ”تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ“ اور ”امتناع النظیر“ تصنیف فرمائیں۔ (۳۵) اور تقویۃ الایمان میں لکھا کہ یہ یقین سے جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (۳۶) بقول مولانا اشرف علی تھانوی: پھر یہ کہ آپکی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اسمیں حضور ﷺ کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے۔ (۳۷)

اس کے مقابلہ میں فتویٰ کی تفصیلات لکھیں۔ جن کا مرکزی نقطہ سید الانبیاء ﷺ کی ذات اقدس و اعلیٰ کا طوافِ عشق و اطاعت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو جو اعزاز و اکرام اور فضائل جمیلہ و مناسبِ جلیلہ عطا فرمائے

ہیں۔ ان میں سے بعض آپ نے ملاحظہ کر لیے۔ اب گوشِ دل اور کامل توجہ سے سنیے کہ جب معلوم ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کو بارگاہِ کبریا میں وہ وجاہت و عزت مرتبہ محبوبیت حاصل ہے کہ اس میں اولین و آخرین اور انبیاء و مرسلین میں سے کسی کو حضور ﷺ کے ساتھ شرکت اور ہمسری حاصل نہیں ہے اور اس سے پہلے بھی معلوم ہو چکا کہ وجاہت، عزت اور رتبۂ محبوبیت، شفاعت کبریٰ حضور ﷺ کا خاص منصب ہے حضور کی شفاعت بلاشبہ مقبول و مستجاب ہے۔ اور حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات تمام جہانوں کے لیے رحمت، جنّوں، انسانوں اور فرشتوں کے لیے ملجاء و ماویٰ ہے۔ مشرکین مکّہ حضور ﷺ کے وجود فائض الجود کی برکت سے مکہ مکرمہ میں عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ کفار مکّہ کو عذاب دے، جبکہ اے حبیب! ﷺ تم اُن میں موجود ہو............ الخ

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ آپ کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں:

مولانا فضل حق خیر آبادی سراپا فضل، سراپا حق، سراپا خیر۔ ہم علامہ کو منجملہ دوسرے امور کے بطور خاص خیر آباد کے منطقی دبستان کے نمائندے کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اب لازم ہوا کہ اس کی کچھ تشریح کی جائے۔ کہ ہماری تعلیم میں اس دبستان کی اہمیت اور خصوصیت کیا تھی۔ خیر آبادی دبستانِ تعلیم پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں منطق اور معقولات پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دینی علوم نصاب میں کم سے کم منعکس ہوتے تھے۔ سب کو معلوم ہے کہ مغلوں کے زمانے میں میر فتح اللہ شیرازی کے زیر اثر اور بعد میں میر باقر داماد اور ملّا صدرا کی تعلیمات کے زیر اثر معقولاتی زبان، زمانے کے لیے ایک رائج الوقت زبان بن چکی تھی۔ منطق کے بغیر کوئی عالم بات نہ کر سکتا تھا۔ نہ بات منوا سکتا تھا۔ ایسے میں منطق اور معقولات کو حفاظت دین کا ایک ذریعہ سمجھنا چاہیے۔ جس طرح آج کوئی نفسیات اور عمرانی علوم کے بغیر دین کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اس دور میں حکمت اور منطق ناگزیر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں عیسائیوں اور ہندوؤں سے جو فیصلہ کن بلکہ دندان شکن

منظر ہوئے۔ اس میں زیادہ حصہ خیر آبادی دبستان کے لوگوں نے لیا۔ (۳۸)

برعظیم جنوبی ایشیا میں عقلیات سے اشتغال ابتدا ہی سے کیا گیا تھا اور منطق، طبعیات، مابعد الطبیعیات اور ریاضی کی کتابیں یہاں نصاب درس میں داخل رہی تھیں مگر دسویں صدی ہجری/سولہویں صدی عیسوی میں ان علوم پر زیادہ توجہ دی گئی۔ اب تک منطق (۳۹) میں صرف ایک کتاب داخل درس تھی پھر نہ صرف منطق کی کتابوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا بلکہ ایران وخراساں کے مناطقہ اور فلاسفہ کی معقولات کی کتابیں نہ صرف پڑھی جانے لگیں بلکہ یہاں کے معقولین نے بھی اب قلم ہاتھ میں لے لیا تھا۔ دسویں صدی ہجری کے آغاز میں یہاں معقول کی پہلی کتاب شرح شمسیہ لکھی گئی اس کے بعد انواع حکمت میں متون وشروح وحواشی کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔

(۱) اس برعظیم میں معقولات کی پہلی کتاب شرح شمسیہ ہے، جو محمد بن علی بن شہاب ہمدانی کی تالیف ہے، اس کے بعد بترتیب زمانی حسب ذیل کتابیں لکھی گئیں۔

(۲) شرح میزان الحکمۃ از مولانا عبداللہ عثمانی تلنبی (م ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء)

(۳) رسالہ عینیہ از مولانا عزیز اللہ عثمانی تلنبی (م ۹۳۲ھ/۱۵۲۵ـ۶ء)

(۴) شرح تجرید وشرح مواقف وحاشیہ قدیم روانی وغیرہ از مولانا وجیہ الدین علوی گجراتی (م ۹۹۸ھ/۱۵۹۰ء)

(۵) شرح میزان المنطق از مفتی عبدالسلام دیوی (م ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۷ـ۸ء)

(۶) ابناء المرفوع از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) (۴۰)

(۷) شرح شمسیہ وحاشیہ شرح مطالع وغیرہ از ملا عبدالحکیم سیالکوٹی

اسی دور میں ملا محمود جون پوری (م ۱۰۶۲ھ/۱۶۵۳ء) نے الشمس البازغہ جیسی عظیم کتاب اور میر زاہد ہروی (م ۱۱۰۱ھ/۱۶۹۰ء) ملا محب اللہ بہاری جیسے نادر روزگار فلاسفہ نے انجمن درس وافادہ کو زینت بخشی پھر فرنگی محل کے فضلاء کرام کا عہد آیا پھر خیر آبادی کے خانوادہ علم وحکمت نے مسند تدریس وبزم قرطاس وقلم کو مفتخر کیا اور یہاں ایک نئے عہد اور نئے مدرسۂ فکر کا آغاز ہوا۔

مولانا فضل امام خیر آبادی (م ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء) نے پہلے مرقات جیسا متن لکھ کر اس فن کی. تدریس کو ایک نیا اسلوب دیا پھر الشیخ الرئیس (ابن سینا) کی کتاب الشفا کی تلخیص کی، الشفا جس میں فلسفہ قدیم کو مربوط و منضبط شکل میں پیش کیا گیا مگر ضخامت کی بناء پر اس سے استفادہ عام و سہل نہیں تھا تلخیص نے یہ مشکل سہل کر دی۔ پھر مولانا فضل حق خیر آبادی نے اس تلخیص پر حواشی لکھے اور شیخ الرئیس پر نقد و جرح کر کے رد فلسفہ کی ایک تحریک شروع کی۔ اس تحریک کو ان کے فرزند و جانشین مولانا عبدالحق خیر آبادی نے آگے بڑھایا اور ہدیۃ الہدیہ اور الجواہر الغالیہ میں رد و ابطال کیا، انکے شاگرد و جانشین مولانا سید برکات احمد ہوئے اور انہوں نے اس کام کی تکمیل کی۔ (۴۱)

۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند (۴۲) قائم ہوا لیکن اس سے قبل ہی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی (۴۳) میں علمائے دیوبند نے عملی طور پر حصہ لیا ان میں نمایاں نام حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء)، مولانا قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء)، مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ/ ۹۱۰۵ء)، مولانا محمود حسن، حافظ ضامن شہید، مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا منصور انصاری شامل ہیں۔

علمائے دیوبند اگرچہ شیخ محقق (عبدالحق محدّث دہلویؒ) کا نام احترام سے لیتے ہیں تاہم وہ اپنے مکتبِ فکر کا تعلق ان سے قائم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ سید انظر شاہ کشمیری، استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

> ایک عرصہ تک میرا خیال رہا کہ دیوبند کو اپنا تعلق حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ سے کیوں نہ قائم کرنا چاہیے۔ غالباً ہندوستان میں اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی خدمات کچھ کم وقیع نہیں، شروح و حدیث میں شاہ صاحب مرحوم کے قلم سے جو کچھ جواہر پارے تیار ہوئے ہیں انہیں تو جانے دیجیے ان کے صاحبزادہ شیخ نور الحق کی شرح بخاری بھی ایک زمانہ میں معروف و متداول رہی، اس خانوادہ کی خدمات علماء ولی اللّٰہی کے کنبہ کی طرح اگرچہ جلیل و وقیع نہیں تاہم حدیث و قرآن سے ہند کو واقف کرنے میں شیخ عبدالحق مرحوم کا بھی بہر حال حصہ ہے۔ پھر یہ رائے بھی بدل گئی، اول تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی

نہیں پہنچتی نیز حضرت شیخ عبدالحق کا فکر کلیۃً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا غالباً میری بات بہت سوں کو چونکا دینے والی ہو، مگر اس موقع پر میں ایک جلیل اور صاحب نظر عالم کی رائے میں اپنے لیے پناہ ڈھونڈتا ہوں، سنا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت و سنت کا فرق واضح نہیں ہوسکا۔ بس اسی اجمال میں ہزارہا تفصیلات ہیں جنہیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے۔ کیا عرض کروں اپنی موجودہ حالت کو اسی امام وقت کا ایک روحانی فیض و تصرف باور کرتا ہوں۔ (۴۴)

رسول اکرم ﷺ سے متعلق اکابرین دیوبند مولانا قاسم نانوتوی، مولانا خلیل انبیٹھوی، مولانا اشرف علی تھانوی کی چند تحریرات درج ذیل ہیں۔

☆ انبیاء اپنی اُمت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر اُمتی مساوی ہو جاتا ہے بلکہ بڑھ جاتا ہے۔ (۴۵)

☆ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اس زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ (۴۶)

☆ پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہیں یا کل غیب۔ اگر بعض امور غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ (۴۷)

☆ غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے، شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (۴۸)

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی اہمیت کو بہت سے مورخین نے گھٹانے کی بڑی کوشش کی اور

اسے محض ایک فوجی بغاوت یا ''غدر'' قرار دیا۔ (۴۹) لیکن اس بات میں ذرہ بھر شبہ کی گنجائش نہیں کہ حریت پسندوں کے سامنے واحد نصب العین یہ تھا کہ برصغیر کو غیر ملکی اقتدار سے نجات دلائی جائے۔ جنگ آزادی (۵۰) کے دوران بے شمار جانی و مالی نقصان ہوا۔ انگریز مقتولین کی تعداد سات ہزار تھی لیکن پانچ لاکھ کے قریب ہندوستانی ہلاک ہوئے۔ انگریز سپاہیوں نے ہر طرف بے دریغ قتل و غارت گری کی۔ وہ جس طرف کا رخ کرتے بے گناہوں کو گولیوں کا نشانہ بناتے، انہیں اپاہج کر دیتے اور آباد قصبوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیتے۔ ظلم و استبداد کے اس دور کا سب سے افسوسناک واقعہ شاہی کتب خانہ کی تباہی ہے نایاب کتابیں، خطاطی اور مصوری کے نادر نمونے اور قیمتی دستاویزات کو پارہ پارہ کر دیا گیا علماء، فضلا اور شعراء تہ تیغ ہو گئے اس طرح ان کی علمی اور اقتصادی تباہی میں اگر کوئی کسر باقی رہ گئی تھی تو اب پوری ہو گئی۔

بمبئی کے گورنر انفسٹن کے اعتراف کے مطابق انگریزوں کی سفاکی کے سامنے تیمور و نادر شاہ کے حملے بے حقیقت ہو کر رہ گئے تھے۔ اس عوامی تحریک سے حکومت کی آنکھیں کھل گئیں اور اسکی پالیسی میں تبدیلی رونما ہوئی اس کے بعد برطانوی حکومت نے لوگوں کے مذہبی جذبات کا ہمیشہ خیال رکھا۔ اصول الحاق کو ترک کر دیا گیا جس سے دیسی حکمران مطمئن ہو گئے۔ انگریزوں کو اپنی غلطیوں کا احساس تھا اسی لیے اس نئی پالیسی کا اعلان یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو ملکہ کے فرمان میں کیا گیا۔ اس کے علاوہ سر سید احمد خان نے حکومت کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ انقلاب کی بڑی وجہ یہ تھی کہ کونسلوں میں ہندوستان کے نمائندے نہ تھے اور حکومت عوام کے خیالات سے ناواقف تھی۔ چنانچہ اب حکومت نے اشتراک کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کیا اور نمائندہ حکومت کے قیام کی طرف پہلا قدم اٹھایا گیا۔ (۵۱)

افکارِ بریلویہ

بیسویں صدی کی ابتداء (۱۹۱۲ء) کے علماء کے بارے میں دہلی کا ایک ہفت روزہ ''الحق'' لکھتا ہے: عرصہ دراز سے دہلی کے علماء کے درمیان سماع موتٰے کے مسئلے پر اختلاف رہا اور آخر کار دونوں فریقین ایک دوسرے پر حسد اور بغض کی بناء پر وحشیانہ طریقے اختیار کر گئے۔ حالانکہ جن علماء

کا فرائض منصبی اور وراثت یہ تھی کہ مسلمانوں سے باہمی حسد اور بغض کو مٹائیں انہوں نے الٹا عمل کرنا شروع کیا۔ تو ایسے علماء کو ہم بجائے ورثۃ الانبیاء کہنے کے ورثۃ الشیاطین کہہ سکتے ہیں۔ (۵۲)

فتنہء قادیانیت: قادیانیت کے بانی مرزا غلام احمد (م ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) قادیانی نے ۱۹۰۱ء میں اشارہ فرنگی (انگریز) پر نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا جو بھارت کے صوبہ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کی تحصیل بٹالہ کے ایک چھوٹے اور غیر معروف گاؤں قادیان کا رہنے والا تھا۔ ابتداً یہ ایک عالم کے روپ میں آیا، کبھی عیسائیوں سے مناظر کا روپ بھرا، کبھی مصنف بنا، کبھی مجدد، کبھی مامور من اللہ، کبھی ملہم اور کبھی محدث کہلوانے والا یہ کذاب امام زماں کا لقب اختیار کر کے مسیح موعود کے روپ میں آیا۔ (۵۳) اخبار الفضل لکھتا ہے: ''نبی بیج ڈالتا ہے خلفاء اس کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں پس جلد بازی سے کام نہ لو مسیح موعود کے دور میں جو ہزار برس تک ممتد ہے یہ بات ہو کر رہے گی نیز تکمیل اشاعت و ہدایت کا کام نبی کریم ﷺ کی بعثت ثانیہ سے متعلق تھا پس وہ بروزی رنگ میں بذریعہ اپنے خاتم الخلفاء کے تشریف لائے اور اشاعت ہدایت کے کام کا بیج ڈال گئے اب آئندہ خلفاء جو مسیح موعود بروز محمد ﷺ کی وساطت سے آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہی کے خلفاء ہیں اس کام کو پورا کرینگے خاتم الخلفاء کے یہ معنی نہیں کہ آئندہ خلفاء کا آنا ختم ہو گیا جیسا کہ خاتم النبیین کے یہ معنی نہیں کہ اب آئندہ ہر قسم کے نبیوں کا آنا بند ہو گیا وہ کام جو زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈالا گیا تھا اس کی بنیاد خود نبی کریم ﷺ نے مسیح موعود کے رنگ میں ظاہر ہو کر رکھدی اب اس پر عمارت تیار ہوگی اور دنیا جہان کی قومیں اس میں بودوباش اختیار کرینگی۔ (۵۴)

قادیانی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ روحانی ترقیات کی طرف پہلا قدم تھا اور مرزا قادیانی کے زمانے میں روحانیت کی پوری تجلی ہوئی (۵۵) آنحضرت ﷺ کے زمانے کا اسلام پہلی رات کے چاند کی طرح ناقص اور بے نور تھا اور مرزا قادیانی کے زمانے کا اسلام چودھویں رات کے چاند کی طرح تاباں اور درخشاں ہے۔ (۵۶)

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور آگے سے بڑھ کر ہیں اپنی شان میں

محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل   غلام احمد کو دیکھے قادیان میں (۵۷) (نعوذ باللہ)

مرزا بشیر احمد ایم۔ اے لکھتا ہے ”مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی خود محمد رسول اللہ ہیں جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ تشریف لائے۔ اس لیے ہم مرزائیوں کو کسی نئے کلمے کی ضرورت نہیں۔ (۵۸) (نعوذ باللہ)

۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں اے او ہیوم (انڈین سول سروس کا ریٹائرڈ ممبر) نے انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ڈالی اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں ایک قومی صورت پیدا کی جائے اور تمام لوگوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل و مذہب ہندوستان قومیت میں ضم کردے لیکن اس کے باوجود سر سید احمد خان (م ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء) شاگرد علامہ فضل حق خیر آبادی نے مسلمانوں کو کانگریس سے دور رہنے کی تلقین کی۔ (۵۹) ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۷ء میں بنارس کے مقام پر ہندوؤں کے اردو زبان کے خلاف نفرت کے اظہار کرنے پر آپ نے علی الاعلان کہا کہ ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد ناپائیدار ہے نیز ہندو مسلم ایک قوم نہیں بلکہ دونوں کا نظریۂ حیات مختلف ہے ساتھ ہی ذبیحہ گاؤ، ہندو مہاسبھا کا قیام، کانگریس کا جھکاؤ ہندوؤں کی طرف تحریک آریہ سماج کی مسلم دشمنی (۶۰)، تقسیم بنگال ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کے خلاف ہندوؤں اور کانگریس کا ردعمل ایسی باتیں تھیں جو کہ مسلم لیگ بننے کا سبب بنی اور اسطرح ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو مسلم لیگ کا قیام ڈھاکہ میں عمل میں آیا۔ اسکے قیام کے مقاصد ہیں مسلمانان ہند میں حکومت برطانیہ کے لیے وفاداری کا جذبہ بیدار کرنا، ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی مفادات کا تحفظ کرنا اور مسلمان اور دیگر مذاہب کے درمیان بھائی چارے کی فضا قائم کرنا تھا۔ (۶۱)

۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی، حکومت برطانیہ نے بے شمار ہندوستانیوں کو اس وعدے پر فوج میں بھرتی کیا کہ فتح کے بعد ہندوستان آزاد کردیا جائیگا، موہن داس کرم چند گاندھی نے بھی فوجی بھرتی کی بھرپور حمایت کی، مسلمانوں کی عظیم سلطنت، ترکی کو اس جنگ میں شکست ہوئی، فتح کے بعد انگریز اپنے وعدے سے پھر گیا۔ اس موقع پر گاندھی جی نے ایک گہری چال چلی اور اعلان کیا کہ سلطان ترکی اسلام کا خلیفہ ہے اور اس کی خلافت کو ختم کرنا اسلام پر حملہ

کرنے کے مترادف ہے، مسلمانوں میں شدید اشتعال پیدا ہو گیا اور تحریک خلافت چل نکلی۔ اس تحریک کا مقصد ایک طرف تو انگریز سے وعدہ خلافی کا انتقام لینا تھا اور دوسری طرف اظہار ہمدردی کے ذریعے مسلمانوں کو ہندوؤں کے قریب کرنا تھا کہ وہ ہندومت میں مدغم ہو کر رہ جائیں۔ پھر ترک موالات (بائیکات) کا اعلان کیا گیا اور اپیل کی گئی کہ انگریزی ملازمت چھوڑ دو، انگریز کی دی ہوئی جاگیریں واپس کردو۔ مسلمانوں کے کالجوں کو ملنے والی گرانٹ واپس کردو، غرض یہ کہ انگریزوں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھو، پھر ایک قدم اور آگے بڑھایا کہ ہندوستان دارالحرب ہے اس لیے مسلمان یہاں سے ہجرت کر کے چلے جائیں، افسوسناک بات یہ تھی کہ گاندھی جی لیڈر تھے اور مسلمانوں کے راہنما دست بستہ اس کے پیچھے چل رہے تھے، ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتوے دیئے جا رہے تھے، مسجدوں کے منبروں پر گاندھی جی کو بٹھا کر تقریریں کروائی جارہی تھیں اور اسکی درازی عمر کی دعائیں مانگی جارہی تھیں مختصر یہ کہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے راہ پوری طرح ہموار کی جاچکی تھی۔ (۶۲)

۱۸۵۷ء سے ۱۹۲۰ء کے اس ۶۳ سالہ دور کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مذکورہ معاملات جیسے مقام مصطفیٰ، مقتدر اعلیٰ کی مسلم دشمنی، ہندو مسلم متحدہ قومیت، علماء وخواص کی بے راہ رویاں بعینہٖ دورِ اکبری کا پرتو تھیں۔ جس طرح اس دور میں اللہ تعالیٰ نے مجدد وقت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو ان حالات سے نبرد آزما ہونے کی توفیق دی تھی دورِ مذکور میں یہ ذمہ داری مجدد وقت امام اہل سنت احمد رضا محدث بریلوی کو دی گئی۔

اس پرآشوب دور میں مولانا احمد رضا بریلویؒ اور آپ کے خلفاء و مریدین نے بدعقیدہ مسلمانوں، ہندوؤں اور انگریزوں کی چالوں کو ناکام بناتے ہوئے پوری طرح سے ناموس و مقام مصطفیٰ ﷺ کی پاسداری کی۔

امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی۔ (۱۸۵۶ء۔ ۱۹۲۱ء) آپ کا نام عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان ابن حضرت مولانا نقی علی خان تھا۔ تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا کا قوت حافظہ عطا فرمایا کہ صرف ایک ماہ کے عرصہ میں

کلام پاک حفظ کیا۔ شریعت میں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے قدم بقدم اور طریقت میں حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نائب اکرم تھے۔ (۶۳) آپ کی سند حدیث مسلسل تین واسطوں سے ہے جس کا آپ نے ''الاجازۃ الرضویہ'' میں تذکرہ فرمایا ہے ان میں سے دو قابل ذکر ہیں ایک شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ اور دوسری شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ علیہ الرحمہ سے واسطہ ہے۔ (۶۴) آپ نے ستر سے زائد علوم پر ایک ہزار سے زائد کتب تصنیف وتالیف فرمائیں جن میں سب سے زیادہ معرکتہ الآراء کتاب ''العطایا النبویہ فی الفتویٰ الرضویہ'' ہے جو کہ بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے بلاشبہ آپ درجۂ مجدّدیت پر فائز تھے۔ ایک مجدد کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور انکے جانثار صحابہ رکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان نقوش کو زندہ وتابندہ فرمائے جو حوادث زمانہ کے باعث پژمردہ ہو گئے ہوں۔ (۶۵) آپ کی سب سے نمایاں جہت عشق رسول ﷺ اور نعت رسول مقبول شعری شناخت ہے۔ آپ عشق رسول ﷺ میں اس قدر سرشار تھے کہ آپکے رگ وپے سے محبت رسول ﷺ کی خوشبو آتی تھی۔ نشست وبرخاست، گفتگو کا محور، کلام کا رنگ، فکر وخیال کا مرکز صرف اور صرف ذات نبوی ﷺ تھی۔ (۶۶)

امام احمد رضا نے مرزا غلام احمد قادیانی کے رد وابطال میں درج ذیل مستقل رسائل تصنیف فرمائے۔

رسائل کے نام	سنہ تحریر
☆۔ جزاء الله عدوه بابائهه ختم النبوة	(۱۳۱۷ء)
☆۔ السوء والعقاب علی المسیح الکذاب	(۱۳۲۰ء)
☆۔ قهر الدیان علی مرتد بقادیان	(۱۳۲۲ء)
☆۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین	(۱۳۲۴ء)
☆۔ الجراد الدیانی علی المرتد القادیانی	(۱۳۲۶ء)
☆۔ المبین ختم النبیّین	(۱۳۲۶ء)(۶۷)

مذکورہ رسائل میں '' المبین ختم النبیّین ''میں آپ نے واضح طور پر خاتم النبیّین کی

وضاحت کی اور ایسے عقیدہ رکھنے والے شخص، کو کافر قرار ٹھہرایا۔ (۶۸) آپ نے ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں دارالعلوم منظر السلام قائم کیا اس میں بنگال، بہار، پنجاب، سرحد وغیرہ کے سیکڑوں طلباء تحصیل علم کے لیے آتے تھے۔ (۶۹) آپ شریعت وطریقت کو ایک ہی مانتے تھے فرماتے ہیں: جس حقیقت کی شریعت تصدیق نہ فرمائے وہ حقیقت باطل ہے۔ شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا دریا ہے۔ ہر زمانے میں شریعت وطریقت کے میدان میں مختلف بہروپیے بھی ظاہر ہوتے رہیں آپ کا تمام تر زور شریعت کے نفاذ پر ہے اسی کو تصوف گردانتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ نے ایک رسالہ مقال العرفاء بھی تحریر کیا اور اس میں علوم جدید وقدیم کے حوالے سے جھوٹے صوفیوں، بدعات، ومنکرات کا رد فرمایا۔ (۷۰) کتاب شریعت وطریقت میں لکھتے ہیں: شریعت تمام احکام جسم وجان وروح وقلب وجملہ علوم الٰہیہ و معارف نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآن عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک لے جائے گی۔ گویا شریعت عمارت ہے اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی۔ پھر اعمال ظاہر وہ دیوار ہیں کہ اس بنیاد پر ہوائیں چنے گئے اور جب تعمیر اوپر بڑھکر آسمان تک پہنچی وہ طریقت ہے۔ (۷۱)

آپ نے عالم اسلام کی دینی ومعاشرتی اصلاح کے علاوہ برصغیر کے میدان سیاست میں بھی تحریری کارنامے انجام دیئے۔ اپنے فتوؤں کے ذریعے ہندو مسلم اتحاد جیسے تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور تحریک ترک ذبیحہ گاؤ وغیرہ کے طلسم کو پاش پاش کیا اور دوقومی نظریہ کا بھر پور پرچار کیا جسے بعد میں دوسرے قائدین نے اپنایا اور پاکستان معرض وجود میں آیا۔ معروف سیاستدان جناب کوثر نیازی لکھتے ہیں:

امام احمد رضا، گاندھی کے بچھائے ہوئے اس دام ہمرنگ زمین کو خوب دیکھ رہے تھے انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب اقبال اور قائداعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے۔ دیکھا جائے تو دوقومی نظریہ کے عقیدے میں امام احمد رضا مقتدا ہیں اور یہ دونوں حضرات مقتدی، پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا گر امام احمد رضا سالوں

پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے بے خبر نہ کرتے۔ (۷۲)

مندرجہ ذیل کتب و رسائل میں آپکے سیاسی افکار ملتے ہیں:

☆۔النفس الفکر
☆۔اعلام الاعلام
☆۔تدبیر فلاح ونجات واصلاح
☆۔دوام العیش
☆۔المحجۃ الموتمنہ
☆۔الطاری الداری

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے قرآن پاک کا ترجمہ کنز الایمان، نعتوں کا مجموعہ حدائق بخشش اور فقہ حنفی میں ''جدّ المستار شرح ردّ المستار'' لکھیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ اور آپکے تلامذہ جس مسلک پر قائم تھے اسی کی اشاعت فاضل بریلوی نے تاحیات فرمائی۔ (۷۳)

آپ کی رائے حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے بارے میں یہ تھی:

ہمارے سردار شیخ محقق عبدالحق محدث بخاری دہلوی قدس سرہ، المعنوی جو اجلہ علماء اور اکابر اولیاء سے ہیں ان کی شہرت سے کان اور مکان بھرے ہوئے ہیں اور ان کی خوشبو کی مہک سے شہر اور میدان مہک اٹھے اور ضروری ہے کہ ہمارے سردار علماء مکہ بھی ان کی جلالت شان اور رفعت مکان سے آگاہ ہیں۔ شیخ قدس سرہ، تصنیفیں ہیں جن کی وقعت عظیم اور دین وشرع میں نفع کثیر ہے۔ (۷۴)

برصغیر کی تحریک آزادی میں مسلم لیگ کو اس وقت تک مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کی حیثیت سے مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جب تک علماء و مشائخ نے قائد اعظم محمد علی جناح کی سیاست اور مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت پر تصدیق ثبت نہ کی۔

ایک ایسے وقت میں جبکہ علمائے دیوبند جمیعت العلمائے ہند کے لیبل کے ساتھ کانگریس کی تائید وحمایت پر کمر بستہ تھے اور کھل کر متحدہ قومیت کا پرچار کر رہے تھے۔ ۹۔۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء میں مولانا امام احمد رضا بریلوی نے تحریک ترک موالات کے موقع پر رسالہ ''المحجۃ الموئمنہ فی آیۃ الممتحنہ'' میں واضح طور پر تحریر کر دیا تھا کہ کیونکہ انگریز اور ہندو دونوں شرعی اعتبار سے مسلمانوں کے نزدیک کافر ہیں اس لیے اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے

مسلمانوں کو بیک وقت دونوں ہی سے موالات ترک کرنا پڑے گی۔ امام احمد رضا کے بعد ان کے خلفاء اور علمائے اہل سنت نے ہراول دستہ کا کام کیا۔ خلیفہ اعلیٰ حضرت (۷۵) مبلغ اسلام مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی مدنی (۷۶) کا شمار بھی تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنماؤں میں ہوتا ہے (۷۷) آپ نے اپنی زندگی تبلیغ دین اور خدمت اسلام کے لیے وقف کردی اور اپنے نجی خرچ پر پیغام اسلام دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔ (۷۸) لادینیت ، اشتراکیت ، اشمالیت ، عیسائیت ، یہودیت ، احمدیت اور نجدیت کے خلاف سینہ سپر ہو کر مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ کیا اور نظام مصطفیٰ ﷺ کا پرچار کیا۔ مولیٰ تعالیٰ نے اس تبلیغی میدان میں انکو اولیت کا شرف بخشا ، وہ چالیس برس مسلسل اس میدان میں تن تنہا باطل کے مدمقابل رہے۔ (۷۹) آپکو اپنے کام کی بناء پر موریشس کے جناب الحق عبداللطیف نے (Roving Ambassador of Peace) لکھا۔ ۱۹۴۷ء میں مصر کے دورے کے موقع پر آپ نے شیخ حسن البناء (جو کہ اسلامی بھائی چارہ کے عظیم دائی تھے) کے ہاں نہ صرف ٹھہرے بلکہ انکے ساتھ مل کر کام بھی کیا۔ (۸۰) ۱۴ اگست ۱۹۵۰ء کے موقع پر نیویارک کی نو مسلمان تنظیموں کی جانب سے انٹرنیشنل مسلم سوسائٹی ہال ۳۰۲ ویسٹ 125th اسٹریٹ میں عشائیے کے موقع پر آپ نے امریکی مسلمانوں کو آپس میں اتحاد اور اسلامی اصولوں کی پاسداری کی تلقین کی۔ (۸۱) ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء مصر کے دورے کو موقع پر مفتی اعظم فلسطین، شیخ عبداللطیف دراز سیکرٹری جنرل جامعہ ازہر، شیخ عبدالماجد مفتی اعظم جامعہ ازہر سے ملاقاتیں کیں۔ امریکی تنظیموں ہی کی جانب سے آپکو امن کے عالمی سفیر کا اعزاز حاصل ہوا۔ (۸۲)

آپ اردو کے علاوہ عربی ، فارسی ، انگریزی ، سواحلی زبانیں جانتے تھے۔ آپ ایک شعلہ بیان مقرر تھے۔ آپ کی مقررانہ صلاحیتوں کی بناء پر آپکو عدیم النظیر اوریٹر (مقرر) قرار دیا گیا۔ بقول پروفیسر براس:

ہر شخص مولانا صدیقی کو پلیٹ فارم پر بولتے ہوئے سن سکتا ہے اور اس سے محظوظ ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ ایک جانب مولانا کی مقناطیسی شخصیت ہو دوسری جانب انکی نغمہ بار آواز اور

تیسری جانب انکی ٹھوس اور مدلل تقریر ہو۔ (۸۳)

آپ نے ملایا میں عربی یونیورسٹی، حنفی جامع مسجد کولمبو، سلطان مسجد سنگاپور، مسجد ناگریا جاپان کے علاوہ کئی ہسپتال، شفا خانے، مدارس اور مساجد تعمیر کرائیں۔ آپکے دست حق پرست پر ۵۰ ہزار سے زائد مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ (۸۴) آپ کے خیال میں معاشرتی زندگی جبلی اور فطری ہے۔ کوئی شخص اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ گروہی زندگی ہماری اخلاقی، عقلی اور جسمانی ضرورت ہے۔ کوئی انسان ہمدردی ہم احساس اور پیار و محبت کے جذبے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ نیز جب تک کسی نظام کہ تہہ میں اخلاقی اصول موجود نہ ہوں اسے قائم رہنے کا کوئی حق نہیں۔ دراصل کائنات کی بنیاد ہی اخلاق پر ہے۔ (۸۵) اس بنیاد کا کھوج لگانا سیاست دانوں کا فرض اولین ہے۔ کیونکہ اگر کائنات اخلاقی بنیادوں پر کھڑی ہے تو ریاست کو بھی اخلاقی بنیادوں پر استوار کرنا چاہیے۔ ابن خلدون نے کہا ہے کہ فطری طور پر ہر انسان معاشرتی اور سماجی زندگی کا خواہاں ہے۔ وہ خاندان، قبیلہ یا ذات برادری کی صورت میں زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ تن، تنہا نہیں رہنا چاہتا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہر ملک اپنی ثقافت قائم رکھے، کیونکہ غیر ملکی اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے مقامی ثقافت کو تباہ و برباد کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ اپنی ثقافت داخل کرتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں یورپی اقوام کے پاؤں گڑے ہوئے ہیں وہاں مقامی ثقافت کی جگہ یورپی کلچر کو مقام حاصل ہے۔

آپ نوآبادیاتی نظام اور سامراجیت کو غریب اور نہتے ممالک کے استحصال کے ہم معنی سمجھتے تھے۔ اور ان کے خلاف انہوں نے قلمی جہاد جاری رکھا ہوا تھا اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے تھے اور مسئلہ تقدیر کو موجودہ دور کے تقاضوں سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ دنیائے اسلام سے جمود اور تعطل کا خاتمہ ہو اور ملت اسلامیہ دوبارہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔ آپ نہ صرف سیاسی آزادی چاہتے تھے بلکہ فکری اور شخصی آزادی بھی ان کا منتہائے مقصود تھا اور ریاست کی بنیاد اخلاق پر رکھنا چاہتے تھے، جمہوریت کے خواہاں تھے اور پارلیمانی نظام کے حق میں تھے۔ (۸۶) علم تصوف کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

علم تصوف •ہ مقدس و مبارک علم جو قلب کو ذمائم کی نجاست سے پاک بنانے کی ترکیب سکھائے اور صفائے باطن کا طریق بتا کر روح کو اس کی معراج کمال تک پہنچانے اور رفیق اعلیٰ سے وصال حقیقی پانے کی طرف دال ہو تصوف کہلاتا ہے۔ تزکیہ و عروج کے طریقہ کو سلوک، اس راہ کے چلنے والے کو سالک یا متصوف اور منتہی کو صوفی کہتے ہیں۔ (۸۷)

۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء میں آپ نے لادینی افکار کے خلاف مسلمان، ہندو، سکھ، یہودی، عیسائی مذہبی رہنماؤں کا متحدہ محاذ تشکیل کیا جس کا نام تنظیم بین المذاہب رکھا۔ آپکی انہی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے تنظیم میں شامل رہنماؤں نے مشترکہ طور پر آپ کو ''فضیلت مآب'' کا خطاب دیا۔ ماریشس کا کثیرالاشاعت روزنامہ ایڈوانس اپنی ۱۳ مئی ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں (UNE Organisation Inter Religious) کے زیرِ عنوان لکھتا ہے:

مشہور زمانہ عالم دین مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی جو کہ ابھی ماریشس تشریف لائے ہیں یورپ جانے سے پہلے تنظیم بین المذاہب کے قیام کا ارادہ رکھتے ہیں اس نقطۂ نظر کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کے اچھے تعلقات ہوں۔ (۸۸)

آپ جہاں ہر مذہب کے لوگوں کے درمیان اخوت انسانی کے علمبردار تھے تو یہ ممکن نہ تھا کہ آپ مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر کے اختلاف کو محسوس نہ کرتے۔ آپ نے مختلف اسلامی مکتبِ فکر کے علماء کی ایک تنظیم بھی قاہرہ (مصر) میں محمد علی علوبہ پاشا کے تعاون سے قائم فرمائی اور اس کا نام تنظیم بین المذاہب الاسلامیہ رکھا۔ (۸۹)

ردِ مرزائیت: آپ نے ردِ مرزائیت میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا شاہ احمد نورانی کی روایت کے مطابق: میرے والد ماجد نے ابتداء سے آخر تک افریقہ، ملائیشیا، سیلون، یورپ اور امریکہ کی سرزمین پر ہمیشہ لوگوں کو اس فتنہ سے آگاہ کیا۔ اس ضمن میں میں آپکی انگریزی تصنیف (The Mirror) اور اردو تصنیف ''مرزائی حقیقت کا اظہار'' عربی زبان میں ''المرآۃ'' موجود ہیں۔ اردو تصنیف کا انڈونیشی زبان میں ترجمہ ہوا جس کی اشاعت کے بعد ملائیشیا میں زبردست تحریک اٹھی یہاں تک کہ ملائیشیا میں مرزائیوں کا داخلہ ممنوع ہوگیا تھا۔ (۹۰)

آپ کی زندگی کا مشن ایک طرف تو مسلمان ذہن کو توہمات اور فضول باتوں سے پاک کرنا تھا اور دوسری طرف مسلم سوسائٹی کو اسلام کی طرف واپس لانا تھا۔ مذکورہ باتوں کی تصدیق آپ کے ان باتوں سے ہوتی ہے جو آپ نے مشہور عالم مصنف جارج برناڈ شا سے ۱۹۳۵ء میں ممباسا (افریقہ) میں ایک ملاقات کے دوران کہی ساتھ ہی آپ نے گفتگو کے دوران مختصراً ان غلط فہمیوں کا ذکر کیا جو مستشرقین نے بے سوچے سمجھے، پروپیگنڈے کو طور پر پھیلا رکھی تھیں کہ اسلام جنگ کا مذہب ہے یا صلیبی جنگوں میں چند مفاد پرست لوگوں کا عیسائی عوام کو یہ بتلانا کہ مسلمان مذہب پر یقین نہیں رکھتے وغیرہ۔ آپ نے بڑے دلنشین پیرائے میں دلائل کے ذریعے مذکورہ باتوں کے رد کرنے کے ساتھ جناب برنارڈ شا کو متفق کر دیا کہ تعلیمافتہ، مہذب اور شائستہ لوگوں کا مستقبل کا مذہب اسلام ہوگا۔ (۹۱) آپ نے عقائد، تاریخ، سیاسیات، سماجیات، شریعت، طریقت ثقافت اور تعلیم کے موضوعات پر کئی کتابیں انگریزی (۹۲)، عربی (۹۳)، اردو (۹۴)، زبانوں میں لکھیں اور کئی ماہنامے (۹۵) مختلف ممالک سے جاری کئے۔ آپ کی انہی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فلپائنی مندوب ڈاکٹر احمد نے برملا اس بات کا اظہار کیا کہ آپ نے فلپائن کے جزیروں میں مدرسے، لائبریریاں، مساجد بنوائیں اور ہفت روزے و ماہنامے جاری کیے۔ ہمیں اسلام کی روشنی آپ ہی سے ملی ہے۔ (۹۶)

ایڈیٹر روزنامہ جسارت محمد صلاح الدین کہتے ہیں: مرحوم نے دعوت وتبلیغ کے میدان میں جو وسیع کام کیا ہے وہ دین سے انکی محبت اور حضور اکرم ﷺ سے عقیدت کا واضح ثبوت ہے۔ انہوں نے سنگاپور میں جس اسلامی مرکز اور مدرسے کی بنیاد رکھی تھی اس کے کام کو حال ہی میں دیکھنے کا اتفاق ہوا اور میں اس امر کی گواہی دے سکتا ہوں کہ صرف یہ ہی ایک صدقہ جاریہ ان کی مغفرت کے لیے کافی ہے۔ (۹۷) مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی کو برصغیر کی سیاست کا پوری طرح اندازہ تھا اور خصوصاً جنوبی افریقہ میں دعوت تبلیغ کے دوران آپ کو گاندھی جی کی مذموم سیاسب اور انگریزوں کی حاکمانہ ذہنیت سے پوری طرح آگاہی حاصل ہو چکی تھی اس لیے آپ جانتے تھے کہ برصغیر میں گاندھی جی کی پُرفریب سیاست کا پردہ چاک کرنے کے لیے

کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ان دونوں محاذوں پر مسلمانو کے دفاع کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دے سکے۔ آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ مسلم لیگ اور مسٹر جناح سے سیاسیات کا کام لیں کیونکہ فی زمانہ علماء کرام یورپین سیاسیات اور ہندوستان کے غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں کی ڈپلومیٹک وسیہ کاریوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ موجودہ زمانے میں ہندوستان کے اندر آئینی جنگ ہو رہی ہے اس جنگ میں وہی مسلمان کامیاب ہو سکتا ہے جو انگریزوں اور کانگریسیوں دونوں کے ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف ہو۔ (۹۸)

مطالبہ پاکستان کے پس پردہ اسلام ہی وہ اساسی اصول تھا جس نے براعظم ہندوستان کے مسلمانوں کو نہ صرف، بقول علامہ اقبال ''ان بنیادی جذبات و احساسات اور وفاداریوں'' سے سرفراز کیا جنہوں نے بکھرے ہوئے منتشر افراد اور گروہوں میں بٹے ہوئے لوگوں کی شیرازہ بندی کر کے انہیں متحد کرنے کے اسباب فراہم کیے، بلکہ اس نے ایک قوم کی تشکیل کے لیے ایک قوت محرکہ کا کام بھی کیا اور بالآخر ان (اسلامیان ہند) کو ایک مربوط، منظم اور منفرد قوم کا روپ دیا۔ اسلامیان ہند کے درمیان جس حد تک بھی یہ وحدت قومی پیدا ہوئی وہ اس ''قوت خیز اور حرکت آمیز تصور'' کی رہین منت تھی جو (بقول منٹگمری واٹ) ''ایک کرشمہ ساز برادری اور شہد آفرین ہونے کے تصور اور خیال سے عبارت تھا''۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اگرچہ مسلمان براعظم ہندوستان کے طول و عرض کے چپے چپے میں بکھرے ہوئے تھے، اس کے باوجود ٹائن بی کی اصطلاح میں انکے اندر اپنے ''سماجی ورثے'' کی بنیاد پر ایک قوم کی حیثیت سے مل جل کر رہنے کا عزم اور جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہی وہ جذبہ قومی تھا جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو علمی اور فکری سطح پر بھی (ہندوستانی یا زیادہ صحیح طور پر ہندو قوم سے جدا ہو کر) اپنے لیے ایک علیحدہ اور منفرد قوم ہونے کا دعویٰ کرنے کے لیے جواز فراہم کر دیا تھا۔ (۹۹)

۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء کی قراردادِ پاکستان کی منظوری کے بعد مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی نے قیام پاکستان کی تحریک میں نہایت سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور مختلف بلاد و احصار کے دورے کر کے علمائے اہلسنت، مشائخ عظام اور عوام الناس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خواب غفلت سے

بیدار ہو کر مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں تا کہ ان کے حقوق کی بازیابی کے لیے مؤثر انداز میں آئینی جنگ لڑی جا سکے۔ اس وقت جو علمائے اہلسنت علیحدہ وطن کے مطالبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سرگرم تھے ان میں مولانا غلام محمد ترنم امرتسری، مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش، سیّد محمد محدّث کچھوچھوی، پیر عبداللطیف زکوڑی شریف، سیّد محمد طاہر اشرف جیلانی، خواجہ حسن نظامی دہلوی، پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف، پیر صاحب مانکی شریف، پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (م ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء)، مولانا عبدالحامد بدایونی (م ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری (م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء)، مولانا عبدالغفور ہزاروی (م ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء)، مولانا محمد بخش مسلم بی اے لاہوری، مولانا قاری شاہ غلام رسول قادری، مولانا عارف اللہ شاہ قادری، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا محمد فاخر الہ آبادی، وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ (۱۰۰)

۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے قائد اعظم محمد علی جناح نے مطالبہ پاکستان کے اساسی عوامل پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، اسلام ہر مسلمان کے لیے لازم قرار دیتا ہے کہ وہ اپنا تشخص یا اپنی انفرادیت کسی اجنبی اور غیر معاشرے میں ضم نہ کرے۔ گزشتہ صدہا سال سے ہندو، ہندو رہے ہیں اور مسلمان، مسلمان۔ انہوں نے اپنا تشخص قائم رکھا ہے، وہ وہ دوسرے میں مدغم نہیں ہوئے ہیں اور یہی پاکستان کی بنیاد ہے۔ (۱۰۱)

قرآن نے مسلمانوں کی جماعت کے لیے حزب (پارٹی) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قومیں نسل ونسب کی بنیاد پر اٹھتی ہیں اور پارٹیاں اصول و مسلک کی بنیاد پر۔ اس لحاظ سے مسلمان حقیقت میں قوم نہیں بلکہ ایک پارٹی ہیں، ہماری نجات اسی میں ہے کہ ہم اپنے اندر ایک جماعتی احساس پیدا کریں۔ قرآن روئے زمین پر صرف دو پارٹیاں حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) اور حزب الشیطان (شیطان کی پارٹی) دیکھتا ہے۔ شیطان کی پارٹی میں خواہ باہم اصول و مسلک کے اعتبار سے کتنے ہی اختلاف ہوں، قرآن ان سب کو ایک ہی سمجھتا ہے اس کے برعکس اللہ کی پارٹی

والے خواہ نسل، وطن، زبان اور تاریخی روایات کے اعتبار سے باہم کتنے ہی مختلف ہوں جب وہ خدا کے بتائے ہوئے طریق فکر اور مسلک حیات سے متفق ہو گئے تو گویا الٰہی رشتے (حبل اللہ) سے باہم جڑ گئے اور اس نئی پارٹی میں داخل ہوتے ہی ان کے تمام تعلقات حزب الشیطان والوں سے کٹ گئے۔ ہٹلر کے مطابق: ہر وہ شخص جو قومی نصب العین کو اس حد تک اپنانے کے لیے تیار ہو کہ اس کے نزدیک اپنی قوم کی فلاح سے بالاتر کوئی نصب العین نہ ہو اور جس نے ہمارے قومی ترانے ''جرمنی سب سے اوپر'' کے معنی و مقصود کو اچھی طرح سمجھ لیا ہو، یعنی اس وسیع دنیا میں جرمن قوم اور جرمنی سے بڑھ کر کوئی چیز اس کی نگاہ میں عزیز اور محترم نہ ہو، ایسا شخص نیشنل شوشلسٹ ہے۔ الفاظ مذکور نسلی تفاخر کو ظاہر کرتے ہیں جو کہ اصول و مسلک سے یکسر الٹ ہے اسی کی بیخ کنی کے لیے اسلام نے نسل انسانی کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا۔ (۱۰۲)

اسی طرح لیگ سیشن کراچی (۱۹۴۳ء) سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم نے کہا: قرآن پاک ایک عظیم کتاب ہے۔ یہ اسلامیان ہند کا بنیادی اور رہبر اصول ہے۔ اسی بناء پر قائد اعظم نے نومبر ۱۹۴۵ء میں سرحد مسلم لیگ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> مسلمان پاکستان کا مطالبہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ وہاں اپنے ضابطۂ حیات، اپنی ثقافتی نمو، اپنی روایات و اقتدار اور اسلامی قوانین کے مطابق حکمرانی کر سکیں۔

یہ ضابطۂ حیات، یہ اسلامی روایات کیا تھیں؟ اس کی وضاحت قائد اعظم نے ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء میں پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام ایک پیغام میں پہلے ہی کر دی تھی:

> اسلام ہمارا بنیادی اصول ہے، ہمارا سب سے بڑا سہارا ہے اسلام ہی ہمارا رہبر ہے اور وہی ہمارا اکمل ضابطۂ حیات ہے۔ (۱۰۳)

۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء کے اواخر میں انتخابات کے موقع پر جہاں دیگر علمائے اہلسنت، مسلم لیگ کی انتخابات میں کامیابی کے لیے کوشاں تھے وہاں مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی بھی اس محاذ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ آپ نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں بغرض حج عازم ہوتے ہوئے مسلمانان ہند کے نام ایک موثر پیغام دیا کہ تمام برادرانِ ملت اپنے شیرازے کو ہرگز منتشر نہ ہونے دیں اور یہ

ثابت کر دکھائیں کہ مسلمان متحد و متفق ہیں تا کہ جہاں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کی آزاد حکومت ہو جس میں نفاذ قوانین واجبائے تہذیب و معاشرت دین کی پوری قوت ان کو ہی حاصل ہو۔ اس کو خواہ پاکستان کا نام دیا جائے یا حکومت الٰہیہ کے لقب سے ملقب کیا جائے۔ (۱۰۴) قائداعظم محمد علی جناح ہمیشہ مبلغ اسلام کی ہمہ صفت شخصیت اور سحر بیانی سے متاثر رہے چنانچہ متعدد بار قائداعظم نے آپ کو بیرونی ممالک کے دورہ پر بطورِ خاص روانہ کیا۔ اور آپ نے بھی اپنی ذمہ داری کو بہ حسن و خوبی نبھایا۔

مسلم لیگ کی تحریک کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے علمائے دیوبند کے ایک طبقہ نے یہ محسوس کیا کہ وہ اس عظیم عوامی تحریک سے اپنے موقف میں لچک نہ ہونے کی بنیاد پر کٹے جا رہے ہیں۔ اس لیے مولوی اشرف علی تھانوی نے ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں لیگ کے اجلاس منعقدہ پٹنہ کے موقع پر ایک وفد قائداعظم کے پاس بھیجا جس نے قائداعظم کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ علماء اہلسنت کی عوام الناس میں مقبولیت اور مطالبہ پاکستان کی شدت کے پیش نظر ان علماء کے نزدیک مصلحت کوشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ان تمام حقائق کی روشنی میں اگر تحریک پاکستان کا جائزہ لیا جائے تو یہ طے ہو جاتا ہے کہ بانیانِ پاکستان میں صرف اور صرف علمائے اہلسنت شریک تھے اور وہ نہایت پرخلوص انداز میں حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ (۱۰۵)

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں اپنے غیر ملکی تبلیغی دورے سے واپسی پر جمعیت سنیہ نے ایک عظیم الشان سُنی کانفرنس منعقد کی جس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ ''موجودہ کانگریسی حکومت کے نظام عمل اور ہمارے پاکستانی نظام عمل میں ایک ایسا فلک پیما فرق ہے کہ جس کو ہم کسی صورت منظور نہیں کر سکتے۔ ہمارا پاکستان نظام عمل ایک ایسا مافوق البشر کا لایا ہوا سمجھایا ہوا اور زمانہ ہائے ماضی حال و مستقبل کے قدرتی قوانین پر منتج ہے۔ دنیاوی حکومتوں کے قوانین لمحہ بہ لمحہ روز و شب ترمیم اضافہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں مگر اس مافوق الفطرت نبی حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ علیہ السلام خاتم النبیین والمرسلین کا لایا ہوا قرآنی نظام عمل اور قوانین حکومت ترمیم و تنسیخ سے مبّرا، زمانہ ہائے ماضی حال و مستقبل پہ حاوی ہے۔ اسی لیے میں مسلمانوں کے مجوزہ وطن کو

قدرتی پاکستان کہتا ہوں جس کی بنیادیں احکام قرآنی اور ارشادات مصطفوی ﷺ پر ہوں گی۔

آپ نے اس موقع پر کراچی و سندھ کے علماء و مشائخ کو دعوت دی کہ وہ سنی رضا کاروں کی تنظیم کا کام شروع کریں اور دوسروں کو بھی اسلام کے بنیادی اصول خمسہ پر پابندی کی دعوت دیں۔ (۱۰۶) اسی کانفرنس میں تحریک پاکستان کے حق میں کئی قرار دادیں منظور ہوئیں۔

تحریک پاکستان میں کانگریسی اور انکی ہمنوا جماعتیں بیرونی ملک پھیل گئیں تو آپ نے انگلینڈ، مصر، مکہ معظمہ اور دیگر عرب ممالک پہنچ کر وہاں کے عوام وخواص کو تحریک پاکستان سے روشناس کرایا۔ عرب رہنماؤں میں مصر کے حسن البناء، فلسطین کے مفتی اعظم سید امین الحسینی اور اردن کے بادشاہ سید عبداللہ و دیگر عرب کے رہنما شامل ہیں۔ آپ کی انہی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ہفت روزہ اقدام لکھتا ہے:

مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی قادری میرٹھی نے مسلم لیگ کی طرف سے کئی ممالک کا دورہ کیا اور پاکستان کی اہمیت دنیا پر واضح کی اور سفیر اسلام مشہور ہوئے۔

پاکستان بننے کے بعد قائد اعظم محمد علی جناح کے حکم پر اسلامی ممالک میں پاکستان کی نمائندگی کی اور قائد اعظم نے آپ کو سفیر پاکستان کا خطاب دیا۔ پاکستان ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا۔ قائد اعظم کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے جب آپ تبلیغی دورے سے واپس پاکستان تشریف لائے تو کراچی میں سندھ، پنجاب، مشرقی پاکستان کے علماء کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ آپ کی نگرانی میں مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی، قائد تحریک ختم نبوت حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، حضرت مفتی صاحب داد، حضرت علامہ احمد سعید شاہ قادری اور حضرت مولانا پیر محمد قمر الدین سیالوی کے علاوہ کئی علماء و مشائخ نے جامع دستور آئین اسلامی کا مسودہ تیار کیا اور اس پر تائیدی نوٹ لکھے۔ کی سرکردگی میں جید علماء و مشائخ کا وفد قائد اعظم سے ملا اور یہ اسلامی آئین کا مسودہ پیش کیا۔ قائد اعظم نے تین گھنٹے طویل بات چیت آئین کے مختلف پہلوؤں پر کی اور اس قدر احسن طریقے سے مطمئن کیا کہ قائد اعظم نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو یقین دلایا کہ انشاء اللہ آسمبلی کے منظور کرنے کے

بعد اسے جلد نافذ کیا جائے گا۔ (۱۰۷)

غالباً اسی بات کے پیش نظر قائد اعظم نے ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء کو ملیر میں ففتھ ہیوی اک اک رجمنٹ کے افسروں اور جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہا تھا: اب آپ کو اپنی سرزمین پر اسلامی جمہوریت، اسلام کے عدل عمرانی، مساوات انسانی کے فروغ اور اس کے برقرار رکھنے کے لیے ایک محافظ کی حیثیت سے کام کرنا ہوگا۔ (۱۰۸) مذکورہ حوالے سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قائد اعظم اسلامی پاکستان کو ایک ایسی اسلامی جمہوریت کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے تھے جہاں نہ صرف سماجی انصاف اور بنیادی حقوق کا بول بالا ہو بلکہ انکے تحفظ کی ضمانت بھی ہو۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ اکرام، شیخ محمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۶۸ء)۔ رودِ کوثر۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ ص ۴۲۳

۲۔ عبدالرحمٰن (سید) صباح الدین۔ (۱۹۷۰ء)۔ ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر۔ اعظم گڑھ: معارف پریس۔ ص ۳۷

۳۔ برنیر (ڈاکٹر)۔ (۱۹۶۰ء)۔ برنیر کا بارہ سالہ روزنامچہ ۱۶۵۶ء تا ۱۶۶۸ء شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگزیب۔ (مترجم، سید محمد حسین)۔ کراچی: نفیس اکیڈمی۔ ص ۳۹

۴۔ ردِ کوثر۔ صص ۴۲۲۔ ۴۵۸

۵۔ قریشی، اشتیاق حسین (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۴ء)۔ علماء میدان سیاست میں۔ (مترجم، ہلال احمد زبیری)۔ کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ کراچی۔ ص ۱۲۹

۶۔ حضرت شاہ ولی اللہ ۱۷۰۳ء میں اُتر پردیش کے ضلع مظفر نگر میں پھلت کے مقام پر پیدا ہوئے تھے جو دہلی سے زیادہ دور نہیں ہے۔ ان کا اصلی نام قطب الدین نصر تھا وہ اپنی تحریروں میں اپنے آپ کو احمد کہتے ہیں۔ ولی اللہ کا خطاب انہیں ان کے والد شاہ عبدالرحیم نے دیا تھا، جنہوں نے اپنے بیٹے میں اس کی ابتدائی زندگی کے مرحلے ہی پر روحانی عظمت کے آثار نمایاں دیکھ لیے تھے۔ شاہ عبدالرحیم عالم بھی تھے اور صوفی بھی۔ فقہ اسلامیہ میں ان کی علمی قابلیت کا اعتراف فتاویٰ العالمگیریہ کے مولفین نے بھی کیا اور انہیں اپنا رفیق کار بنایا۔ انہوں نے مدرسہ رحیمیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور وہ خود اس کے صدر مدرس تھے۔ آپ کی تصانیف میں حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات، انفاس العارفین، فیوض

الحرمین، الدرثمین ۰ القول الجمیل ،از التہ الخفاء، انتباہ فی سلاسل الاولیاء اور اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم ،سطعات، سمعات اور لمعات بہت مشہور ہیں۔

۷۔ جیسا کہ تلامذہ شیخ میں مذکورہ ہوا حضرت شاہ عبدالرحیم اور شیخ ابو طاہر الکردی دونوں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے سلسہ تلامذہ سے تعلق رکھتے تھے۔

۸۔ دہلوی ، ولی اللہ محدث (شاہ) ۔(۱۹۹۸ء) ۔انفاس العارفین ۔(مترجم ، سید محمد فاروق القادری۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن ۔ص ۴۰۶

۹۔ روزنامہ جنگ (پینل انٹرویو) از مولانا عبداللہ درخواستی ۔۱۲ جنوری ۱۹۹۰ء۔ ص iv

۱۰۔ حیات عبدالحق محدث دہلویؒ ۔ص ۴۳

۱۱۔ رانا، محمد اسحاق (ڈاکٹر) ۔(۱۹۹۸ء)۔ علوم حدیث ﷺ ۔لاہور: ادارہ اشاعت اسلام ۔صص ۲۳۱۔۲۳۲

۱۲۔ انفاس العارفین ۔ص ۸

۱۳۔ تقدیم انفاس العارفین ۔ص ۴

۱۴۔ نزہتہ الخواطر (ج ۔۲) ۔ص ۴۰۶

۱۵۔ افکار سیاسی مشرق و مغرب ۔صص ۵۴۵۔۸۸۹

۱۶۔ ہالے پوتا عبدالواحد (ڈاکٹر) ۔(۱۹۸۱ء) ۔شاہ ولی اللہ کا فلسفہ۔ (مترجم، پروفیسر محمد سعید)۔ حیدرآباد (سندھ): شاہ ولی اللہ اکیڈمی ۔پیش لفظ از مصنف ۔ص ۵

۱۷۔ مذکورہ عقائد کی تفصیلات جاننے کے لیے انفاس العارفین ملاحظہ فرمایئے۔

۱۸۔ الرحیم ۔(جنوری ۱۹۶۶ء)۔ شذرات ۔مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ۔ حیدرآباد (سندھ): شاہ ولی اللہ اکیڈمی ۔

۱۹۔ اویسی ، فیض احمد (مفتی) ۔(۲۰۰۱ء)۔ عقائد شاہ ولی اللہ ۔کراچی: عطاری پبلشرز ۔ص ۶

۲۰۔ شاہ ولی اللہ کا فلسفہ۔ ص ۵

۲۱۔ واضح رہے کہ شیخ محقق کی پہلی سوانح ۱۹۰۱ء میں مرآۃ الحقائق کے نام سے منشی برکت علی حقی نے لکھی تھی۔ ۱۹۹۲ء میں جامعہ کراچی سے شعبہ فارسی کے تحت ڈاکٹر منصور علی سہروردی نے اخبار الاخیار کے تقریباً پانچویں حصے پر پہلی مرتبہ کام کیا۔ آپکے احوال وآثار پر پھر بھی کام نہ ہوا۔

۲۲۔ سندھی عبیداللہ (مولانا) ۔(۱۹۶۵ء)۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ۔ لاہور۔

صص ۸۶۔۸۷

۲۳۔ رودکوثر۔ ص ۵۸۸

۲۴۔ ایضاً۔ ص ۵۹۳

۲۵۔ صدیقی، محمد سعید، (۱۹۸۸ء)۔ علم حدیث اور پاکستان میں اسکی خدمت۔ لاہور: شعبۂ تحقیق قائداعظم لائبریری۔ صص ۳۹۸۔۳۹۹

۲۶۔ علامہ کفایت علی کافی شہید حنفی مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ (شہادت ۱۸۵۷ء)

آپ کا اسم گرامی کفایت علی اور تخلص کافی ہے۔ آپ نے علم حدیث شاہ ابوسعید مجددی فاروقی رام پوری سے حاصل کیا جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ جید عالم اہلسنت، سچے عاشق رسول ﷺ اور مرادآباد کے صدر الشریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ علم طب، صرف ونحو، شاعری اور ادب میں کمال حاصل تھا۔ مرادآباد کے محاذ پر انگریزوں کے خلاف جہاد میں بھرپور شرکت کی۔ جب مرادآباد انگریزوں نے فتح کیا تو آپ کو پھانسی دی گئی۔ اس وقت اپنی غزل کے یہ شعر پڑھے:

کوئی گل باقی رہے گا نہ چمن رہ جائے گا　　پر رسول اللہ ﷺ کا دین حسن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافی لیکن حشر تک　　نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

مزید تفصیلات کے لیے رجوع کیجئے۔ فانی، محمد صدیق۔ (۱۹۹۷ء)۔ تذکرہ کافی شہیدؒ۔ خانیوال

۲۷۔ علماء میدان سیاست میں۔ ص ۴۵۶

علامہ احمد اللہ شہید حنفی مدراسی رحمتہ اللہ علیہ (۱۸۱۷ء۔۱۸۵۸ء) آپ کا اصلی نام احمد علی تھا، لقب ضیاء الدین اور خطاب دلاور جنگ تھا۔ لکھنو والوں نے آپ کا نام ڈنکا شاہ رکھا تھا۔ آپ کو علم تفسیر و حدیث پر عبور حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ ۱۸۴۰ء میں آپ نے حضرت محراب شاہ قلندر گوالیاری کے ہاتھ پر بیعت جہاد کیا اور مجاہدین کا لشکر تشکیل دیا جس نے بریلی اور شاہجہاں پور کے محاذ پر انگریز جنرل ہیگ کو شکست فاش دی۔ جنرل بخت خاں کے ساتھ مل کر آپ نے علماء جہاد کمیٹی تشکیل دی جس نے بعد ازاں فتویٰ جہاد ۱۸۵۷ء جاری کیا۔ ایک غدار کے ذریعے دھوکہ سے آپ کو ۱۸۵۸ء میں شہید کیا گیا۔ انکی شہادت پر انگریز نے کہا:

”شمالی ہندوستان میں ہمارا سب سے بڑا دشمن سب سے خطرناک انقلابی ختم ہوگیا“

مزید تفصیلات کے لیے رجوع کیجئے۔ فانی، محمد صدیق۔ (۱۹۹۷ء)۔ تذکرہ مدراسی شہید۔ خانیوال۔

۲۸۔ ہفت روزہ الہام ۔ بہاولپور ۔ (۱۹۸۵ء) ۔ جلد نمبر ۴۵ شمارہ ۴۰ ۔ مدیر: مسعود حسن شہاب دہلوی ۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نمبر ۔ ص ۲۲ (بحوالہ ۔ مقالات سر سید حصہ شانزدہم)

مولانا محمد فضل حق ۱۷۹۷ء میں قصبہ خیر آباد میں پیدا ہوئے ۔ آپکے والد مولانا فضل امام اپنے زمانے کے ایک متجر عالم اور دہلی کے صدر الصدور تھے ۔ آپ کا سلسلہ نسب تینتیس (۳۳) واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے ۔ آپ نے معقولات کی تعلیم اپنے والد سے اور منقولات کی تعلیم حضرت شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے حاصل کی ۔

۲۹۔ ایضاً ۔ صص ۶۲ ۔ ۲۷

۳۰۔ محمد خلیل (ایڈوکیٹ) ۔ (۱۹۴۶ء) تاریخ ارکان برما ۔ کراچی: موتمر العالم الاسلامی ۔ ص ۲۸

۳۱۔ فضل حق خیر آبادی نمبر ۔ صص ۴۱ ۔ ۴۲

۳۲۔ ایضاً (بحوالہ: تواریخ عجیبہ، ص ۷۳)

۳۳۔ ایضاً (بحولہ: حیات طیبہ، ص ۲۹۶)

۳۴۔ دہلوی، مولوی محمد اسماعیل ۔ (۱۳۲۱ھ) ۔ صراط مستقیم ۔ لکھنوء: مطبع فخر المطابع ۔ ص ۸۶

۳۵۔ فضل حق خیر آبادی نمبر ۔ ص ۴۲ (بحوالہ: حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ۔ ص ۲۹۴)

۳۶۔ دہلوی، مولوی محمد اسماعیل ۔ (۱۳۳۲ھ) ۔ تقویۃ الایمان ۔ کانپور: مطبع مجیدی ۔ ص ۱۷

۳۷۔ تھانوی، مولوی اشرف علی ۔ (۱۳۲۹ھ) ۔ حفظ الایمان ۔ دہلی: مطبوعہ مطبع مجتبائی ۔ صص ۷ ۔ ۸

۳۸۔ مولانا فضل حق خیر آبادی نمبر ۔ صص ۳۰ ۔ ۳۱

۳۹۔ علم منطق عقل سے بحث کرتا ہے اور جو باتیں عقل میں نہ آئیں انہیں تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے جس کے ابتدائی اثرات یونانی حکماء کے اقوال سے ملتے ہیں ابن ندیم، ابن خلکان، ابن ابی اصیبعہ، ابن سینا، ابن خلدون، ابن رشد امام غزالی نے اس علم کی توضیح میں نمایاں حصہ لیا۔

۴۰۔ ڈاکٹر خلیق نظامی نے اس کتاب کو فلسفہ میں شمار کیا ہے راقم کے خیال میں نظامی صاحب کا محاکمہ اس لیے درست ہے کہ گو شیخ محقق علم فلسفہ کو پسند نہ کرتے تھے لیکن اپنی تحریرات میں انہوں نے بالواسطہ نصوص کے حوالے سے کئی کلامی مباحث کی وضاحت کی ہے اس لحاظ سے کتاب مذکور کو علم اسلامی فلسفہ ہی شمار کیا جانا چاہیے۔

۴۱۔ برکاتی، محمود احمد ۔ (۱۹۹۳ء) ۔ مولانا حکیم سید برکات احمد ۔ سیرت اور علوم ۔ کراچی: برکات اکیڈمی ۔ صص ۲۰۰ ۔ ۲۰۲

۴۲۔ مقالہ نگار سید انظر شاہ کشمیری فرماتے ہیں میں دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے دو عظیم انسانوں (سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی) سے کرتا ہوں۔ (بحوالہ۔ مسلک دیوبند کیا ہے۔)

۴۳۔ جسے مولانا سید انظر شاہ صاحب غدر کی معروف جنگ کے نام سے معنون کرتے ہیں (بحوالہ مسلک دیوبند کیا ہے۔ حاشیہ ص ۴۶)

۴۴۔ انظر شاہ کشمیری (مولوی)۔ فٹ نوٹ، ماہنامہ البلاغ (ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ۔ ص ۴۹

۴۵۔ نانوتوی، محمد قاسم (مولانا)۔ (۱۳۰۹ھ)۔ تحذیر الناس، سہارنپور خیر خواہ سرکار پریس۔ ص ۵

۴۶۔ ایضاً۔ ص ۲۴

۴۷۔ حفظ الایمان۔ ص ۸

۴۸۔ انبیٹھوی، خلیل احمد۔ (س ن)۔ براہین قاطعہ۔ ساڈھورہ: مطبع بلالی ص ۵۵

۴۹۔ پاک و ہند کی اسلامی تاریخ۔ ص ۳۴۲

۵۰۔ اس موقعہ پر مغل بادشاہ نے عوام سے جو اپیل کی اس میں یہ بات زور دے کر کہی گئی تھی کہ ہم اپنے عزیز وطن اور مذہب کو پنجۂ اغیار سے چھڑانا چاہتے ہیں۔ یہی بات ہر جگہ محراب و منبر سے بھی دہرائی گئی ملک کے عام باشندوں اور کسانوں نے بلا لحاظ مذہب و ملت جس طرح حریت پسندوں کی مدد کی اور جس جوش کا مظاہرہ کیا اس کے پیش نظر یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ یہ ایک قومی بغاوت تھی جس کا مقصد حصول آزادی تھا۔ اس لیے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اسے جنگ آزادی کہا جائے۔

۵۱۔ پاک و ہند کی اسلامی تاریخ۔ صص ۳۴۱۔۳۵۱

۵۲۔ الحق (جلد نمبر ۳ نمبر ۲۲)۔ (۳۱ مئی ۱۹۱۲ء)۔ دہلی۔ ص ۲۲ (بحوالہ: ماہنامہ اہل فقہ)

۵۳۔ رزاق، محمد طاہر۔ (۱۹۹۱ء)۔ تحفظ ختم نبوت۔ ملتان: دفتر مرکزی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت۔ ص ۴۶

۵۴۔ اخبار الفضل۔ قادیان دارالامان۔ ۲۵ اپریل ۱۹۱۶ء نمبر، جلد نمبر ۳۔ ص ۸

۵۵۔ تحفظ ختم نبوت۔ ص ۴۸ (خطبہ الہامیہ (طبع اول) ص ۱۷۷)

۵۶۔ ایضاً۔ ص ۴۸ (بحوالہ: خطبہ الہامیہ ص ۹۳ طبع اول)

۵۷۔ ایضاً۔ ص ۴۹ (بحوالہ اخبار بدر قادیان جلد نمبر ۴۲، مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

۵۸۔ ایضاً۔ ص ۴۷ (بحوالہ کلمۃ الفصل ص ۱۵۸ مندرجہ ریویو آف ریلیجنز بابت مارچ، اپریل ۱۹۱۵ء)

۵۹۔ Qureshi I.H.(Dr).(n d).The Struggle for Pakistan.Karachi. ص:24

۶۰۔ عبدالرسول (صاحبزادہ)۔ (۱۹۸۰ء)۔ تحریک پاکستان۔ لاہور: ایم۔ آر۔ برادرز۔ صص ۶۹۔۷۰

۶۱۔ Khalid Bin Sayeed .(1978).Pakistan the Formative Phase.
Dehli: Oxford University Press.p 30

۶۲۔ معارف رضا، شمارہ یازدہم، انٹرنیشنل ایڈیشن۔ (۱۹۹۱ء)۔ کراچی: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔ ص ۴۷

۶۳۔ رضوی، ظفرالدین (مولانا)۔ (۱۹۳۸ء)۔ حیات اعلیٰ حضرت (ج۔۱) کراچی: مکتبہ رضویہ۔ صص ۱۔۳۲

۶۴۔ معارف رضا۔ (۱۹۹۸ء)۔ شمارہ ۱۸۔ کراچی: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا۔ ص ۲۰

۶۵۔ ایضاً۔ ص ۱۲۸

۶۶۔ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس۔ (۱۹۹۸ء)۔ ادراۂ تحقیقات امام احمد رضا۔ ص ۲۷

۶۷۔ معارف رضا۔ (۱۹۹۸ء)۔ کراچی: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا۔ صص ۲۵۔۲۶

۶۸۔ بریلوی، احمد رضا (امام)۔ (۱۹۹۲ء)۔ فتاویٰ رضویہ (ج۔۶)۔ کراچی: مکتبہ رضویہ۔ ص ۵۸

۶۹۔ نوید سحر۔ (مئی ۲۰۰۱ء)۔ اعلیحضرت نمبر۔ مانسہرہ: جامعہ اسلامیہ حنفیہ۔ ص ۴۳

۷۰۔ ایضاً۔ ص ۴۴

۷۱۔ بریلوی۔ احمد رضا محدث (امام)۔ (۱۹۹۴ء)۔ شریعت و طریقت۔ کراچی: المختار پبلی کیشنز۔ صص ۲۲۔۱۶

۷۲۔ نیازی، کوثر (مولانا)۔ (۱۹۹۱ء)۔ امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت۔ کراچی: ادارۂ تحقیقات اما احمد رضا۔ صص ۲۵۔۲۶

۷۳۔ ایضاً معارف رضا۔ (۱۹۹۱ء)۔ انٹرنیشنل ایڈیشن۔ ص ۱۹۷

۷۴۔ الدولۃ المکیہ بالمادہ الغیبیہ۔ صص ۲۱۷۔۲۱۸

۷۵۔ حیات اعلیٰ حضرت۔ صص ۵۱۔۵۲

۷۶۔ قادری، محمود احمد۔ (۱۳۹۱ھ)۔ تذکرہ علمائے اہل سنت۔ کانپور۔ ص ۶۶

آپ ۳ اپریل ۱۸۹۲ء میں یوپی (انڈیا) کے شہر میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد نامور صوفی عالم دین، نعت گو شاعر مولانا شاہ عبدالحکیم جوشؔ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ اول امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کرنے کے بعد ''مدرسہ عربیہ قومیہ'' سے درس نظامی کی سند پائی۔ ۱۹۱۷ء میں ڈویژنل کالج سے

بی۔ اے کی سند حاصل کی۔

۷۷۔ شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ (۱۹۸۴ء)۔ مدیر: سید قاسم محمود۔ کراچی: شاہکار بک فاؤنڈیشن۔ ص ۱۰۴

۷۸۔ قادری، نور احمد۔ (س ن)۔ تاریخ تمدن انڈونیشیا۔ کراچی: شعبہ اطلاعات سفارت خانہ انڈونیشیا۔ ص ۴۱۰

۷۹۔ صدیقی القادری، عبدالعلیم (شاہ)۔ (۱۹۹۴ء)۔ کتاب التصوف۔ کراچی: ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز۔ صص ۳-۱۱

۸۰۔ Tahir, Mohammad, and Ahmed Bin Mohamed Ibrahim.(n.d) .The Roving Ambassadar of Peace- Singapore : G.H.Kiat & Co, Ltd. pp 1 3

۸۱۔ Herald Tribune (14 August, 1950). New York

۸۲۔ Pomphlet: Yusuf Ganam (Chairman). Inter Societies Committee, New York.USA

۸۳۔ Siddique, A.A (Maulana). (n.d.). Cultivation of Science by the Muslims. Karachi; World Federation of Islamic Mission. (Foreward-Tokyo 1938)

۸۴۔ قادری، عبدالحکیم شرف۔ تذکرہ اکابر اہلسنت (۱۹۷۶ء)۔ لاہور۔ ص ۲۳۸

۸۵۔ Siddique, A.A (Maulana). (N.D). The Principles of Islam. Karachi; Women's Islamic Mission pp 18- 22 .

۸۶۔ مینارۂ نور صص ۸-۱۹

۸۷۔ کتاب التصوف۔ صص ۳-۱۱

۸۸۔ روزنامہ ایڈوانس ۱۳ مئی ۱۹۴۹ء۔ ماریشس

۸۹۔ علیمی، ارشاد احمد (مرزا)۔ (۱۹۸۰ء)۔ حیات علیم رضا۔ ساہیوال۔ ص ۵۸

۹۰۔ انٹرویو، نورانی، شاہ احمد (مولانا)۔ (اگست، ستمبر ۱۹۷۲ء)۔ ترجمانِ اہلسنت (ماہنامہ)۔ ص ۱۰۸

۹۱۔ Anwar, K.S., & Zuber, M.H.(1970) .A Shavian and a

Thelogian. Karachi: The Islamic Information Centre. p 29

۹۲۔

1.QUESTION FOR THE HAPPINESS.
2.THE PRINCEIPLES OF ISLAM.
3.THE FORGOTTEN PATH OF KNOWLEDGE.
4.SHAVIAN AND THEOLOGIAN.
5.THE ELEMENTARY TEACHINGS OF ISLAM (HANAFI).
6.THE FIRST TEACHINGS OF ISLAM (SHAFA'I)
7.THE CODIFICATION OF ISLAMIC LAW.
8.CULTIVATION OF SCIENCE BY THE MUSLIMS.
9.THE UNIVERSAL TEACHING.
10.SPIRITUAL CULTURE IN ISLAM.
11.RELIGION AND SCIENTIFIC PROGRESS.
12.ISLAM'S ANSWER TO THE CHALLENGE OF COMMUNISM.
13.HOW TO FACE COMMUNISM.
14.WOMEN AND THEIR STATUS IN ISLAM.
15.MIRACLE IN THE LIGHT OF SCIENCE AND RELEGION.
16.THE MESSAGE OF PEACE.
17.HOW TO PREACH ISLAM.
18.THE PROBLEMS OF PEACE AND WAR.
19.THE MIRROR.
20.THE CLARION CALL.

۹۳۔ (عربی) المراۃ القادیانیۃ

۹۴۔ (اردو)

۱۔ ذکر حبیب (دو حصے) ۲۔ بہار شباب، ۳۔ احکام رمضان، ۴۔ مرزائی حقیقت کا اظہار، ۵۔ کتاب تصوف

۹۵۔ انگریزی ماہنامے

1.MUSLIM DIGEST(AFRICA).
2.STAR OF ISLAM (COLOMBO).

3.REAL ISLAM (SINGAPORE).

4.THE GNEUINE ISLAM (SINGAPORE).

5.THE MUSLIM WORLD(SINGAPORE).

6.THE RAMADAN ANNUAL(DURBAN).

7.THE FIVE PILLARS(DURBAN).

۹۶۔ روزنامہ جنگ۔ راولپنڈی۔ ۱۹۶۹ء

۹۷۔ مینارۂ نور۔ (نومبر ۱۹۸۰ء)۔ کراچی۔: حلقہ قادریہ علیمیہ۔ ص ۸

۹۸۔ اخبار خلافت بمبئی ۲۴ فروری ۱۹۴۰ء

۹۹۔ شریف المجاہد۔ قائداعظم کا تصور پاکستان۔ مقالات ہمدرد۔ کراچی: ص ۶۰۳

۱۰۰۔ مینارۂ نور۔ ص ۲۸

۱۰۱۔ Ahmed, Rizwan .(1976). Sayings of Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah. Karachi:Elite Publishers.p 72-90

۱۰۲۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ (۱۹۸۶ء)۔ مسئلہ قومیت۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز۔ صص ۱۷۲۔۱۹۵

۱۰۳۔ Sayings of Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah.p 102

۱۰۴۔ اخبار دبدبۂ سکندری رامپور ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء

۱۰۵۔ مینارۂ نور۔ صص ۲۹۔۳۰

۱۰۶۔ اخبار دبدبۂ سکندری ۱۱ نومبر ۱۹۴۶ء

۱۰۷۔ مینارۂ نور۔ ص ۳۴

۱۰۸۔ Sayings of Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah .p 108

☆☆☆

باب دوم وصل دوم

افکار شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کا عصرِ حاضر میں اطلاق

ایک قطبی، دو قطبی اور کثیر قطبی ۔ یہ تین تہذیبی نظام دنیا کے مختلف ادوار میں کسی نہ کسی صورت میں رائج رہے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا دو قطبی نظام میں تقسیم ہوئی اور ۱۹۷۹ء میں روس کے حصے بخرے ہونے کے باعث ایک قطبی نظام کے تحت واحد سپر پاور ریاست ہائے متحدہ امریکہ (۱) کے زیر اثر آ گئی جو نیو ورلڈ آرڈر کے تحت بنیادی حقوق کا سب سے بڑا علمبردار ہے جبکہ اسے اپنے قومی مفادات بھی عزیز ہیں (۲) اور وہ قومی سطح پر عدم دلچسپی کا شکار بھی ہے۔ (۳)

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نہ صرف ملکی حالات بلکہ ساری دنیا کے معاصر حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ آپ نے سفر حجاز جو چار برس پر محیط ہے، میں مشرق و مغرب کے خواص و عوام سے ملاقاتیں کیں نیز آپ کی خط و کتابت اندرون و بیرون ملک کے کئی احباب سے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نوریہ سلطانیہ میں معاصر حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عاقل کو چاہئے کہ وہ سوچے اور کچھ لمحے کے لئے غور کرے کہ ایسے وقت میں جب مشرق و مغرب کے تمام شہر آشوب اور تفرقے سے متزلزل ہو رہے ہیں اور ورطہ حیرت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور موجودہ حالات کو قیامتِ کبریٰ تصور کرتے ہیں۔ (۴)

آپ نے اس دور میں پائے جانے والی دینی سیاسی ثقافت کے فروغ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کیے (۵) ان میں سے ایک طریقہ تصنیف و تالیف کا بھی تھا۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق آپ نے انسانی حقوق کی پوری پاسداری کی اور اپنی تالیفات میں اس بات کو واضح کیا کہ جو حقوق مسلمانوں کے ایک دوسرے پر ہیں وہی حقوق بلاتمیز مسلم و غیر مسلم ایک دوسرے پر یکساں ہیں۔ آپ نے مذکورہ نظری مباحث اور ابلاغیات کی روشنی میں اسلام کے سیاسی تخیلات کی تجدید کی۔ عالمگیریت کے ضمن میں سیاسی طور

سے صرف خلیفہ ہی ان (اسلامی خیالات) رواجات کو لاگو کرتا تھا اگرچہ خلیفہ از خود مثالی نہ تھا۔ (۶) یہ روایات رسول اکرم ﷺ کے صحابہ نے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اجماع کی صورت میں اپنائے تھے۔ (۷) دور حاضر میں ترک نیشنلزم کے حامی اسلامی اقدار اور جدید یورپی آزادی کے خیالات واداروں کے باہمی ارتباط کے لیے بے چین تھے۔

ضیاء گوکالپ نے سیاسی حقائق اور اسلامی مطمح نظر کے درمیان اپنا قومیت کا سماجی نظریہ پیش کر کے اس تناؤ کو دور کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ سوسائٹی تین مختلف اکائیوں کا اجتماع ہے جو اپنے گرد مختلف سماجی اکائیاں بڑھاتی ہیں ایک اکائی کہ مذہب ایک اُمّت ہے دوسری ریاست ایک سیاسی نظریہ ہے جو قوم کو تمدن بھی مہیا کرتا ہے اور خلافت اُمّت کے اتحاد کی علامت ہے اور تیسری سماجی اکائی ترک قومیت کی صورت میں نمودار ہوئی۔ یہ بڑا المیہ ہے کہ دور جدید کے سیاسی ماہرین نے خلافت کے روایتی نظریہ کو مغربی سیاسیات کے حوالے سے عقلی طور سے پیش کرنے کی کوشش کی۔

یورپ کے سیاسی نظائر کے ارتقاء میں ریاست اور مقتدر اعلیٰ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اس لیے ان نظریات کو خلافت کے روایتی نظریہ کی بنیاد بنانا مقامی زبان اور الوہیت کے لیے مشکل ہے۔ مسئلہ مذکور نظریاتی طور سے عالمی حوالے سے غیر مقامی نظریہ خلافت (دور وسطیٰ میں) اور قومی ریاست کے جدید نظریہ کے مابین مطابقت کی گئی۔ (۸) یہ حقیقت ہے کہ اس وقت بیشتر مسلم ممالک کو غربت اور اقتصادی عدم استحکام کے سنگین مسائل کا سامنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جدید عہد کے تقاضوں کو سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ نتیجہ یہ کہ وہ اقوام عالم کی بھیڑ میں اکیلے رہ گئے۔ بدقسمتی یہ کہ وہ مختلف گروہوں اور قومیتوں میں بٹ گئے۔ انہوں نے کبھی اپنے باہمی اختلافات کو ختم کرنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ مسلمانوں کے ساتھ اقوام متحدہ کے متعصّبانہ رویّے کی وجہ بھی یہی ہے کہ مغربی اقوام کو بخوبی علم ہے کہ مسلمان ہم آواز ہوکر ان کی پالیسیوں پر تنقید کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ مقبوضہ کشمیر، فلسطین، کوسوو، بوسنیا، مقدونیہ، البانیہ، فلپائن، انڈونیشیا اور چیچنیا سے متعلق اقوام متحدہ میں انہی فیصلوں پر عمل درآمد

کیا جاتا ہے جو ان اقوام کے حق میں ہوں۔ ان اقوام نے ایک منصوبہ بندی کے تحت مسلمانوں کو ہدف تنقید بنانے کی خاطر ان پر عالمی دہشت گرد ہونے کی چھاپ لگا دی ہے۔

مغربی اقوام اپنی جغرافیائی حدود سے باہر نکل کر مسلم ممالک سمیت بقیہ دنیا کے سیاسی، نظریاتی اور تہذیبی تشخص پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ دنیا پر اثر انداز ہونے کے لیے وہ جو حربے استعمال کر رہے ہیں، ان میں سے ایک بڑا حربہ ہر طرح کی آزادی ہے جو اب اخلاق باختگی کی حدود میں داخل ہو چکی ہے۔ انکا میڈیا اس اخلاق باختگی کو ترویج دینے میں پیش پیش ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے اس اخلاق باختگی کو مشرق کے ہر گھر تک پہنچانے کا بندوبست کر دیا گیا۔ تہذیب، اخلاق روایات اور اقدار پر کھلے عام حملہ کیا جا رہا ہے اور ہم خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ اس مادر پدر آزادی سے نئی نسل متاثر ہو رہی ہے۔ ان اقوام کا دوسرا بڑا حربہ معیشت ہے۔ انہوں نے عالمی مالیاتی اداروں کے ذریعے ہماری معیشت کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ یہ گرفت اس قدر مضبوط اور سخت ہے کہ خواہش کے باوجود ہم اس سے نہیں نکل سکتے۔ مغربی اقوام مشترکہ مالیاتی مفادات کے حصول کی خاطر ایک کرنسی کا نظام رائج کر چکی ہیں۔ (۹) تیسرا حربہ وہ غیر سرکاری تنظیمیں ہیں جو فلاحی اور رفاہی کاموں کی آڑ میں انسانی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اہداف حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ جس کی ایک مثال شیلٹر ناؤ نامی تنظیم ہے۔ جو افغانستان میں چند ماہ قبل عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہوئے ۶۵ افغان خاندانوں کے عیسائی بنا کر پاکستان کینیڈا اور ڈنمارک منتقل کر چکی ہے۔ یہ تنظیم ۱۹۹۵ء سے عیسائیت کی تبلیغ کر رہی ہے جب لاکھوں افغان مہاجرین پاکستان کے شہر پشاور، کوئٹہ، پشین، لورالائی، چاغی اور چمن کے کیمپوں میں قحط سالی، بھوک و افلاس کے سبب انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے ان کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اور انہیں بیرون ملک بھجوانے کا جھانسہ اور رقم کا لالچ دے کر ۳ لاکھ افغانوں کو عیسائی بنا کر باہر ممالک بھجوائے۔ (۱۰) سعودی عرب کے مفتی اعظم عبدالعزیز بن عبداللہ آل شیخ نے میدان عرفات میں خطبہ حج دیتے ہوئے کہا کہ خواتین جدید تہذیب سے گمراہ نہ ہوں اور مسلمان اسکالرز اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ علماء فتوی بازی سے

گریز کریں، ایک دوسرے کو کافر نہ کہیں۔ (۱۱)

مسلمان سماجی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی منظر میں تبدیلیوں کو سمجھنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ ہمارے پاس وسائل، افرادی قوت، سب کچھ ہے، نہیں ہے تو عمل کی طاقت نہیں۔ مسلم امہ اگر اس صورت حال کو بدلنے کی خواہاں ہے تو اسے باہمی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر جدید عہد کے چیلنجوں کو قبول کرنا پڑے گا۔ مغربی اقوام پر تکیہ کرنے کے بجائے اپنی حالت خود سدھارنا ہوگی۔ حقیقتاً مغرب نے ہمیں مغلوب کرلیا ہے۔ یہ غلبہ اسی صورت میں ختم کیا جاسکتا ہے کہ جدید عہد کے تقاضوں پر عمل کریں اور مغرب کو اسی کے میدان میں شکست دیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تمام دنیا کے مسلمانوں کو باہم یکدگر کہہ کر انہیں ایک ہی لڑی میں پروتے ہیں بقول اقبال:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

ہمیں انتہائی محتاط طریقے سے معاشی اصلاحات پر توجہ دینا چاہیے کہ کسطرح ترقی یافتہ ممالک نے آپس میں تعلق قائم کر کے معاشی میدان میں اپنے آپ کو اس صف میں کھڑا کیا۔ مسلم ریاستوں کے درمیان معاشی ترقی باقاعدہ پلاننگ کے تقاضے کے ساتھ اُمت کے درمیان وسیع پیمانے پر بین الاقوامی تجارت اب بین طور پر محسوس کی جانے لگی ہے۔ (۱۲) عصر حاضر کے مجدد ملت امام احمد رضا خاں نے مسلمانوں کی معاشی خوشحالی کے لیے اپنے رسالہ تدبیر فلاح و نجات و اصلاح (۱۹۱۲ء) میں مندرجہ ذیل چار نکات تجویز کیے۔

۱۔ ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں۔

۲۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد دکن سے مالدار مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

۳۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

۴۔ مسلمان علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔ (۱۳)

اسلامی تعلیمات میں جہاد ایک کلیدی تعلیم کی حیثیت رکھتا ہے علماء حق نے اس کی مختلف شکلوں اور منازل کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ سب سے اول ترین شکل خود اپنے کردار کے اسفل پہلوؤں سے گلوخلاصی و تطہیر نفس ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے نظریہ جہاد سے بھی اس بات کی پوری پوری تصدیق ہوتی ہے نیز آپکی دانست میں جہاد حقیقی امن کا ضامن، جنگ میں عدل اور عدم جارحیت کے اصولوں پر مبنی ہے۔ سابق امریکی قونصل جنرل جان بینیٹ نے ایک موقع پر ادارہ بین الاقوامی امور پاکستان سے خطاب کرتے ہوئے کہا: جہاد کی غلط تشریح سے تشدد کی ترغیب مل سکتی ہے۔(۱۴) ہمیں جہاد کی غلط تشریح دوسرے لفظوں میں اسلامی عسکریت پسندی جیسی اصطلاحوں پر بھی غور کرنا چاہیے۔ روس اور چین کی حمایت کے باوجود فی الحال شنگھائی ۵ کے گروپ میں پاکستان کی شمولیت کا کوئی امکان نہیں جس کی وجہ وسط ایشیائی ریاستوں تاجکستان، قازقستان اور کرغیزستان کی مخالفت ہے تینوں ریاستیں پاکستان کی جانب سے طالبان حکومت کی حمایت اور اپنے یہاں ممکنہ اسلامی عسکریت پسندی کے خوف سے شنگھائی ۵ میں پاکستان کو شامل کرنے کی مخالف ہیں۔(۱۵) جہاد اور دہشت گردی میں اتنا ہی فرق ہے جتنا نماز اور بے حیائی میں کہ نماز اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جبکہ بے حیائی شیطانی فعل ہے اور نماز بے حیائی سے روکتی ہے۔ بالکل اسی طرح جہاد اللہ تعالیٰ کا حکم جبکہ دہشت گردی ایک خطرناک شیطانی فعل ہے اور جہاد دہشت گردی سے روکتا ہے۔ پھر جس طرح نماز اور بے حیائی نہ تو آپس میں جمع ہو سکتے ہیں اور نہ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ خلط کیا جا سکتا ہے بالکل اسی طرح جہاد اور دہشت گردی آپس میں جمع نہیں ہو سکتے اور نہ انہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جاسکتا ہے۔ جہاد ایک پاکیزہ، منظم اور جاندار عبادت ہے جبکہ دہشت گردی ایک ناپاک، مردار اور مہلک گناہ ہے اور اسلام میں دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اسلام میں جہاد کا حکم آیا ہی دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے ہے۔ جو انسانیت کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہے غرض جہاد ایک خالص شرعی اصطلاح ہے۔ جس کا معنی، مفہوم اور حدود شریعت کی طرف سے متعین کردہ ہیں۔ جو شخص شریعت کو نہیں سمجھتا وہ جہاد کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ پس ایسے

افراد کا جہاد کے بارے میں رائے زنی کرنا بے جا معلوم ہوتا ہے جنہوں نے کبھی بھی قرآن و سنت میں گہرائی کے ساتھ غور کر کے جہاد کے معنی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اسی طرح ان افراد کا جہاد کے بارے میں اعتراضات کرنا بھی ایک بے جا، جاہلانہ اور ظالمانہ فعل معلوم ہوتا ہے جنہوں نے جہاد کے مفہوم کو اسلام دشمن یورپی قوتوں کی تشریحات کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کی ہے حالانکہ اسلام نے جب جہاد کا حکم دیا ہے تو اس نے کسی بھی پہلو کو مبہم نہیں چھوڑا۔ (۱۶)

عالم اسلام پر دو موقعوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اولاً جب کوئی غیر مسلم ریاست اور ریاستوں کا اتحاد کسی مسلمان ریاست پر حملہ آور ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم (۱۷)

(اور ان کے خلاف اللہ کی راہ میں جنگ کرو جو تمہارے (مسلمانوں کے)
خلاف جنگ کرتے ہیں (کریں)

یہاں تمہارے خلاف سے واضح طور پر مسلمان مراد ہیں۔ یعنی مسلمان کسی خطے کے بھی ہوں جب ان پر حملہ ہوتا ہے تو تمام عالم اسلام پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ کس طرح مسلمان آپس میں مل کر جہاد کریں اس سے متعلق مفصل احکامات ہیں۔ جہاں تک مسلمان ممالک کی خارجہ پالیسی بلکہ آئین کا تعلق ہے اس میں یہ بات واضح طور پر شامل ہونی چاہیے کہ اگر کسی غیر مسلم ملک نے کسی مسلمان ملک پر حملہ کیا تو یہ حملہ ہر اسلامی ملک کے خلاف تصور کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح اسلامی ممالک کے دفاعی معاہدات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام مسلمان ممالک حملہ آوروں کی زد سے بچے رہیں گے۔ یہ عدم اتحاد تھا جس کے نتیجے میں سولہویں صدی سے بیسویں صدی تک مسلمان ممالک پر حملے ہوتے رہے۔ بلکہ بعض مسلمان ممالک غیر مسلم ممالک کو دعوت دیتے رہے کہ وہ ان کے پڑوسی مسلمان ملک پر حملہ کریں اور دوسری جانب سے وہ حملہ کر کے اس مسلمان ملک کو ختم کر دیں گے۔

دوسرا موقع جہاں متحدہ جہاد کے لیے حکم دیا گیا ہے وہ ایسے مواقع ہیں جہاں مسلمان اقلیتوں پر مظالم ہو رہے ہوں اور یہ مسلم اقلیتیں بے بس ہو کر اللہ کے حضور امداد طلب کرنے پر مجبور

ہو جائیں۔ قرآن کریم کے الفاظ ہیں:

> وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ و المستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ہذٰہ القریۃالظالم اہلھاء. (۱۸)
>
>)اور تم لوگوں کو (مسلمانوں) کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے اور بے بس مرد عورتیں اور بچے ہیں، جو پکار رہے ہیں کہ اے اللہ ہمیں اس بستی (ملک) سے نجات دلا جس کے رہنے والے (حکمران) ظالم ہیں۔)

اگر باریک بینی سے دیکھا جائے تو مظالم مسلمانوں ہی کی مدد کو جانے کا حکم نہیں ہے بلکہ جہاں کہیں بھی بے بس اور کمزور اقلیتوں پر ظلم ہو رہا ہو تو امن عالم انسانی کے لیے مسلمان ملت پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ظالم کا ہاتھ روک کر مظلوم کو نجات دلائیں۔ اول الذکر جہاد کے حکم پر بدر، احد، خندق، خیبر اور موتہ کی غزوات میں عمل کیا گیا تھا۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء کو دو قومی نظریہ کی بناء پر وجود میں آیا۔ تحریک پاکستان کا مقصد ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ تھا۔ دستور ساز اسمبلی کے ایوان میں اسوقت تین مکتبہ فکر کے ارکان تھے۔ روایت پسند، سیکولر اور اعتدال پسند۔ روایت پسند علماء کا طبقہ تھا جمیں چند ایسے کہنہ مشق علماء موجود تھے جنہوں نے تحریک پاکستان میں براہ راست حصہ لیا جن کا مطمح نظر پاکستان میں اسلامی تعلیمات کا عملی نفاذ تھا۔ ان میں خصوصی طور پر مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مفتی صاحبداد خان، علامہ شبیر احمد عثمانی سرفہرست تھے انکے علاوہ مولانا اکرم خان اور مولانا عبداللہ الباقی (مشرقی بنگال صدر مسلم لیگ) بھی تھے۔ (۱۹) سب کی رضامندی سے پاکستان کے دستور میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا فارمولا قرارداد مقاصد میں شامل کیا گیا۔ (۲۰) مخدوم زادہ سید حسن محمود لکھتے ہیں: قیام پاکستان کے بعد ریاست (بہاولپور) میں مہاجرین کی کافی تعداد آ گئی تھی۔ جن کی آبادکاری و بحالی اور جن غیر مسلموں نے یہاں آ کر سکونت اختیار کی انکی جائیداد کا انتظام و انصرام کوئی آسان نہ تھا۔ میرے والد (مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ) نے بحیثیت وزیر مہاجرین دونوں امور پر

خاص توجہ دی اور بطور ٹوکن ایک روپیہ ماہوار اپنی تنخواہ مقرر کرائی۔ (۲۱)

پاکستان کی نصف صدی کی تاریخ میں بساط سیاست وقتاً فوقتاً تلاطم، سیاست کاروں کی ذاتی چپقلش اور ریشہ دوانی، محلاتی سازش، اقتدار اور دولت کی ہوس، مارشل لا کے ذریعے فوجی انقلاب، دستور سازی اور دستور شکنی، آئینی تجربات اور عدلیہ کے فلسفۂ ''مملکتی ضرورت'' کا شکار رہی۔ گزشتہ پچاس سال میں پاکستانی قوم نے تقریباً پچیس سال فوج کے مارشل لا کے دور سلاسل میں گزارے۔ اگر تین فوجی حکمرانوں: فیلڈ مارشل ایوب خان، جنرل یحیٰی خان اور جنرل ضیاء الحق کے ادوار حکومت کو مجتمع کیا جائے تو یہ آہنی دور چوبیس سال سے کچھ زیادہ بنتا ہے۔ اس میں صدر ذوالفقار علی بھٹو کے ابتدائی دور حکومت کے مارشل لا کے چار ماہ شامل کرنا ضروری ہے۔ بقایا ۲۵ برسوں میں زمام اقتدار سیاست دانوں کے ہاتھ میں رہی اور وہ مسخ شدہ پارلیمانی جمہوری نظام میں نئی اور پرانی سیاسی پارٹیوں کے ذریعے بساط سیاست پر حاوی رہے۔ چوں کہ سیاست کا محور اصولوں کے بجائے شخصیت پرستی تھا اور سیاسی پارٹیاں مستحکم اور منظّم نہ ہو سکیں، اس لیے برطانوی پارلیمانی جمہوریت کی روایات اور اس کے اصول پاکستان میں پروان نہ چڑھ سکے۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں اراکین کی زیادہ تعداد جاگیرداری، وڈیرہ شاہی، برادری اور دولت کے ذریعے اقتدار کے ان ایوانوں میں آباد رہی اور حکومت کرتی رہی۔ آئین سازی اور آئین شکنی کے متواتر تجربات نے بھی سیاست کو متزلزل رکھا۔ کبھی پارلیمانی نظام، کبھی مارشل لا، کبھی صدارتی نظام اور کبھی ان تینوں کا بھونڈا اُمتزاج۔ وقفے وقفے اس اس تجرباتی عمل نے ہماری مملکت کی آئینی اور سیاسی بنیادوں کو غیر مستحکم بنایا (۲۲)

پاکستان کے اندرونی معاملات میں بھارتی مداخلت شروع سے چلی آرہی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی بھارتی رہنما ''متحدہ ہندوستان'' کا راگ الاپ رہے ہیں۔ ۳۱ نومبر ۷۱ء کو مغربی پاکستان کے محاذ پر جنگ کا آغاز کرنے سے چند گھنٹے قبل مسز اندرا گاندھی کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ ''بھارت نے پاکستان کو وجود کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ بھارتی رہنماؤں کا ہمیشہ یہ یقین رہا ہے کہ پاکستان کی تخلیق ایک غلط اقدام تھا او۔ پاکستانی قوم کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں

ہے۔ (۲۳) ہماری ہر قومی ذلت مثلاً ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں شکست وغیرہ ہمارے اپنے ہی غداروں کا حصہ تھا (۲۴) لیکن ساتھ ہی حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ:

> سیاسی صورتحال کو قابو میں رکھنے کی غرض سے جس کوتاہ اندیشی اور بد معاملگی سے کام لیا گیا بالکل ویسی ہی کیفیت سفارتی محاذ پر بھی تھی۔ اس فوجی حکومت نے کبھی یہ سوچنے اور محسوس کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی کہ ملک کی سلامتی اور دفاع کا خارجہ پالیسی سے کتنا گہرا اور دوررس تعلق ہوتا ہے۔ (۲۵)

۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں پاکستان کے دولخت ہونے پر مغربی پاکستان میں بھی مظاہرے ہوئے جس کے بعد جنرل یحییٰ خان مستعفی ہو گئے اور ذوالفقار علی بھٹو نے نئے صدر کا حلف ۲۰ دسمبر کو اٹھایا۔ جو نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کی سیاسی تاریخ میں پہلے سویلین مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنے۔ ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء کے انتخابات میں بڑے پیمانے پر بھٹو حکومت پر دھاندلی کا الزام لگایا گیا۔ پیپلز پارٹی کے مدمقابل سیاسی جماعتوں کے اتحاد پی این اے نے بھٹو حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک چلائی، جو جنرل ضیاء الحق کے ۴ اور ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء پر منتج ہوئی۔ مارشل لاء کے بارے میں پروفیسر غفور احمد تحریر فرماتے ہیں: اس رات اگر یہ قدم نہ اٹھایا جاتا تو غالب امکان تھا کہ ۵ جولائی معاہدہ (حکومت و پاکستان قومی اتحاد کے مابین) کی تکمیل ہوتی۔ (۲۶) لیکن کوثر نیازی فرماتے ہیں: تاہم ۴ اور ۵ جولائی کی درمیانی رات کو جو کچھ ہوا وہ مارشل لاء کا نقطہ آغاز ہرگز نہ تھا، خشت اول میں کی تو بہت عرصہ پہلے آچکی تھی۔ بقول شاعر ؎

وقت کرتا ہے پرورش برسوں حادثہ ایک دم نہیں ہوتا (۲۷)

دورِ ضیاء میں اسلام آباد امریکن CIA کا دنیا کے بڑے اسٹیشنوں میں سے ایک تھا۔ (۲۸) جنرل ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دور اقتدار میں اسلام کو حصول اقتدار اور طول اقتدار کا ذریعہ بنایا گیا۔ اسلام کی من مانی تشریحات کی گئیں جو بات حکمرانوں کے مفاد میں تھی وہ عین اسلامی قرار دی گئی۔ جو ان کے اقتدار کے لیے خطرہ کا باعث بن سکتی تھی، غیر اسلامی گردانی گئی۔ سیاسی جماعتوں کے وجود کو غیر اسلامی قرار دے کر غیر جماعتی انتخابات کروائے گئے۔

جنرل ضیاء الحق کے دور میں پاکستانی سیاست میں ایک اور نیا عنصر داخل ہوا۔ یہ شہروں سے تعلق رکھنے والے نئے سیاستدان تھے، جن میں تاجر، صنعتکار اور متوسط طبقے کے افراد شامل تھے۔ جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں ان کے ظالمانہ اقدامات کے باعث اندرون ملک اور بیرون ملک یہ منفی تاثر قائم ہو گیا کہ اسلام آمریت کو فروغ دیتا ہے اور جابرانہ نظام کے ساتھ ساتھ سخت سزاؤں کے نفاذ کا حامی مذہب ہے۔ اس دور میں بھی کئی ایسے اقدامات کئے گئے جن سے عدلیہ کی آزادی سلب ہوئی۔ اس دور میں نسلی، لسانی، علاقائی اور فرقہ وارانہ سیاست کو فروغ حاصل ہوا۔ افغانستان کی جنگ کے باعث افغان مہاجرین کی پاکستان آمد نے کلاشنکوف اور ہیروئن کلچر کو فروغ دیا۔ شہری معاشرہ قبائلی معاشرتی خصوصیات کا حامل قرار پایا۔

ایس ایم شاہد سیاست میں فوج کی مداخلت کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کرتے ہیں:

عدم استحکام، بڑی طاقتوں کا رویہ، فوج کے حصول اقتدار کی خواہش، روایات کا اثر، نفسیاتی محرکات اور سول حکومت کی مشکوک آئینی حیثیت (۲۹)

جبکہ غیر ملکی ذرائع ابلاغ (بی بی سی) کے مطابق پاکستان میں احتساب کے عمل کو فوج سمیت تمام طبقات کے لیے یکساں اور منصفانہ بنانا چاہئے۔ فوج کو سیاست سے دور رکھنے کے لیے انٹیلی جنس ایجنسیوں کا سیاسی کردار ختم کرنا ہوگا۔ پاکستان میں فوج ۱۹۷۷ء کے بعد ایک ادارے کے بجائے ایک کلاس یا ایک طبقے کے طور پر سامنے آئی ہے اور جب کوئی ادارہ طبقے کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس کے مفادات اور مشاہدات بھی طبقاتی ہو جاتے ہیں جن کا ہر قیمت پر تحفظ اس طبقے کی بقاء کا مسئلہ بن جاتا ہے اور پھر اس طبقے کی کوشش ہوتی ہے جو بھی سیاسی یا اقتصادی نظام ابھرے اس کے نتیجے میں اس کی حیثیت اور مفادات پر ہلکی سی بھی زد نہ آئے قطع نظر اس کے کہ وسیع تر قومی مفاد کے تقاضے کیا ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں جمہوری عمل کی ناکامی میں جتنا ہاتھ لالچی سیاستدانوں کی اخلاقی اور مادی کرپشن کا رہا ہے اتنا ہی ہاتھ فوجی کلاس میں پائی جانے والی اس سوچ کا بھی ہے کہ فوج ذہنی اور نظریاتی اعتبار سے کسی بھی دوسری کلاس (طبقے) سے برتر ہے۔ (۳۰)

۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء میں جماعتی بنیادوں پر ہونے والے انتخاب میں مسلم لیگ کی مخالف جماعتوں کے تعاون سے محترمہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم بنیں تو ان کی ۱۸ ماہ کی حکومت کرپشن، لوٹ مار، اقتصادی بدحالی، آصف علی زرداری کی کرپشن اور ملکی مفاد کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ لینے کی پاداش میں آٹھویں ترمیم کا شکار ہوئی۔ ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء کے انتخابات کے بعد میں نواز شریف صاحب وزیر اعظم بنے تو صدر غلام اسحاق خان سے ان بن رہی اور اپریل ۱۹۹۳ء میں میاں صاحب پر بھی وہی الزامات لگائے گئے جو سابقہ برطرف ہونے والی حکومتوں پر لگائے جاتے رہے تھے۔ ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء کے انتخابات کے بعد بے نظیر بھٹو برسرِ اقتدار آئیں تو ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء میں فاروق لغاری صاحب کی طرف سے ان کی حکومت دوسری بار ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء کی طرح آٹھویں ترمیم کے صدارتی فرمان کے ذریعے ختم کی گئی۔ فروری ۱۹۹۷ء کے انتخابات کے بعد میاں نواز شریف صاحب بہت بھاری اکثریت سے (جسے وہ بھاری مینڈیٹ کہتے تھے) کامیاب ہوئے اور انہوں نے اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ ان کی حکومت کو گرانے والوں کو ہی گرا دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے مربوط منصوبہ بندی کی، بہت بڑی تعداد میں مشیر رکھے بیوروکریسی کو اپنے کنٹرول میں رکھا اسمبلی توڑنے کے صدارتی اختیارات کو ختم کر دیا۔ عدلیہ کے بہت سے اختیارات پارلیمنٹ کو منتقل کر دیے۔ آرمی افسران کی بار بار تبدیلیاں کیں، سینئر افسران کو قبل از وقت ریٹائرڈ ہونے پر مجبور کیا اس طرح انہوں نے عوام کے بھاری مینڈیٹ کو ختم کر کے عملاً پولیس راج نافذ کر دیا۔ (۳۱)

مذہب کے نام پر قتل، غارت گری نے پاکستان میں گزشتہ ڈیڑھ عشرے میں خوب فروغ پایا ہے۔ پاکستان میں مختلف مسالک اور مذہبی فرقوں سے وابستہ کچھ ایسے گروہ پیدا ہو گئے ہیں جو مذہب کے معاملے میں انتہا پسند واقع ہوئے ہیں اور جو اپنے مسلک و عقائد کے خلاف کوئی سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں لیکن کچھ ملک دشمن اور اسلام دشمن عناصر ان مذہبی گروہ کے نام پر وطنِ عزیز میں دہشت گردی اور قتل عام میں ملوث رہے ہیں۔ جو مختلف مذہبی گروہ اور مسالک سے تعلق رکھنے والے سرکردہ افراد اور علمائے کرام کے قتل کے علاوہ مختلف مسالک اور مذہبی

گروہ کی عبادت گاہوں، امام بارگاہوں اور مساجد پر حملوں میں بھی ملوث پائے گئے ہیں۔ جن کی ڈوریں یا تو دشمن ممالک سے ہلائی جاتی تھیں یا ملک میں موجود ملک دشمن عناصر ان سے یہ کام لیتے تھے۔ یاد رہے کہ لارنس آف عربیہ کے نام سے شہرت پانے والا ایک عیسائی طویل عرصے تک مسلمانوں کے عالم دین کا روپ دھارے رہا اور امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتا رہا تھا۔ (۳۲) ملی یکجہتی کونسل کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی فرماتے ہیں: پاکستان میں شیعہ سنی نام فساد کی کوئی چیز نہیں ہے۔ پاکستان کے ہر شہر، ہر گلی اور کوچے میں شیعہ سنی آباد ہیں۔ اگر شیعہ سنی فساد ہوتا تو یہ فساد گلی اور کوچوں میں پھیل جاتا جس طرح "Ireland" میں لندن ڈیری اور دوسرے مقامات پر پروٹسٹنٹ اور کیتھولکس آپس میں لڑ رہے ہیں، لیکن پاکستان میں ایسا نہیں ہے۔ چند شر پسند بیرونی آقاؤں کے اشاروں خصوصی طور پر C.I.A اور R.A.W جیسی ایجنسیوں کی ایما پر مساجد اور امام بارگاہ کو نشانہ بنا کر مغربی دنیا کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ اسلام "امن" کا مذہب نہیں بلکہ "تشدد" کا مذہب ہے۔ بیرونی ایجنسیاں ان وارداتوں کی تصاویر لے کر اپنے اپنے ملکوں میں اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کرتی ہیں۔ (۳۳) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کو سیاست کے علاوہ دینی طور پر کس طرح ہمیشہ کے لیے متحد کیا جائے اس کے لیے یہاں مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کا وضع کردہ فارمولا بیان کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعے کافی حد تک اس بات کا امکان ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر کے علماء متحد ہو سکتے ہیں۔ آپ نے اپنے فارمولے کو درج ذیل چار نکات میں بیان کیا ہے۔

پہلا نکتہ: پاکستان کی تمام جماعتیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ، اور شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کے افکار و نظریات پر اصولاً متفق ہیں لہذا ہم اپنے تمام متنازع فیہ امور انکے عقائد و نظریات کی روشنی میں حل کریں۔

دوسرا نکتہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی صابری کی عظمت اور مرتبے کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں تمام اکابر علماء دیوبند بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت حاجی صاحب کے حلقہ ارادت میں

شامل ہیں برصغیر یا عالم اسلام میں جس قدر اختلافی مسائل پائے جاتے ہیں سب کا جامع اور مانع حل انہوں نے پیش کر دیا ہے اگر تمام مکاتب فکر کے علماء اور متبعین حاجی صاحب کی تصنیف ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کو حکم مان لیں تو فرقہ وارانہ اختلافات چشم زدن میں ختم ہو سکتے ہیں۔

تیسرا نکتہ: مولانا محمود حسن اسیر مالٹا، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالرحیم رائے پوری، مولانا حافظ محمد احمد مہتمم دارالعلوم دیوبند ابن مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا عزیز الرحمٰن مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کی مصدقہ کتاب ''المہتند طی المہتند'' مصنفہ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کی جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کی تصنیفات ''حسام الحرمین'' اور ''الدولۃ المکیۃ'' کے جواب میں شائع ہوئی جس میں انہوں نے اپنے عقائد ونظریات کی وضاحت کی ہے ایک نہایت ہی مفید کتاب ہے اس پس منظر میں علماء دیوبند ''المہتند'' میں درج شدہ فیصلوں کو اختلافی مسائل میں نافذ العمل کر لیں تو تمام متنازعہ فیہ عقائد ونظریات کا نہایت ہی معقول و مدلل جواب مل سکتا ہے۔ اس عقائد نامے کو حکم ماننے کے بعد دوسرا اقدام یہ کریں کہ پبلک پلیٹ فارم سے اپنے مخالفین کے خلاف طعن و تشنیع سے مکمل اجتناب کریں۔

چوتھا نکتہ: انگریزی محاورہ ہے (Live And Let other Live) ''زندہ رہو اور زندہ رہنے دو'' اگر کوئی مسلمان سید الانبیاء ﷺ پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو اسے پڑھنے دیں اور جو خاموشی سے بیٹھ کر درود شریف پڑھے تو اسے مجبور نہ کیا جائے کہ وہ کھڑا ہو کر بلند آواز سے ضرور پڑھے۔ تمام مسلمان نماز میں ''السلام علیک ایھا النبی'' پڑھ کر حضور ﷺ پر سلام بھیجتے ہیں تو نماز کے بعد میں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ مسجدوں، خانقاہوں اور اوقاف کے جھگڑے بھی اسی جذبے سے طے ہو سکتے ہیں کہ مسجدوں میں کسی کو نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے۔ جن لوگوں نے مسجد تعمیر کی ہو اسی کے مسلک کی انتظامیہ ہو۔ اگر اسی طرح سب فرقے مل کر نکتہ عظمت ووقار کو سامنے رکھیں تو پھر اختلاف باقی نہیں رہتا۔ اہلِ تشیع کے لیے نکتہ چہارم پر زور دینا ہوگا۔ وہ مثبت انداز میں اپنے عقائد بیان کریں دوسروں کے

خلاف سب وشتم ۔ سے باز آجائیں اور مستقل موافقت اور مطابقت پیش نظر ہو تو علم تاریخ کے محققین اور راسخ العلم فقہاء کا بورڈ مقرر کر کے دوسرے اختلافات بھی رفع کیئے جاسکتے ہیں۔

مذکورہ چار نکاتی فارمولے میں اس بات کی حد درجہ رعایت رکھی گئی ہے کہ تمام علماء اس پر عمل درآمد کر کے پاکستانی قوم کو متحد اور منظم رکھ سکتے ہیں۔ اس پورے فارمولے کا خلاصہ اگر ایک جملے میں بیان کیا جائی تو یہ ہوگا کہ ’’اپنے کو چھوڑو نہ دوسرے کو چھیڑو‘‘۔ (۳۴)

ہم سب کو متحد ہو جانا چاہیے اور آپس میں مل جل کر پاکستان اور عالم اسلام کی ترقی، خوشحالی اور عظمت کے لیے کام کرنا چاہیے جو لوگ اسلام کے بنیادی نظریات پر متحد نہیں ہوتے وہ مذہب اسلام اور آنے والی نسلوں دونوں کے لیے بے وفا اور غدار ہونگے خدا ہمیں اس قسم کے گناہ سے محفوظ رکھے جس کی پاداش میں ہم اس دنیا اور آنے والی ابدی زندگی میں بھی سزاوار ہوں گے۔ (۳۵) لہٰذا ملکی وقار اور قومی حمیت کا تقاضہ یہ ہے کہ علماء اور عوام دونوں مل کر پاکستان کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور وقت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے خود کو ہمیشہ مستعد رکھیں کیونکہ اسی طرح ہم ایک باغیرت قوم کہلانے کے مستحق ہونگے اور یہی ملکی سالمیت اور وقار کا تقاضہ ہے۔ (۳۶)

پاکستان کے معروف سیاستدان سردار عبدالقیوم خان سیاست کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

اگر مقصود صرف حکومت ہو تو سیاست کے انداز مختلف ہو جاتے ہیں اسمیں پھر کسی مسلمان کا ہونا میکاولی اور چانکیہ کا پیروکار ہونا برابر ہے۔ اس لیے اسلام میں حکومت مقصد نہیں بلکہ مقصد کا ذریعہ ہے۔ سیاست ایک مقدس ذمہ داری اور ایک فریضہ ہے۔ (۳۷)

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ جہاں علوم دین مثلاً حدیث وفقہ میں بے مثال قابلیت کے حامل تھے وہاں سیاسیات میں بھی کلی مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے معاشرے کا نہایت گہرا مطالعہ کیا تھا۔ سیاست ونظام حکومت چلانے کے بنیادی اصول بجائے یونانی، لاطینی اور رومی مقننین سے حاصل کرنے کے قرآن پاک، حدیث رسول ﷺ اور خلافت راشدہ سے حاصل کر کے اپنا رہنما بنایا۔ آپ کے سیاسی افکار کے چار مآخذ ہیں: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ آپ اس بات کو

قطعاً پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک لحہ کو بھی اصل مآخذات سے روگردانی کریں۔ آپ کے پیش کردہ نظریہ ریاست وحکومت کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ آپکے خیال میں سب سے زیادہ اہمیت والے ادارے نو ہیں۔

۱۔ سربراہ حکومت
۲۔ تعلیم
۳۔ خزانہ
۴۔ فوج
۵۔ مقننہ
۶۔ انتظامیہ
۷۔ عدلیہ
۸۔ ذرائع ابلاغ
۹۔ خارجہ امور

۱۔ سربراہِ حکومت: سربراہ کی خصوصی ذمہ داری دنیا کا نظام چلانا اور خلقِ خدا کے مسائل حل کرنا ہے تاکہ آخرت کی سلطنت ملے (۳۸) خزانہ امانت ہوتا ہے سربراہ حکومت کو چاہیے کہ وہ پوری ذمہ داری سے اسکا استعمال کریں۔ سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف کے دوسرے دور میں پرائم منسٹر سیکریٹریٹ کے صرف دودھ کا ماہانہ بل ۲۸ تا ۳۰ لاکھ روپے ہوتا تھا۔ انہوں نے ایک صحافی کو کارگل کے ایشو پر وزیر اعظم کی تقریر لکھنے پر ۲۵ لاکھ روپے ادا کیے گئے۔ ایک غیر ملکی سربراہ کو پاکستان کے دورے کے موقع پر ۲۵ ہزار ڈالر کے کف کے بٹن کا تحفہ پیش کیا گیا خود انہوں نے جو گھڑی پہنی ہوئی تھی اس کی قیمت ساڑھے سات لاکھ ڈالر تھی۔ مزید ان پر یہ بھی الزام تھا کہ لاہور، اسلام آباد موٹروے کی تعمیر کے معاہدے میں ۲۲۰ ملین ڈالر کی انوائس بنائی گئی اور اس میں سے ۱۶۰ ملین ڈالر ادا کیے گئے، باقی ۶۰ ملین ڈالر خود تقسیم کر لیے گئے۔ بعض لوگ ۲۵، ۲۵ لاکھ روپے کے سوٹ پہن کر اسمبلیوں میں آتے ہیں۔ غیر ملکی دوروں پر پورے جہاز چارٹر کر کے ۲۰۰ افراد کے وفود بیرون ملک لے جا کر انہیں فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ٹھہرایا جاتا ہے، غیر ممالک میں لابنگ کے نام پر کروڑوں ڈالر خرچ کر دیئے جاتے ہیں۔ جس کا واحد مقصد اپنی حکومت کی حمایت حاصل کروانا ہوتا تھا۔ (۳۹)

پاکستان میں حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کے نتیجے میں اور قبائلی سرداروں، وڈیروں مراعات یافتہ طبقے کے کرتوتوں کے باعث دیہی وشہری عوام الناس میں احساس محرومی اور مایوسیوں میں ضافہ ہوا جس کی آڑ لیکر بھارت نوار ترقی پسند سیاسی طالع آزماؤں کو یہ پروپیگنڈہ کرنے کا

موقع مل گیا کہ جس ملک میں ظلم و زیادتی اور نا انصافی کی دور دورہ ہو اس کا قیام ہی غلط تھا۔ اس طرح پاکستان میں گروہی ریاست، لسانی نسلی اور علاقائی تعصبات کو فروغ دے کر ایک متحد و مستحکم پاکستانی قوم کی تشکیل کی راہیں مسدود کر دی گئیں۔ متحد و مستحکم پاکستانی قوم کی عدم تشکیل کی ذمہ داری مراعات یافتہ طبقے ان کے حواریوں اور قوم پرستوں پر عائد ہوتی ہے ہر چند کہ بھارت سمیت دنیا کے کم و بیش تمام ممالک قومیتوں، لسانی نسلی و طبقاتی تضادات سے دوچار ہیں۔ لیکن کسی بھی ملک میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ملک کا وجود ہی غلط ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے پالیسی ساز پچھلی کئی دہائیوں سے اپنا اعتماد گنوا چکے ہیں ہمارے ہاں سرے سے یہ روایت ڈالی ہی نہیں گئی کہ پالیسیوں کے غیر تسلی بخش نتائج یا ان کے غیر جانبدارانہ تجزیے پر توجہ دی گئی ہو اور مستقبل میں ان کے نتائج سے سبق سیکھنے کی کوشش کی جائے۔ ورلڈ بینک کے صدر نے ابھی حال ہی میں ہمیں خبردار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"It Seems, Pakistan has a death wish"

سینٹ کے ایک اجلاس کی کاروائی کے دوران بینکوں کے نادہندگان کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے جناب وزیر خزانہ کو یہ کہنا پڑا کہ نادہندگان کے نام ظاہر نہیں کیے جاسکتے کیونکہ ایسا کرنا ان کے اعزاز اور منصب کے خلاف ہے۔ یہ اور اسی قماش کی ڈکیتیوں کا نتیجہ ہے کہ بی بی اور میاں کے دس سالوں میں پاکستان کا بیرونی قرضہ US$12 سے 31 بلین تک پہنچ گیا۔ "قرض اتارو ملک سنوارو" کروڑوں بچوں کے لیے تعلیم اور ہزار ہا مکانات، وغیرہ وغیرہ کی اصلیت عوام پر کھل چکی ہے۔ پاکستان مارشل ایڈ (وہ اقدامات جنہوں نے تباہ حال یورپ کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا تھا) سے تین گنا یا تقریباً ۵۰ ارب ڈالر کی امداد وصول کر چکا ہے۔ (۴۰)

ہماری اصل ٹریجڈی Poor کوالٹی آف لیڈر شپ ہے جو کسی بھی نظام اقدار، کسی بھی فلسفہ زندگی سے مخلص نہ تھی جو صرف اپنے مفادات کی اسیر تھی۔ اب ہمیں یہ بحث کرنے کی بجائے کہ ہمیں کونسا نظام اپنانا چاہیے تھا یہ بحث کرنی چاہیے کہ ہم بہتر کوالٹی کی لیڈر شپ کیوں نہیں ابھار سکے اور اب اسے ابھارنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ قومیں، ملک اور تقدیریں ان پڑھ

عوام کی افواج ظفر موج سے نہیں بلکہ لیڈر شپ کے وژن لگن، قوت ارادی اور عوام کی انتھک محنت و جدوجہد سے تشکیل پاتی ہے۔ قوم اور ملک کی خاطر قائدین دن رات ایک کر دیتے ہیں، بجائے کرکٹ کھیلنے کے آرام خود پر حرام کر کے خود بھی چین نہیں لیتے اور عوام کو بھی تعمیری کاموں میں لگائے رکھتے ہیں۔ حالانکہ قائداعظم کو جتنا بھی وقت ملا وہ یہی کہتے ہوئے ملک عزم کو سدھار گئے کہ کام، کام اور صرف کام۔ جو کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی دانست میں انسانی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ (۴۱) اگر ہم اخلاص سے معرکہ ہائے حیات میں رسول اکرم ﷺ کے نقش پا کو اپنا لیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی ژولیدگیٔ فکر اور عملی کوتاہیوں پر قابو نہ پا سکیں۔ اقبال نے سچ کہا تھا کہ زندگی برسوں کعبہ و بت خانہ میں نالہ و بکا کرتی ہے تب کہیں بزم عشق سے کوئی دانائے راز اٹھتا ہے آج پاکستانی کردار اسی ہیرو کی تلاش میں ہے۔

۲۔ تعلیم: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ علوم رسول اللہ ﷺ کے وارث تھے آپ کے نظریہ تعلیم کی سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ آپ نے غیر اہم مروجہ علوم کو یکسر مسترد کر کے قرآن و سنت کو بنیادی حیثیت دی خصوصاً علم حدیث کو اپنے دارالعلوم کے نصاب میں مرکزی اہمیت دی۔ عصر حاضر کے حوالے سے نظام تعلیم میں دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم کی ثنویت، جو ہمیں برطانوی دور کے اختتام پر ورثے میں ملی تھی، اب انگلش میڈیم اسکولوں اور شرح فیس پر مبنی پیمانۂ معیار و مرتبہ کے لحاظ سے مختلف مدراج میں منقسم پبلک اسکولوں کی شکل میں متعدد سروں والے اژدہا یا عفریت کا روپ دھار چکی ہے۔ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں انگریزی کے بطور تدریسی زبان کے تدریجی اختتام کا جو صحت مند فیصلہ قومی سطح پر ہوا تھا، اسے بعض مفاد پرست عناصر نے چور دروازے سے دوبارہ داخل کر کے انگلش میڈیم اسکولوں کے وسیع پیمانے پر پھیلاؤ کا اہتمام کر دیا۔ اس وقت عملاً صوبائی نظامت ہائے تعلیم، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے بورڈوں، جونیئر کیمبرج، سینئر کیمبرج، او لیول، اے لیول اور امریکن ہائی اسکول کے نصابات کی تدریس کے لیے مختلف سطحوں اور مدارج پر بیسیوں نصابات رائج ہیں ہزاروں نام نہاد انگلش میڈیم اسکول تعلیم کے ساتھ ساتھ قوم کے اندر یک دوسرے سے ذہنی و معاشرتی فاصلہ اور بُعد،

بلکہ عداوت ومخاصمت رکھنے والے طبقات کی پیداوار بڑھانے میں مصروف ہیں طلبہ وطالبات کے اسلامی و پاکستانی تشخص کو مستحکم کرنے کے بجائے مسخ کر کے مغربی تہذیب وثقافت کی آبیاری کررہے ہیں۔

پاکستان میں اس وقت دنیوی تعلیم کی درس گاہیں پانچ بڑے گروپوں میں ہیں:

(۱) حکومت کے زیرانتظام تعلیمی ادارے

(۲) مشنری اسکول اور کالج

(۳) مشنری درس گاہوں کے طرز پر افراد یا تنظیموں کے زیراہتمام چلنے والے تعلیمی ادارے (مثلاً بیکن ہاؤس، سٹی اسکول وغیرہ)

(۴) بڑے شہروں کے رہائشی علاقوں میں بغیر کسی واضح نظام کے خالص وتجارتی بنیادوں پر کام کرنے والے انگریزی تعلیم کے ادارے

(۵) کمیونٹی اسکول اور کالج (اسماعیلی، قادیانی وغیرہ)

اب ہرگروپ میں بھی مزید ادارے ہیں۔ مثال کے طور پر گروپ ایک پر غور کیجیے:

۱۔ اردو ذریعہ تعلیم کے عام اسکول

۲۔ انگریزی ذریعہ تعلیم کے اسکول

۳۔ لارنس کالج جیسے خصوصی ادارے

۴۔ کیڈٹ کالج اور اسکول جیسے ادارے

۵۔ اردو، انگریزی ذریعہ تعلیم کے کالج

پھر دینی مدارس میں بھی تقسیم کی صورت ہے۔ مثلاً دیوبندی مدارس، بریلوی مدارس، اہل حدیث مدارس اور اہل تشیع مدارس۔

اس صورتحال سے ایک چیز تو بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان میں اس وقت بھی قومی سطح پر کوئی ایک نظام تعلیم موجود نہیں ہے۔ تعلیم کا پورا نظام طبقاتی، گروہی اور فرقہ وارانہ تعصبات میں جکڑا ہوا ہے۔ ان اختلافات کے باوجود یک جہتی، محبت واحترام، خیرخواہی اور نظم وضبط کا

درس تو بلاشبہ دیا جاسکتا ہے، لیکن تمام طلبہ میں ان صفات حسنہ کا عملی ظہور ممکن نہیں ہوسکتا۔ پاکستان میں رائج نظام تعلیم اتحاد ملی کے قطعاً منافی ہے اور دین و دنیا کی تفریق کا آئینہ دار ہے۔(۴۲) دو قومی نظریہ کی بناء پر برصغیر کی تقسیم ہوئی۔ تقسیم سے قبل ہندوؤں کے دیگر مطالبات کے ساتھ ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ دفتری زبان انگریزی کے بجائے ہندی کی جائے۔ اردو زبان، حقیقتاً برصغیر کی لسانیات کے ارتقا کی مظہر ہے لیکن کم نظری سے یہ ہر مقامی زبان کے مقابل رکھ کر دیکھی جانے لگی۔ ناکام حکومتوں نے تعلیم اور طبی اداروں کو کاروباری افراد کے حوالے کر دیا ہے۔ اس دور کے مدارس اور جامعات پر Educational Stores کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ تعلیم گاہوں میں داخلوں پر ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کرنے کے بعد، طلبہ کے سرپرستوں اور والدین کو یہ احساس فکرمند کیے رہتا ہے کہ ان کے بچے ڈالر، پونڈ اور دینار و درہم کے علاقوں میں جلد جا پہنچیں۔ جس کی وجہ سے تعلیمی رجحانات میں مصنوعات کی طرح ایکسپورٹ کوالٹی کا تصور عام ہو چکا ہے۔ کسی ملک میں ایک مضبوط تعلیم نظام کے لیے ایک مستحکم سیاسی نظام ضروری ہے۔

دور حاضر میں دینی مدارس جو کہ امن و سلامتی اور اسلام کے گہوارے ہیں انہیں بعض عناصر مذہبی دہشتگردی کے اڈے قرار دیتے ہیں جو حقیقت سے بعید ہے اس بات کا اعتراف خود ہندوستانی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے بھی کیا کہ بھارت میں اسلامی مدارس دہشتگردوں کی پناہ گاہ نہیں ہیں (۴۳) خود ایشیائی ملکوں مثلاً چین و جاپان میں کلاسیکی اخلاقی تصورات کو جدید انداز میں پڑھایا جاتا ہے اور وہاں کے تعلیمی اداروں میں Room for Moral Education قائم ہیں جہاں بچوں کو اخلاقی تصورات کی فکری سطح پر نہیں بلکہ عملی سطح پر تعلیم دی جاتی ہے (۴۴)

۳۔ خزانہ: اسلام کے سوا دنیا کی کسی اور قوم نے سرکاری آمدنی حکمران کی ذات کے لیے ممنوع قرار نہیں دیا۔ رسول اکرم ﷺ کی قائم کردہ حکومت میں شعبہ مالیہ پر بھی توجہ تھی مستقل ذرائع آمدنی کے علاوہ کسی خاص موقع پر رقم کی ضرورت پڑتی تو حضور ﷺ خطبہ دیتے اور

مسلمانوں کو شوق دلاتے کہ ملک کی فلاں ضرورت کے لیے دل کھول کر چندہ دیں (۴۵) شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ اسی بناء پر فرماتے ہیں کہ رعایا کی خوشحالی حکومت کو برقرار رکھنے کا ایک ذریعہ ہے فقہاء و رعایا کے مشورہ سے وزارت خزانہ اور پارلیمنٹ ٹیکس لگا سکتی ہے لیکن ساتھ ہی تلقین کرتے ہیں کہ حکومت ضرورت پڑنے پر عوام سے قرض لے۔ عصر حاضر میں سودی نظام معیشت کے سیاسی، عمرانی و نفسیاتی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر عبدالجبار شاکر لکھتے ہیں: سودی نظام معیشت کے باعث مغرب میں خاندانی نظام انحطاط پذیر ہے۔ سود کے مزاج میں ظلم اور شرک جبکہ بلا سود معیشت میں ہمدردی اور انصاف کے ثمرات نظر آتے ہیں۔ سودی نظام ایک ظالمانہ نظام ہے جس کے اجزاء شقاوت، کنجوسی، خودغرضی اور بخل پر مبنی ہے۔ نظام اخلاق کا نظام معیشت سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ جس قسم کا نظام معیشت ہوگا اس قسم کے اثرات ہماری اخلاقی اقدار پر بھی مرتب ہوں گے۔ جبکہ بلا سود معیشت میں ہمدردی، انصاف باہمی تعاون اور اتفاق کی صورت میں اسکے ثمرات نظر آتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے ممالک اور ماہرین معاشیات سودی معیشت سے تنگ آ کر اب مضاربت اور مشارکت کے اصولوں پر کاروبار کرنے میں اپنی نجات محسوس کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ مضاربہ اور مشارکہ کی بنیاد پر چلنے والے بنکوں نے عام سودی بینکوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ منافع دیا ہے۔ (۴۶) رائے اسد خان کھرل پاکستان کے حکمرانوں اور ارکان اسمبلیوں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: چوہدری خاندان پر ہر دور میں کرپشن، بدعنوانیوں، ناجائز اختیارات کے استعمال، قرضے ہڑپ کرنے، ٹیکس چوری اور دیگر مالی اور انتظامی بے ضابطگیوں کے الزامات لگتے رہے ہیں لیکن عوام اس بات پر حیران ہیں کہ اتنے الزامات کے باوجود وہ اب تک باعزت آزاد کیوں پھر رہے ہیں یہی نہیں انہوں نے پرنس اینڈ پلے بوائے اور رائے ونڈ سازش نامی کتب میں محترمہ بے نظیر، زرداری اور شریف خاندان کی تفصیلات بیان کی ہیں کہ کرپشن مالی اور بدانتظامی بے ضابطگیوں، اقربا پروری، عدلیہ، پریس اور پاک فوج کے خلاف بھیانک سازشوں اور دیگر خفیہ کوششوں کو دستاویزی ثبوت کے ساتھ بے نقاب کیا

ہے۔ (۴۷) غالباً یہی وجہ ہے کہ پاکستان آج کھربوں ڈالر کا مقروض ہے۔

موجودہ صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے علامہ شاہ احمد نورانی ملک میں گرتی ہوئی معیشت کو بحال کرنے کا حل تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کرپشن کا خاتمہ، قومی دولت لوٹنے والوں کا احتساب، لوٹی ہوئی دولت اور بیرون ممالک جمع کی ہوئی دولت کی واپسی، بدعنوان بیوروکریٹس اور کرپٹ سیاستدانوں کے خلاف قانون کے مطابق اقدام، بیوروکریٹس کے بے لگام گھوڑے کو قابو کرنا، بیرونی قرضہ جات سے نجات حاصل کرنا۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کو من مانی نہ کرنے دینا۔ تجارت کے فروغ کے لیے اور صنعتوں کی بحالی کے لیے ضروری اقدام کرنا۔ ٹیکسوں کا نظام درست کرنا، ٹیکس چوروں اور ٹیکس کی وصولی میں بدعنوان افراد کی سختی سے گرفت، زرعی ٹیکس کا نفاذ، بیروزگاری کا خاتمہ، نظام تعلیم کو بہتر بنانا، وطن عزیز کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ایٹمی ٹیکنالوجی کا حصول، جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ اور برآمدات کو بڑھانے کے لیے بیرون ممالک میں تعینات پاکستان کے کمرشل ایلچی کو ایک مقررہ ٹارگٹ دینا کہ وہ ان ممالک میں پاکستان کے مال کی درآمد کے لیے اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ (۴۸)

۴۔ فوج: افکار عبدالحق کا ایک اہم ترین ریاستی ستون فوج (لشکر) ہے اگر آپ کے نظریہ جہاد اور تنظیماتی عناصر کو ملا کر پڑھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سربراہ ریاست کے بعد سربراہ فوج (اہل رزم) کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ آپ فوجی اخراجات، فوج میں انصاف اور اتحاد قائم کرتے ہوئے یہ تلقین کرتے ہیں کہ فوجیوں کو بزدل لوگوں سے ملنے ہی نہ دیا جائے۔ ہماری پاک فوج ایمان و یقین، جہاد فی سبیل اللہ اور اتحاد کے سہ گانہ عناصر پر استوار ہے۔ (۴۹) پاکستانی افواج کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے ایم اے کے چوہدری لکھتے ہیں: پاکستانی فوج کی تعمیر میں امریکی امداد کا عنصر سب سے زیادہ ہے۔ امریکہ دو قسم کے حربے استعمال کرتا ہے جب فوج مکمل طور پر امریکی اسلحہ اور گولا بارود پر انحصار کرتی ہو تو امریکہ کی ناراضگی فوج کو ناکارہ بنا سکتی ہے اگر بندوق ہے اور گولی نہیں تو ظاہر ہے کہ بندوق بیکار ہے لہٰذا پاکستانی حکمرانوں اور خصوصاً فوجی حکمرانوں کو امریکہ کی خوشنودی ہر طور ضروری ہوتی ہے دوسرا یہ ہزاروں فوجی افسران کے لیے امریکہ بلانا اور

ان پر امریکی تمدن کا جادو جگانا، تاکہ انکی سوچ امریکی سوچ سے ہم آہنگ ہو جائے۔ (۵۰) قرآن (الانفال: ۶۰) وسنت کے مطابق مسلمانوں کو حکم ہے کہ جہاد کے لیے وہ تمام جدید جنگی طریقوں اور ہتھیاروں سے واقفیت رکھتے ہوئے انہیں اپنائیں (۵۱) لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ فوج میں اتفاق ہو اسی سبب سے ہی تھوڑی فوج کثیر فوج پر غالب آسکتی ہے جس کی تصدیق کرتے ہوئے مشہور امریکی ماہر جنگ ونفسیات البرٹ مرے اپنی کتاب سائیکلوجی آف وار پیس، میں لکھتے ہیں: تاریخ اور قوموں کا نفس مزاج اس حقیقت کو ہمیشہ جھٹلاتا رہا ہے کہ کسی قوم کی کم تعداد اس کی کیفیت کو بھی گھٹا دیتی ہے۔ اپنے حقوق کی حفاظت، جنگ میں کامیابی، اخلاقی اور سیاسی غلبہ اور قومی عظمت کے لیے بڑی تعداد کا ہونا ضروری نہیں ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی سی جماعت کثیر تعداد پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے۔ (۵۲)

۵۔ مقنّنہ: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مطابق حاکم وقت اور مجلس قانون ساز تو ایکدوسرے سے تعلق رکھتے ہوئے امور مملکت میں باہمی مشاورت سے اپنے افعال سرانجام دینا چاہیے نیز پارلیمنٹ کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ حکومت کے ساتھ تعاون کر کے اسے درست مشورے دے اور قانون سازی کے وقت کتاب وسنت کو مدنظر رکھے تا کہ ملکی دستور کی تدوین اسلامی احکامات کے مطابق ہو سکے۔ مآخذ سے مراد وہ بنیادی علوم وقوانین ہوتے ہیں جن کے ذریعے کوئی مخصوص علم ترتیب پاتا ہے مثلاً قانون بین الاقوام، کو کسی ایک شخص نے نہیں بلکہ مختلف مرحل گزرنے کے بعد مختلف مآخذ کے ذریعے وجود میں آیا اور خصوصیت کے ساتھ اس کے مآخذ میں بین الاقوامی معاہدات، عدلیہ کے مشہور ججوں کے فیصلے، ریاستوں کی باہمی بین الاقوامی تحریریں شامل ہیں۔ (۵۳) اس کے علاوہ برطانیہ کا دستور بھی روایت کی بناء پر معرض وجود میں آیا ہے اسی لیے اس دستور کو غیر تحریری اور لچکدار دستور کہا جاتا ہے۔ (۵۴)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ خاص انسانوں کی تین اقسام بیان کرتے ہیں۔

مشائخ طریقت، علماء حق اور حکومتی سربراہ وارکان۔

قانون سازی کا حق آپ علماء حق کو تفویض کرتے ہوئے فرماتے ہیں: دوسری درمیانی قسم

میں وہ علماء ہیں جن کی تعظیم و تصدیق واجب ہے بشرطیکہ وہ کتاب وسنت کی دلیل اور سند کے ساتھ کسی بات کو بیان کریں لوگوں تک پہنچائیں اگر وہ دین کے خلاف کچھ کہیں، نفس کی خواہش ، دنیا کی محبت کی خاطر حیلہ وسازی، فتنہ پروازی کریں تو ان کی تصدیق و تعظیم ضروری نہیں ۔ حدیث میں ہے کہ اہل علم پیغمبروں کے وارث ہیں ۔ پیغمبروں سے ان کو علم دین وراثتاً پہنچتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم اللہ کے وارث کہلانے کے اس وقت مستحق ہوتے ہیں جبکہ دنیا ان کی خاطر میں نہ آئے اس طرف رغبت نہ کریں۔ بادشاہ، امراء کے پاس رسوخ نہ چاہیں وہ علماء جو دنیا و اہل دنیا کے مصاحب بن جائیں ان سے ڈرو کہ یہ دین کے چور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے ۔ حدیث میں ہے کہ اہل دنیا اور دنیا میں پھنسے ہوئے ''اہل علم'' دین کو دنیا کے بدلے میں بیچیں گے۔ دین کے کام میں سستی کاہلی برتیں گے۔ ناحق فتوے دیں گے بخلاف اس کے جو عالم یہ باتیں نہ کریں دین کو پھیلائیں اسلام کے احکام رائج کریں۔ مسلمانوں کی امداد و اعانت کریں، دین حق کو تقویت دیں تو یہ بہترین کارنامہ اور بڑا عمدہ کام ہے۔ (۵۵)

آپ نے فقہ وتصوف اور فتح المنان تائید فی مذہب النعمان میں قرآن وحدیث کے حوالوں سے فقہ حنفی کی حقانیت کو روایت و درایت کی رو سے پوری طرح ثابت کیا۔ پاکستان میں پبلک لاء کے طور پر فقہ حنفی کو رائج کیا جانا چاہیئے کیونکہ یہاں اکثریت حنفیوں کی ہے۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ قادری اپنے پی ایچ۔ ڈی کے تحقیقی مقالے بعنوان ''امام ابوحنیفہ کے سیاسی نظریات'' کے خاتمہ پر فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ نے اپنی سیاسی بصیرت اور علمی لیاقت کی بناء پر آج کی جدید دنیا کو اپنے افکار سیاسی دیکر ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے اور جدید ماہرین سیاسیات کے لیے علم سیاسیات میں مختلف علمی زاویے متعین کر کے تحقیق کے دروازے کھولدیے ہیں تاکہ لوگ اسلامی سیاسی فکر سے خوشہ چینی کرسکیں۔ بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام صاحب نے بہترین داخلی اور خارجہ پالیسی کے اصول وضع کر کے آج کی دنیا کو یہ بتایا کہ ایک مثالی ریاست اسلامی تعلیمات کے ذریعے کس طرح قائم کی جاسکتی ہے آپ کی تعلیمات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں جن پر عمل کر کے ہم دینی سیاسی بنیادوں پر ترقی کر سکتے ہیں۔ (۵۶)

ممتاز صحافی ارشاد احمد حقانی پاکستان میں قانون سازی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ اسلام کی تعلیمات ہیں کیا اور ان کی تعبیر کی آخری اتھارٹی کون ہوگی دوسرے اس تعبیر اسلام کو پاکستان میں رائج اور نافذ کرنے کا طریق کار کیا ہوگا۔ پاکستان نے ان دونوں سوالوں کا جو جواب اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کی تشریح اور اس کے مطابق قانون سازی کا حق پارلیمنٹ کو ہوگا۔ ہاں پارلیمنٹ کسی اسلامی ایڈوائزری کونسل سے مشورہ لے سکتی ہے لیکن قانون سازی کی مجاز صرف وہی ہوگی۔ مجھے بتایئے کہ اس طریق کار پر کونسا اعتراض وارد کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان میں اسلامائزیشن کی چار امکانی شکلیں تجویز کی گئی ہیں۔

(۱) اسلامائزیشن بذریعہ جیوڈیشری

(۲) اسلامائزیشن بذریعہ Clergy (پادریوں کا فرقہ)

(۳) اسلامائزیشن بذریعہ پارلیمانی قانون سازی

(۴) اسلامائزیشن بذریعہ انتظامیہ جس کی نمایاں مثال آئین کی مجوزہ پندرھویں ترمیم ہے جس میں معروف اور منکر کا فیصلہ کرنے اور نافذ کرنے کا اختیار وزیر اعظم کو دینا تجویز کیا گیا ہے۔ ہم نے پہلا، دوسرا اور چوتھا راستہ مسترد کیا ہے اور تیسرا یعنی اسلامائزیشن بذریعہ پارلیمانی قانون سازی اختیار کیا ہے۔ (۵۷)

عصر حاضر میں افکار شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ قانون سازی صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو اس کا اہل ہو اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ بھی کہتے ہیں کہ ایک اسلامی ریاست میں ٹیکس و دیگر نوائب لگانے کا اختیار کسی فرد واحد یا ادارے کو نہیں بلکہ فقہاء، حکومت اور رعایا کے مشورے سے ٹیکس لگانے چاہیے۔ (۵۸)

۶۔ انتظامیہ: ماہرین سیاسیات اور نظمیاتِ عامہ کا خیال ہے کہ پاکستان کے نظمیاتی ڈھانچے میں ایک عجیب طرح کا تکون بنا ہوا ہے جس میں کبھی سیاست داں، کبھی ملٹری بیورو کریسی اور کبھی سول بیوری کریسی نمایاں نظر آتی ہے۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ نظام سیاست میں استحکام نہ ہونے کی وجہ سے باری باری ہر ایک قوت قسمت آزمائی کرتی رہتی ہے۔

پاکستان کے نظامِ سیاست میں یہ بگاڑ دانستہ پیدا کیا گیا ہے تاکہ عوامی اقتدارِ اعلیٰ اور جمہوریت کو محض بین الاقوامی سطح پر سستی شہرت کے لیے استعمال کیا جائے اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام کا نام بھی استعمال کیا گیا۔

پاکستان بننے کے بعد سرکاری افسران کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ جس ملک میں چاہیں رہیں، اس بناء پر ۱۰۰ میں سے صرف ۶ سرکاری افسران پاکستان میں رہے باقی بھارت کوچ کر گئے یوں پاکستان شروع ہی سے ناتجربہ کار سول سرونٹ کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ ان میں ایک نام غلام محمد (پاکستان کے سابق گورنر جنرل) اور دوسرا نام چوہدری محمد علی کا ہے جو بعد میں پاکستان کے وزیراعظم بنے۔ غلام محمد نے سینٹرل سیکریٹریٹ کی بنیاد ڈالی اور ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء میں مغربی پاکستان کو ایک بنانے کا فیصلہ کرتے ہوئے ایک کونسل قائم کی۔ جس نے ایک سی ایس پی افسر کو سیکریٹری نامزد کیا۔ اس کونسل نے متعدد کمیٹیاں قائم کر کے سی ایس پی افسران کے لیے بہترین ، رہائش ،نوکر چاکر دیگر سہولیات کی سفارشات پیش کیں۔ ۱۹۵۸-۵۹ء کے عشرے میں جب کہ نوزائیدہ پاکستان مسائل میں گھرا ہوا تھا سیکریٹری برائے اطلاعات کی تنخوار ۴۸ ہزار روپے ماہانہ، ڈائریکٹر جنرل براڈ کاسٹنگ کی تنخواہ ۲۱۶۰۰ ہزار اور پرسنل انفارمیشن آفیسر کی تنخواہ ۲۴۰۰۰ ہزار روپے مخصوص کی گئی تھی دیگر مراعات اس کے علاوہ تھیں۔ ۶-۵-۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء میں غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی کو برطرف کر دیا اور بعد ازاں ایک تجربہ کار سول سرونٹ اسکندر مرزا نے غلام محمد کو برطرف کیا۔ اس سیاسی دھما کہ چوکڑی کے سبب ملکی سیاست میں ملٹری بیوروکریسی کا باقاعدہ اور براہ راست عمل دخل شروع ہو گیا۔ ۷/اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جنرل اسکندر مرزا نے مارشل لاء نافذ کر کے ملک کے پہلے دستور کو منسوخ کر دیا، اور سربراہ جنرل ایوب خان کو مقرر کیا جنہوں نے صرف ۲۰ دنوں میں اپنی ہم منصب کو نکال باہر کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

پاکستان کے نظامِ حکومت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور وفاقی سطح سے صوبائی یا مقامی حکومت تک سول اور ملٹری بیوروکریسی کسی نہ کسی طور پر ملوث ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے

ذریعہ حکومتی، سیاسی یا گروہی مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔ ملٹری بیوروکریسی میں ریٹائرڈ ہونے کے بعد بھی ان کے اعلیٰ افسران کو اعلیٰ سول ملازمتیں جیسے صوبوں کا گورنر، سیکریٹری یا کسی کارپوریشن کا سربراہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ ۱۹۵۶ء کے دستور کے مطابق امن عامہ کا قیام صوبائی حکومتوں کا ذمہ داری تھی اور وہ پولیس کی طاقت کو استعمال کرسکتی تھی یہ نظام آج بھی قائم ہے اور وزیر داخلہ کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ ملکی سطح کے معاملات کو دیکھے لیکن بالواسطہ طور پر ہوم سیکریٹری سے اس کی وزارت کا بھی تعلق قائم رہتا ہے۔ صوبے کا چیف سیکریٹری اور ہوم سیکریٹری دونوں سول بیوروکریٹ ہوتے ہیں جن کا تقرر بعض صورتوں میں بالواسطہ طور پر سیاسی ہوتا رہا ہے کیونکہ ہر حکومت اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے یہ کوشش کرتی ہے کہ چیف سیکریٹری، ہوم سیکریٹری اور انسپکٹر جنرل آپ پولیس اس کی اپنی مرضی کا ہو۔ جس کے سبب ان افسران کا اکثر و بیشتر صرف یہی کام رہ جاتا ہے کہ وہ سیاسی فیصلوں کی اطاعت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے ۵۰ برسوں میں بہت زیادہ مضبوط اور آزاد چیف سیکرٹری یا اس قبیل کا کوئی سول بیوروکریٹ اپنی مرضی یا آزاد رائے کے ساتھ نہیں چلا۔

انتظامیہ عدلیہ پر بھی اثر انداز ہوتی ہے ڈسٹرکٹ آفیسر، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہے جس کی یہ بھی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ کسی جلسے کی اجازت دے یا نہیں۔ کسی جلوس پر فائرنگ کے احکامات بھی وہی دیتا ہے۔ مالیاتی امور میں بھی بیوروکریسی کا ایک خاص کردار رہا ہے۔ گزشتہ پچاس برسوں سے گو کہ سالانہ بجٹ وزیر خزانہ پیش کرتا ہے لیکن اس کے پس منظر میں تمام فنی معلومات اور اسمبلی میں حزب اختلاف کے سوالات کے جوابات، بجٹ کی تیاری سول بیوروکریسی ہی کرتی ہے۔ صوبائی حکومتوں کو بھی انہی افسران پر اعتماد کرنا پڑتا ہے جن کا تعلق یا تو سی ایس پی سے ہوتا ہے یا پھر فنانشل سروسز سے، اسی طرح قومی اسمبلی، صدرِ پاکستان اور وزیراعظم کا تعلق بھی بیوروکریسی سے ہے۔ اہم کارپوریشن، اسٹیل مل، پاکستان ٹیلی ویژن براڈ کاسٹنگ کارپوریشن وغیرہ جیسے تمام اہم قومی ادارے سول بیوروکریسی کے زیر اثر آتے ہیں۔ ضیاء الحق کے بعد سینیٹ کے چیئر میں غلام اسحٰق خان آئین کی رو سے

قائم مقام صدر مملکت کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان کا شمار ملک کے چند نامور سینئر سول بیوروکریٹس میں ہوتا تھا۔ جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بہت سی حکومتوں کو چلایا اور بہت سی حکومتوں کو چلتا کیا۔ (۵۹)

عوام براہ راست چیف ایگزیکٹو تک نہیں جاتے نہ ہی انہیں گورنروں یا جرنیلوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ انکے مسائل بادشاہ گر لوگوں سے متعلق ہوتے ہیں اور یہیں ان کا حل بھی موجود ہوتا ہے۔ حکمران چاہے کیسے بھی اعلیٰ منصوبے لے کر آئیں، پالیسیاں خواہ، کتنی ہی بہترین کیوں نہ ہوں، سرخ فیتے اور دفتری طریق کار کے تاخیری حربے ان کے بے اثر بلکہ اکثر تو بے ثمر بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ وہ کام جو تھوڑی دیر میں ہو سکتا ہے اس کے دنوں کے چکر لگوانے کا عمل عوام کو نہ صرف بدظن اور بیزار کر دیتا ہے بلکہ اس سے کرپشن جنم لیتا اور پھلتا پھولتا ہے۔ بیوروکریسی جس کا اصل کام عوام کی خدمت ہونا چاہیے۔ عوام کو اپنا خدمتگار سمجھتی آئی ہے۔

بیوروکریسی میں موجود پانچ خامیوں یا عوامل نے ملکی نظام کو چوپٹ کر رکھا ہے جس میں انتظامی ڈھانچے میں موجود سیاست، قواعد و ضوابط کو خاطر میں نہ لانا، اقرباپروری، ذاتی مفادات اور پیشہ ورانہ دیانت سے غفلت شامل ہے۔ ان خامیوں نے سارے نظام کو کسی آکٹوپس کی طرح جکڑ رکھا ہے۔ ایسے کئی افسران موجود ہیں جن کے پورے کے پورے خاندان انتظامیہ میں جگہ بنا چکے ہیں۔ رشوت اور سفارش کسی بھی کام کے ہونے کی بنیادی کنجیاں بن گئی ہیں۔ اصول کی بات کرنے والے کو مشترکہ دشمن قرار دے کر اس کا حقہ پانی بند کر دیا جاتا ہے اور ایسی ایک نہیں کئی مثالیں موجود ہیں۔ کئی ایماندار افسران اس وش سرکل کے ہاتھوں پریشان بلکہ پشیمان ہو کر ملازمتیں چھوڑ چکے ہیں۔ اس سب کی بنیادی وجہ انتظامیہ میں موجود سیاست ہے، ہر نئی حکومت پرانی حکومت کے متعین کردہ افراد کو نکال یا دور دراز کے علاقوں میں بھجوا دیتی ہے۔ یوں اپنے کام پر توجہ سے زیادہ خیال ملازمت کو برقرار رکھنے اور حکومت وقت کی خوشنودی میں صرف ہو جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ بیوروکریسی کی تربیت کی اشد ضرورت ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ انتظامیہ کو سیاست

سے الگ کر دیا جائے۔

اچھی طرز حکومت، بہتر طرز زندگی کی ضمانت ہے، نظام کو سہل اور ایسا بنانا چاہئے کہ وہ عوام پر بار نہ رہے۔ ون ونڈو آپریشن ہر ادارے کا بنیادی کوڈ قرار پانا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی کوئی ایسا طریقہ کار واضع ہونا چاہیے جس سے بیوروکریسی ملکی ترقی میں اپنا صحیح کردار ادا کر سکے۔ ہمیں یقین ہے کہ بیوروکریسی اور عوام کی توقعات پر پوری اترنے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔ ضرورت صرف صحیح سمت میں سفر کرنے اور منزل کے درست تعین کرنے اور پھر اس پر چلنے کی حقیقی خواہش کی ہے۔ (۶۰)

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے حکومت کے زوال کا ایک سبب عمال کا رعایا پر ظلم کرنا بھی لکھا ہے خصوصاً آپ نے تاکید کی کہ امیروں کو چاہیے کہ وہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور انہیں سستا اور جلد انصاف مہیا کریں۔ پاکستانی جیلوں کی حالت زار کے بارے میں شیخ رشید فرماتے ہیں: پنجاب کی جیلوں میں دولت مند قیدی جیل میں بیٹھ کر موبائل فون پر بزنس کرتے ہیں اور جیل میں بھی صاحب اولاد بن جاتے ہیں۔ میرے لیے جیل کے اندر ایک جیل بنا دی گئی کوٹھڑی کا قفل تین دن بعد کھلتا۔ چوبیس گھنٹے میری کوٹھڑی تنور بنی رہتی تھی اور میں ساری رات تولیہ گیلا کر کے زمین پر لیٹا رہتا تھا۔ (۶۱) نومبر ۲۰۰۰ء میں گورنر سندھ محمد میاں سومرو کی صدارت میں جیل اصلاحات کمیٹی اجلاس میں زائد قیدیوں کی بھرمار اور صفائی ستھرائی کے ناقص انتظام پر گورنر سندھ نے سخت برہمی کا اظہار کیا اور سیکریٹری داخلہ کو ہدایت کی کہ وہ اس حوالے سے تمام جیلوں کی نگرانی کریں اور صورت حال کا معائنہ کریں۔ (۶۲) حال ہی میں وزیر داخلہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) معین حیدر نے جیل اصطلاحات سے متعلق یہ اقدامات تجویز پیش کی کہ جیل میں بند قیدیوں میں مثبت سوچ پروان چڑھانے کے لیے انہیں تفریح اور کھیل کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی نیز جیل مینوئل میں بھی تبدیلیاں ہوں گی نیز رہائی کے بعد باعزت روزگار کے لیے قیدیوں کو ہنر سکھائے جائیں گے۔ (۶۳)

۷۔ عدلیہ: ۱۹۷۳ء میں پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں سب سے پہلے عدلیہ کو مفلوج اور

ماتحت کرنے کے لیے انتظامی اقدامات اور آئینی ترامیم کی گئیں۔ سیشن جج کو چلتی عدالت میں ہتھکڑی لگائی گئی۔ وکلاء جو اس دور میں آزاد عدلیہ کے لیے جدوجہد کر رہے تھے ان کے خلاف لاہور اور کراچی میں جھوٹے مقدمات اور ظالمانہ لاٹھی چارج کیا گیا۔ ججوں کو خوفزدہ اور خاموش کرنے کے لیے تمام غیر قانونی اور غیر اخلاقی حربے استعمال کیے گئے بعد ازاں جب نواب محمد احمد خان کے قتل کیس میں بھٹو صاحب لاہور ہائی کورٹ میں پیش ہوئے تو جسٹس صاحبان کو بھری عدالت میں ’’فکس اپ‘‘ کرنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ اسی طرح محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کی وزارت عظمٰی کے دونوں ادوار عدلیہ کے خلاف مہم جوئی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ججز کی خالی آسامیوں کو پر نہ کرنا، ججوں میں اپنی پسند اور ناپسند کو مدنظر رکھنا، ہائی کورٹس میں چیف جسٹس سے مشورہ کیے بغیر منظور نظر افراد کو جج بنانے کی کوشش کرنے جیسے اقدامات پیپلز پارٹی کے عزائم کی نشاندہی کرتے ہیں۔

وزیراعظم جناب محمد نواز شریف کے دور اقتدار میں سپریم کورٹ پر حکمراں پارٹی کے ایم این اے اور دیگر عہدیداروں کا حملہ کرنا اور سپریم کورٹ کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کرنا، عدالت کے کمرے میں نعرے بازی کرنا، چیف جسٹس کا بھاگ کر چیمبر میں پناہ لینا، چلتی عدالت میں جج صاحبان کو دھمکیاں دینا، بریف کیس کی گردش کی خبریں چلنا، آزاد عدلیہ کے خلاف حکمراں پارٹی ان عزائم کا واضح اظہار جس میں عدلیہ کو مفلوج کرنے اور حکمراں پارٹی کا غلام بنانے کی خواہش ہے جبکہ فوجی عدالتوں کو سپریم کورٹ کی طرف سے خلاف آئین قرار دینے کے بعد ہر شب ٹی وی کے خبرنامے کے شروع ہونے سے پہلے مظلومین کا اشتہار دکھانا بھی سول عدالتوں کو بدنام کرنے کا مذموم پروپیگنڈہ ہے۔ حکمراں پارٹی کی تاریخ کا سیاہ ترین دن اور بدترین مہم جوئی تھی۔ گویا میاں نواز شریف صاحب بھی بے نظیر بھٹو کی طرح عدلیہ کو اپنے ارادوں کی تکمیل کے لیے استعمال کرنے کے ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ (۶۴)

پاکستان کے چیف جسٹس نے عدالتوں کی طرف سے مقدموں کے فیصلے ہونے میں دیر لگنے اور انصاف فراہم نہ کیے جانے کے دو اسباب بتائے ہیں

(الف) جرم کی تفتیش کرنے والوں اور استغاثے کی طرف سے مقدمہ پیش کرنے والوں کی نااہلی اور ان کی بدعنوانیاں۔

ایک مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے عدالت عظمیٰ نے تفتیشی نظام اور نچلی سطح پر عدالتی نظام کی خامیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ کسی بھی مقدمے کی صحیح اور منصفانہ تفتیش کرنا اور مقدمات کو ہر طرح سے مکمل اور بھرپور انداز میں اس طرح عدالتوں کے سامنے پیش کرنا کہ ان میں کوئی سقم نہ رہے، تفتیشی ایجنسیوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی مقدمہ اس انداز میں عدالت کے سامنے پیش کیا جائے کہ اس کی تفتیش غلط خطوط پر کی گئی اور شہادتیں اور ثبوت نامکمل یا ناقص ہوں یا مقدمے کے چالان میں کسی قسم کا قانونی سقم موجود ہو تو یہ عدلیہ کا قصور نہیں بلکہ اس میں قصور سراسر حکومت کا ہے جس کے تحت مذکورہ ایجنسیاں کام کرتی ہیں چنانچہ ایسے مقدمات کا صحیح فیصلہ نہ ہونا عدلیہ کی کمزوری نہیں بلکہ انتظامیہ اور استغاثہ کی کمزوری ہے۔

(ب) وکیلوں کی طرف سے اکثر مقدمے کو طول دینے اور پیشیوں کو ملتوی کرانے کی کوششیں اور ججوں کی کمی۔

چیف جسٹس نے کہا کہ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہر سطح پر ایسے افراد کا تقرر کیا جائے جو اہل ہوں، دیانت دار ہوں اور اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ جب سے خوف خدا ختم ہوا ہے معاشرہ بے مہار ہو گیا ہے۔ سیاسی قیادت کی یہ مجبوری ہے کہ وہ پولیس کی بدعنوانیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لے کیونکہ اسے اپنے مقاصد کے لیے پولیس کو ہی استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اس قوم کے ماحول میں جہاں جھوٹے گواہ عدالتوں میں پیش ہوتے ہوں، جج سیاسی دباؤ میں ہوں، وکیل پیشیاں بڑھوانے کے لیے نذرانے پیش کرتے ہوں، مجرم باہر اور بے قصور حراست میں ہوں، بدعنوانیوں کو روکنے والے خود شدید بدعنوانیوں میں ملوث ہوں، وہاں انصاف کے تقاضے کیسے پورے کیے جا سکتے ہیں۔ (۶۵)

افکار شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی روشنی میں فوری اور سستا انصاف جو کہ معاشرے کے ہر فرد کی ضرورت ہے، سب کے لیے لازم ہے کہ آزاد عدلیہ کے تصور کو حقیقی معنوں میں تسلیم

کیا جائے، جس کا عملی مظاہرہ سب سے پہلے حکمرانوں کو ہی کرنا چاہیے۔

۸۔ ذرائع ابلاغ: ریاست کے اس چوتھے ستون کے اہلکاروں کی ذمہ داری حکام کو درست اور بروقت خبریں پہنچانا ہے کیونکہ یہ لوگ حالات اور واقعات کے راوی ہوتے ہیں اور ان ہی کی تحریروں، رپورٹوں اور تبصروں سے عوام نہ صرف آگہی حاصل کرتے ہیں بلکہ عوام کو یہ اندازہ لگانے میں بڑی مدد ملتی ہے کہ حکومت کی کارکردگی کیا ہے اور وہ کس سمت جارہی ہے؟ جمہوریت اور ایک آزاد، خود مختار پریس کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے، اگر صحافت آزاد نہ ہو تو جمہوریت کو آمریت میں تبدیل ہوتے دیر نہیں لگتی۔ جو معاشرے کے کان اور آنکھ بند کر کے قوت، تشدد اور ظلم کی بنیاد پر حکومت کرتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ طاقت کے بل پر کوئی حکومت کامیاب نہیں ہوسکتی۔

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز ذرائع ابلاغ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: دور ضیاء الحق میں چند اسلامی قوانین پر عملدرآمد شروع کیا گیا لیکن اس کی ناکامی کے چند دیگر عوامل میں ایک ذرائع ابلاغ بھی تھا۔ پاکستانی معاشرہ میں فروغ فحاشی وعریانی میں ذرائع ابلاغ خاصی شہرت رکھتے ہیں خصوصاً الیکٹرانک میڈیا اس سلسلہ میں پیش پیش رہا ہے۔ اگر حکومت کے زیر کنٹرول چلنے والے ابلاغ کے ان اداروں پر توجہ دی جاتی تو ان سے نفاذ حدود کے عمل کو کامیاب بنانے میں خاصی مدد لی جاسکتی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ ان پر گرفت زیادہ مضبوط نہ رکھی گئی اور ٹی وی پر چند خشک مذاکرات اور عوامی ذہن سے بلند سطح کے مناقشات کے سوا کوئی عوامی تربیتی پروگرام پیش نہ کیا جاسکا۔ عوام کی ذہنی بیداری کے لیے پہلے انہیں سہل انداز سے مختصراً فلسفہ اسلام کے تمام پہلوؤں سے روشناس کرانا ہوگا تاکہ ہر طبقے کے لوگ ان اصطلاحات کا خیر مقدم کریں۔ نفاذ حدود عمل کو مؤثر بنانے کے لیے مندرجہ ذیل امور کا انجام پانا ضروری ہے۔

۱۔ تخم ریزی سے قبل زمین کی تیاری اسکیں اصلاح معاشرہ، اصلاح نظام تعلیم، اصلاح نظام عدلیہ، اصلاح نظام ابلاغ، فقہ کی تدوین جدید شامل ہیں۔

۲۔ نفاذ حدود کے اداروں کو فعال اور موثر بنانے کی ضرورت

۳۔ حالات وزمانہ کی رعایت (۶۶)

۹۔ خارجہ امور: سربراہ ریاست اور سربراہ فوج کے بعد شیخ محدث نے سب سے زیادہ اہمیت ایلچی (سفیر) کو دی ہے کہ مہم اور غیر ملک کے سربراہ یا حکام کی مناسبت سے سفیر بھیجا جائے بادشاہ دیندار عادل کا نعرہ اس بات کا غماز ہے کہ ایک اسلامی ریاست کا سفیر بھی ایسا اہل دیندار شخص ہو جو عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اپنی ذمہ داری نباہے عصر حاضر میں ایک ایسا ہی شخص اس منصب کا اہل ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم کی فراست نے جس شخصیت کو اس اہم ترین منصب کے لیے چنا وہ سفیر اسلام، سفیر پاکستان شاہ عبدالعلیم صدیقی مدنی تھے اور آپ نے جس خوبی سے اپنی ذمہ داری نبھائی وہ تاریخ کے گوشوں میں پوشیدہ ہے۔ بلاشبہ آپ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی دی گئی خصوصیات پر پورا اترتے ہیں۔ (۶۷)

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی ستون ملکی سلامت اور اقتصادی ترقی ہیں پاکستان کی سلامت کا تصور اسکے جغرافیائی دفاع اور نظریے کے تحفظ دونوں پر محیط ہے جبکہ اقتصادی احکام کے بغیر کسی بھی ملک کا بقاء ممکن نہیں۔ (۶۸) ماہ اکتوبر ۲۰۰۰ء میں ہندوستان کے دارالحکومت نئی دہلی میں ایک خاتون سینئر سفارتکار (پولیٹیکل قونصلر) نے تین سال تک اپنے فرائض انجام دینے کے بعد اپنے ہندوستانی دوستوں کو الوداعی پارٹی دی اور اس بات کا اہتمام کیا کہ کوئی پاکستانی صحافی اس تقریب میں شرکت نہ کرسکے پھر وہاں بڑی فراخدلی سے شراب پیش کرنا قطعاً یہ فراموش کرتے ہوئے کہ میزبان حکومت پاکستان کی ملازم سینئر سفارتکار ہے اور وہاں ایک ہندو خاتون اور ایک ہندو پنڈت صاحب کی سنگت میں براہما، وشنو اور مہیش دیوتاؤں سے منسوب گیت خود اسٹیج پر آکر گانا یقیناً ایسی حرکات نہیں ہیں جن کو پسندیدہ قرار دیا جائے۔ بطور خاص دو مزید وجوہات ہیں۔

اولاً ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اس وقت جس نوعیت کی کشیدگی پائی جاتی ہے اس کے پیش نظر صرف ''ہندوستانی دوستوں'' کو مدعو کر کے اس طرح کی تقریبات منعقد کرنا نرم سے نرم لفظوں میں ناپسندیدہ قرار دیا جائے گا۔

ثانیاً ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کو اپنی ''ہندو جڑوں'' کی طرف واپس آنے کی جو دعوت انتہائی تیزی سے دی جا رہی ہے اس کے پیش نظر حکومت پاکستان کی ملازم ایک سینئر مسلمان خاتون سفارتکار کا ہندو دیوتاؤں سے منسوب گیتوں اور بھجنوں میں خود شریک ہونا کسی طور سے بھی کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔ یہ ملک جس مقصد کے تحت حاصل کیا گیا تھا کیا مذکورہ نکات ان مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔ (٦٩) ایک دوسری خبر کے مطابق لندن میں پاکستانی سفارتکار رنگ رلیاں مناتے ہوئے پکڑا گیا۔ پاکستانی ہائی کمیشن کے اعلیٰ افسر کی پولیس نے سفارتی آداب کے تحت کاروائی نہیں کی۔ (٧٠) کیا مذکورہ امثال پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد پورے کرتی ہیں؟

ہر حکومت وقتاً فوقتاً سفراء کانفرنس منعقد کرتی ہے۔ وہ فقرے یا تجاویز کانفرنس میں زیر بحث آتی ہے "Diplomatic Bag"، ای میل یا فیکس کے ذریعے بھی آسکتی ہیں۔ آخر حکومت کو سفراء کے بلانے کے لیے اس قدر زرمبادلہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سال گزشتہ میں کانفرنس کسی سیاسی مسئلے پر زور دینے کی بجائے برآمدات کو بڑھانے کو ایجنڈے میں سرفہرست رکھا گیا ہے۔ صدر نے سفراء پر زور دیا کہ وہ پاکستانی اشیاء کی برآمدات کے لیے ہر ممکن کوشش کریں اگر جناب صدر وہاں بیٹھے ہوئے ہر سفیر کے بیک گراؤنڈ پر نظر ڈال لیتے تو انہیں ان میں سے کچھ ڈپلومیٹ، کچھ سیاسی میدانوں کے کھلاڑی اور باقی ماندہ حربی جنگوں کے ماہرین دکھائی دیتے۔ آج کے موجودہ حالات میں برآمدات کو بڑھانا کسی جنگ سے کم نہیں لیکن یہ جنگ ان لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسلیے کہ ان میں سے کسی کو بھی تجارت کی شدبد تک نہیں ہے، رہے ان کے تجارتی شعبے کے افسران، تو وہ کتابی علم تو ضرور رکھتے ہیں لیکن عملی طور پر وہ بھی تجارت یا برآمدات کے میدان میں بالکل کورے ہیں اس لیے کہ یہ ان لوگوں کا میدان نہیں ہے۔ یہاں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو تجارت اور برآمدات کے پیچ وخم کو بہ خوبی سمجھتے ہوں، ہمیں ان حالات میں ڈپلومیٹ، یا بیوروکریٹ سے زیادہ ان لوگوں کی ضرورت ہے، جو ٹاپ کے سیلز مین ہوں اور جو To Sell a Refrigirator to an

Eskimo کے معیار میں اترتے ہوں اس لیے کہ برآمدات کے میدان میں دنیا کے ۲۱۰ سے زائد ممالک آپس میں دست گریباں ہیں۔ اگر ہم صحیح نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کا انتخاب کریں جو مذکورہ مقاصد حاصل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ بیرونی سرمایہ کاروں کو دعوت دینے سے پہلے مقامی طور پر تجارت اور صنعت میں آئے ہوئے جمود کو یکسر ختم کیا جائے۔ یہاں کے سرمایہ کاروں، تاجروں اور صنعتکاروں کی تکالیف سن کر ان کا ازالہ کیا جائے۔ اور جو اس وقت حکومت سے ناراض ہیں، ان کو بلا کر شکوے اور شکایتیں دور کی جائیں۔ ان لوگوں کی مدد حاصل کئے بغیر نہ تو ملک کی ترقی ہو سکتی ہے اور نہ ہی بیرونی سرمایہ کاروں کو بلایا جا سکتا ہے۔ (۷۱)

قادیانیت: معاصر (دور شیخ عبدالحق محدث دہلوی) ڈچ نمائندہ پیلسے ٹرٹ کی رپورٹ پڑھنے کے بعد ذہن میں یہ سوال بھی آتا ہے کہ کیا ہماری تاریخ کا یہ تسلسل آج بھی اسی طرح سے برقرار ہے کہ جیسا یہ ماضی میں تھا؟ اس رپورٹ سے مزید یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ یہ باتیں جہانگیر کے عہد کی نہیں بلکہ ہمارے زمانے کی ہیں۔ تو کیا تاریخ کے اس پورے سفر میں ہمارا معاشرہ ایک ہی جگہ ٹھہرا رہا ہے یا اس میں کوئی تبدیلی بھی آئی ہے؟ اس میں فرقہ روشنیہ، مہدویہ، نقطویہ وغیرہ کی عقلیت پسندی اور ناموس و مقام مصطفیٰ ﷺ پر نظریاتی حملے، امراء کی دولت مندی، دولت کی دکھاوٹ کے طریقے، رعونت اور بدعنوانیوں کے جو تذکرے ہیں، دیکھا جائے تو آج کے حالات میں صرف ماحول بدلا ہے ورنہ فرق کوئی نظر نہیں آتا ہے۔ (۷۲)

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء ملت اسلامیہ کی تاریخ کا وہ سنہری اور ناقابل فراموش دن ہے جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تاریخی فیصلہ سنایا اور دستور میں ترمیم کے ذریعے مسلمان کی تعریف ختم نبوت پر ایمان اور قادیانیت سے برات کو شامل کیا گیا۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ تحریک شاندار اور بے مثال تھی جب تمام کلمہ گو مختلف مکاتب فکر سے وابستگی کے باوجود ایک لڑی میں پروئے ہوئے دانوں کی مانند متحد اور یکجا نظر آتے تھے۔ ان میں کوئی اختلاف، تعصب، عناد نہیں تھا وہ کسی علاقے میں رہتے ہوں کوئی زبان

بولتے ہوں مگر ختم نبوت کے عقیدے نے ان سب کو ایک بنا دیا تھا۔ تحریک کی کامیابی کا سب سے بڑا عنصر یہ ہے کہ اس سے قبل جتنی تحاریک چلیں ان میں عوام کی قربانی اور علماء کی جدوجہد اور خلوص میں کمی نہیں تھی خصوصاً ۱۹۵۳ء کی تحریک میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالحسنات قادری، مولانا مودودی اور مولانا عبدالستار خان نیازی کی بے مثال قربانیاں موجود تھیں اور ہزاروں مسلمان شہید کیے گئے لیکن مسئلہ اس لیے حل نہ ہوسکا کہ علماء کی سیاسی قوت نہ تھی جبکہ ۱۹۷۴ء میں علماء کی ایک موثر قوت پارلیمنٹ میں موجود تھی۔ نظام مصطفیٰ ﷺ کے لیے چلائی جانے والی اس تحریک کے نتیجہ میں سینکڑوں مسلمان نقد جاں ہار گئے۔ ہزاروں نے اپنے قیمتی اعضا ریاستی جبر کی نذر کر دیئے اور لاتعداد "پس دیوار" زنداں رہے۔

مولانا مفتی محمود نے مرکزی مجلس عمل کا اجلاس ۲۸ جون ۱۹۷۴ء کو اسلام آباد طلب کیا تاکہ باہمی مشورے سے قومی اسمبلی میں تحریک پیش کی جاسکے۔ مجلس عمل نے قوم سے قادیانیوں کے سوشل بائیکاٹ کی اپیل کی اور سب سے بڑھ کر دانشمندی کا مظاہرہ کیا کہ علماء کرام اور زعماملت نے تحریک کو محض قادیانیت کے مسئلے تک محدود رکھا اس کو اینٹی گورنمنٹ تحریک نہیں بنایا۔ مجلس عمل نے حکومت کو ۳۰ جون تک کا نوٹس دیا کہ وہ قادیانیوں کے بارے میں اپنی پالیسی واضح کرے۔ ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کی طرف سے مولانا شاہ احمد نورانی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کی جبکہ حکمران جماعت پاکستان پیپلز پارٹی نے اس ضمن میں ایک تحریک پیش کی دونوں کو ایوان میں خاص کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ یکم جولائی کو وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس طلب کرلیا۔ تحریک کا مورال ایسا بن گیا تھا کہ ملک کا ہر فرد خود کو اس کا حصہ سمجھتا اور پھر پوری قوم نے قادیانیوں کا معاشرتی مقاطعہ کر کے ایک ملت واحدہ کا عملی نمونہ پیش کیا اور قادیانیوں نے اپنی خاص حکمت عملی کے تحت اندرون ملک تمام قومی بینکوں سے اپنا سرمایہ نکلوا کر بیرون ملک یا غیر ملکی بینکوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا تھا کہ ملک میں معاشی ابتری پیدا ہوسکے ادھر لندن میں بیٹھے سابق وزیر خارجہ پاکستان جناب ظفر اللہ خان حکومت پاکسان کو دھمکیاں

دے رہے تھے کہ پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو اس فرقے کے لوگ بھر پور مزاحمت کریں گے اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ (۷۳)

انیسویں صدی کا انگریز مفکر ٹامس ہل گرین نے اپنی کتاب سیاسی فرائض کے اصول میں اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ یہ کسطرح ایک روحانی زندگی ریاست میں اہم کردار ادا کرتی ہے اس نے ریاست میں سب سے افضل چیز اخلاق کو گردانا ہے۔ (۷۴) آج امریکہ اور یورپ کے لوگ روحانی سکون کی تلاش میں ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے مادّی ترقی کی معراج حاصل کر لی لیکن جب کسی امریکی سے پوچھا جائے کہ تم کتنے مطمئن ہو تو سوائے اس کے چہرے پر ایک پھیکی مسکراہٹ کے سوا اور کچھ نہیں ملتا جو بذات خود اس کے اندرونی ہیجان کا کھلا ثبوت ہے۔ (۷۵) ان کے ساتھ ساتھ ہم مسلمانوں نے بھی اسوۂ حسنہ کو صرف برکات کے حصول کا ذریعہ سمجھا لیکن اسے انفرادی واجتماعی رہنمائی کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ہم سیرۃ علیہ وسلم صلی اللہ کو سوسائٹی کے تمام مسائل کے حل کے لیے نمونہ بنا سکتے ہیں۔ (۷۶) صوفیائے کرام کی تعلیمات جو کہ سادگی ، خلوص اور ذکر وفکر پر مبنی ہے، کی بدولت ہی اسلام کی امن پسندی اور صلح و عافیت کی خو ثابت کی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے مسلمانوں کو اپنے فروعی اختلافات کو بھلانا ہو گا۔ عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا لیتے ہوئے صوفیاء کے طرز عمل پر چلا جائے تو آج کے ہر فرد کے مسائل بآسانی حل ہو سکتے ہیں۔

نتائج

عالمگیریت اور مشرق و مغرب کے تہذیبی تصادم کے حوالے سے یہ حقیقت ہے کہ جب تک عالم اسلام اور مغرب کے درمیان عظیم مکالمہ نہیں ہو گا تہذیبوں کی جنگ کا بھی کوئی نتیجہ سوائے بربادی کے نہیں نکلے گا۔ جن مسلم ممالک میں مذہبی تحریکوں کا زور ہے یہ نہ تو بنیاد پرستی ہے اور نہ اسلام اور جدیدیت کی جنگ بلکہ یہ بے چینی ان حکومتوں کے عوام دشمن طرز عمل کا نتیجہ اور ردعمل ہے اسی لہر سے مغرب خائف ہے جہاں تک موت اور دنیوی عیش و آرام کا تعلق ہے اسلام کے شیدائی چاہیں کتنے ہی لبرل اور ترقی پسند ہوں وہ ظلم پر چپ نہیں رہ سکتے ان کو موت سے

کوئی شے ڈرا نہیں سکتی یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جو مغرب کے تھنک ٹینک کو سمجھنا چاہیے۔

افکار شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی روشنی میں مندرجہ ذیل سفارشات کی جاتی ہیں۔

۱۔ اتحاد اُمت مسلمہ وقت کا ناگزیر تقاضا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ:

i۔ مسلم ممالک اپنی سلامتی کونسل، کرنسی، بنک اور فوج بنانے کے ساتھ ساتھ شعبہ اطلاعات ونشریات قائم کریں۔

ii۔ اُمت مسلمہ او آئی سی، ای سی او کے ساتھ ساتھ اپنے تعلیمی اور سائنسی اداروں کو فعال بنائیں۔

iii۔ علماء ایک دوسرے پر کفر کے فتوے نہ لگائیں اور فروعی اختلافات کو ہوا نہ دیں۔ نیز تدوین فقہ جدید کی جائے۔

iv۔ ان غیر مسلم فلاحی تنظیموں (این جی اوز) پر پابندی لگائی جائے جو محض مجبور و بے کس افراد کو مادی تعیشات کا جھانسہ دے کر انہیں غیر مسلم ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔

۲۔ اصلاح معاشرہ

شریعت محمدی (اصطلاح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) کے انعقاد کے لیے ضروری ہے کہ تخم ریزی سے قبل زمین کی تیاری کی جائے۔ اس کے لیے علماء اور ذرائع ابلاغ سب سے مؤثر ذریعہ ہیں اپنے دائرے میں رہتے ہوئے اصولی عقائد کا پرچار کریں اور تبلیغ، ترغیب، ترہیب، تدریج اور تقنین کے ذریعے خواص وعوام میں اسلامی شعور اجاگر کریں۔

۳۔ اصلاح حکومت

i۔ دیندار عادل حکمران کے انتخاب کے لیے ضروری ہے کہ الیکشن کمیشن کا ادارہ غیر جانبدار ہو جو آئین کے تحت صاف وشفاف انتخابات کو یقینی بنائے نیز لوٹا کریسی، لفافہ کریسی اور ہارس ٹریڈنگ کے خاتمہ کے لیے قانون سازی کی جائے۔

ii۔ سیاسی جماعتوں کے لیے ضابطہ اخلاق بنایا جائے کہ وہ صرف نظریۂ پاکستان کے تحت اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں نیز فرقہ وارانہ، لسانی اور نسلی تنظیموں و جماعتوں پر پابندیاں عائد کی جائیں۔

iii۔ علماء و مشائخ کو قومی اسمبلی اور سینٹ میں براہ راست ۵۰ فیصد نمائندگی دی جائے۔

iv۔ نیشنل سیکورٹی کونسل کو فعال کرنے کے لیے ہر طبقہ فکر کے افراد کو مناسب نمائندگی دی جائے۔

v۔ ہر حکومتی شعبے میں ادارۂ فکر و تدبیر (تھنک ٹینک) بنایا جائے جو علماء اور پیشہ وارانہ ماہرین پر مشتمل ہو اور وہی بورڈ متعلقہ اداروں کے اخراجات کا تعین کرے۔

vi۔ تمام حکومتی اداروں میں صرف اہلیت کو معیار ملازمت قرار دیا جائے اور باکردار، باصلاحیت اور دینی تعلیم کے حامل سرکاری ملازمین کے لیے اضافی ترقی اور سالانہ خفیہ رپورٹس میں ان کی خدمات کو سراہا جانا بھی حکومتی مشنری میں خوشگوار نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

ج۔ وی وی آئی پی کلچر، امتیازی قوانین اور کوٹہ سسٹم کا خاتمہ کیا جائے۔

چ۔ نظام تعلیم

i۔ قرآن و حدیث کو بنیادی حیثیت دے کر جدید تقاضوں کے مطابق ہر سطح پر نصاب میں شامل کیا جائے۔

ii۔ تمام ملک میں ہر سطح پر ذریعہ تعلیم اردو کر کے یکساں نصاب رائج کیا جائے نیز مردوں اور عورتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ تعلیمی ادارے بنا کر خواتین کے اداروں میں خواتین اساتذہ کا تقرر کیا جائے۔

iii۔ دینی مدارس اور غیر سرکاری انگریزی تعلیم کے مدارس کے لیے ضابطہ اخلاق بنا کر اس پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے۔

iv۔ ناخواندگی کے خاتمے کے لیے حکومت کی سرپرستی میں محلّہ مساجد کے ذریعے تعلیم بالغان کا انتظام بہتر نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

ح۔ نظام ابلاغ

i۔ مخرب اخلاق لٹریچر (رسائل، جرائد، آڈیو ویڈیو) ڈش اور کیبل کلچر کا خاتمہ کیا جائے۔

ii۔ ذرائع ابلاغ فحاشی دور کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ عوام کی ذہنی بیداری کے لیے ایسے پروگرامز اور مضامین کا انتخاب کیا جائے جس سے اسلامی اقدار کا پرچار ہو۔

iii۔ الیکٹرانک میڈیا ایسے پروگرام ترتیب دیں کہ جن سے وہ ممالک جہاں اسلامی سزائیں نافذ ہیں اور جہاں نہیں ہیں انکا تقابلی جائزہ ظاہر ہو۔

خ۔ نظام معیشت

i۔ سودی نظام کا مکمل خاتمہ کر کے غیر سودی نظام بنکاری رائج کیا جائے۔

ii۔ عوامی ٹیکس لگانے کے لیے بورڈ بنایا جائے جسمیں عوامی نمائندے، تاجر اور فقہاء شامل ہوں۔

iii۔ ہر سطح پر ناجائز اور فضول اخراجات سے گریز کیا جائے۔

iv۔ غیر ملکی اداروں سے قرض لینے کی روایت ختم کر کے عوامی پیکیج کے ذریعے بوقت ضرورت تعاون کی اپیل کی جائے۔

د۔ نظام عدلیہ

i۔ پاکستان میں فقہ حنفی کو پبلک لاء کے طور پر نافذ کیا جائے۔

ii۔ بند اور سستے انصاف کے حصول کے لیے قاضی کورٹس قائم کئے جائیں جو ایک مخصوص مدت میں مقدمات کے فیصلے کریں اس کے لیے ایسے قاضیوں کا تقرر کیا جائے جو انگریزی و دینی علوم (خصوصاً فقہ اسلامی) کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ مروّجہ قوانین پر بھی دسترس رکھتے ہوں۔ اس مقصد کے لیے مساجد کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

iii۔ تمام سیاسی وابستگیوں سے مبراء ججز کا تقرر اہلیت و میرٹ کی بنیاد پر کیا جائے۔

ڈ۔ محکمہ خارجہ

نظریۂ پاکستان کے حامل اہل دیندار اور پیشہ ور سفراء کا تعین کیا جائے اور انہیں ملکی [illegible] کے حوالے سے ایک خاص ہدف دے کر اسکے حصول کا پابند کیا جائے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ امریکہ ایک ایسا ملک ہے جہاں پوری دنیا سے لوگ ہجرت کر کے آئے اور مستقلاً آباد ہو گئے۔ معاشرے کی اسی متنوع ہم آہنگی کا نام امریکہ ہے۔ امریکہ میں متنوع نسلوں اور قوموں کے بارے میں ایک نئی ویب سائٹ تیار کی گئی ہے جو یہ ہے:

http://www.usinfo.state.gov/usa/race

(بحوالہ: خبر و نظر۔ امریکی شعبہ تعلقاتِ عامہ۔ اگست ۲۰۰۱ء (دوسرا شمارہ))

۲۔ عصر حاضر میں افغانستان میں جنگ بندی کے سوال پر امریکہ کے وزیر خارجہ کولن پاول نے فرمایا: رمضان کے احترام سے زیادہ ضروری ہمارے مقاصد ہیں۔ (بحوالہ: روزنامہ اُمت۔ ۲۵ اکتوبر ۲۰۰۱ء)

۳۔ امریکا میں ۱۹۹۹ء میں اعداد و شمار کے مطابق ۳۹ لاکھ ۵۹ ہزار ۶ سو ۱۳ بچوں کی ولادت ہوئی جسمیں سے ۱۳ لاکھ ۸ ہزار ۵ سو ۶۰ بچوں کو بن بیاہی ماؤں نے جنم دیا۔ ہیریٹج فاؤنڈیشن کے مطابق اس کا سبب قومی سطح پر عدم دلچسپی ہے۔ بن بیاہی ماؤں کی عمریں ۲۰ سال یا اس کے قریب ہے۔ روزنامہ جنگ کراچی ۲۱ اپریل ۲۰۰۱ء (بحوالہ: واشنگٹن ٹائمز۔ واشنگٹن)

۴۔ نوریہ سلطانیہ۔ ص ۲۴

۵۔ تفصیل کے لیے دوسرا باب فصل اول ملاحظہ کیجیے۔

۶۔ Ahmed, Manzooruddin.(September, 1962). "The Classical Muslim State" . Karachi university:Islamic Studies, Vol-I No.3.p101.

۷۔ Ahmed ,Manzooruddin. (April 1964)."The Shura, Ijtihad and Ijma in the Early Islamic State. Karachi university: Islamic Studies, Vol -I , No-1, p.54

۸۔ Rosenthal, Islam .... state, op.cit. pp 3-45

۹۔ روزنامہ ایکسپریس۔ ۵، نومبر ۲۰۰۰ء (اداریہ)

۱۰۔ رورنامہ دن۔ ۸ ستمبر ۲۰۰۱ء

۱۱۔ روزنامہ نوائے وقت، ۱۶ مارچ ۲۰۰۰ء۔ ص ۱

۱۲۔ Denian,J.F. (1961). The Common Market. London: Barrie and Rocklife. pp 19-2

۱۳۔ احمد رضا (امام)۔ (۱۹۹۸ء)۔ تدبیر فلاح ونجات واصلاح۔ کراچی: ادارہ مسعودیہ۔ صص ۶۔۱۱

۱۴۔ روزنامہ جنگ ۲۹ اپریل ۲۰۰۰ء

۱۵۔ روزنامہ جنگ کراچی۔ ۲۱ اپریل ۲۰۰۱ء

۱۶۔ پندرہ روزہ۔ جیش محمد ﷺ (اداریہ)۔ کراچی (اپریل ۲۰۰۱ء)۔ ص ۵

۱۷۔ البقرہ: ۱۹۰

۱۸۔ النساء: ۷۵

۱۹۔ Ahmed , Manzooruddin. (1966) . Pakistan the Emerging Islamic State. Karachi: The Allies Book Corporation .p-89.

۲۰۔ Ahmed, Manzooruddin.Islamic Aspects of the new Constitution of Pakistan. Islamic Studies, Vol-II,No.2,1963. pp 250-251

۲۱۔ محمود، سید حسن (مخدوم زادہ)۔ (۱۹۸۸ء)۔ میرا سیاسی سفر (یادداشتیں)۔ لاہور: جنگ پبلشرز۔ ص ۳۷

۲۲۔ قطب الدین عزیز، سیاست پاکستان۔ ایک دل چسپ داستان۔ پاکستان کے ۵۰ سال، مذاکرہ ہمدرد۔ ص ۸۳!

۲۳۔ نقوی، علی جاوید۔ (۲۰۰۱ء)۔ پاک بھارت تعلقات۔ لاہور: صبیح پبلشرز۔ صص ۲۳۹۔۲۴۰

۲۴۔ محمود، صفدر (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۱ء)۔ درد آگہی۔ لاہور: جنگ پبلشرز۔ ص ۱۶

۲۵۔ روزنامہ جنگ کراچی۔ ۲۲ اپریل ۲۰۰۱ء۔ ص ۹ (قسط نمبر ۸۵ کی حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ)

۲۶۔ غفور احمد (پروفیسر)۔ (۱۹۹۰ء)۔ پھر مارشل لاء آگیا۔ لاہور: جنگ پبلشرز۔ ص ۲۵۶

۲۷۔ کوثر نیازی۔ (۱۹۸۹ء)۔ اور لائن کٹ گئی۔ لاہور: جنگ پبلشرز۔ ص ۵۳

۲۸۔ Woodward, BOB., 1987). The Secret Wars of CIA. London: Simon Schuster.p-311.

۲۹۔ شاہد، ایس ایم۔ (س ن)۔ تقابلی وترقیاتی سیاست۔ لاہور: نیو بک پیلس۔ ص ۱۶۵

۳۰۔ روزنامہ ایکسپریس۔ ۱۹ مئی ۲۰۰۱ء

۳۱۔ روزنامہ جنگ۔ کراچی (گولڈن جوبلی ایڈیشن ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء)

۳۲۔ روزنامہ ایکسپریس کراچی۔ (۱۱/۵/۲۰۰۰) (مضمون۔ عدلیہ کا احترام واجب ہے از زاہد احمد)

۳۳۔ روزنامہ جنگ۔ ۱۵ فروری ۱۹۹۷ء

۳۴۔ مولانا عبدالستار خان نیازی۔ (۱۹۸۴ء)۔ اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت۔ لاہور: مکتبہ رضویہ۔ صص ۸۲۔ ۸۴

۳۵۔ عصمت بوزداغ۔ (۱۹۸۵ء)۔ تیسرا نظریہ دنیا جس کی منتظر ہے۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن۔ اسلام آباد۔ ص ۳۲۳

۳۶۔ قادری، محمد احمد (ڈاکٹر)۔ (اکتوبر۔ نومبر ۱۹۹۹ء)۔ پاکستانی سیاست میں علماء کا کردار، دینی سیاسی تجزیہ۔ ماہنامہ آگہی۔ کراچی ص ۳۰

۳۷۔ خان، سردار عبدالقیوم۔ (۱۹۸۸ء)۔ مذاکرات سے مارشل لاء تک۔ لاہور: جنگ پبلشرز۔ ص ۱۱۰

۳۸۔ نوریہ سلطانیہ ص ۲۷

۳۹۔ روزنامہ جنگ۔ کراچی۔ ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۰ء (غریب ملک کے حکمرانوں کی شاہ خرچیاں از عباس مہکری)

۴۰۔ روزنامہ جنگ۔ کراچی۔ ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۰ء (جب دشمنان پاکستان، نگہبان پاکستان قرار پائے از پروفیسر سلیم ایم میاں)

۴۱۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۳۱۳

۴۲۔ پاکستان کے ۵۰ سال۔ مذاکرہ ہمدرد۔ ص ۲۶۱

۴۳۔ روزنامہ جنگ۔ کراچی۔ ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۱ء

۴۴۔ جالندھری، رشید احمد (ڈاکٹر)۔ (۲۰۰۱ء)۔ رسول کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ اور ہمارے موجودہ مسائل۔ کراچی: پاکستان پیس کولیشن۔ ص ۲۶

۴۵۔ حمید اللہ محمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۲ء)۔ اسلامی ریاست۔ لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب۔ صص ۲۹۔ ۴۱

۴۶۔ روزنامہ نوائے وقت۔ ۳ دسمبر ۱۹۹۷ء۔ (سودی نظام معیشت از پروفیسر عبدالجبار شاکر)

۴۷۔ کھرل، برائے اسد خان۔ (۲۰۰۰ء)۔ چوہدریوں لی چوریاں۔ لاہور: انٹیلی جنس پبلشرز۔ صص ۱۲۔۱۳

۴۸۔ روزنامہ جنگ۔ ۱۵ فروری ۱۹۹۷ء

۴۹۔ روزنامہ نوائے وقت۔ کراچی۔ ۱۵ جولائی ۲۰۰۰ء (اداریہ)

۵۰۔ چودھری، ایم اے کے۔ (۱۹۸۹ء)۔ مارشل لاء کا سیاسی انداز۔ لاہور: جنگ پبلشرز۔ ص ۴۳

۵۱۔ Ahmed, Manzooruddin. Islamic Political....op.cit., p-98

۵۲۔ عبدالباری۔ (۱۹۸۶ء)۔ رسول کریم ﷺ کی جنگی اسکیم۔ لاہور: الفیصل تاجران و ناشران کتب۔ ص ۷

۵۳۔ Mahajan, V.D.(1986).International Relations.New Dehli: S.Chand and Co.p 9

۵۴۔ Carter, G.M.(1967).Major Foreign Power.USA: Harcourt Brace.p 65

۵۵۔ المکاتیب والرسائل۔ ص ۲۲

۵۶۔ امام اعظم کے سیاسی نظریات۔ ص ۲۹۳

۵۷۔ روزنامہ جنگ۔ کراچی ۱۷ ستمبر ۱۹۹۹ء (اقبال اور قائد کا تصور ریاست از ارشاد احمد حقانی)

۵۸۔ اسلامی ریاست۔ ص ۱۷۱

۵۹۔ روزنامہ جنگ کراچی۔ ۱۴ اگست ۱۹۹۷ء گولڈن جوبلی ایڈیشن (بیوروکریسی از ڈاکٹر محمد احمد قادری)

۶۰۔ سنڈے ایکسپریس۔ کراچی ۱۶ جنوری ۲۰۰۰ء

۶۱۔ جنگ مڈویک میگزین (کراچی)۔ ۲۷ ستمبر ۲۰۰۰ء۔ صص ۸۔۹

۶۲۔ روزنامہ ایکسپریس۔ کراچی۔ ۵ نومبر ۲۰۰۰ء

۶۳۔ روزنامہ ایکسپریس۔ کراچی۔ ۱۷ جنوری ۲۰۰۱ء

۶۴۔ روزنامہ جنگ۔ کراچی۔ ۲۵ مارچ ۱۹۹۹ء (عدلیہ کا وقار اور احترام کے تقاضے از

ملک الطاف حسین)

۶۵۔ روزنامہ ایکسپریس۔ کراچی۔ ۲۱ مارچ ۱۹۹۹ء

۶۶۔ تاریخ نفاذ حدود۔ ص ۳۹۷۔ ۴۰۱

۶۷۔ تفصیل کے لیے دوسرا باب وصل دوم ملاحظہ کیجیے۔

۶۸۔ محمود، صفدر (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۱ء)۔ آئین پاکستان (تعارف وتجزیہ)۔ لاہور: جنگ پبلشرز۔ ص ۲۱۲

۶۹۔ روزنامہ جنگ۔ ۲۱ اکتوبر ۲۰۰۰ء

۷۰۔ روزنامہ نوائے وقت۔ ۸ فروری ۲۰۰۰ء

۷۱۔ روزنامہ نوائے وقت: ۱۱ اگست ۲۰۰۰ء

۷۲۔ جہانگیر کا ہندوستان۔ ص ۱۶

۷۳۔ روزنامہ جنگ۔ کراچی۔ ۱۴ اگست ۱۹۹۷ء

۷۴۔ جعفری، سید اصغر علی شاہ۔ (۱۹۷۲ء)۔ مشرق ومغرب کے سیاسی افکار۔ لاہور:
نیو بک پیلس۔ ص ۲۹۹

۷۵۔ روزنامہ نوائے وقت۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۷ء

۷۶۔ Bangash, Zafar. (2001. March 1-5). The Seerah as a Model for the Total Transformation of the Society. Cresent International . USA .p 8

☆☆☆

حاصل کلام

سائنس حقیقت کے مختلف گوشوں کا نام ہے لیکن اس میں نقص یہ ہے کہ حقیقت کو تماماً اور کمالاً نہیں دیکھ سکتی اس کے مختلف شعبے اپنی اپنی دنیا میں الگ الگ مصروف مشاہدات و تجربات رہتے ہیں اس لیے وہ حقیقت کے متعلق کلی ادراک حاصل نہیں کر سکتے بناء بریں مذہب کو سائنس سے خائف ہونے کی کوئی ضرورت نہیں مذہب کا مقصود حقیقت کا کلی تجربہ ہے اس لیے انسانی تجارب کی دنیا میں اسے مرکزی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ سائنس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ حقیقت کے کسی ایک رخ کو اپنے مطالعہ کے لیے منتخب کرے اور باقی رخوں کو چھوڑ دے لہٰذا اگر سائنس یہ دعویٰ کرے کہ حقیقت کے جن پہلوؤں کا اس نے انتخاب کیا ہے وہی پہلو حقیقی ہیں تو اس کا یہ دعویٰ باطل ہے۔(۱)

فلسفہ مادیت، لادینیت، قومیت، بین الاقوامیت اور جمہوریت انسانی تہذیب کے وہ مراحل ہیں جس کے ذریعے انسانی فلاح و بہبود کی تلاش کی گئی اور یہ کوششیں خصوصاً مغرب میں آج تک جاری ہیں جن کی بنیادیں مذہب سے ہٹ کر رکھی گئی ہیں۔ دینی سیاسیات کے حوالے سے مذاہب و ادیان (روحانی موجودات پر عقیدہ) کے سائے میں انسانی حقوق کی تلاش کی گئی۔ مشہور ادیان میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام سرفہرست ہیں، ۵۷۲ عیسوی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو مبعوث فرما کر انسانیت کے لیے دین اسلام کو پسند کیا اور قرآن کریم بحیثیت منشور دیا گیا۔ کیونکہ دیگر ادیان میں تحریفات کی گئی تھیں جسے ایچ۔ اے۔ آر۔ گب اور جارج برنارڈ شا نے بھی تسلیم کیا جبکہ قرآن کا ایک حرف بھی چودہ سو برسوں میں تحریف نہ ہوا۔ اسلامی تعلیمات کو مائیکل ایچ ہارٹ، مسز سروجنی نائیڈو، شواگ، مسٹر کلارک اور برٹرینڈ رسل وغیرہ نے بھی سراہا اور حضرت محمد ﷺ کی حقانیت مسٹر سیل، مسٹر ڈاکس ڈاڈ، نپولین بونا پارٹ، موسیو اوجین کلوفل، سر ولیم میور، میجر آرتھر گلن مورنڈ، الفونس الامارتین، کنور مہندر سنگھ بیدی، مانگ تو نگ، دیوانی چند شرما، رانا بھگوان داس بھگوان نے برملا کیا۔

اسلامی سیاسیات کی اہم خصوصیات یہ ہیں کہ کائنات کا مالک اللہ ہے اس نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو اپنا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے عملی طور پر اسلامی سیاسیات کا مظاہرہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست قائم کر کے کیا اور انسانیت کو وہ اصول وقوانین دیئے جن پر آج ہر ترقی یافتہ قوم عمل پیرا ہے۔ آپ ﷺ نے محدود عمومی حاکمیت کا تصور دیکر مختلف مراحل پر اپنے نائب مقرر کیئے۔ آپ کے بعد خلافت راشدہ کا ذریں زمانہ آیا جنہوں نے قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کی بنیاد پر علم سیاسیات میں گرانقدر اضافے کیئے اور دنیا کو دکھایا کہ سربراہ حکومت وریاست عوام کا منتخب نمائندہ ہوتا ہے اور وہ دیندار عمال کے ذریعے اپنے حکومتی امور چلاتا ہے جسمیں مشاورت کے اصول کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ براعظم ایشیا میں واقع ملک ہندوستان سے عربوں کے تجارتی تعلقات ظہور اسلام سے صدیوں قبل چلے آرہے ہیں۔ ابتداء میں عرب مسلمان تاجر کی حیثیت سے یہاں آئے پھر ۹۳ھ/۷۱۱ء میں محمد بن قاسم کے فتح سندھ کے بعد مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہوئی۔ ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء میں سلطان محمود غزنوی نے راجہ جے پال کو شکست دے کر غزنوی سلطنت قائم کی۔ ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے راجہ پرتھوی راج چوہان کو شکست دے کر ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ برصغیر میں اسلامی عہد ۶۵۱ سال تک رہا۔ جنہیں مورخین نے عہد سلاطین اور عہد مغلیہ میں تقسیم کیا ہے۔ عہد سلاطین میں خاندان غلامان نے چوراسی، خاندان خلجی نے تیس، خاندان تغلق نے چورانوے، خاندان سادات نے تینتیس، خاندان لودھی نے ستھتر، خاندان سوری نے پندرہ اور خاندان مغلیہ نے تقریباً تین سو اکتیس سال حکومت کی۔

سلاطین دہلی نے سیاسی اور انتظامی اعتبار سے صدیوں پرانی سلطنت کو پہلی بار متحد ومنظم کر کے انہیں نہ صرف بیرونی دنیا سے روشناس کرایا بلکہ ذات پات کے مسئلے کو ختم کر کے محض انسانیت کی بنیاد پر سماج کی تعمیر کی ابتدا کی۔ انہوں نے مذہبی رواداری، انسانی مساوات اور عدل وانصاف میں غیر جانبداری اختیار کی جس کا اعتراف مشرق ومغرب کے کئی مورخین نے کیا ہے ان میں جی بی میلسن، بینی پرشاد سکسینہ، سری رام شرما، احمد محمود الساداتی، وی ڈی

مہاجن، ایشوری پرشاد، آرسی ماجمدار شامل ہیں۔

ہندوستان کی سیاسی ثقافت میں ہندومت، بدھ مت، جین مت، سکھ مت، زرتشت مت اور اسلام خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ گوناگوں خصوصیات کا حامل یہ خطہ شروع سے ہی مختلف رنگ، نسل اور مذاہب کی آماجگاہ رہا ہے۔

پندرہویں صدی میں یورپ کا مذہبی تعصب انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ ارسطو اور افلاطون کو استاد حقیقی سمجھتے ہوئے بطلیموس کے نظام اور ارسطو کے اقوال کو کلیسا نے جزو مذہب بنا رکھا تھا اس کے برخلاف کہنا کلیسا سے دشمنی مول لینا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ مذہبی تعصب نے سائنس کی ترقی کو بالکل روک رکھا تھا۔ کوپرنیکس نے علم ہیئت میں اپنی تحقیقات پیش کر کے ایک ہیجان برپا کردیا اس کے مرنے کے بعد کلیسا ہر اس شخص کے پیچھے پڑ گیا جو انکے عقائد کے خلاف بات کرتا تھا۔ گیورڈانو برونو کو سات سال قید میں رکھکر ۱۰۰۸ھ/۱۶۰۰ء میں زندہ جلادیا گیا، گیلیلیو، ٹائکوبراہی، کپلر، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ہم عصر تھے۔ (۲) اطالیہ پندرہویں صدی کے آخر میں اور سولہویں صدی کے شروع میں بری طرح آپس کی خانہ جنگی اور بیرونی مداخلت، تعیش اور مذہبی زوال کا شکار تھا۔ اس افراتفری کا مکیاولی پر ایک خاص اثر ہوا۔ کتاب بادشاہ کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ ملک کو ایک بڑی مملکت میں متحد کیا جائے اور ایک قومی فوج تیار کی جائے جسمیں غیر ملکیوں کو اطالیہ سے باہر نکالنے کی صلاحیت ہو۔ (۳) اسی دور میں کئی سیاسی و مذہبی تحاریک کی ابتداء وعروج بھی ہوا انمیں ذکری، روشنائی، نقطوی، شیعیت، مہدوی اور نظریہ الفی قابل ذکر ہیں۔ خود سیاسی مقتدر اعلی اپنی عقلیت پسندی کے سبب مختار کل کا دعویدار تھا جسمیں اس کے مشیروں کا سب سے زیادہ دخل تھا جتنی گرگوں حالت دین اسلام کی تھی اتنی کسی اور مذہب یا دین کی نہ تھی۔ تمام تحاریک کا مقصد بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر مقام و ناموس مصطفیٰ ﷺ پر نظریاتی حملہ تھا۔ ڈچوں نے ۱۶۰۶ء میں جنوبی ہندوستان میں شمالی کارومنڈل میں پیٹاپول کے مقام پر اپنی تجارتی کوٹھی قائم کی۔ بعد میں جب تجارت کو فروغ ہوا تو ۱۶۰۸ء میں جنوبی کارومنڈل میں پالیار کے مقام پر اور ۱۶۶۰ء میں پولی کٹ کے مقام پر دو تجارتی کوٹھیاں

اور تعمیر کیں۔ ان فیکٹریوں یا تجارتی کوٹھیوں) کو ملا کر انہوں نے ہندوستان میں ایک گورنمنٹ تشکیل دی اور ان کی نگرانی اور انتظام کے لیے گورنر کا تقرر کیا۔ (۴)

اس خطے کا ثقافتی عروج مغلیہ دور میں ہوا۔ دور اکبری میں سلطنت ہندوستان دنیا کی بڑی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ اکبر کے سیاسی نظام کا حقیقی حسن یہ تھا کہ اس نے حوصلہ مند، دلپذیر، باثر اور قابل روش کے ذریعے راجپوت سرداروں کی وفادار خدمات پا کر انکی تائید حاصل کی۔ (۵) اکبر نے جو انتظامی، عسکری، مالی اور تہذیبی نظام قائم کیا، وہ مشرقی معیار کے مطابق خاصہ بلند تھا، لیکن چونکہ وہ اور اس کے رفقائے کار ترقی اور عقلیت کے دعویدار تھے، دیکھنا یہ ہے کہ مغرب میں جو ترقیاں ہوئیں اور جن سے وہ بے خبر نہ تھا ان کے مقابلے میں اس نے کیا کیا؟ گو اکبر علم کا مربی تھا ایک زمانے میں علماء وصلحاء کی امداد و سرپرستی کے لیے صدر الصدور کو بڑے وسیع اختیارات دے رکھے تھے۔ جن کا بسا اوقات دل کھول کر استعمال کیا گیا لیکن اس نے مدرسہ فیروزی، مدرسہ نظامیہ، مدرسہ معزیہ یا مدرسہ ناصریہ کے پایہ کی کسی علمی درسگاہ کو قائم نہ کیا۔ شاہی سرپرستی میں ترجمہ ہونے والی کتب میں سے بعض ہنود کی مذہبی کتابوں کا ترجمہ تھیں جن کا مقصد ظاہر ہے سیاسی تھا۔ بعض داستانیں اور افسانے تھے خالص علمی کتابیں فقط دو یا تین نظر آتی ہیں ایک ریاضی میں لیلاوتی کا ترجمہ اور دوسری علم ہیئت میں۔ اکبر کی سب سے بڑی حماقت امورِ مذہبی میں ہوئی۔ حالانکہ صلیبی جنگوں کے دوران عربوں کے تمدن اور علم وفن سے اہل مغرب کو جو واقفیت ہوئی، اس سے ان کا افق ذہنی وسیع اور معیارِ علمی بلند ہوا۔ لیکن یورپ کی علمی نشاۃِ ثانیہ کا اصل ذریعہ وہ یونیورسٹیاں تھیں، جو اس زمانے میں کثرت سے یورپ کے مرکزوں میں قائم ہوئیں۔ اس وقت وہاں بھی (عالمِ اسلام کی طرح) تعلیم وتدریس کی باگ علمائے مذہب کے ہاتھ میں تھی مثلاً آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیاں بھی شروع میں دینی درس گاہیں تھیں لیکن یورپ میں ضروریات زمانہ کے لحاظ سے نصاب میں توسیع ہوتی رہی اور یہ یونیورسٹیاں دینی اور دنیوی دونوں قسم کے علوم کا مرکز بن گئیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کا نام عبدالحق، وطن دہلی، ذات ترک، کنیت

ابوالمجد، طریقہ قادری اور لقب حنفبلی تھا۔ پیکر علم وعمل ہونے کے ناطے خاص وعام میں محدث (۶) کے معروف لقب سے مستفید ہوئے۔ آپ یکم محرم الحرام ۹۵۸ھ مطابق ۹ جنوری ۱۵۵۱ء بروز جمعہ بمقام دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد شیخ سیف الدین بن سعد اللہ سے پائی۔ آپکے آباؤاجداد میں سے شیخ محمد (ترک) اپنے مریدین ومعتقدین کے ہمراہ بخارا سے آکر ہندوستان میں بس گئے تھے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بے پناہ حافظے اور روزانہ بیس اکیس گھنٹے پڑھنے کی بدولت سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے اسی دوران تصنیف وتالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد تخصص علم کے لیے مذید سات سال ماوراء النہری علماء سے اکتساب فیض کیا اور کلام پاک حفظ کیا۔ غالباً چوبیس برس کی عمر میں آپکا نکاح ہوا۔ تکمیل علم کے بعد تدریس کو بطور پیشہ اختیار کیا اس دوران ۹۸۵ھ میں شریعت وطریقت کے جامع، امیر، بادشاہ اکبر حضرت سید موسیٰ پاک شہید رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور ان سے خرقۂ خلافت پایا۔ اسی عرصے میں ملتان، اُچ، دہلی فتحپورسیکری آتے جاتے رہے اور بادشاہ، امراء، علماء، صوفیاء وغیرہ سے ملاقاتیں رہیں اور آپ نے درباری زندگی کونہایت قریب سے دیکھا۔

سینتیس برس کی عمر میں حج کرنے کے ارادے سے حجاز تشریف لے گئے اور وہاں چار سال مقیم رہے۔ اپنی فطری علمی وارفتگی کے ہاتھوں مجبور ہوکر مکہ پہنچتے ہی دوسرے دن شیخ محمد بہنسی کی مجلس علم میں پہنچ گئے۔ وہیں آپ کی ملاقات حضرت شیخ عبدالوہاب متقی سے ہوئی جو اپنے زمانے کے ایک بڑے عالم اور صوفی تھے۔ ان سے مشکوٰۃ شریف بخاری شریف اور مسلم شریف کا درس لے کر سند فراغت پائی ساتھ ہی تصوف کے سلاسل چشتیہ، مدنیہ، قادریہ اور شاذلیہ میں خرقہ تصوف حاصل کیا۔ انکے علاوہ آپ نے شیخ علی بن جاراللہ قرشی، شیخ ابوالحرم مدنی، سید جعفر سمرقندی، شیخ حاجی نظر بدخشی سے بھی اکتساب فیض حاصل کیا۔ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان واپس ہوئے جب اکبری افکار دین الٰہی کی شکل اختیار کر چکے تھے اور علماء، صوفیاء، خواص اور عوام کی اکثریت راہ سے ہٹی ہوئی تھی۔ آپ نے دہلی میں ایک دارالعلوم قائم کر کے اس کا نصاب خود

ترتیب دیا جس میں قرآن وحدیث کو بنیادی اہمیت دی۔ ساتھ ہی معمولات وظائف واذکار اور تصنیف وتالیف کا شغل بھی جاری رہا۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ مطابق ۲۰ جون ۱۶۴۲ء بروز جمعہ بمقام دہلی وصال ہوا۔ انتقال کے وقت آپکی عمر اکیانوے سال (بحساب شمسی) تھی۔ آپ کی تدفین آپ ہی کے بنائے ہوئے مقبرے میں ہوئی اور آپ کی نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ نورالحق مشرقی محدث دہلویؒ نے پڑھائی۔ آپ کے معاصرین میں حضرت شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی)، شیخ فرید بخاری، علامہ ابوالفیض فیضی، ابوالفضل علامی، ملا عبدالقادر بدایونی، مرزا عبدالرحیم خانخانان، شیخ عبداللہ نیازی، میر نظام الدین بدخشی اور میر سید طیب بلگرامی کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ کی اولاد میں شیخ نورالحق محدث دہلوی، شیخ علی محمد اور شیخ محمد ہاشم بڑے علماء وصوفیاء میں سے تھے۔ آج بھی آپ کی اولاد دہلی ولاہور میں مقیم ہے۔

آپ نے تیس سے زائد علوم پر تیئیس سے زائد عنوانات پر ایک سو چونتیس سے زائد کتب تصنیف وتالیف کیں اس کے علاوہ ڈیڑھ سو سے زائد وہ مکتوبات ہیں جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے دوستوں، امراء سلطنت، علماء صوفیاء اور شاگردوں کو تحریر کیے۔ آپ کی تحریروں کا محور عشق رسول ﷺ تھا اس کا اظہار آپ کی تحریروں میں جابجا ملتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ کسطرح صوفیاء میں جعلی ادب پرورش پا رہا ہے بقول پروفیسر محمد حبیب تصوف پر عہد سلطنت سے ہم تک کافی کتابیں آئی ہیں جنہیں یقیناً ان صوفیاء اور علماء نے نہیں لکھا تھا جن سے وہ منسوب کی گئی تھیں۔ اس مصنوعی ادب کے خلاف شیخ نصیرالدین چراغ نے احتجاج بھی کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کتب فروش کرائے کے اہل قلم سے مصنوعی کتب تیار کراکے خوب منافع کماتے تھے۔ عہد آخر کے ناقد عالموں نے جیسے اکبر کے عہد میں شیخ عبدالحق نے اسے مستند تسلیم کرنے سے انکار کیا اسکے باوجود نقل در نقل کا سلسلہ چلتا رہا۔ (۷) بلاشبہ امام احمد رضا خان بریلویؒ نے آپ کو شیخ محقق علی الاطلاق (۸) کا خطاب بجا طور پر دیا۔ علمائے سوء کی بدولت اکبر بادشاہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ دنیوی ودنیاوی امور میں صرف میں ہی عقل کل ہوں جس کا ثبوت محضر نامے کے جاری ہونے سے ملتا ہے

ساتھ ہی بادشاہ نے مختلف حیلے بہانوں سے علماء حق کو ختم کرنے کی روش اختیار کی۔ ان حالات میں حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ بادشاہ کے خلاف علی الاعلان لب کشائی نہ کی جائے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے چار طریقوں پر اپنا مشن جاری رکھا جسکی منزل ملک میں قرآن وسنت کا نفاذ تھا۔ اس کے لیے آپ نے اپنی اولاد کو ایسی تربیت دی کہ وہ آپ کے مشن کو جاری رکھ سکے۔ دوسرے شاگردوں کو ہندوستان اور بیرونی ملک اشاعت اسلامی علوم کے لیے روانہ کیا۔ تیسرے قدیم و جدید موضوعات پر تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا اور چوتھے امراء، علماء ومشائخ اور بادشاہان وقت سے مراسلت کر کے ان سے رابطہ رکھا۔ آپ نے واضح طور پر اپنا مقصود یہ لکھا کہ یہ بندہ اس لیے مامور کیا گیا ہے کہ دین وملت کے جاری کرنے اور پھیلانے والے، عقائد کی حفاظت کرنے والے سنت کے احکام کی بجا آوری کرنے والے امور کو سادہ پیرائے میں کلامی مباحث سے بچتے ہوئے بیان کرے۔ آپ کے سیاسی افکار اشعۃ اللمعات، مدارج النبوت، رسالہ نوریہ سلطانیہ، رسالہ احادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین، آداب الصالحین، تکمیل الایمان، مومن کے ماہ وسال، تاریخ حقی، المکاتیب و الرسائل، فقہ وتصوف، زاد المتقین اور مرج بحرین میں ملتے ہیں۔

آپ کا سیاسی نظریہ سائنسی اور تجرباتی تھا جو تاریخ کی منطقی وسیاسی توجیہہ کی بنیاد پر استوار تھا۔ اس میں عدل کو بنیادی حیثیت حاصل تھی اسکی دلیل میں عدل نوشیروانی و عدل فاروقی کا حوالہ دیا جو عدل جہانگیری (زنجیر عدل و جہانگیر کے بارہ احکامات) کا سبب تھا۔ آپ کے خیالات کا پرچار آپ کے ہونہار شاگردوں نے نہ صرف اکناف ہندوستان بلکہ پوری ملت اسلامیہ میں کیا۔ اکبر کے انتقال کے بعد آپ کے تربیت یافتہ امراء میں سے شیخ فرید کی کوششوں سے جہانگیر نے تخت پر بیٹھتے ہی ایک قاصد آپ کی خدمت میں بھیجا کہ دین سے متعلق کچھ معلومات فراہم کریں۔ غالباً یہ آرزو شیخ فرید ہی کا اثر تھی کیونکہ تخت نشینی سے قبل جہانگیر کا رجحان دین کی طرف نہ تھا۔ نوریہ سلطانیہ لکھ کر آپ نے بادشاہ کی تربیت فرمائی۔ سب سے پہلے آپ بادشاہت کا رتبہ اور حق پہچانواتے ہیں اور بادشاہ کو تعلیم دیتے ہیں کہ عوام وخاص

اور خود اس کی نیت ، خلوص ، برتاؤ کیا ہونا چاہیے۔ یہ ایک ایسا بلند مقام جس میں تمام اچھی خوبیاں شامل ہیں۔ یہ کہہ کر اسے مجبور کر دیا کہ وہ دیندار عادل بنے اور کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہے اس لیے اسے وہی کام کرنے چاہیئں جو حضور اکرم ﷺ نے کیئے کہ بادشاہ اس چرواہے کی مانند ہے جو بھیڑوں (عوام) کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

جدید مغربی سیاسی مفکر مکیاولی کے خیال میں مذہب کو اسکی سچائی کی بنیاد پر نہیں بلکہ سماج کو جوڑنے والے مصالحے کے طور پر ریاست میں نمایاں ہونا چاہیے۔ (۹) آگے چل کر گرین نے اپنے نظریۂ حق مزاحمت میں ہر فرد معاشرہ کو اجازت دی کہ وہ اپنے حقوق اگر سلب ہوتا دیکھے تو اس کے تحفظ کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتا ہے چاہے اس طریقے میں حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۰) مکیاولی کی سیاسی سوچ بچار قدیم زمانوں کے زیادہ تر مفکروں کی طرح سطحی ہے وہ بڑے قانون سازوں میں گھرا ہوا ہے جیسے کہ لائیگرس اور سولون ، جو ایک ہی جست میں سارے معاشرے کو تخلیق کرنا چاہتے ہیں یہ جانے بغیر کہ اس سے قبل کیا ہو گذرا ہے۔ انسانی گروہوں کی منظم عضوی نشوونما کا تصور ایک جدید تصور ہے جسے تصور ارتقاء نے بڑی حد تک استحکام بخشا ہے اس پر کوئی سیاستدان کسی محدود حد تک ہی اثر پذیر ہو سکتا ہے یہ تصور افلاطون کی طرح مکیاولی کے ہاں بھی مفقود ہے۔ (۱۱) مکیاولی کے یہاں سیاسی مصلحت کے ساتھ جبر یا قسمت اور قدر یا آزادیٔ تخلیق کے تصورات بھی ملتے ہیں غرض اسطرح ایک ایسا تخیلی مثلث بنتا ہے جس کے تینوں زاویوں میں منطقی تضاد نظر آتا ہے مگر عالم واقعات میں وہ دراصل ایک دوسرے کی حدود متعین کر کے ایک دوسرے کا تکملہ بنتے ہیں۔ (۱۲)

چانکیہ کوتلیہ (ہندوستانی ارسطو) اور مکیاولی میں ریاستی چالبازیوں کے حوالے سے کئی باتیں مشترک ہیں شاید (مترجم ارتھ شاستر کے خیال میں) ریاست چلانے کے لیے حقیقت میں انہی دھوکے بازیوں ، مکاریوں ، مجرمانہ ذہنیت اور ظلم اور تشدد کی ضرورت ہوتی ہے جن کو قبل مسیح میں کوتلیہ نے اور پندرہویں صدی میں مکیاولی نے کافی اہمیت دی تاہم کوتلیہ کے وقت کے اخلاقی ضوابط اتنے ڈھیلے نہیں تھے جتنے کہ مکیاولی کے دور کے۔ (۱۳) گیارہویں صدی

ہجری کے اس پر آشوب دور میں جہاں، ایک طرف سیاسی مقتدر اعلی وحدت ادیان کا حامی تھا تو دوسری طرف لبرل ازم کا حامی فشاری گروہ وحدت قومیت کا نعرہ بلند رہا تھا اور تیسری طرف مختلف تحاریک کے ذریعے مقام رسالت پر نظریاتی حملے جاری تھے آپ نے مدارج النبوت اور اشعۃ اللمعات، جذب القلوب وغیرہ لکھ کر مقام مصطفی ﷺ کی پوری طرح وضاحت کی۔ آپ ﷺ کی خیر البشریت کے بارے میں لزارل فرماتی ہیں: ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینے کا ایک قطرہ گرنے سے گلاب کا پھول تخلیق ہوا۔ (۱۴) حضور ﷺ عالمی نبی اور آخری رسول ہیں لہٰذا آپ ﷺ کی پیروی میں ہی انسانیت کی نجات ہے۔ اُمت مسلمہ کا اہم فریضہ اسی عقیدہ، رسالت کا تحفظ ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کی تقسیم ہوئی۔ حضور ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے فقہ حنفی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اجماع علماء وفقہاء کا ہے اور روایت و درایت کے تمام اصولوں کو پورا کرتا ہے۔ ایک انگریز مفکر کے مطابق فقہ حنفی پر تو سلطنت بھی بہت آسانی سے چل سکتی ہے (۱۵)

محدثین و مشائخ کے درمیان شریعت وطریقت کے بعض مسائل میں اختلاف کو دور کرنے کے لیے کتاب توصل المرید الی المراد تحریر کی۔ اس میں خود لکھتے ہیں:

در بیان علوم وقواعد متعلقہ باوراد وادعیہ واحزاب وتوفیق میان مذہب محدثین و مشائخ کہ در تصحیح وتضعیف بعضے اعمال دراں باب اختلاف دارند (۱۶)

علم اخلاق کے میدان میں آپ نے امام غزالی سے روشنی حاصل کی۔ دربار اکبری میں مباحثے کا جو انداز علماء نے اپنایا اس کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے ایک مثنوی آداب المطالقہ والمناظرہ زمانہ طالبعلمی میں تحریر کی۔ علم نحو پر دو کتب حاشیہ الفوائد ضیائیہ (جسمیں کلمہ اور اسکی اقسام اور فعل پر بحث ہے) اور افکار الصافیہ ترجمہ کتاب الکافیہ، علم تجوید پر الدر الفرید فی بیان قواعد تجوید لکھیں ساتھ ہی علم منطق کو بھی رواج دیا۔ اپنے رسالہ الدرۃ البھیۃ میں فرماتے ہیں: طَابَقَ-النَّعْلُ بالنَّعْلِ (جوتا دوسرے جوتے کے بالکل موافق ہے)۔ جب کوئی دلیل اپنے مدلول (جس چیز کے لیے دلیل پیش کی جائے) کے بالکل مطابق ہو جاتی ہے تو ایسے موقع پر

مذکورہ عربی مقولہ کہا جاتا ہے جیسا علم منطق عقل سے بحث کرتا اس لے جواب میں علم کلام کی بنیاد علماء حق نے ڈالی کہ ہمارے مذہبی مسائل جنہیں منقولات کہا جاتا ہے وہ بھی ایسے ہیں کہ جنکے ثبوت کے لیے دلائل فراہم کیے جاسکتے ہیں گویا منطق کسی مسئلے کو عقل کے ماتحت کر کے سمجھنا چاہتا ہے اور علم کلام عقل و نقل دونوں کے ذریعے سمجھتا ہے۔ بلاشبہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دور جدید کے اسلامی علوم کے بانی ہیں۔ شریعت اور طریقت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: دین اسلام، ایمان اور احسان کے مجموعے سے عبارت ہے اور شریعت اسی مجموعے کا نام ہے۔ تصوف کی ماہیت و تعریف یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کی طرف صدق و توجہ پسندیدہ وجہ پر ہو۔“ تصوف درحقیقت کتاب اللہ کی تفسیر اور سنت رسول اللہ ﷺ کی شرح ہے اور ان سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ (۱۷) نبوت و سلطنت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عقل کا نفع بس اس قدر ہے کہ وہ تصدیق رسول اللہ ﷺ کرے اور رسالت کے کاموں میں آپ ﷺ کی متابعت کرے۔

آپ کے نظریہ ریاست کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اجرائے عدل اور رعایا سے ظلم کا ترک کرنا
۲۔ افراد کی تطہیر قلب و جسم
۳۔ راعی اور رعایا کے مخلصانہ تعلقات
۴۔ فلاحی سرگرمیوں کی تنظیم کا قیام

شیخ محدث نے فرد اور مملکت کے حوالے سے سیاسی نفسیات کے فن میں نظریہ تعمیر شخصیت (نفس۔ قلب۔ روح) کو تفصیل سے بیان کیا جو نظریہ ریاست کے عنوان میں مذکور ہوا۔ پھر ۱۹۲۱ء میں امام احمد رضا خان بریلوی نے اسکی تجدید کی اور ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ نے جبلت، انا اور فوق انا کے حوالے سے اسے تفصیل سے بیان کیا۔ بعد میں الفریڈلر، کارل جونگ، کیرن ہارنی، بی ایف۔ اسکینر، ایرک ایرکسن، ایرک فروم، جون بی واٹس، ایلبرٹ بندورا، کارل روجرس، ولیم ایچ شیلڈن، کورڈن، ڈبلیو آلپورٹ نے اس کی وضاحت کی۔

آپ نے پیشوا) کے لحاظ سے سماج کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا۔

۱۔ اہل الرائے (۱۸)

۲۔ اہل رزم

۳۔ اہل حرفہ

آپ کے سیاسی نظریات کا اہم ترین نکتہ عدل ہے اور عدل سے مراد مخلوق سے ظلم وستم دور کرنا اور انکے حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔ مثال کے لیے نوشیرواں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ عدل ہی کی وجہ سے اس کا نام آج تک زندہ ہے۔ اگر چہ وہ مسلمان نہیں تھا لیکن عدالت رکھتا تھا۔ آداب الصالحین میں احتساب کی تعریف، خصوصیات، شرائط، صورتیں اور درجات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اسمیں مرد وعورت کی تخصیص نہیں ہے مذکورہ امور کی حدود میں رہتے ہوئے اُمت مسلمہ کا ہر فرد امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے جسے ایک انگریز مصنف خنجر اسلام سے تعبیر کرتا ہے۔ (۱۹)

آپ نے بادشاہ دیندار عادل کا نعرہ دے کر اس بات کا فیصلہ صادر کر دیا کہ سربراہ ریاست ایسا شخص ہوگا جو ریاست میں کتاب اللہ کا علم سب سے زیادہ رکھتا ہو اگر ایسا شخص نہ ملے تو حدیث وسنت کا عالم اور متقی ہو تیسرا مرتبہ اس شخص کا ہوگا جو خوش شکل اور شریف النفس ہو پھر چوتھے نمبر پر قرعہ اندازی یا عام انتخابات کے ذریعے اس کا چناؤ ہو۔ سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرد، دیندار، عادل، عاقل، دوراندیش، بہادر، سخی، بردبار اور رعایا سے باخبر ہو۔ سربراہ کے دو وزراء (اہل الرائے اور اہل رزم) کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ بادشاہ کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور اندرونی و بیرونی جغرافیائی ونظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ طوائف الملوکی میں بطور نگراں ملٹری کمانڈر کو عارضی طور پر تعینات کیا جاسکتا ہے تاانکہ مستقل سربراہ کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ سربراہ ریاست کا طاقتور ترین آدمی ہو جو نہ صرف جنگی ماہر ہو بلکہ ہر قسم کے معاصر ہتھیار کے استعمال سے واقف بھی ہو نیز بیت المال کو امانت سمجھتے ہوئے ضروری مقامات پر خرچ کرے اور رعایا کی خبر گیری اس طرح کرے کہ بذات خود تمام

معاملات کی معلومات کرے صرف قانون، نافذ کرنے والے اداروں، خفیہ ایجنسیوں اور ذرائع ابلاغ پر بھروسہ نہ کرے۔ افکار عبدالحق کی روشنی میں سربراہ کی کچن کیبنٹ میں ایسے افراد نہ ہوں جو اپنے ذاتی مفادات کے اسیر ہوں یا انکا مطمح نظر اقربا پروری ہو۔ اہل رزم کے حوالے سے نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے پیش نظر امن و امان، نفاذ قانون، امور خارجہ سے متعلق تمام محکمے فوج کے ماتحت ہوں۔ آپ کے پیش کردہ نظمیاتی عناصر خزانہ، لشکر، لشکر میں اتفاق و اتحاد اور عدل و انصاف قائم کر کے مخلوق پر سے ظلم و ستم دور کرنا ہے جو ریاست و حکومت کے اہم ترین اجزاء ہیں۔ امام غزالی کے مطابق بھی یہ ضروری نہیں کہ خلیفہ تمام خصوصیات کو پوری کرے ہاں اگر خلیفہ علماء، امراء و منتظم جیسے وزیر، امیر الجیش (سپہ سالار، وزیر دفاع) اور دوسرے اگر خلیفہ کی بنیادی تعلیمات و تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، ہاتھ بٹاتے ہیں تو خلیفہ اپنی کابینہ کے ساتھ باضابطہ دستوری تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ (۲۰)

حرمین میں دیکھے جانے والے خواب کے مطابق حسینیت کے پرچار کے لیے آپ نے اپنی پوری زندگی وقف کی اور ہر مرحلے پر جادۂ حق سے پیوستہ رہے امام عالی مقام نے جابرانہ نظام کی شاہی کو دین فطرت، اسلام کی تعلیمات کے منافی قرار دے کر بیعت یزید سے انکار کر دیا تھا اور اسلامی نظام حکومت قائم کرنے کے لیے جان، مال اور اولاد کی پیش بہا قربانیاں پیش کیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کُبریٰ کسی ایک قوم یا ملک سے وابستہ نہیں بلکہ آپ کا کردار ظلم و جبر کے خلاف معرکۂ حریت اور جہاد حق ہے اور ہر دور میں ہر ملک و قوم کے لیے درس و بصیرت کا ایک ایسا پیغام عمل ہے جسکی بناء یزیدیت کے خلاف وقت آنے پر اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہے۔

مدارج النبوت میں اُمت مسلمہ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رب تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمام اُمتوں میں بہترین ان کی اُمت بناؤں گا۔ اس کے اُمتی نیکی کا حکم کریں گے اور بدی کی ممانعت کریں گے۔ وہ میری توحید پر اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔ میرے ساتھ خلوص رکھیں گے اور وہ اُمت ان سب چیزوں کی تصدیق کرے گے۔ جو انبیاء پر میں نے نازل کی

ہیں۔ وہ اُمت سورج اور چاند کی بھی حفاظت کرے گی۔ یعنی اپنی عبادات ان کے لحاظ سے کرے گی۔ ایسے دل اور چہرے اور ارواح بڑے خوش بخت ہیں جو میرے ساتھ مخلص ہیں۔ میں ان کی مجالس اور آرام گاہوں میں ان کے سفر و حضر اور آرام و سکون میں ان کو اپنی تسبیح و تکبیر اور اپنی حمد و توحید کا الہام کروں گا۔ مساجد میں ان کی صفیں اس طرح ہوں گی جیسے ملائکہ کی صفیں ہوتی ہیں عرش کے گرداگرد۔ وہ میرے دوست ہیں مددگار و یار ہیں۔ میرے وہ دشمن جو بت پرست ہیں ان سے میں اپنا غصہ ان کے ذریعہ نکالوں گا۔ وہ کھڑے بیٹھے اور رکوع و سجود کے ساتھ اپنی نمازیں ادا کریں گے اور میری رضا کی طلب میں وہ اپنے مال و جان کے ساتھ اپنے ملک سے نکلیں گے اور جہاد و قتال کریں گے میری راہ میں۔ میں تمام کتب الہیہ کو ان کی کتاب کو اور تمام شریعتوں کو ان کی شریعت کے ساتھ ختم کردوں گا اور ان کے دین کے ساتھ دوسرے دین منسوخ ہو جائیں گے اور جو کوئی اس وقت موجود ہوگا۔ اگر وہ ان کی کتاب پر ایمان نہ لائے گا اور ان کی شریعت اور ان کے دین کو اپنائے گا وہ مجھ سے بے تعلق ہوگا اور میں ایسے شخص سے بیزار ہوں گا۔ میں انہیں تمام اُمتوں سے زیادہ فضیلت والے اور اُمت وسط بناتا ہوں جو کہ سب لوگوں پر ٹھہرائے گئے ہیں۔ وہ غضب و غصہ میں بھی آئیں گے تو میری ہی تہلیل کریں گے اور جھگڑا کریں گے تو میری ہی تسبیح بیان کریں گے اور میری پاکی بیان کریں گے اور اپنے جسموں پر اپنے تہبند اپنی پنڈلیوں کے نصف تک باندھیں گے اور بلندی پر چڑھتے وقت اور پستی میں اترتے وقت میرا نام بلند کریں گے اور اپنی قربانی خون بہانے سے کریں گے۔ ان کی کتاب ان کے سینوں میں محفوظ ہے۔ وہ رات کے دوران تو راہب ہوں گے اور دن کے دوران شیر جہاد ہیں۔ خوش نصیب ہے جو ان میں سے ہے اور ان کا ہم مسلک ہے اور ان کی راہ و روش پر ہے۔ یہ میرا فضل ہے دیتا ہوں جسے میں چاہوں اور میں فضل عظیم والا خداوند ہوں۔ (۲۱)

نظریۂ اُمت میں اُمت مسلمہ کے خصائص و فضائل بیان کرنے کے بعد انکے فرائض کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ جسطرح تمام بنی آدم ایک دوسرے کے لیے بمنزلہ اعضاء کے ہیں اس لیے کسی مسلمان سے کسی بھی مسلم و غیر مسلم کو اذیت نہ پہنچے جو کہ یقیناً بنیادی حقوق کا تکملہ ہے۔

اچھے ذہنوں کی عدم موجودگی میں کوئی معاشرہ بھی صحتمند بنیادوں پر استوار نہیں ہوسکتا۔ آپ علوم کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

الف۔ علم ظاہری

ب۔ علم باطنی

مذکورہ دونوں علوم کا حاصل کرنا ہی آپ کا منتہائے مقصود ہے ساتھ ہی علماء حق و علماء سوء کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: علماء سوء سے بچو کہ یہ دین کے چور ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو امراء و دنیا دار لوگوں سے روابط رکھتے ہیں ان کے برعکس علمائے حق ہیں جن کی دیگر ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری سربراہ ریاست و حکومت کو قانون سازی میں مشورے دینا ہے۔ آپ نے اپنے دارالعلوم میں قرآن وحدیث وفقہ کو بنیادی حیثیت دی اور علم حدیث کو سب سے بہترین علم قرار دیا۔ علم کی دیگر خصوصیات کے ساتھ بے ادبوں کو علم سکھانے کی ممانعت کرتے ہوئے علم کے تخصص پر زور دیتے ہیں کہ سطحی علم کا فائدہ کچھ نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کی تقریباً ساڑھے چار سو سے زائد آیات میں جہاد کے مسئلے کو بیان فرمایا گیا ہے اور کئی پوری سورتوں کا تو موضوع ہی جہاد فی سبیل اللہ ہے اس کے ساتھ اسلام نے حضور اکرم ﷺ کو خود عملی طور پر میدان جہاد میں لڑنے کا حکم فرما کر جہاد کو ایک لفظی مسئلہ قرار دینے کے بجائے ایک ایسا عملی حکم قرار دیدیا جس کے اصول قرآن مجید نے بیان فرمائے اور حضور اکرم ﷺ نے ان پر عمل پیرا ہو کر مثال قائم کی۔ آپ کا نظریۂ جہاد اس بات کا غماز ہے:

خلق اللہ للحروب رجالاً ورجالاً لقصعة وثرید (۲۲)

(اللہ نے لوگوں کو جہاد کے لیے پیدا کیا ہے مگر لوگوں نے
اس کو ثرید وغیرہ حاصل کرنے کا ذریعہ کرلیا ہے)

اورنگزیب جو کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مسلک سے تعلق رکھتا تھا آپ کی طرح اس کی سوچ بھی اس بات کی غماز تھی کہ قانون شریعت کی بحالی اور اثباتی سیاست قوت بن کر ہی وہ مضبوط بنیادوں پر اس ملک پر حکومت کرسکتا ہے۔ (۲۲ الف) اس دور میں حکومت مکمل طور

سے اسلامی طرز پر بن گئی اور ہر طرف امن وامان کا راج ہوا۔ انتہائی منظم طور پر اکبر اور اورنگزیب کے نظام کو انکے جانشین برقرار نہ رکھ سکے اور آخر کار ۱۷۵۰ء میں عوام اور قاضیوں کی حفاظت وحمایت نہ کرنے پر نظام مکمل طور پر تباہ ہوگیا۔ امیر علی اپنی کتاب ”دی اسپرٹ آف اسلام“ میں لکھتے ہیں: اس دور میں غیر مسلم (ذمی) کو بادشاہ کی طرف سے احتجاج کرنے کی پوری آزادی تھی اور انہیں ریاست کی طرف سے تحفظ کی پوری ضمانت تھی اور بعد میں یہی حقوق جدید ریاست میں شامل کیے گئے۔ (۲۳) مغل بادشاہوں کے انصاف کا یہ حال تھا کہ: اکبر نے ایک فریادی کی فریاد سن کو اپنے ایک درباری کو سزا دی۔ جہانگیر نے اپنے کوتوال کو اسکے ایک ماتحت کی بیوی کو راغب کرنے کی پاداش میں جیل کی سزا دی۔ شاجہاں نے بھی اپنے اجداد کے ان اطوار کو جاری رکھا۔ عالمگیر نے ایک خاتون فریادی کی شکایت پر اپنے منتظم فوجدار کا تبادلہ کیا۔ (۲۴) لیکن چانکیہ ومکیاولی کے پیروکاروں کو یہ صورت ایک آنکھ نہ بھائی اور محلاتی سازشوں، دینی سیاسی اشرافیہ اور نااہل جانشینوں کے ذریعے وہ اپنے ازلی ارادوں میں کامیاب ہوئے۔ اس دوران حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور آپ کے خانوادے نے علماء حق کا فریضہ انجام دیتے ہوئے پوری طرح شعائر اسلام کی تجدید کی کوششیں کیں اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے نقش قدم پر چلے۔

۱۸۵۷ء میں مسلم اقتدار کے خاتمے کے بعد تقویۃ الایمان جو کہ کتاب التوحید کی توضیح و تشریح ہے۔ (۲۵) و دیگر عقائد باطلہ کا رد خاندان خیریہ اور دیگر اکابرین اہل سنت وجماعت نے کیا اور ایک بار پھر ناموس و مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ کیا۔ جنگ آزادی میں ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے گئے۔ ۱۸۵۷ء کے دیگر مظالم کے علاوہ علامہ فضل حق خیرآبادی لکھتے ہیں: ان ترکیبوں کے علاوہ انکے دل میں اور بھی بہت سے مفاسد چھپے ہوئے تھے مثلاً مسلمانوں کو ختنہ کرانے سے روکنا، شریف و پردہ نشین خواتین کا پردہ ختم کرانا نیز دوسرے احکام دین مبین کو مٹانا۔ وغیرہ ذالک (۲۶) ایسے میں سرسید احمد خانے ایک بار پھر دو

قومی نظریے کا پرچار کیا لیکن انہوں نے سیاست و دین کو جدا کرتے ہوئے دونوں کا کوئی تعلق قائم نہیں کیا۔ (۲۷) جبکہ خانوادہ بریلوی و خیری دین و سیاست کو چولی دامن کا ساتھ سمجھتے ہیں۔ اسی دوران بیسویں صدی میں مرزا غلام احمد قادیانی کا ظہور اور دیوبندیت کا آغاز ہوا۔ اول الذکر نے نبوت کا دعوی کیا تو آخر الذکر نے افکار شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ سے برات کا اعلان کیا (بحوالہ مسلک دیوبند کیا ہے از مولانا انظر شاہ کشمیری)۔ مذکورہ افکار کا رد امام احمد رضا خان بریلوی نے کیا جو شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ ہی کا تسلسل ہیں۔ آپ کی بھی سب سے نمایاں جہت عشق رسول ﷺ تھی اور شریعت و طریقت کو ایک مانتے تھے۔ آپ کی سیاسی بصیرت کا یہ حال تھا کہ مسلمانوں کو انگریز اور ہندو دونوں کی سیاست سے خبردار کرتے ہوئے تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، فلسفہ چانکیہ اور گاندھوی سیاست کا پردہ چاک کیا۔ مولانا احمد رضا کے بعد ان کے خلفاء، شاگردوں اور اولاد نے اس منصب کو سنبھالا اور تحریک پاکستان میں قائداعظم و علامہ اقبال کے شانہ بشانہ کام کیا انمیں نمایاں نام حضرت شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی مدنی کا ہے آپ نے بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے افکار شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی پوری پوری پاسداری کی اور فتنہ قادیانیت، ہندو اور دیگر اقوام کے عزائم سے ساری دنیا کو آگاہ کیا۔ آپ کی انہی خدمات کی بدولت قائداعظم نے آپ کو سفیر اسلام و سفیر پاکستان کے خطابات دیئے۔ افکار شیخ محدث کے حوالے سے عملی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آپ کی ذات ایک اسلامی ریاست کے سفیر کے طور پر تمثیلاً پیش کی جاسکتی ہے خود قائداعظم کا آپ کو مذکورہ القابات سے نوازنا اس بات کی بین دلیل ہے۔

پاکستان کا وجود میں آنا بھی دینی نظریے کا کرشمہ ہے۔ متحدہ ہند کے مسلمانوں نے دینی نظریہ کی خاطر ایک نئے ملک کو وجود میں لانے کے لیے ووٹ دیا اور دانستہ اپنی زندگیوں کو خطرے میں ڈالا تھا۔ اس وقت انکی نظر میں کوئی دوسرا محرک نہیں تھا۔ (۲۸) کلچر ایک بے ضرر اصطلاح بھی ہے اور کلچر کے بہت سے مظاہر اس وقت دنیا میں مشترک بھی ہیں لیکن بعض

تہذیبی مظاہر کچھ مذاہب کے ساتھ خاص ہو جاتے ہیں اور ان کے لغوی یا لفظی مفہوم کی آڑ لے کے اگر انہیں بے ضرر قرار دینے کا رویہ اختیار کر لیا جائے تو بات کہاں رکے گی؟ اکبر نے جو دین الٰہی ایجاد کیا تھا بظاہر اس کی بھی تمام رسوم بے ضرر قرار دینا کسی طور سے پاکستانی ثقافت کے شایانِ شان نہیں۔ لیکن حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اکبر کے طرزِ عمل کی مخالفت کیوں کی۔ اکبر اگر سورج کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتا تھا تو اس میں آخر کیا برائی تھی۔ اگر اس نے گائے ذبح کرنے پر پابندی عائد کی تھی تو اس میں بھی کوئی ہرج نہ تھا۔ اس کے پیروکار اگر ملاقات کے وقت السلام علیکم کی بجائے اللہ اکبر کہتے تھے آخر کار وہ اللہ ہی کی بڑائی بیان کر رہے تھے لیکن علماء کو جانے دیجیے اکبر کے مسلمان درباریوں میں سے گنتی کے چند لوگوں کے سوا کسی نے اس دین الٰہی کے دائرے میں شامل ہونے پر آمادگی ظاہر نہ کی حالانکہ یہ دین اکبر کے لیے ایک Obsession بن چکا تھا اور وہ ایک مختار کل بادشاہ تھا جس کا ایک اشارہ ابرو کسی بڑے سے بڑے درباری کا کیریئر تباہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ لیکن شیخ محقق نے اسکی مخالفت کیوں کی؟ پاکستانی سفارتکاروں کے رویے اس بات کے غماز ہیں کہ ہماری سیاسی ثقافت کے موجودہ رویے کس نہج پر منتقل ہو رہے ہیں۔

عصرِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا بہت غلغلہ ہے۔ مذہبی انتہا پسندی کے دو پہلو ہیں اول، دوسرے مذاہب اور ان کے پیروکاروں کے حوالے سے رواداری کا فقدان اور دوئم، خود مسلمانوں کے مختلف فقہی مسالک اور فرقوں کے درمیان عدم برداشت اور ایک دوسرے کو خارج از اسلام دینے کی روش۔ (۲۹) ہمارا مذہب ہمیں قیدیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا درس دیتا ہے ہمیں اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ جیلوں کو جرائم کی تربیت گاہوں کے بجائے اصلاح خانوں میں بدلا جائے اس سلسلے میں اسلامی قوانین، تاریخ اور روایات سے مدد لی جائے تب ہی ہم درست سمت میں آگے بڑھ سکیں گے۔

پاکستان کی گذشتہ سیاسی تاریخ کا تجزیہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہاں کوئی ایسا نظام کامیاب نہیں

ہوسکتا جس میں عوام کو احساس شرکت حاصل نہ ہو۔ جمہوریت کی کامیابی کے لیے ضرورت اس امر کی ہے جمہوری نظام کسی نہ کسی طرح جاری وساری رہے۔ سیاسی آزادیاں اور بنیادی حقوق بحال رہیں۔ سیاسی پارٹیاں کام کرتی رہیں، عدلیہ آزاد رہے اور انتخابات ہوتے رہیں تا کہ عوام کی سیاسی تربیت کا عمل جاری رہے، جمہوری ادارے مضبوط ہوں، غیر مقبول پارٹیاں اور قیادت سیاسی افق سے غائب ہو جائیں اور صرف ایسی قیادت سیاسی میدان میں باقی رہ جائے جسے عوام کی حمایت حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ قوم کی باطنی استحکام کی ضمانت صرف قومی سیاسی پارٹیاں اور قومی سطح کی قیادت ہی دے سکتی ہے کیونکہ نظریاتی طور پر پاکستانی ایک قوم ہیں یہاں نظریے، مذہب اور ثقافت وتاریخ کا کوئی جھگڑا نہیں۔ صوبائیت کا مسئلہ طویل مارشل لاؤں اور عوام کو محروم اقتدار رکھنے کا نتیجہ ہے ماضی میں یہاں جمہوری تجربات ہمیشہ حکمرانوں کی ہوس اقتدار کے سبب ناکام ہوئے ہیں اسی صورت حال نے ہمیشہ ملک میں عدم استحکام پیدا کیا جس سے فائدہ اٹھا کر غیر سیاسی قوتیں اقتدار پر قابض ہو گئیں جبکہ سیاسی عدم استحکام کا علاج انتخابات ہیں اور انتخابات کے نتائج کو دل سے تسلیم کرنا جمہوری رویہ کا بنیادی اصول ہے۔ (۳۰)

غرض رسول اکرم ﷺ، خلفائے راشدین، آئمہ کرام اور صوفیائے کرام کی تعلیمات کا تقاضہ یہ ہے کہ احکام شریعت اور قدیم وجدید عناصرِ تصوف کے امتزاج کی پابندی کرتے ہوئے زندگی کی اعلیٰ وارفع قدروں کو صرف زبان وکلام تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ روزمرہ کے معمولات کا جزو اعظم بنائیں تا کہ ہر فرد اپنے اور معاشرے کے لیے فیض رساں ثابت ہو یہی افکار شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے پیش کردہ دینی سیاسی نظریات کا اطلاقی پہلو ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ Iqbal , Muhammad. (Dr). (1982). The Reconstruction of Religious Thought in Islam. Lahore: Ashraf Printing Press. p 106

۲۔ آفتاب حسن ۔ (۱۹۷۵ء)۔ سائنس اور زندگی ۔ کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف وترجمہ جامعہ کراچی۔ ص ۳۵

۳۔ بادشاہ۔ ص ص ۱۰۔۱۴

۴۔ جہانگیر کا ہندوستان ۔ (تعارف: ڈاکٹر مبارک علی)۔ ص ص ۱۵۔۱۴

۵۔ The New Encyclopedia Britannica.(Vol-I) 15th Edition, Chicago, Encyclopedia Britannica, Inc.1992, p 186

۶۔ فن حدیث کی معیاری تحصیل اور ’’محدث‘‘ کا لقب پانے کے لیے چند امور ضروری سمجھے جاتے تھے۔

۔ صحیح حدیث کا معتد بہ حصہ برزبان ہو۔

۔ حدیث کے جملہ اقسام صحیح، حسن، ضعیف ومرسل ومسند وغیرہ پر کامل عبور ہو۔

۔ علم درایت سے پوری آگاہی ہو یعنی حدیث کے الفاظ اور معنی پر اس حیثیت سے کامل نظر ہو کہ وہ عربی اور شرعی ضوابط کے لحاظ سے واقعی قول ﷺ معلوم ہو۔ (بحوالہ: اسلامی نظام تعلیم از سید ریاست علی ندوی۔ ص ۱۴۲)

۷۔ محمد حبیب (پروفیسر)، بیگم افسر عمر سلیم خان (ڈاکٹر)۔ (۱۹۷۹ء)۔ سلاطین دہلی کا سیاسی نظریہ، مترجم، سید جمال الدین، دہلی: ترقی اردو بورڈ۔ ص ص ۱۹۔۲۰۔

۸۔ ہیگل کا خیال ہے کہ ہماری زبان میں ’’تاریخ‘‘ کی اصطلاح اپنے اندر دو مفاہم کو سموئے ہوئے ہے ایک تاریخ کا معروضی پہلو دوسرا تاریخ کا موضوعی پہلو۔ یہ دونوں صورتیں تاریخ میں باہم یکجا ہو کر ہمارے فہم وادراک کا حصہ نہیں بنتی ہیں لفظ تاریخ اپنے قدیم یونانی ماخذ میں تحقیق کا مفہوم رکھتا ہے اور تحقیق سے مراد بلاشبہ کسی بھی طرح کی انکوائری کسی بھی طرح کا معاملہ یا پیش آنے والا کوئی بھی واقعہ ہوسکتا

ہے جیسے ارسطو کی کتاب ''حیوانات کی تاریخ'' کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حیوانات سے متعلق تحقیق پر مبنی ہے۔ (بحوالہ: افکار عالیہ۔ ص ۱۶۱)

۹۔ ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی۔ ص ۲۹

۱۰۔ مشرق و مغرب کے سیاسی افکار۔ ص ۳۰۱

۱۱۔ ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی۔ ص ۳۷

۱۲۔ بادشاہ۔ ص ۱۴

۱۳۔ ارتھ شاستر۔ مقدمہ مترجم۔ ص ۱۶

۱۴۔ Earle, Liz.(1994). Aroma Therapy. London Bontree Ltd.p 37

۱۵۔ الافاضات الیومیہ۔ صص ۱۱۲۔۱۱۳

۱۶۔ رسالہ تالیف قلب الیف۔ ص ۵۲

۱۷۔ دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۹۹۳ء)۔ شرح فتوح الغیب۔ مترجم: مفتی محمد یوسف بندیالوی۔ کراچی: ناشر احمد حسن قادری۔ ص ر (دیباچہ از مصنف)

۱۸۔ اہل الرائے کا لقب سب سے پہلے امام مالک کے استاد مشہور محدث، فقیہہ کے لیے طرۂ امتیاز بنا کہ ''الرائے'' ان کے نام کا جز ہو گیا اور ربیعہ الرائے کے نام سے مشہور ہوئے کیونکہ محدثین میں رائے سے کافی حد تک کام لیتے تھے۔ مشہور مورخ ابن قتیبہ (م ۱۲۴ھ) نے کتاب المعارف، ص ۳۲۵ پر اہل الرائے کے عنوان سے درج ذیل نام لکھے ہیں: امام ابن ابی لیلیٰؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام ربیعۃ الرائےؒ، امام زفرؒ، امام اوزاعیؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام مالک بن انسؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمد بن حسنؒ۔

۲۰۔ Binder, L.(July, 1955).Al-Ghazzali's Theory of Islamic Government, The Muslim World, Vol.xiv,No.3,.pp 232-240

۱۹۔ تیسیر الشاغلین۔ ص ۲۲

۲۱۔ مدارج النبوت (ج۔۱)۔ ص ۳۱۳

۲۲۔ بدایونی، عبدالقادر (ملا)۔ (۱۹۷۲ء)۔ نجات الرشید (فارسی)۔ لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب۔ ص ۲۱۲

۲۲ (الف)۔ Ahmed,, Aziz.(1964). Studies in Islamic Cultu[illegible]

Indian Environment. London: Oxford University Press. p 190

Ali, Syed Ameer.(1910). The Spirit of Islam. London.pp 170-171۔۲۳

Haq, S. Moinul. (1979). Islamic Thought and Movement. ۔۲۴
Karachi: Pakistan Historical Society. p 281

۲۵۔ احمد رضا خان (امام)۔ (۱۹۹۲ء)۔ فتاوی رضویہ۔ (ج۔ ۶)۔ کراچی المجدد احمد رضا اکیڈمی۔ ص ۸۶

۲۶۔ خیرآبادی۔ فضل حق (علامہ)۔ (۱۹۸۵ء)۔ باغی ہندوستان۔ (مترجم، مولانا عبدالشاہد خان شروانی)۔ انڈیا اعظم گڑھ: المجمع الاسلامی فیض العلوم محمد آباد گوہنہ۔ ص ۳۱

۲۷۔ افکار سیاسی مشرق ومغرب۔ ص ۵۶۴

۲۸۔ آفریدی، ارشاد احمد خان (ڈاکٹر)۔ (دسمبر ۱۹۹۰ء)۔ قومی ترقی میں محرکات کی کلیدی حیثیت۔ ماہنامہ ''آ گہی''، کراچی جلد نمبر ۲، شمارہ نمبر ۱۲، ماہ دسمبر ۱۹۹۰ء۔ ص ۹۶

۲۹۔ جالندھری، رشید احمد (ڈاکٹر)۔ (۲۰۰۱ء)۔ رسول کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور ہمارے موجودہ مسائل۔ کراچی: پاکستان پیس کولیشن۔ ص ۳ (تعارف: ڈاکٹر سید جعفر احمد)

۳۰۔ صفدر محمود (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۲ء)۔ آئین پاکستان (تعارف وتجزیہ)۔ لاہور: جنگ پبلشرز۔ ص ۳۱۲

خلاصہ بحث

مفکر اسلام شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلویؒ ، بالطبع محدث (امام و حافظ حدیث) ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دینی سیاسی مفکّر بھی تھے۔ آپ کے ذہن کی ساخت میں دینی عناصر شامل تھے اور خیالات پر اسلام مسلط تھا۔ آپ کے خیال میں سیاست کسی کے حال کی اصلاح کرنا اور امر و نہی کے ساتھ کسی کے معاملے کا مالک ہونا ہے اور ایک سیاست دان کا کام یہ ہے کہ وہ شریعت کی روشنی میں ہر فرد کی صلاحیت کے مطابق تربیت کرے۔ آپ کی پوری زندگی ملک میں قرآن وسنت کا نفاذ اور اسلامائزیشن کی جدوجہد میں گزری۔ فنافی الرسول سے سرشار عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے آپ کی سیاسی جدوجہد ایک تاریخ ساز باب ہے۔ اسی دور میں جدید مغربی سیاسی فکر کے بانی نکولو مکیاولی نے اپنے سیاسی فلسفہ کی بنیاد سیاسی مصلحت پر رکھی۔ جدید اسلامی سیاسی فکر کے بانی ہونے کے ناطے آپ نے علوم اسلامی کی تجدید کرتے ہوئے سماجی انصاف کی راہ ہموار کی۔ اس پرآشوب دور میں جبکہ سیاسی قیادت (جو کہ سجدۂ سیاست کی حامی تھی) وحدت ادیان، فشاری گروہ وحدت قومیت کے حامی تھے اور دینی اور لادینی قوتیں ناموس ومقام مصطفےٰ ﷺ پر نظریاتی حملے کر رہی تھیں اس سیاسی تکون کا مقابلہ آپ نے بڑی پامردی سے کیا۔ اپنی ایک سو چونتیس سے زائد تصانیف میں متعدد مقامات پر قرآن وسنت، خلافت راشدہ اور مسلم مفکرین الماوردی، نظام الملک طوسی اور امام غزالی کے افکار کی روشنی میں جو سیاسی اصول مدون کیے وہی آپ کی سیاسی فکر کی معراج ہیں اسی عقیدہ رسالت کی بناء پر آگے چل کر ہندوستان کی تقسیم ہوئی اور آپ برصغیر میں دوقومی نظریہ کے احیاء کا سبب ہوئے۔ آپکے نظریہ ریاست کے مطابق کائنات کا مالک اللہ ہے جو مطلق ، لامحدود، غیر منقسم اور غیر مبدل قوتوں کا حامل ہے اور اس نے اپنے آخری رسول محمد ﷺ کو انسانیت کی بھلائی کے لیے چنا۔ آپ نے اپنے سیاسی افکار کا مرکز سربراہ ریاست و حکومت (بادشاہ) کو بنایا ہے بادشاہ دیدار عادل کا نعرہ دے کر اسے آپ نے اس بات کا

پابند کر دیا کہ اسکی حیثیت رسول ﷺ کے جانشین کی ہے اس لیے اسے وہی کام کرنے چاہیے جو آپ ﷺ نے کیے۔ اس کا مطمح نظر ہر وقت جہاد ہونا چاہیے جو عوام الناس کی اجتماع بھلائی، اور عدم جارحیت کے اصولوں کا ضامن ہو۔ مذہبی انتہا پسندی کی مخالفت کرتے ہوئے خشک فقیہہ اور جاہل صوفی سے دور رہنے کی تاکید کی آپ نے اپنے سیاسی افکار میں سپہ سالار، عمال، سفیر اور ادارہ فکر و تدبیر (تھنک ٹینک) کا اصول دے کر اندرونی اور بیرونی ملکی حالات پر قابو پانے کے اساسی اصول وضع کیے اور فقہ حنفی کو روایت و درایت سے سنت رسول ﷺ کے مطابق ثابت کرنے کے بعد اسکی تقلید کو احسن قرار دیا کہ اس کے ذریعے دین و دنیا کے تمام معاملات معاصر حالات کی روشنی میں صحیح خطوط پر انجام پا سکتے ہیں نیز اجتہاد فی المذاہب کا عندیہ دے کر متاخر علماء کو مشورہ دیا کہ وہ اب اجماعی فیصلوں میں اجتہاد کریں۔ اس کے علاوہ آپ نے سیاسی فکر کے بہت سے ان قضیوں پر تاریخی و تشریعی اور کلامی پہلو سے بحث کی جنکا اسلامی سیاسی فکر سے گہرا ربط رہا ہے انمیں مسئلہ خلافت، حکم و ثالث، گناہ کبیرہ کے مرتکب کے بارے میں معتزلہ، خوارج، ملامیتہ، نقطویہ، ذکریہ، مہدویہ اور روشنیہ کے نظریات و خیالات ہیں نیز امور سیاست میں صحابہ کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت، ولایت و قضا اور حقوق و واجبات پر تحقیق و تجزیہ کر کے مستند حوالوں سے تنقید کی۔ آپ کے ایک قول کے مطابق انسانی زندگی کا حاصل یہ ہے کہ اسے اس دنیا میں کام کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کا بدلہ دوسری دنیا میں دیا جائے گا دنیا میں بھی ہر عمل کی ایک جزا ضرور ملتی ہے آدمی میں اچھائی برائی، خوشی و رنج، تنگی و کشادگی اس کے کردار کی پاداش ہے۔

آپ نے زمانہ کے تغیر پذیر معروضی حالات اور درپیش چیلنجوں کا تجزیہ کرنے کے بعد اسلام کی بنیادی اور اصولی تعلیمات کی روشنی میں جو نظمیاتی عناصر (خزانہ، لشکر، لشکر میں اتحاد اور عدل و انصاف قائم کر کے مخلوق سے ظلم و ستم دور کرنا) پیش کیئے یہ عناصر وہ بنیادی آفاقی اصول ہیں جو دنیا کے ہر دستور اور ہر نظام حکومت (دینی و لادینی) میں شامل کیئے جا سکتے ہیں۔ آج دنیا کے دو سو دس ممالک (بشمول ستاون اسلامی ممالک) جس انتشار اور استحصالی قوتوں کے

ریپٹائلین کامپلیکس کے سبب ظلم، تشدد، استحصال اور فتنہ و فساد کا شکار ہیں افکار شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی روشنی میں اسوۂ حسنہ ﷺ پر عمل کر کے ہی ہم دنیا کو امن و سماجی انصاف کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔

مقالے کا اختتام شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کی اس دُعا پر کیا جاتا ہے:

اے اللہ! حکمران کو توفیق عطا فرما کہ وہ اس ملک میں شریعت محمدی ﷺ کا نفاذ کرے۔ میری اس دعا کو قبول فرما۔ آمین یارب العالمین۔

(تمت بالخیر ماشاءاللہ)

☆☆☆

کتابیات

اُردو کتب

آزاد، ابوالکلام۔ (۱۹۶۸ء)۔ تذکرہ۔ لاہور: اسلامک پبلشنگ ہاؤس

آزاد، محمد حسین۔ (۱۹۴۷ء)۔ دربار اکبری۔ لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب

ابلاغ، عنایت اللہ۔ (س ن)۔ امام اعظم ابوحنیفہ وافکار۔ (مترجم، فضل من اللہ فضلی)

ابوالفضل (علامہ)۔ (س ن)۔ آئین اکبری۔ (مترجم، مولوی محمد فدا علی طالب)۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشن

ابن کثیر، عمادالدین بن اسماعیل بن عمر (امام)۔ (۱۹۸۴ء)۔ تفسیر ابن کثیر۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت

ابن بطوطہ، عبدالرحمٰن۔ (۱۹۶۱ء)۔ عجائب الاسفار۔ (مترجم، رئیس احمد جعفری)۔ کراچی: نفیس اکیڈمی

ابن حسن۔ (۱۹۵۸ء)۔ دولت مغلیہ کی ہیت ترکیبی۔ (مترجم، عبدالغنی نیازی)۔ لاہور: مجلس ادب

ابن خلدون، عبدالرحمٰن (علامہ)۔ (۱۹۷۸ء)۔ مقدمہ کتاب العبر دیوان المبتداء والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرہم من ذوی السلطان الاکبر المعروف بہ مقدمہ ابن خلدون۔ (مترجم، مولانا غالب رحمانی دہلوی)۔ کراچی: نفیس اکیڈمی

احمد فاروقی سرہندی۔ (۱۹۱۳ء)۔ مکتوبات شیخ مجدد الف ثانی۔ (مترجم، مولوی عالم الدین)۔ لاہور

ارسطو۔ (۱۹۵۹ء)۔ سیاسیات۔ (مترجم، سید نذیر نیازی)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب

ارشد، سید کریم (پروفیسر)۔ (۱۹۹۳ء)۔ تقابلی سیاست کا تعارف۔ کراچی

اصفہانی، امام راغب۔ (۱۹۷۱ء)۔ المفردات القرآن۔ (مترجم، مولانا محمد عبدہ فیروز پوری)۔ لاہور: اہل حدیث اکیڈمی

اکرام، شیخ محمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۶۸ء)۔ رودِ کوثر۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ

افلاطون۔ (س ن)۔ ریاست یا تحقیق عدل۔ (مترجم، ذاکر حسین)۔ دہلی. ساہتیہ اکیڈمی

______۔ (۱۹۳۵ء)۔ جمہوریہ۔ (مترجم، مرزا محمد ہادی)۔ دکن. مطبع جامع عثمانیہ

اقبال، محمد (علامہ)۔ (۱۹۸۲ء)۔ کلیات اقبال (اردو)۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

اکرام، ایس ایم (ڈاکٹر) وقریشی، وحید (ڈاکٹر)۔ (۱۹۶۶ء)۔ دربار ملی۔ لاہور: مجلس ترقی ادب

الکلابازی، امام ابوبکر اسحاق۔ (۱۹۹۸ء)۔ تعرف۔ (مترجم، ڈاکٹر پیر محمد حسن)۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن

البیرونی، محمد بن احمد ابوریحان۔ (۱۹۴۲ء)۔ کتاب الہند۔ (مترجم، سید اصغر علی)۔ دہلی: انجمن ترقی اردو

الحنفی، ابی بکر احمد بن علی الرازی۔ (۱۹۸۰ء)۔ احکام القرآن۔ لاہور: سہیل اکیڈمی

الغزالی، محمد بن محمد (امام)۔ (س ن)۔ احیاء العلوم۔ (مترجم، محمد احسن صدیقی نانوتوی)۔ لاہور: ملک سراج الدین اینڈ سنز

______۔ (۱۹۹۸ء)۔ نصیحۃ الملوک۔ (مترجم، ڈاکٹر سمیع اللہ قریشی)۔ کراچی: فضلی سنز

المجاہد، شریف (پروفیسر)۔ (۱۹۸۴ء)۔ نظریہ پاکستان۔ اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن

المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی۔ (۱۹۸۵ء)۔ مروج الذہب ومعادن الجواہر۔ (مترجم، پروفیسر کوکب شادانی)۔ کراچی: نفیس اکیڈمی

امینی، محمد تقی۔ (س ن)۔ احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایات۔ لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب

اندلسی، ابن عبدالبر (علامہ)۔ (س ن)۔ العلم والعلماء۔ (مترجم، عبدالرزاق ملیح آبادی)۔ لاہور: ادارہ اسلامیہ

انصاری پسروری، محمد اسلم ابن محمد حفیظ۔ (۱۹۷۲ء)۔ فرحت الناظرین۔ (مترجم، پروفیسر محمد ایوب قادری)۔ کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

اویسی، فیض احمد (مفتی)۔ (۲۰۰۱ء)۔ عقائد شاہ ولی اللہ۔ کراچی: عطاری پبلشرز

بابر، ظہیرالدین۔ (س ن)۔ تزک بابری۔ کراچی: بک لینڈ

بٹالوی، سجان رائے۔ (۱۹۶۶ء)۔ خلاصۃ التواریخ۔ (مترجم، ناظر حسن زیدی)۔ لاہور: مرکز اردو بورڈ

بخاری، ابوعبداللہ (امام)۔ (س ن)۔ صحیح بخاری۔ (مترجمین، مولانا امجد علی، مولانا ابوالفتح، مولانا سبحان محمود، مولانا قاری احمد)۔ کراچی: محمد سعید اینڈ سنز کمپنی

بدایونی، ملّا عبدالقادر۔ (۱۹۶۲ء)۔ منتخب التواریخ، (مترجم) محمد احمد فاروقی شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

برٹرینڈ رسل۔ (۱۹۹۹ء)۔ ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی۔ (مترجم، ذکی احمد)۔ کراچی: انڈس پبلیکیشنز

بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر۔ (۱۹۴۰ء)۔ فتوح البلدان۔ (مترجم، مولوی سیّد ابوالخیر مودودی)۔ حیدرآباد دکن: مطبع جامعہ عثمانیہ

برکاتی، محمود احمد۔ (۱۹۹۳ء)۔ مولانا حکیم سید برکات احمد۔ سیرت اور علوم۔ کراچی: برکات اکیڈمی

برنی، ضیاء الدین۔ (۱۹۹۱ء)۔ تاریخ فیروز شاہی۔ (مترجم، ڈاکٹر سید معین الحق)۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ

برنیر (ڈاکٹر)۔ (۱۹۶۰ء)۔ شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگزیب (مترجم، سید محمد حسین اکیڈمی)۔ کراچی: نفیس اکیڈمی

بریلوی، احمد رضا (امام)۔ (س ن) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن۔ لاہور: قدرت اللہ کمپنی

بریلوی، احمد رضا محدث (امام)۔ (۱۹۹۴ء) شریعت وطریقت۔ کراچی: المختار پبلیکیشنز

______۔ (۱۹۹۲ء)۔ فتاوٰی رضویہ۔ کراچی: مکتبہ رضویہ

بھٹی، محمد اسحاق (ڈاکٹر)۔ (۱۹۷۷ء)۔ فقہائے ہند۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ

بلگرامی، میر غلام علی۔ (س ن)۔ مآثر الکرام۔ (مترجم، محمد خالد میاں فخری)۔ کراچی: دارۃ المصنفین

پرویز۔ (۱۹۵۵ء)۔ انسان نے کیا سوچا۔ کراچی: ادارہ طلوع اسلام

پیلسے رٹ۔ (۱۹۹۷ء)۔ جہانگیر کا ہندوستان۔ (مترجم، ڈاکٹر مبارک علی)۔ لاہور: فکشن ہاؤس

تھانوی، اشرف علی (مولانا)۔ (ن)۔ الافاضات الیومیہ۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ

____۔ (۱۳۲۹ھ)۔ حفظ الایمان۔ دہلی: مطبوعہ مطبع مجتبائی

تاراچند (ڈاکٹر)۔ (۱۹۶۴ء)۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات۔ (مترجم محمد مسعود احمد)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب

تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند۔ (۱۹۷۱ء)۔ مدیر: پروفیسر مرزا مقبول بیگ بدخشاں۔ لاہور

جالبی، جمیل (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۵ء)۔ پاکستان کلچر۔ کراچی: فضلی سنز

جعفری، سید اصغر علی شاہ۔ (۱۹۷۲ء)۔ مشرق و مغرب کے سیاسی افکار۔ لاہور: نیو بک پیلس

جمالی، حامد بن فضل اللہ (شیخ)۔ (۱۹۷۶ء)۔ سیر العارفین۔ (مترجم محمد ایوب قادری)۔ لاہور: مرکزی اردو بورڈ

چشتی، یوسف سلیم (پروفیسر)۔ (س ن)۔ تاریخ تصوف۔ لاہور: دار الکتاب

چودھری، ایم، اے، کے۔ (۱۹۸۹ء) مارشل لاء کا سیاسی انداز۔ لاہور: جنگ پبلشرز

حمید اللہ (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۲ء)۔ اسلامی ریاست۔ لاہور: الفیصل ناشران وتاجران وکتب

حمید الدین (ڈاکٹر)۔ (س ن)۔ تاریخ اسلام۔ لاہور: فیروز سنز

حقی، برکت علی (منشی)۔ (س ن)۔ مرآۃ الحقائق۔ رامپور: مطبع عزیزی

خافی خان، نظام الملک (ہاشم علی خان)۔ (۱۹۶۴ء) منتخب اللباب۔ (مترجم محمود احمد فاروقی) کراچی

خان، ایچ۔ بی۔ (۱۹۸۵ء)۔ برصغیر پاک و ہند میں علماء کا سیاسی کردار۔ کراچی: الحمد اکیڈمی

خان رشید (ڈاکٹر)۔ قاضی قیصر اسلام۔ (۲۰۰۰ء)۔ افکار عالیہ۔ کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان

خان، حسن رضا (مولانا)۔ (۱۹۸۱ء)۔ فقیہہ اسلام (العطایا الرضویہ فی المسائل الشرعیہ)۔ پٹنہ (انڈیا) بہار: اسلامک پبلیکیشن سینٹر

خان، سردار عبدالقیوم۔ (۱۹۸۸ء)۔ مذاکرات سے مارشل لاء تک۔ لاہور: جنگ پبلشرز

خان، محمد الیاس۔ (۱۹۹۷ء)۔ پاکستان کا جوہری پروگرام۔ قومی سلامتی کے تناظر میں۔ اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز

دہلوی، مولوی محمد اسماعیل۔ (۱۳۲۱ھ)۔ صراط مستقیم۔ لکھنو: مطبع فخر المطابع

____۔ (۱۳۳۲ھ)۔ تقویۃ الایمان۔ کانپور: مطبع مجیدی

دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۴۱۸ھ)۔ اخبار الاخیار۔ (مترجم، محمد منیر رضا قادری)۔ لاہور: شبیر برادرز

____۔ (۱۹۹۹ء)۔ فقہ و تصوف۔ (مترجم، عبدالحکیم شرف قادری)۔ لاہور: الممتاز پبلیکیشنز

____۔ (۱۹۸۱ء)۔ اشعۃ اللمعات۔ (مترجمین، محمد سعید احمد نقشبندی، عبدالحکیم شرف قادری، مفتی محمد خان قادری)۔ لاہور: فرید بک اسٹال

____۔ (۱۹۸۴ء)۔ شرح فتوح الغیب۔ (مترجم، مفتی محمد یوسف بندیالوی)۔ کراچی: ناشر احمد حسن قادری

____۔ (س ن)۔ مدارج النبوت۔ (مترجم، المصطفیٰ محمد اشرف نقشبندی)۔ لاہور: مکتبہ اسلامیہ

____۔ (۱۴۱۳ھ)۔ زبدۃ الآثار۔ (مترجم، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی)۔ لاہور: مکتبہ نبویہ

____۔ تکمیل الایمان۔ (مترجم، حکیم مطیع الرحمٰن)۔ لاہور: نذیر سنز

____۔ (س ن)۔ جذب القلوب۔ (مترجم، سید حکیم عرفان علی)۔ انڈیا: رضوی کتاب گھر

____۔ (س ن)۔ مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ (مترجم، مولانا محمد فاضل) کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی

دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۳۵۸ھ)۔ ماثبت بالسنۃ فی ایام السنہ۔ (مترجم، مولانا محمد اقبال الدین احمد)۔ کراچی: دارالاشاعت

____۔ (۱۳۸۷ھ)۔ مرج البحرین۔ (مترجم، ثنا اللہ صدیقی)۔ کراچی

____۔ (۱۳۶۵ء)۔ مقدمہ مشکوۃ شریف۔ (مترجم، خواجہ محمد علی)۔ لاہور: مکتبہ اسلامی

____۔ (۱۹۹۸ء)۔ رسالہ نوریہ سلطانیہ۔ (مترجم، پروفیسر غضنفر وڑائچ)۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی

____۔ (۱۹۳۲ء)۔ خواص اسمائے حسنی۔ (مترجم، سید محمد جمال الدین

شاہ دہلوی)۔ کراچی: قدیمی کتب خانہ

____۔ (۱۹۹۵ء)۔ آداب الصالحین۔ (مترجم، مولانا عبدالرحمٰن جامی)۔ کراچی: دارالاشاعت

____۔ (۱۹۹۶ء)۔ آداب اللباس۔ (مترجم، محمد شہزاد مجددی سیفی)۔ لاہور: لٹریری سوسائٹی

____۔ (س ن)۔ مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ (مترجم، عبدالصمد قادری)۔ کراچی: دائرہ معارف اسلامیہ

____۔ (۱۹۹۸ء)۔ زادالمتقین فی سلوک طریق الیقین۔ (مترجم، ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی)۔ کراچی: الرحیم اکیڈمی

دہلوی، عبدالعزیز محدث (شاہ)۔ (۱۹۶۴ء)۔ فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ۔ (مترجم، مولانا محمد عبدالحلیم چشتی)۔ کراچی: نور محمد کارخانہ کتب

دہلوی، محمد صادق کشمیری۔ (۱۹۹۵ء)۔ کلمات الصادقین۔ (مترجم، لطیف اللہ)۔ کراچی: ادارہ نشر المعارف

دہلوی، ولی اللہ (شاہ)۔ (س ن)۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ (مترجم، مولوی عبدالشکور)۔ لکھنو

____۔ (۱۹۹۸ء)۔ انفاس العارفین۔ (مترجم، سید محمد فاروق القادری)۔ لاہور: تصوف فاؤنڈیشن

دہلوی، ولی اللہ (شاہ)۔ (۱۹۷۷ء)۔ حجۃ البالغہ۔ (مترجم، خلیل احمد اسرائیلی)۔ لاہور: اسلامی اکیڈمی

راشدی، سید حسام الدین۔ (۱۹۶۷ء)۔ فارسی زبان وادب۔ کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان

رانا، خلیل احمد۔ (۱۹۹۴ء) علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی قادری۔ کراچی: ورلڈ اسلامک مشن

رانا، محمد اسحاق (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۸ء)۔ علوم حدیث ﷺ۔ لاہور: ادارہ اشاعت اسلام

ربیع، ابن ابی۔ (۱۹۶۲ء)۔ سلوک الممالک فی تدبیر الممالک (مترجم، مظہر علی کامل)۔

کراچی: شعبہ تصنیف وتالیف ترجمہ جامعہ کراچی

رزاق، محمد طاہر۔ (۱۹۹۱ء)۔ تحفظ ختم نبوت۔ ملتان: دفتر مرکزی عالمی مجلس تحفظ نبوت

رضوی، ظفر الدین (مولانا)۔ (۱۹۳۸ء)۔ حیات اعلیٰ حضرت۔ کراچی: مکتبہ رضویہ

زبیری، اخلاص حسین اور صدیقی، وحید الحق (پروفیسر)۔ (۱۹۷۰ء)۔ بچہ کا ذہنی ونفسیاتی ارتقاء۔ کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس اکیڈمی

زیدان، عبدالکریم (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۰ء)۔ اسلام میں ریاست اور فرد کا مقام۔ لبنان: دارالقرآن الکریم

سندھی عبیداللہ (مولانا)۔ (۱۹۶۵ء)۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ لاہور

سبزواری، محمد احمد۔ (س ن)۔ اسلام میں بچت کا تصور۔ لاہور

سرہندی، یحییٰ بن احمد۔ (۱۹۸۶ء) تاریخ مبارک شاہی۔ (مترجم، ڈاکٹر آفتاب اصغر)۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ

سنجری، امیر علاء (س ن)۔ فوائد الفواد۔ (مترجم، شمس بریلوی)۔ کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی

سہروردی، سیّد منصور علی (ڈاکٹر)۔ (۱۹۳۳ء)۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی: ایک تذکرہ نگار کی حیثیت سے۔ کراچی: مکتبہ غریب نواز

شاہد، ایس۔ ایم۔ (س ن)۔ تقابلی وترقیاتی سیاست۔ لاہور: نیو بک پیلس

شکیل احمد ضیاء۔ (۱۹۶۶ء)۔ تاریخ پاک وہند۔ کراچی

شہابی، انتظام اللہ (مفتی)۔ (۱۹۵۵ء)۔ تاریخ ملّت۔ دہلی: ندوۃ المصنفین

شہتاز، نور احمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۸ء)۔ تاریخ نفاذ حدود۔ کراچی: فضلی سنز

شام، شہزاد اقبال۔ (۱۹۹۳ء)۔ اسلام میں تصور سازی کا قانون اور طریقہ کار۔ اسلام آباد: شریعت اکیڈمی

صدیقی، القادری، عبدالعلیم (شاہ)۔ (۱۹۹۴ء)۔ کتاب التصوف۔ کراچی: ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز

صدیقی، کلیم (ڈاکٹر)۔ (س ن)۔ مغرب کے زیر اثر مسلمانوں کا سیاسی مسلک فکر و عمل۔ کراچی: دی مسلم انسٹی ٹیوٹ

صدیقی، محمد میاں۔ (۱۹۸۵ء)۔ خطبۃ حجۃ الوادع۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی

صدیقی، محمد سعید۔ (۱۹۸۸ء)۔ علم حدیث اور پاکستان میں اسکی خدمت۔ لاہور: شعبہء تحقیق قائداعظم لائبریری

صمصام الدولہ (شاہنواز خان)۔ (۱۹۶۹ء)۔ مآثر الامراء۔ (مترجم، پروفیسر محمد ایوب قادری)۔ لاہور: مرکزی اردو بورڈ

طوسی، نظام الملک۔ (۱۹۶۱ء) سیاست نامہ۔ (مترجم، محمد منور)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب

عباسی، بشریٰ افضال۔ (۱۹۹۶ء)۔ جنوبی ایشیا کا جغرافیہ۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ

عبدالرحمٰن، سید صباح الدین۔ (۱۹۸۰ء)۔ بزم تیموریہ (ج۔۲)۔ اعظم گڑھ: مطبع معارف

____۔ (۱۹۶۴ء)۔ ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر۔ انڈیا

عبدالرسول (صاحبزادہ)۔ (۱۹۶۴ء)۔ پاک وہند کی اسلامی تاریخ (۱۵۲۶ء تا عہد حاضر)۔ لاہور

____۔ (صاحبزادہ)۔ (۱۹۸۰ء)۔ تحریک پاکستان۔ لاہور: ایم۔ آر۔ برادر

عبدالرشید (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۱ء)۔ ادیان و مذہب کا تقابلی مطالعہ۔ کراچی: طاہر سنز

علیمی، ارشاد احمد۔ (۱۹۸۰ء)۔ حیات علیم رضا۔ ساہیوال

علی، سید نواب (پروفیسر)۔ (۱۹۶۳ء)۔ معارج الدین۔ کراچی: مکتبہ افکار

غفور احمد (پروفیسر)۔ (۱۹۹۰ء)۔ پھر مارشل لاء آگیا۔ لاہور: جنگ پبلشرز

فاروقی، عمادالحسن آزاد۔ (۱۹۹۰ء)۔ دنیا کے بڑے مذاہب۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت

فانی، محمد صدیق۔ (۱۹۹۷ء)۔ تذکرہ کانی شہید رحمتہ اللہ علیہ۔ خانیوال: مدرسہ غوثیہ

فرشتہ، محمد قاسم۔ (۱۹۶۲ء)۔ تاریخ فرشتہ۔ مترجم، عبدالحیٔ خواجہ۔ کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز

فلاحی، عبداللہ فہد۔ (۱۹۸۷ء)۔ تاریخ دعوت و جہاد۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت

فرید آبادی، سید ہاشمی۔ (۱۹۸۹ء)۔ تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت۔ لاہور: ادارہ معارف اسلامی

فریدالحق (پروفیسر)۔ (۱۹۷۴ء)۔ نظری سیاسیات۔ کراچی: سر سید بک کمپنی

قادری، سید احمد۔ (۱۳۷۰ھ)۔ تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ پٹنہ: شاد بک ڈپو

قادری، عبدالحکیم شرف۔ تذکرہ اکابر اہلسنت (۱۹۷۶ء)۔ لاہور

قادری، محمود احمد۔ (۱۳۹۱ھ)۔ تذکرہ علمائے اہلسنت۔ کانپور

قادری، نور احمد۔ (س ن)۔ تاریخ تمدن انڈونیشیا۔ کراچی: شعبہ اطلاعات سفارت خانہ انڈونیشیا

قاضی، جاوید۔ (۱۹۸۶ء)۔ برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء۔ لاہور: نگارشات

قدسی، عبیداللہ۔ (س ن)۔ رحمتہ للعالمین۔ کراچی

قرشی، آفتاب۔ (س ن)۔ سائنس اور مسلمان۔ کراچی: مکتبہ ملی

قریشی، اشتیاق حسین (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۳ء)۔ برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ۔ (مترجم، ہلال احمد زبیری)۔ کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی

______۔ (۱۹۹۴ء)۔ علماء میدان سیاست میں۔ (مترجم، ہلال احمد زبیری)۔ کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی

کلیم، خلیل احمد (پروفیسر)۔ (۱۹۷۳ء)۔ تاریخ نظریہ سیاسی۔ کراچی: کمبائنڈ پبلشرز

کنبوہ، محمد صالح۔ (۱۹۸۲ء)۔ شاہجہاں نامہ۔ (مترجم، ممتاز لیاقت)۔ لاہور: سنگ میل پبلشرز

کوثر نیازی۔ (۱۹۸۹ء)۔ اور لائن کٹ گئی۔ لاہور: جنگ پبلشرز

کوتلیہ چانکیہ۔ (۲۰۰۱ء)۔ ارتھ شاستر۔ (مترجم، سلیم اختر)۔ لاہور: نگارشات

کھرل، رائے اسد خان۔ (۲۰۰۰ء)۔ چوہدریوں کی چوریاں۔ لاہور: انٹیلی جنس پبلشرز

گستاولی بان (ڈاکٹر)۔ (۱۹۱۳ء)۔ تمدن ہند۔ (مترجم، سید علی بلگرامی)۔ آگرہ

لطیف، سید محمد۔ (۱۹۹۵ء)۔ آگرہ: اکبر اور اس کا دربار۔ لاہور: تخلیقات

مالیرکوٹلوی، مہر محمد خان شہاب۔ (۱۹۷۴ء)۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر۔ دلی: جامعہ نئی دہلی لمیٹڈ

مبارکپوری، قاضی اطہر۔ (۱۹۷۵ء)۔ عرب و ہند عہد رسالت ﷺ میں۔ کراچی: مکتبہ عارفین

مرادآبادی، سید محمد نعیم الدین۔ (س ن)۔ خزائن العرفان۔ کراچی: قدرت اللہ کمپنی

محمد اسد (لیوپولڈ وائس)۔ (۱۹۶۳ء)۔ اسلامی مملکت وحکومت کے بنیادی اصول۔ (مترجم، مولانا غلام رسول مہر۔ کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز

محمد اسلم، (پروفیسر)۔ (س ن)۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر۔ لاہور: ندوۃ المصنفین

محمد خلیل (ایڈوکیٹ)۔ (۱۹۴۶ء)۔ تاریخ ارکان برما۔ کراچی: موتمر العالم الاسلامی

محمد سرور۔ (۱۹۶۷ء)۔ مولانا عبیداللہ سندھی۔ لاہور: المحمود اکیڈمی

محمد سعید (حکیم)۔ (۱۹۹۷ء)۔ پاکستان کے پچاس سال (شوری ہمدرد)۔ کراچی: بیت الحکمۃ

______۔ (۱۹۸۳ء)۔ تصور ریاست اسلامی (مقالات مذاکرۂ ملی تعلیمات نبوی)۔ کراچی: ہمدرد فاؤنڈیشن پریس

محمد ظفر الدین (مولانا)۔ (۱۹۷۰ء)۔ تصانیف مخطوطات کتب خانہ دیوبند۔ یوپی (انڈیا): دارالعلوم دیوبند

محمد عمر (ڈاکٹر)۔ (۱۹۷۵ء)۔ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر۔ دہلی: پبلی کیشنز ڈویژن

محمود، سید حسن (مخدوم زادہ)۔ (۱۹۸۸ء)۔ میرا سیاسی سفر (یاداشتیں)۔ لاہور: جنگ پبلشرز

محمود، صفدر (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۱ء)۔ دردآگہی۔ لاہور: جنگ پبلشرز

محمود، صفدر (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۱ء)۔ آئین پاکستان (تعارف وتجزیہ)۔ لاہور: جنگ پبلشرز

مسعود احمد (ڈاکٹر)۔ س ن)۔ دوقومی نظریہ اور پاکستان۔ کراچی: ادارہ مسعودیہ

______۔ (۱۹۹۵ء)۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ حالات، افکار وخدمات۔ کراچی: ادارہ مسعودیہ

معین الحق، سید (ڈاکٹر)۔ (۱۹۶۶ء)۔ عہد قدیم وسلطنت دہلی۔ کراچی: دائرہ معین المعارف

مکیاولی، نکولو۔ (س ن)۔ بادشاہ۔ (مترجم، ڈاکٹر محمود حسین)۔ کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی

منزوی، احمد۔ (۱۹۸۵ء)۔ فہرست مشترک، نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان۔ اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

منہاج سراج۔ ابوعمر و منہاج الدین عثمان۔ (۱۹۷۵ء)۔ طبقات ناصری۔ (مترجم، غلام رسول مہر)۔ لاہور: مرکزی اردو بورڈ

منہاج سراج، منہاج الدین بن سراج الدین جوزجانی۔ (۱۸۹۹ء)۔ تاریخ طبقات ناصری: طبقہ گیارہواں وستر ہواں۔ (مترجم، حافظ احمد علی خان شوق)۔ انڈیا: مطبع احمدی ریاست رامپور

مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ (۱۹۷۴ء)۔ اسلامی ریاست لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت

____۔ (۱۹۷۵ء)۔ اسلامی قانون اور پاکستان میں اس کے نفاذ کی عملی تدابیر۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز

____۔ (۱۹۵۱ء)۔ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات۔ رامپور: جماعت اسلامی

____۔ (مولانا)۔ (۱۹۷۴ء)۔ تفہیم القرآن۔ لاہور: ادارہ ترجمان القرآن

____۔ (۱۹۸۶ء)۔ مسئلہ قومیت۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز

موسیٰ پاک شہید، سید جمال الدین۔ (۱۹۹۷ء)۔ تیسیر الشاغلین۔ (مترجم، مہر عبدالحق)۔ ملتان: بیکن بکس

مونسیرات۔ (۱۹۹۹ء)۔ اکبر کا ہندوستان۔ (مترجم، ڈاکٹر مبارک علی)۔ لاہور: فکشن ہاؤس

منوچی۔ (۲۰۰۰ء)۔ فسانہ سلطنت مغلیہ۔ (مترجم، سید ظفر علی خان)۔ لاہور: تخلیقات

میاں، سید محمد۔ (۱۹۹۷ء)۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ لاہور: مکتبہ محمودیہ

نانوتوی، مولانا محمد قاسم۔ (۱۳۰۹ھ)۔ تحذیر الناس۔ سہارنپور: مطبوعہ خیر خواہ سرکار پریس

ناسک، صلاح الدین۔ (۱۹۸۰ء)۔ افکار سیاسی مشرق و مغرب۔ لاہور: عزیز پبلشرز

نظامی، خلیق احمد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۵۳ء)۔ حیات و خدمات شیخ عبدالحق دہلوی۔ دہلی: ندوۃ المصنفین

____۔ (۱۹۵۸ء)۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ دہلی: ندوۃ المصنفین

نیازی، عبدالستار خان (مولانا)۔ (ن)۔ اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت۔
لاہور: مکتبہ رضویہ

ہالے، پوتا عبدالواحد (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۱ء)۔ شاہ ولی اللہ کا فلسفہ۔ (مترجم، پروفیسر
محمد سعید)۔ حیدرآباد (سندھ): شاہ ولی اللہ اکیڈمی

صلاح الدین۔ (۱۹۸۰ء)۔ افکار سیاسی مشرق و مغرب۔ لاہور: عزیز پبلشرز

ناموس، محمد شجاع (ڈاکٹر)۔ (س ن)۔ سائنس اور فلسفہ کی تحقیق۔ لاہور: تاج بکڈپو

ندوی، سید سلیمان (علامہ)۔ (۱۹۷۶ء)۔ عرب و ہند کے تعلقات۔ کراچی: کریم سنز

ندوی، سید ابوالحسن علی (مولانا)۔ (۱۹۸۰ء)۔ تاریخ دعوت و عزیمت۔ کراچی:
مجلس نشریات اسلامی

ندوی، مسعود علی (مولانا)۔ (۱۹۶۲ء)۔ ہندوستان عربوں کی نظر میں۔ انڈیا:
دارالمصنفین اعظم گڑھ

ندوی، (شاہ) معین الدین احمد۔ (۱۹۹۳ء)۔ تاریخ اسلام۔ اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن

نجیب، فاروق اختر۔ (۱۹۸۱ء)۔ ریاست و سیاست۔ کراچی

نظام الدین احمد۔ (۱۹۹۰ء)۔ طبقات الکبری۔ (مترجم، محمد ایوب قادری)۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ

نقوی، علی جاوید۔ (۲۰۰۱ء)۔ پاک بھارت تعلقات۔ لاہور: صبیح پبلشرز

ہاشمی، سید عشرت علی (ڈاکٹر)۔ (۱۹۸۲ء)۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کی متصوفانہ خدمات۔
غیر مطبوعہ مقالہ۔ جامعہ کراچی۔ شعبہ اسلامی علوم

ہاشمی، سید متین و صدیقی، ساجد الرحمٰن۔ (۱۹۷۵ء)۔ فہرست مخطوطات۔ عربی و فارسی۔
(ج۔۲)۔ لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

ہجویری، سید علی بن عثمان۔ (۲۰۰۰ء)۔ کشف المحجوب۔ مترجم، محمد الطاف نیروی۔ لاہور:
النور پبلشر

عربی کتب

القرآن الکریم

ابن الاثیر، ابی الحسن علی محمد بن عبدالکریم۔ (۱۹۵۷ء)۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ تہران: المکتبۃ الاسلامیہ

ابن تیمیہ۔ (س ن)۔ السیاستہ الشرعیہ۔ کراچی: تیرتھ داس روڈ کلام کمپنی

ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ۔ (س ن) سنن ابن ماجہ۔ ریاض: مکتبہ تربیۃ العربی الدواتہ الخلیج

ابن منظور جمال الدین۔ لسان العرب۔ ایران: نشر ادب الحوزہ

الجرجانی، میر السید الشریف۔ (س ن)۔ کتاب التعریفات۔ ترکی

الزمخشری، جار اللہ محمود بن عمر (امام)۔ (س ن)۔ الکشاف (الجزول)۔ قم (ایران): نشر ادب العوزہ

الترمذی، محمد بن عیسٰی۔ (۱۴۰۱ھ)۔ الجامع۔ استنبول: دار الدعوہ

الاصفہانی، راغب (امام)۔ (۱۳۸۰ھ)۔ المفردات فی غرائب القرآن۔ کراچی

العسقلانی، احمد بن حجر۔ (۱۳۵۲ھ)۔ فتح الباری۔ قاہرہ: طبعۃ السّلفیہ

الغزالی۔ (۱۲۹۴ھ)۔ المستصفی۔ مصر: مطبعہ امیریہ

الماوردی۔ (۱۹۸۲ء)۔ الاحکام السلطانیہ والولدیات الدینیۃ۔ بیروت: دار الکتاب العلمیہ

المتقی، علی (شیخ)۔ (۱۹۸۵ء)۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال۔ بیروت: موسستہ الرسالہ

القشیری، مسلم بن حجاج۔ (۱۳۰۸ھ)۔ صحیح مسلم، دہلی: مطبع مجتبائی

بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل۔ (۱۳۵۲ھ)۔ صحیح بخاری۔ قاہرہ: طبعۃ السّلفیہ

الدہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۹۸۴ء)۔ مقدمۃ فی اصول حدیث۔ لکھنو: مطبع دار العلوم لندوۃ العلماء

عبدالحئی (علامہ)۔ (۱۹۵۵ء)۔ نزہتہ الخواطر وبہجتہ المسامع والنواظر۔ حیدر آباد دکن: مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ

فیضی، ابُوالفیض (علامہ)۔ (۱۳۰۶ھ)۔ سواطع الالہام۔ لکھنو: مطبع نولکشور

محمد طیب (قاری)۔ (س ن)۔ الکلم الطیب۔ دیوبند: ادارہ تاج المعارف

فارسی کتب

الکوفی، علی بن حامد بن ابوبکر۔ (۱۹۳۹ء)۔ چچ نامہ۔ دہلی: مطبع لطیفی

انبیٹھوی، مولوی خلیل احمد۔ (س ن)۔ البراہین القاطعہ علی ظلام الادوار الساطعۃ۔ ساڈھورا: مطبع بلالی

بدایونی، ملا عبدالقادر۔ (۱۹۷۲ء)۔ نجات الرشید۔ لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب

تتوی، میر علی شیر قانع۔ (۱۹۷۱ء)۔ تحفۃ الکرام۔ حیدرآباد سندھ: سندھی ادبی بورڈ

خسرو (امیر)۔ (۱۹۳۳ء)۔ تغلق نامہ۔ (مرتبہ سید ہاشمی فرید آبادی)۔ اورنگ آباد

جعفر حلیم، سید حسن (ڈاکٹر)۔ (۱۹۹۲ء)۔ شرح احوال و آثار عبدالرحیم خان خانان۔ اسلام آباد۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران پاکستان

حسین، سید غلام۔ (س ن)۔ سیر المتاخرین۔ لاہور: تاج بک ڈپو

دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (س ن)۔ اشعۃ اللمعات۔ سکھر: مکتبہ نوریہ رضویہ

_____۔ (س ن)۔ مدارج النبوۃ۔ سکھر

دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ (۱۳۳۲ء)۔ اخبار الاخیار فی اسرار الابرار۔ دہلی: مطبع مجتبائی

_____۔ (۱۳۳۲ء) المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل۔ دہلی: مطبع مجتبائی

_____۔ (۱۹۸۵ء)۔ رسالہ نوریہ سلطانیہ۔ (مرتب: ڈاکٹر سلیم اختر)۔ اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

_____۔ (۱۹۸۲ء)۔ شرح سفر السعادۃ۔ سکھر: مکتبہ نوریہ رضویہ

دہلوی، نور الحق محدث (شیخ)۔ (۱۹۷۵ء)۔ نور العین شرح قران السعدین۔ لاہور: نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریبات امیر خسرو

شیرازی، سعدی (شیخ)۔ (۱۱۳۹ھ)۔ کلیات سعدی (بوستان)۔ تہران: انتشارات جاویداں علمی

طبرستانی، مرزبان بن رستم بن شروین۔ (۱۹۱۸ء)۔ مرزبان نامہ۔ تہران

قادری، داراشکوہ۔ (س ن)۔ سکینۃ الاولیاء۔ لاہور

کاشفی، حسین واعظ (ملا)۔ (۱۳۳۱ھ)۔ اخلاق محسنی۔ طہران: سعی واہتمام سید حسن

کتانی، سید عبدالحئ۔ (۱۳۴۶ھ)۔ فہرس الفہارس والثبات ومعجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات۔ ایران

جرائد واخبارات

اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ لاہور، اردو انسائیکلو پیڈیا۔ لاہور، شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔ کراچی اورینٹل کالج میگزین۔ لاہور، چراغ راہ۔ کراچی، معارف رضا۔ کراچی

ششماہی

معارف اسلامیہ۔ جامعہ کراچی

سہ ماہی

اردو۔ کراچی، نظم ونسق۔ لاہور، فکر ونظر۔ اسلام آباد

قلمی مخطوطے

تاریخ حقی از شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ برٹش میوزیم لائبریری۔ لندن

زبدۃ التواریخ از شیخ نورالحق دہلوی۔ برٹش میوزیم لائبریری۔ لندن

ماہنامے

الرحیم۔ حیدرآباد (سندھ)، سخنور۔ کراچی، نوید سحر۔ کراچی، الحق۔ دہلی، دین دنیا۔ دہلی، ساحل۔ کراچی خبر ونظر۔ کراچی، آگہی۔ کراچی، درویش۔ لاہور، سیارہ۔ لاہور، مینارۂ نور۔ کراچی، البلاغ۔ انڈیا

پندرہ روزہ

جیشِ محمد۔ کراچی

ہفت روزہ

الہام۔ بہاولپور

روزنامے

نوائے وقت ۔ کراچی، امت ۔ کراچی، دن۔ کراچی، ایکسپریس۔ کراچی، جنگ۔ کراچی، ایڈوانس۔ ماریشس دبدبہ سکندری۔ رامپور، خلافت۔ بمبئی، الفضل۔ قادیان

BIBLOGRAPHY

BOOKS

Abu Yusuf. (1302 A.H).*Kitab al –Kharaj*. Bulaq

Aganids, N.P. (1916). *Mohammedan Theories of Finance.* New York

Ahmed,Aziz.(1964).*Studies in Islamic Culture in the Indian Environment.* Lahore: Oxford University Press

Ahmed,Aziz. (1969). *An Intellectual History of Islam in India. Edenburg*

Ahmad,Ilyas.1965). *Sovereignty,Islamic and Modern.* Karachi: Allies Book Corporation

Ahmed ,Manzooruddin. (1983). *Islamic Political System in the Modern Age: Theory & Practice.* Karachi: Saad Publications

______. (1996). *Pakistan the Emerging Islamic State.* Karachi: The Allies Book Corporation

Ahmed , Muhammad Aziz,. (1975) . *The Nature of Islamic Political Theory.* Karachi :Ma'aref

Ahmed,M.Basheer. (1978). *Judicial System of the Mughul Empire.* Karachi: Pakistan Historical Society

Ahmed,Rizwan.(1976).*Sayings of Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah.* Karachi:Elite Publishers

Al-Farabi.(1895). *Madinah al-Fadila.* Leiden

______. (1345 A.H). *Rasail Tahsil al-asadah.* Hyderabad Deccan: Matba'Da'irah al-Ma'arif al-'Uthmaniyah

Ali, Syed Ameer.(1910). *The Spirit of Islam.* London

Almond, G.A,(1976).*Comparative Politics:A Developmental Approach.* New Dehli: Oxford and IBH

Anwar Hashmi. (1976). *An Introduction to Islamic Ideology.* Karachi: Karachi Book Center

Anwar, K.S.,& Zuber, M.H. (1970). *A Shavian and a Theologian.*Karachi:The Islamic Information Centre

Arnold, T.W.(1965). *The Caliphate.* London: Routledge & Kegan Paul Ltd

Bangash, Zafar. (2001. March 1-5). *The Seerah as a Model for the Total Transformation of the Society.* Crescent International .USA

Bhandari, D.R. (n.d.). *History of European Political Philosophy* .India: The Banglore Printing & Publishing Co, Ltd

Bluhm, Wt.(1978). *Theories of the Political System.* New Jersey: Prentice Hall, Inc., Englewood Cliffs

Briffault, Robert. (1980). *The making of Humanity.* Lahore :Islamic Book Foundations

Carlyle,Sir R.W.(n.d). *A History of Medieval Political Theory in the West.* London & Edinburgh : William Blackwood & Sons Ltd.

Carter,G.M.(1967).*Major Foreign Power.*USA: Harcourt Brace

Chaudhry,M.Sharif. (1988). *A Code of the Teachings of Al-Quran.* Lahore: Fazal Haque and Sons

Crewhunt,R.N.(1951).*Theory and Practice of Communism* London

Dunbar, Sir George.(1943). *A History of India from the Earliest Times to the Present Day.* London

Earle, Liz. (1994). *Aromatherapy.* London: Bontree Ltd

Easton, David. (1965). *A System Analysis of Political life.* New York: John Wiley and Sons

Elliot , Henry M., & John Dowson .(1964).*History of India: As told by its own Historian.*Delhi

Garner,James Wilford. (1951/1952). *Political Science and Government.* Calcutta : The World Press, Ltd

Gibb, H.A.R., (1962).*Studies in the Civilization of Islam.* Edited by Shaw and Polk. Boston: Beacon Press

_____.(1978). *Modern Trends in Islam.* N.Y: Octagan Books

_____.(1962). *Studies of the Civilisation of Islam.* Roultedge & Kegan Paul

Grunebaum, E.Von, (1955). *Unity and Variety in Muslim Civilization.* Chicago: The University of Chicago Press

Gupta, Shidyo. (1988). *A Simple Study of Public Administration.* Delhi: Gupta Publishers

Haq, S. Moinul.(1979). *Islamic Thought and Movement.* Karachi: Pakistan Historical Society

Haque, Tamizul. (1997). *Islam and its Legal and Moral Aspect.* Dhaka: The Pioneer Printing Press

Hasan, Ibn. (1958). *Central Structure of the Mughal Empire in Northern India.* Lahore:Majlis Tarraqi Adab

Huxlay, Aldous.(1965). *Ends and Means.* London: Chato and Windus

Ibn Taimiyah, Taqi al-Din Ahmad. (1341 A.H). *Minhaj-al-Sunnah.* Bulaq. al-Baghdadi. (1928). Abu Mansur' Abd al-Qahir, *Usul al-Din.* Istanbul

Iqbal,Muhammad. (1982). *The Reconstruction of Religious Thought in Islam.* Lahore: Ashraf Printing Press

Joad, C.E.M. (1948). *Guide to the Philosophy.* London: Victor Gallenez

Kapur, Man Mohan. (n.d.). *Lives Of Great Men* . Lahore: Gur Das Kapur And Sons

Khalid Bin Sayeed. (1978). *Pakistan the Formative Phase.* Dehli: Oxford University Press

Lane-Pool, Stanley. (1951). *Medieval India.*India: Susil Gupta Ltd.

Levi,Werner. (1953). *Fundamentals of World Organization* . Minneapolis

Lippman, Walter. (1944). *The Good Society.* London: George Allen & Unwin

Mahajan,V.D. (1962). *The Muslim Rule in India.* New Delhi: S.Chand and Co.

______. (1986).*International Relations.*New Dehli: S.Chand and Co.

Majumdar,R.C. (1974). *The History and Culture of the Indian people*. Bombay: Bhartiya Vidya Bhavan

Marsden,E. and Sharp, Henry (Sir). (1931). *A History of India*. London: Macmillan And Co., Ltd.

Mclver, R.M.(1928). *Community*. London

Malleson,G.B. (1903/1979). *Rulers of India, Akbar and the Rise of Mughal Empire*. Lahore: Islamic Book Service

Michael H.Hart. (1996). *The 100 -A Ranking of the most Influential Person in History* .N.Y: Acitad Press Book

Mitchell, Colin Paul. (2000). *Sir Thomas Roe and the Mughal Empire*. Karachi: Area Study Centre for Europe, University of Karachi

Mutahhari, Mortaza. (1982). *Religion and the World*. Iran: Foreign Department of Bethat Foundation

Prasad, Ishwari. (1964). *A Short History of Muslim Rule in India*. Allahabad: The.Indian Press

Powel, Price. (1958). *A History of India*. New York

Qureshi, I.H. (1957). *The Pakistani Way of Life*. London: Heinemann

______.(n.d). *The Struggle for Pakistan*. Karachi: Karachi University press

Roberts, Robert. (1925). *The Social Law of Islam*. London: Williams and Nergate Ltd

Russel, Bertrand. (1948). A *History of Western Philosophy*. London: George Allen and Unwin

______. (1986). *Mysticism and Logic*. London. Unwin Paper books

Sachdeva & Gupta .(1987). *A Simple Study of Political Science* .India

Sarwar, Ghulam.(1959/1987). *Manuscript of Gelani Library Uch*. Bahwalpur: Urdu Academy

Satow, Sir Ernest Harold. (1957). *A Guide to Diplomatic Practice*. London

Shah Rev.Ahmad.(1906). *Miftah al-Quran*. Benares: E.J.Lazarus & Co

Sharma, Sri Ram. (1940). *The Religious Policy of the Mughal Emprors*. Bombay: Munshiram Manoharlal Publishers (pvt.)

Siddique, A.A. (n.d.). *Cultivation of Science by the Muslims*. Karachi; World Federation of Islamic Mission

________. (n.d.). *The Principles of Islam*. Karachi; Women's Islamic Mission

Smith, Wilferd K. (1954). *Pakistan as an Islamic State*. Lahore

Smith Vincent A. (1892). *Akbar the Great Mughal*. 1542 – 1605. Oxford

Tahir, Mohammad, and Ahmed Bin Mohamed Ibrahim.(n.d.). *The Roving Ambassador of Peace*. Singapore : G.H. Kiat & Co, Ltd

Tutsch,Hans E. (1965). *Facts of Arab Nationalism*. Detroit:Wayne State University Press

Verba, Sidney. (1965). *Comparative Political Culture*. Princeton: Princeton University Press

Vidyabhusana Bhagwan Vishnu. (1987). *Public Administration*. New Delhi: S Chand and Company

Wallis, Malcolm. (1989). *Bureaucracy-Its Role in Third World Development*. London :Macmillan Publishers

Watt, W.M. (1956). *Muhammad at Medina*. Oxford: University Press

Weber, Max. (n.d.). *The Presupposition and causes of Beaurocracy*. Illinois: The Free Press

Woodward, Bob. (1987). *The Secret Wars of CIA*. London: Simon Schuster

Zaydan, Jurji. (1907). *Umayyads and Abbasids*. English translation by F. Morgoliouth.. London: Luzac and Co.

ARTICLES

Ahmed, Manzoor Uddin. (Sept 1962): The Classical Muslim State. Vol I No.I. Dept. of Islamic Studies, University of Karachi

_____. (April 1964). The Shura, Ijtihad and Ijma in the early Islamic State. Vol I, No.3. Dept. of Islamic Studies, University of Karachi

_____. (1963). Islamic Aspects of the new constitution of Islamic Republic of Pakistan. Vol II, No.2. Dept. of Islamic Studies, University of Karachi

Binder, L. (July 1965). Al-Ghazali's Theory of Islamic Government. Vol IV, No.3. The Muslim World Karachi.

Husain, M.Hidayat. (1926). The Auto-bibliography of Mawlana Abd al–Hakk ad-Dehlavi. Journal of Asiatic Society of Bengal. [N.S., XXII, Calcutta.

Maclagan, E.D.(1896). Jesuit Missions to the Emperor Akbar. Journal of Asiatic Society of Bengal. Part I, V. LXV. Calcutta

PERIODICALS

Catalogue of the Persian Manuscripts in the Library of India Office Library. London by Hermann Ethe

Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Library, London. By Charles Riew

Federal Judicial Academy. (1990). The Constitution of the Islamic Republic of Pakistan

Herald Tribune. New York

The Cambridge History of India

The Minaret. Karachi.

DICTIONARIES

A Dictionary of Modern Written Arabic by J.M. Cowan. Wiesbaden

Fawq el'Adal. (1974). A dictionary of Diplomacy and International Affairs (English, French, Arabic). By Samouhi

New Webster's Dictionary of English Language.

Webster's New International Dictionary of English Language

Webster's Third New International Dictionary.

ENCYCLOPEDIAS

Encyclopedia of Religion and Ethics

International Encyclopedia of the Social Sciences

Merit Students Encyclopedia

The Great Ideas Today. (1992). Encyclopedia Britannica, Inc, Chicago, London, Spain

Viva Voce Examiner's Report

A report to the Department of Political Science, University of Karachi on the Ph.D. dissertation entitled, "Shaykh Abd al-Haq Muhaddith Dehlawi (1551-1642) as a Religious and Politlcal Thinker: An Analytical Study".
Candidate Muhammad Younus.
Examiner Dr Manzooruddin Ahmed, Adjunct Professor, Dr I.H.Qureshi Chair, Sheikh Zayed Islamic Centre, University of Karachi.

It is a piece of excellent research work. His innovative approach to focus on the writing works of a Muslim theologian in the era of Akbar is interesting. He has used modern techniques of investigation. I do not hesitate to recommend the award of Ph.D. degree to the author, Mr. Muhammad Younus, a doctoral candidate in the Dept of Political Science, University of Karachi.

Manzooruddin Ahd

Dr Manzooruddin Ahmed
Adjunct Professor
Dr I.H.Qureshi Chair,
Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of Karachi
15.12.2001

External Examiner's Report # 1

A report to the Department of Political Science, University of Karachi on the Ph.D. dissertation entitled. "Shaykh Abd al-Haq Muhaddith Dehlawi (1551-1642) as a Religious and Political Thinker: An Analytical Study".
Candidate Muhammad Younus.

Dr. Kh. Nadira Parveen, Professor, Dept of Political Science, Dhaka University, Dhaka, Bengladesh.

I have gone through the research dissertation of Mr. Muhammad Younus candidate for award of Ph.D. Degree. After evaluation of the thesis, I feel pleasure to say that his research work is original based on primary sources of Religion and Politics. His analysis are impartial and his methods of research is deductive as well as inductive. Keeping facts in view, I strongly recommended him for award of Ph.D. Degree.

KNparveen

Dr. Kh. Nadira Parveen
Professor
Dept of Political Science
Dhaka University,
Dhaka, Bengladesh.
07.01.2002

External Examiner's Report # 2

A report to the Department of Political Science, University of Karachi on the Ph.D. dissertation entitled, "Shaykh Abd al-Haq Muhaddith Dehlawi (1551-1642) as a Religious and Politlcal Thinker: An Analytical Study".
Candidate Muhammad Younus.

Dr. Shahid Refai, Professor, Dept of Political Science, The College of Saint Rose, 432 Western Avenue, Albany, New York 12203.

This Ph.D. dissertation is quite singular in many respects. (a) It is very comprehensive in its coverage. (b) Not only it brings out the religious and political ideas of Shaykh Abd al-Haqq Muhaddith Dehlawi, and (c) Compares them comprehensively with not only his contemporaries--like Shaykh Ahmad Sarhindi--but also with such Western political thinkers as Machiavelli, Hobbes, Locke and Rousseau. (d) the Shaykh's influence is noticed in detail on such scholars as Shah Waliullah and his successors. (e) Shaykh Abd al-Haqq's religious and political ideas are comprehensively traced to his such works as Nuriya Sultaniya, Ash' at al-Lamiyat, Risala Ahadis Al-Arbayini, and his letters, etc. which he wrote for Mughal emperor, Jahangir, Shah Jahan, and some contemporary Moghal nobles like Farid Khan and Khan-i-Khan, et. al. (f) it is claimed that Jehangir's emphasis on the principle, "Justice for all" by constructing a petitioner's chain linked to the palace window and decreeing of the 12 judicial rules were *due to the direct influence of Shaykh Abd al-Haqq's writing and teachings. (g) However, no direct or indirect influences of Shaykh Abd al-Haqq's writing are indicated on Emperor Aurangzeb.(h) It is also claimed that it was not the writing only but also the political activism of Shaykh that restrained the Sunni Islam from deviating either into Akbar's fetish electicism, Bhakti libertarianism, Naqshbandi literalism, or later into such heterodox beliefs as those of the Qadiyanis, the Mahdavis, and others.*

Shahid Rifai

Dr. Shahid Refai
Professor
Dept of Political Science
The College of Saint Rose
432 Western Avenue
Albany, New York 12203
12.03.2002

اشاریہ

اعلام

آ

آدم علیہ السلام۔ ۱۵، ۲۴

آدم اسمتھ۔ ۱۰

آزاد، ابوالکلام۔ ۱۱۸، ۱۸۰

آزاد، جگن ناتھ (پروفیسر)۔ ۲۲۷

آزاد، محمد حسین، ۱۴۵

آزردہ، صدرالدین (مفتی)۔ ۳۵۸، ۳۵۹

آسٹن، جان۔ ۲۹۵

آصف خان۔ ۷۹

آگسٹائن (سینٹ)۔ ۱۳

آلپورٹ، ڈبلیو۔ ۴۴۴

آلمنڈ، جی اے۔ ۳۹، ۸۰، ۲۷۲، ۲۷۳

آملی، سید حیدر، ۲۲۷

الف

ابان بن سعیدؓ۔ ۲۵

ابراہیم سرہندی (حاجی)۔ ۴۷

ابراہیم علیہ السلام۔ ۲۰۸

ابراہیم قادری (محدث)۔ ۵۷، ۸۳

ابراہیم لودھی۔ ۲۹

ابلاغ، عنایت اللہ۔ ۲۳

ابن ابی ربیع۔ ۲۶۱

ابن الاثیر، ابی الحسن علی محمدؒ۔ ۳۵۱،

ابن بطوطہ، عبدالرحمٰن۔ ۵۸، ۸۱

ابن تاج، ابوبکر اسحاق (مولانا)۔ ۵۶

ابن ترکہ۔ ۲۲۷

ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیمؒ (امام)۔ ۲۲۴
۲۳۰

ابن جمہود۔ ۲۲۷

ابن حاجب۔ ۱۲۹

ابن حجر مکیؒ (شیخ)۔ ۷۳

ابن حسن۔ ۳۳، ۳۷

ابن خلدون، عبدالرحمٰن (علامہ)۔ ۱۲، ۳۴،
۲۲۵، ۲۸۴، ۳۲۴،

ابن طقطقی، جلال الدین۔۲، ۱۸۱
ابن عباسؓ۔۳۱۰
ابن عبدربہ، احمد بن ابی عمر۔۲، ۱۸۱
ابن عربی، محی الدین (شیخ)۔ ۱۰۳، ۲۰۱، ۲۱۳، ۲۲۷
ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزیدؒ۔۱۷۳
ابن منظور، جمال الدین۔ ۲۲۹
ابوالفتح (حکیم)۔ ۴۸، ۵۹
ابوالفضل علامی۔ ۴۷، ۵۹، ۶۲، ۶۶، ۷۷، ۸۵، ۱۶۱، ۲۸۴
ابوبکر صدیقؓ (خلیفۂ اوّل)۔۲۰۳، ۲۴۶، ۲۶۹، ۳۴۹
ابوحنیفہؒ، نعمان بن ثابت۔ ۱۵۱، ۲۸۰
ابوداؤدؒ (امام)۔ ۲۸۰
ابودرداءؓ۔ ۳۱۱
ابوصالح، محمد بن احمد۔ ۵۶
ابومسلم خراسانی۔ ۲۴۵
ابونعیمؒ۔ ۳۲۷
ابوہریرہؓ۔ ۲۵، ۳۱۵
ابویعلیٰ (امام)۔۲۸۴، ۳۳۸
ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (امام)۔۲، ۱۸۱، ۲۴۵
التبریزی، محمد بن عبداللہ الخطیب۔ ۱۵۱
اچیلیز۔ ۲۴۸
ارسکن۔ ۱۱۰
احمد (ڈاکٹر)۔۳۷۶
احمد، حافظ محمد۔۴۰۳
احمد، خورشید۔۱۹۴
احمد، زبید (ڈاکٹر)۔ ۱۴۸
احمد سرہندی (شیخ)۔۳، ۴۸، ۵۲، ۶۷، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۳۱، ۱۷۸، ۳۵۷، ۴۴۰
احمد، عزیز (پروفیسر)۔۷۸، ۸۰، ۲۳۹
احمد، غفور (پروفیسر)۔ ۳۹۹
احمد، مسعود (ڈاکٹر)۔ ۱۷۸
احمد، منزوی۔ ۱۴۹
احوص بن حکیمؒ۔۳۱۳
اختر، محمد سلیم (ڈاکٹر)۔ ۹۷
اخوند درویزہ۔ ۷۵
ارسطو۔ ۱۰، ۱۶۴، ۱۸۳، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۶۱،

۴۳۷
ارل، لز۔ ۴۴۳
اسپنوزا۔ ۲۱۲
اسحاق، محمد رانا (ڈاکٹر)۔ ۳۵۵
اسحاقی، محمد علی۔ ۱۵۱
اسد، محمد (علامہ)۔ ۲۳۷
اسفندیار۔ ۴۳
اسکاشانی۔ ۲۲۷
اسکندر مرزا۔ ۴۱۵
اسکنر، پی ایف۔ ۴۴۴
اسماعیل (شیخ)۔ ۱۰۲
اسماعیل بن سبکتگین۔ ۲۷
اسماعیل صفوی (شاہ)۔ ۷۷، ۷۸
اسماعیل لاہوری (محدث)۔ ۵۷، ۸۳
اسمتھ، ولفرڈ کے۔ ۲۲
اسمتھ، ونسنٹ۔ ۶۳، ۷۱، ۷۵
اشوک (مہاراجہ)۔ ۴۳
اصفہانی، راغب (امام)۔ ۲۳
افراسیاب۔ ۲۹۸
افغانی، جمال الدین۔ ۳۳۸
افلاطون۔ ۱۰، ۲۱، ۱۵۸، ۱۸۳، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۲، ۳۱۰، ۳۳۸، ۴۳۷
اقبال، محمد (علامہ)۔ ۱۸، ۳۳، ۱۸۳، ۲۲۶، ۲۳۹، ۳۷۱، ۳۷۷، ۴۵۰
اکبر، جلال الدین محمد۔ ۳۰، ۳۳، ۴۴، ۴۵، ۴۸، ۵۰، ۵۱، ۵۸، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۶، ۶۷، ۷۲، ۷۷، ۷۸، ۹۵، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۸۷، ۲۰۹، ۳۵۲، ۳۵۳، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۸، ۴۵۱
اکرام، شیخ محمد (ڈاکٹر)۔ ۳۶،
اگانیڈز، این پی۔ ۲۷۹
الامارتین، الفونس۔ ۴۳۵
الباقی، عبداللہ (مولانا)۔ ۳۹۷
البغدادی، ابومنصور عبدالقاہر۔ ۲۵۹
البغوی، حسین بن مسعود۔ ۲۵۱
البیانوی، علاء بن حسن (شیخ)۔ ۷۱
البیرونی، ابوریحان۔ ۳۵، ۴۱
الپتگین۔ ۲۷
الحسینی، سید امین (مفتی اعظم)۔ ۳۸۱

الجاحظ، ابوعثمان عمرو بن بحر۔ ۲، ۱۸۱
الجرجانی، علی بن محمد۔ ۲۲
الجرجانی، السید الشریف۔ ۲۱۳، ۲۲۹
الجیلانی، حامد الحسنی (شیخ)۔ ۹۸
الحق، ضیاء۔ ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۲۱
الحکم بن عمرو العلیمیؓ۔ ۲۵
الختلی، ابوالفضل محمد بن حسن (شیخ) ۲۲۸۔
الخوئی، ناصرالدین مطرزی (امام)۔ ۱۳۹
الزمخشری، محمود بن عمر جاراللہ (امام)۔ ۲۷۴
الساداتی، محمود احمد، ۳۳، ۴۳۶
الفریڈ کوبن (پروفیسر)۔ ۲۰
القادر باللہ۔ ۱۸
القشیری، مسلم بن حجاج (امام)۔ ۳۵۱
القیصری۔ ۲۲۷
الماوردی، ابی حسن علی۔ ۲، ۱۸۱، ۲۲۰، ۲۴۵،
۲۸۴، ۲۹۴، ۳۳۸
المدنی، طاہر محمد ابراہیم الکردی (شیخ)۔ ۱۴۴،
۳۵۴
المسعودی، ابوالحسن بن حسین الکوفی۔ ۲۴، ۲۵،
النابلسی۔ ۲۲۷
الہ آبادی، عبدالجلیل (شیخ)۔ ۱۰۰
الہ آبادی، محمد فاخر (مولانا) ۳۷۸
ام خالدؓ۔ ۱۴۲
امرتسری، غلام محمد ترنم (مولانا)۔ ۳۷۸
ام سلمیٰؓ۔ ۳۱۴
امیر جمال الدین عطاء اللہ (محدث)۔ ۸۳
امیر محمد مصطفیٰ شریفی۔ ۹۲، ۹۹
امینی، محمد تقی (مولانا)۔ ۲۳۰
انس بن مالکؓ۔ ۲۷۴
انصاری، منصور (مولانا)۔ ۳۶۴
انبیٹھوی، خلیل احمد (مولانا)۔ ۱۹۳، ۳۶۵،
۴۰۳
انفنسٹن۔ ۳۶۶
اویسی، فیض احمد (مفتی)۔ ۳۵۷
ایبک، قطب الدین۔ ۲۹
ایتھے، ہرمن۔ ۹۶
ایڈلر، الفریڈ۔ ۴۴۴
ایڈیمک (مارشل)۔ ۲۸۲
اریکس، اریک۔ ۴۴۴
ایسٹن، ڈیوڈ۔ ۲۶۱، ۲۷۲

اکیوناس، تھامس (سینٹ)۔ ۱۰، ۲۳۰
ایلیٹ، ایچ ایم (سر)۔ ۱۳۹، ۱۸۱، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۶

ب

بابا فرید شکر گنج۔ ۱۱۳
بابر، ظہیر الدین محمد۔ ۲۹، ۵۳، ۵۴
باقی باللہ (خواجہ)۔ ۶۸، ۹۳، ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۴۲، ۲۰۸
بایزید انصاری (شیخ)۔ ۷۳، ۷۴، ۷۵
بخاری، سید عطاء اللہ شاہ۔ ۴۲۵
بدایونی، عبدالماجد (مولانا)۔ ۳۷۸
بدایونی، عبدالحامد (مولانا)۔ ۳۷۸، ۳۸۱، ۳۹۷
بدایونی، عبدالقادر (ملاّ)۔ ۴۷، ۴۸، ۷۰، ۷۲، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۴۷، ۴۴۰
بدہی ساگر۔ ۶۰
براہی، ٹائکو۔ ۴۳۷
برلاس (پروفیسر)۔ ۳۷۳
برنارڈ شا، جارج۔ ۳۷۶، ۴۳۵
برنی، ضیاء الدین۔ ۵۴، ۱۸۱
برنیئر (ڈاکٹر)۔ ۴، ۷، ۱۸۷، ۱۸۹، ۳۵۲
برونو، گیوارڈا۔ ۴۳۷
برہان نظام شاہ۔ ۷۷
بریلوی، احمد رضا (امام)۔ ۲۱، ۱۷۷، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۹۴، ۴۰۳، ۴۴۰، ۴۴۴، ۴۵۰
بریلوی، سید احمد (مولانا)۔ ۳۵۸، ۳۶۱
بریلوی، مصطفیٰ رضا خان۔ ۳۹۷
بریلوی، نقی علی خان (مولانا)۔ ۳۵۹، ۳۶۹
بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل۔ ۱۳۰، ۲۸۰
بختیار کاکی، قطب الدین۔ ۱۱۳
بخشی، مرزا نظام الدین احمد۔ ۱۰۹، ۱۱۰
بطلیموس۔ ۴۳۷
بلاذری، احمد بن یحییٰ۔ ۳۴
بلگرامی، آزاد۔ ۱۱۱
بلگرامی، میر سید طیب۔ ۱۱۰، ۴۴۰
بلگرامی، میر سید مبارک (محدّث)۔ ۱۰۰
بلوہم، واٹ۔ ۲۲

بناری، شیخ یٰسین (محدث) ۔ ۱۰۰
بندورا، البرٹ ۔ ۴۴۴
بوٹیلو (پرتگیزی پادری) ۔ ۶۶
بوناپارٹ، نپولین ۔ ۴۳۵
بہادر شاہ، قطب الدین ۔ ۳۵۴
بہاری، محب اللہ (ملاّ) ۔ ۳۶۳
بھٹو، ذوالفقار علی ۔ ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۱۹، ۵۲۵
بھٹی، محمد اسحاق (ڈاکٹر) ۔ ۱۵۰
بھنسی، محمد (شیخ) ۔ ۴۳۹
بھرچونڈی شریف، پیر عبدالرحمٰن ۔ ۳۷۸
بھگت رام ۔ ۳۳
بھگوان، رانا بھگوان داس ۔ ۴۳۵
بہلول لودھی ۔ ۵۴
بی بی غامدیہؓ ۔ ۲۳۰
بی بی مریم علیہ السلام ۔ ۵۹، ۸۶
بیدی، کنور مہندر سنگھ ۔ ۴۳۵
بیربر (راجہ) ۔ ۵۹، ۹۲
بیرم خان ۔ ۵۸، ۷۹، ۱۰۶
بیکن ۔ ۲۴۸
بینتھم، جریمی ۔ ۱۰، ۲۳۱، ۲۹۵
بینیٹ، جان ۔ ۳۹۵

پ

پال (سینٹ) ۔ ۱۹، ۲۴۳
پدما سندر ۔ ۶۰
پرائس، پوویل ۔ ۴۷، ۸۱
پرتھوی راج چوہان (راجہ) ۔ ۲۸، ۴۳۶
پٹنی، محمد طاہر (علاّمہ) ۔ ۷۲
پرشاد، ایشوری ۔ ۳۳، ۴۷، ۸۵، ۴۳۶
پرکھوتم ۔ ۶۰
پرویز ۔ ۲۲
پسیخوانی، محمود ۔ ۷۶، ۷۷
پفنر ۔ ۲۸۲
پکتھال، ماڈیوک ۔ ۲۴۳
پیلسے ٹرٹ ۔ ۴، ۷، ۵۲

ت

تارا چند (ڈاکٹر) ۔ ۸۰
تان سین ۔ ۵۹
تتوی (ٹھٹھوی)، میر علی شیر قانع ۔ ۳۴

ترک، آغا محمد (شیخ)۔ ۹۰، ۴۳۹

ترمذی، محمد بن عیسیٰ (امام)۔ ۳۴

تفتازانی، سعدالدین (علامہ)۔ ۱۳۹

تلنبی، عبداللہ عثمانی (شیخ)۔ ۵۵، ۳۶۳

تلنبی، عزیز اللہ عثمانی (شیخ)۔ ۵۵، ۳۶۳

تونگ، مانگ۔ ۴۳۵

تولک۔ ۲۸

تھامس رو (سر)۔ ۴، ۷، ۵۱، ۶۶، ۳۰۰

تھانوی، اشرف علی (مولانا)۔ ۳۰۰، ۳۳۰، ۳۶۱، ۳۶۵، ۳۸۰، ۴۰۳

تھیسیوس۔ ۲۵۰

ٹ

ٹارٹ۔ ۲۶۷

ٹوڈرمل (راجہ)۔ ۵۹، ۶۰، ۶۲

ٹوئن بی (پروفیسر)۔ ۲۰، ۲۳

ث

ثانی، عبدالقادر (شیخ)۔ ۱۴۰

ثانی، محی الدین (شیخ)۔ ۱۴۰

ج

جابرؓ۔ ۳۱۳

جارج جیک ہولی اوک۔ ۱۴

جالینوس (حکیم)۔ ۲۸۷

جریر بن عبداللہ۔ ۳۰۱

جعفر حلیم، سید حسین (ڈاکٹر)۔ ۱۴۵، ۱۸۰، ۱۹۵

جعفری، سید اصغر علی شاہ۔ ۲۲

جلال الدین بن شیخ بازید انصاری۔ ۴۷

جلال الدین (قاضی)۔ ۱۶۰

جناح، قائداعظم محمد علی۔ ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۴۲۲، ۴۵۰

جوڈ، سی ای ایم۔ ۲۳، ۲۶۴

جوزجانی، منہاج سراج۔ ۳۵

جونپوری، سید محمد عبداللہ۔ ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۱۰۸

جونپوری، محمد رشید عثمانی (شیخ)۔ ۱۰۰

جونپوری، محمود (ملاّ)۔ ۳۹۳

جونگ، کارل۔ ۴۴۴

جہاں آرا بیگم۔ ۱۸۹
جہانگیر، محمد سلطان سلیم۔ ۳۱، ۴۹، ۵۱، ۴۷، ۶۸، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۹، ۲۰۹، ۳۵۲، ۴۲۴، ۴۴۱، ۴۴۹
جشیاری، ابو عبداللہ محمد عبدوس۔ ۲، ۱۸۱
جیلانی، سید محمد طاہر اشرف۔ ۳۷۸
جے پال (راجہ)۔ ۲۷، ۴۳۶
جے چند سوری۔ ۶۱
جیلی عبدالکریم۔ ۲۲۷

چ

چانکیہ، کوتلیہ۔ ۴، ۱۸۳، ۲۴۸، ۲۶۱، ۳۰۲، ۴۰۴، ۴۲۲، ۴۴۹، ۴۵۰
چراغ، محمد نصیر الدین دہلویؒ۔ ۵۴، ۱۱۳، ۴۴۰
چشتی، خواجہ معین الدینؒ۔ ۲۹، ۱۱۳
چشتی، محمد عبدالحلیم (ڈاکٹر)۔ ۱۴۳
چشتی، یوسف سلیم (پروفیسر)۔ ۲۲۷
چنا۔ ۳۳

ح

حاجی نصر۔ ۲۷
حاجی نظر بدخشی (شیخ)۔ ۹۹، ۴۳۹
حارث بن مرہ العبدیؒ۔ ۲۵
حارثہ۔ ۲۲
حاطب بن ابی بلتعہؓ۔ ۳۰۱
حامد (شیخ)۔ ۱۰۹
حبیب، محمد (پروفیسر)۔ ۴۴۰
حجاج بن عطاۃ۔ ۳۱۵
حجاج بن یوسف ثقفی۔ ۲۶
حسام الدین (شیخ)۔ ۱۱۸
حسنؓ (امام)۔ ۵، ۲۴۶
حسن البناء (شیخ)۔ ۳۷۱، ۳۸۱
حسن بصریؒ۔ ۱۱۰
حسن، پیر محمد (ڈاکٹر)۔ ۲۲۷
حسن، محمود (مولانا)۔ ۳۲۴، ۴۰۳
حسینؓ (امام)۔ ۵، ۴۴۶
حسین۔ ایم ہدایت۔ ۱۹۵
حسین، سید غلام۔ ۳۶
حقی، برکت علی (شیخ)۔ ۱۱۶۔ ۱۴۰
حمید اللہ (ڈاکٹر)۔ ۲۶۸، ۳۲۸

حمیدالدین (ڈاکٹر)۔ ۳۵

حمیدہ بانو بیگم۔ ۳۰، ۷۹

حیاتی کاشی (مولانا)۔ ۷۶

حیدر تیلو بن فیروز کشمیری (شیخ)۔ ۱۰۰

حیدر، معین۔ ۴۱۸

خ

خافی خان، نظام الملک۔ ۳۶

خالدؓ بن ولید۔ ۱۴۴

خان، اکرم (مولانا)۔ ۳۹۷

خان، ایوب۔ ۳۹۸، ۴۱۵

خان، بخت (جنرل)۔ ۳۵۹، ۳۶۰

خان، حسن رضا (مولانا)۔ ۱۵۱

خان خاناں، عبدالرحیم۔ ۵۹، ۶۶، ۱۰۶، ۱۰۷،
۱۶۸، ۴۴۰

خان، رشید (ڈاکٹر)۔ ۲۲۹

خان، سردار عبدالقیوم۔ ۴۰۴

خان، سید غلام حسین۔ ۲۹۵

خان، ضیاء الدین (نواب)۔ ۱۸۸

خان، ظفر اللہ۔ ۴۲۵

خان، غلام اسحاق۔ ۴۰۱

خان، نواب احمد۔ ۴۱۹

خان، نیابت۔ ۱۶۳

خان، یحییٰ۔ ۳۹۸، ۳۹۹

خسرو (امیر)۔ ۳۳، ۴۱

خلجی، علاؤ الدین۔ ۷۵

خواجہ خرد، عبداللہ دہلوی (شیخ)۔ ۱۰۰

خواجہ عبدالصمد۔ ۷۹

خواجہ منصور (دیوان)۔ ۱۶۳

خیرآبادی، فضل الحق (علامہ)۔ ۳۵۵،
۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۸،
۴۴۹

خیرالدین بن شیخ بایزانصاری۔ ۷۴

د

داماد، میر باقر۔ ۳۶۲

داؤد علیہ السلام۔ ۲۹۷، ۳۱۱

داؤد کرمانی شیر گڑھی (شیخ)۔ ۹۸

داہر (راجہ)۔ ۲۶

دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ۔ ۳۰۱

دراز، عبداللطیف (شیخ)۔ ۳۷۳
درخواستی، عبداللہ (مولانا)۔ ۳۵۴
دہلوی، ابورضا بن اسماعیل (شیخ)۔ ۱۰۰
دہلوی، اسماعیل (شیخ)۔ ۱۱۱
دہلوی، خواجہ حسن نظامی۔ ۳۷۸
دہلوی، شاہ اسماعیل (مولانا)۔ ۳۶۰، ۳۶۱
دہلوی، شاہ عبدالعزیز (محدث)۔ ۱۴۳، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۷۰، ۴۰۲
دہلوی، شاہ ولی اللہ (محدث)۔ ۱۴۴، ۲۳۲، ۲۹۱، ۳۳۸، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۶۴، ۳۷۲، ۴۰۲، ۴۴۹
دہلوی، عبدالحق محدث (شیخ)۔ ۱، ۲، ۵، ۶، ۷، ۱۱، ۳۸، ۴۱، ۴۸، ۵۸، ۶۶، ۶۸، ۷۳، ۷۹، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۴، ۱۶۷، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۹۰، ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۲۸، ۲۲۰، ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۸۱، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۳۰، ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۴۵، ۳۴۸، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۲، ۳۹۱، ۳۹۴، ۳۹۵، ۴۰۲، ۴۰۴، ۴۰۷، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۸، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۴، ۴۲۷، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸
دہلوی، کفایت اللہ (مفتی)۔ ۴۰۳
دہلوی، محمد اسحاق (شاہ)۔ ۳۵۸، ۳۵۹
دہلوی، محمد صادق کشمیری۔ ۵، ۱۰۰، ۱۴۵
دولت آبادی، شہاب الدین (قاضی)۔ ۵۶
دیوی، عبدالسلام (مفتی)۔ ۳۶۳

ڈ

ڈانٹے۔ ۲۲۷
ڈاڈ۔ ۴۳۵
ڈاؤسن، جان (پروفیسر)۔ ۱۸۱، ۱۸۷، ۱۸۸
ڈینگ (لارڈ)۔ ۲۹۱

ر

رازی، فخر الدین (امام)۔ ۴۸، ۲۸۱

رازی، قطب الدین۔ ۱۳۹

راسل۔ ۲۵

راشدی، سید حسام الدین۔ ۸۸

راغب (امام)۔ ۲۹۲

رانا دستور مہر جی۔ ۵۹

رائے رسل۔ ۳۳

رزق اللہ (شیخ)۔ ۹۰، ۱۳۸، ۱۴۹

رسل، برٹرینڈ۔ ۴۳۵

رشید، شیخ۔ ۴۱۸

روائس (پروفیسر)۔ ۲۰۲

روجرس، الیگزینڈر۔ ۱۸۷

روجرس، کارل۔ ۴۴۴

روسو، جان جیکوئیس۔ ۴، ۱۰، ۱۵، ۲۳۱

ریاض الحسن (ڈاکٹر)۔ ۱۹۰، ۱۹۶

رینلنگ، جارج ایس اے۔ ۱۹۰

ریکارڈن، ڈیوڈ۔ ۲۹۵

ریمنڈبل۔ ۲۲۷

ریو، چارلس۔ ۹۶

ریوز، ایمری۔ ۱۶، ۲۲، ۲۳

ز

زبیری، اخلاص حسین۔ ۱۳۹

زرداری، آصف علی۔ ۴۰۱، ۴۱۰

زرداری، بے نظیر۔ ۴۰۱، ۴۰۶، ۴۱۰، ۴۱۹

زرتشت۔ ۴۳

زکوڑی شریف، پیر عبداللطیف۔ ۳۷۸

زین الدین (شیخ)۔ ۳۰، ۵۸

س

سادھو کیری۔ ۶۰

سائیروس۔ ۲۴۸، ۲۵۰

سبکتگین، ناصر الدین۔ ۲۷

سچدیو۔ ۲۱

سرخسی، ابوبکر محمد بن سہل (امام)۔ ۲۶۳، ۳۴۷، ۳۴۸

سرو۔ ۲۸۴

سعد اللہ (شیخ)۔ ۹۰، ۹۸، ۱۳۸، ۴۳۹

سکسینہ، بنی پرشاد۔ ۳۳، ۳۷، ۴۳۶
سکندر اعظم۔ ۱۸۳، ۲۴۸، ۲۸۷
سکندر لودھی، نظام خان۔ ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷
سلطان پوری، عبداللہ (مولانا)۔ ۴۷، ۱۶۰، ۱۶۳
سلطان حسین مرزا۔ ۷۷
سلطانہ، رضیہ۔ ۲۴۹
سلیط بن عمروؓ۔ ۳۰۱
سلیمان اسماعیلی۔ ۷۴
سلیمان بن عبدالملک۔ ۲۶
سلیمان علیہ السلام۔ ۳۱۱
سلیم چشتی (شیخ)۔ ۱۰۸
سلیم شاہ (سلطان)۔ ۷۱
سمرقندی، سید جعفر۔ ۹۹، ۴۳۹
سمہودی، سید عفیف الدین۔ ۱۴۹
سن تزو۔ ۴، ۱۸۳
سنجری، امیر علاء۔ ۲۲۷
سنہا، راج کمار۔ ۳۷
سولون۔ ۴۴۲
سومرو، محمد میاں۔ ۴۱۸
سیوامی دیانند۔ ۲۹۱
سیوطی، جلال الدین (امام)۔ ۳۳۴
سہروردی، سید منور علی (ڈاکٹر)۔ ۷، ۱۱۶، ۱۴۰
سیالکوٹی، عبدالحکیم (ملاّ)۔ ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۴۴، ۳۶۳
سیبائن، جی ایچ۔ ۲۱
سیالوی، پیر محمد قمرالدینؒ۔ ۳۸۱
سیپو۔ ۲۴۸
سیٹو، ارنسٹ (سر)۔ ۳۰۰
سید احمد خان (سر)۔ ۱۱۳، ۳۵۹، ۳۶۶، ۳۶۸
سید احمد ہروی۔ ۷۸
سید عبدالقادر جیلانیؒ (شیخ)۔ ۵، ۹۴، ۱۱۳،
۱۴۰، ۱۸۶، ۲۰۸
سید رفیع الدین صفویؒ (مولانا)۔ ۳۰
سیزر، جولیس۔ ۱۳، ۲۴۸
سیف الدین (شیخ)۔ ۹۰، ۹۱، ۹۴، ۹۹، ۱۱۴،
۱۳۸، ۴۳۹
سیل۔ ۴۳۵

ش

شاذلی، ابوالحسن (شیخ)۔ ۳۳۳
شارپ، ہنری۔ ۸۶
شاکر محمد (شیخ)۔ ۱۰۰

شاہتاز، نوراحمد (ڈاکٹر)۔ ۴۲۱
شاہجہاں، محمد شہاب الدین۔ ۳۱، ۶۶، ۶۸، ۷۸، ۱۱۱، ۱۸۵، ۱۸۹، ۳۵۲، ۳۵۳، ۴۴۹
شاہ جیو، محمد یحییٰ (شیخ)۔ ۱۰۰
شاہ شجاع۔ ۳۵۲
شاہد، ایس ایم۔ ۴۰۰
شجاع بن وہبؓ۔ ۳۰۱
شرما، دیوانی چند۔ ۴۳۵
شرما، سری رام (پروفیسر)۔ ۳۳، ۶۷، ۸۵، ۴۳۶
شریف آملی۔ ۷۶
شریف، میاں نواز۔ ۴۰۱، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۱۰، ۴۱۹
ششتری، نوراللہ (قاضی)۔ ۷۹
شطاری، محمد غوثی (مولانا)۔ ۹۴، ۱۰۰
شواگ۔ ۴۳۵
شہاب (معز) الدین محمد بن سام (سلطان)۔ ۲۸، ۴۳۶
شہابی، انتظام اللہ (مفتی)۔ ۳۶، ۱۳۹
شیخ عمر بن شیخ بایزید انصاری۔ ۷۴
شیخ گدائی۔ ۷۹
شیلڈن، ولیم ایچ۔ ۴۴۴
شیرازی، سعدیؒ۔ ۲۱۵

ص

صاحب داد خان (مفتی)۔ ۳۸۱، ۳۹۷
صدرا (ملاّ)۔ ۳۶۲
صدر جہاں (مفتی)۔ ۱۶۰
صدیقی، ساجد الرحمٰن (ڈاکٹر)۔ ۲۳۰
صدیقی، شاہ محمد عبدالعلیم (مولانا)۔ ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۹۷، ۴۲۲، ۴۵۰
صدیقی، کلیم (ڈاکٹر)۔ ۲۲
صدیقی، وحید الحق (ڈاکٹر)۔ ۱۳۹
صلاح الدین، محمد۔ ۳۷۶
صمصام الدولہ (شاہ نواز خان)۔ ۱۳۵

ض

ضامن، حافظ (مولانا)۔ ۳۶۵

ط

طاہر بن رضی اسماعیلی قزوینی (شیخ)۔ ۷۷
طرطوسی۔ ۲، ۱۸۱
طوسی، خواجہ نظام الملک۔ ۲، ۱۸۱، ۲۸۴، ۲۹۸
طہماسپ صفوی (شاہ)۔ ۷۸، ۷۹
طیب (شیخ)۔ ۵۷، ۹۹، ۱۰۰

ع

عابدہ حسین (سیدہ)۔ ۳۰۲
عالمگیر، اورنگ زیب۔ ۳۱، ۳۵۲، ۳۵۳،
۳۵۴، ۴۴۸، ۴۴۹
عائشہؓ۔ ۲۵
عباس صفوی (شاہ)۔ ۷۶
عبدالاحد (شیخ)۔ ۱۰۱
عبدالنبی (علامہ)۔ ۴۷، ۱۶۰، ۱۶۳
عبدالحی (علامہ)۔ ۲۳۰
عبدالرحمن ابن ابوبکرؓ۔ ۲۴۶
عبدالعزیز بن عبداللہ آل شیخ۔ ۳۹۳
عبداللہ۔ ۵
عبداللہ، سید۔ ۳۸۱
عبداللہ بن عمرؓ۔ ۲۴۶، ۳۱۴
عبداللہ بن حنظلہؓ۔ ۲۴۶
عبداللہ حذافہ سہمیؓ۔ ۳۰۱
عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔ ۳۳۴
عبداللہ، سید محمد (ڈاکٹر)۔ ۳۶۲
عبداللہ نیازی (شیخ)۔ ۴۷
عبدالقادر۔ ۷
عبدالماجد (شیخ)۔ ۳۷۳
عبدالملک بن مروان۔ ۲۳
عبدالملک بن نوح سامانی۔ ۲۷
عبدالوہاب بن فتح اللہ بروجی (شیخ)۔ ۹۹
عبیداللہ سندھی (مولانا)۔ ۶۴، ۳۵۷، ۳۶۴
عثمانؓ (خلیفہ سوم)۔ ۲۶۸
عثمان بن ابی العاصؓ۔ ۲۵
عثمان بن احنفؓ۔ ۲۶۴
عثمانی، شبیر احمد (مولانا)۔ ۳۹۷
عربیہ، لارنس آف۔ ۴۰۲
عرفی۔ ۹۷
عروہ بن مسعود ثقفیؓ۔ ۳۰۱
عزیز الرحمن (مولانا)۔ ۴۰۳

عقبہ بن عامرؓ۔ ۲۶۳

علاء بن الحضرمیؓ۔ ۳۰۱

علاء حضرمیؓ۔ ۲۵

علیؓ (خلیفہ چہارم)۔ ۲۵، ۲۹۴، ۳۱۱، ۳۲۷

علی، امیر (جسٹس)۔ ۴۴۹

علی بن جاراللہ قرشی (شیخ)۔ ۹۹

علی، چوہدری محمد۔ ۴۱۵

علی متقیؒ (شیخ)۔ ۵۶، ۷۳، ۸۳، ۱۴۱، ۱۹۱

علی مردان۔ ۷۹

علی محمد (شیخ)۔ ۱۱۲، ۱۱۳، ۴۴۰

عمرؓ (خلیفہ دوم)۔ ۲۵، ۱۰۱، ۲۴۶، ۲۶۴،
۲۶۹، ۲۷۶، ۳۰۱، ۳۱۴، ۳۲۷

عمر بن محمد بن قاسم۔ ۲۶

عمرو بن العاصؓ۔ ۲۶۹، ۳۰۱، ۳۳۴

عمرو بن امیہ نمریؓ۔ ۳۰۱

عیسیٰ علیہ السلام۔ ۱۸، ۵۹، ۸۶، ۳۲۵

غ

غالب، مرزا اسداللہ خان۔ ۲۶۰

غزالی، محمد بن محمد (امام)۔ ۲، ۴۸، ۱۸۱،
۱۸۳، ۱۹۱، ۲۲۹، ۲۸۶، ۲۸۷، ۳۱۲، ۴۴۶

غلام محمد۔ ۴۱۵

ف

فارابی، ابونصر۔ ۲۳۱، ۳۳۸

فتح موصلیؒ۔ ۳۱۱

فرائڈ، سگمنڈ۔ ۴۴۴

فرشتہ، محمد قاسم۔ ۳۴، ۸۷

فرعون۔ ۲۰۹

فرخودی، محمد معصوم۔ ۱۶۳

فروم، ایرک۔ ۴۴۴

فریدالدین (شیخ)۔ ۵۸

فرید بخاری (شیخ)۔ ۶۶، ۶۸، ۱۰۳، ۱۰۴، ۰۷
۱۶۸، ۴۴۱

فریدوں، اردشیر۔ ۲۹۸

فضل اللہ (شیخ)۔ ۹۰، ۱۳۸

فلانساوی۔ ۲۲۷

فیروز شاہ تغلق۔ ۵۷، ۲۴۹

فیروز (شیخ)۔ ۴۵، ۱۴۹

فیضی، فیاضی (علامہ)۔ ۴۷، ۵۹، ۶۲، ۵

۱۰، ۱۴۵، ۱۶۲، ۴۴۱
فیلبلس، ایم پریجا۔ ۲۲۸

ق

قتادہؓ۔ ۳۱۵
قادری، ابوالحسنات سید محمد احمدؒ۔ ۳۷۸، ۳۸۱، ۴۲۵
قادری، احمد سعید شاہ (علامہ)۔ ۳۸۱
قادری، داراشکوہ۔ ۳۵۲
قادری، شاہ غلام رسول (مولانا)۔ ۳۷۸
قادری، عارف اللہ شاہ (مولانا)۔ ۳۷۸
قادری، محمد احمد (ڈاکٹر)۔ ۱، ۴، ۲۸۴
قادری، محمد ایوب، ۱۴۶
قادری، محمد عبداللہ (ڈاکٹر)۔ ۸، ۲۱، ۴۱۳
قادیانی، مرزا غلام احمد۔ ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۰، ۴۵۰
قدیمؒ۔ ۲۷۱
قرشی، علی بن جاراللہ (شیخ)۔ ۴۳۹
قریشی، اشتیاق حسین (ڈاکٹر)۔ ۳۶، ۶۳، ۱۹۴، ۲۲۸
قریشی، سمیع اللہ (ڈاکٹر)۔ ۱۹۲
قریشی، مطیع الرحمن (مولانا)۔ ۱۴۴
قریشی، وحید (ڈاکٹر)۔ ۱۴۵
قزوینی، محمد امین بن ابوالحسین۔ ۱۴۰
قونوی، صدرالدین (امام)۔ ۲۲۷

ک

کابلی، محمد معصوم۔ ۱۶۳
کافی، کفایت اللہ (علامہ)۔ ۳۵۹
کاکوروی، عنایت اللہ (مفتی)۔ ۳۵۵، ۳۵۹
کاندھلوی، الٰہی بخش (مفتی)۔ ۳۵۸
کبیر۔ ۴۵
کپلر۔ ۴۳۷
کپور، من موہن۔ ۸۴
کچھوچھوی، سید محمد (محدث)۔ ۳۷۸
کریوہنٹ۔ ۲۳۲
کشمیری، سید انظر شاہ (مولانا)۔ ۳۶۴، ۴۵۰
کشمیری، سید انور شاہ (مولانا)۔ ۳۶۵

کلاباذی، ابوبکر ابو اسحاق۔ ۲۰۳، ۲۲۷

کلارک۔ ۴۳۵

کلوفل، موسیو اوجین۔ ۴۳۵

کمال الدین بن شیخ بازید انصاری۔ ۴۷

کنبوہ، شہباز خان۔ ۱۶۳

کنفیسیر، ایڈورڈ ڈی۔ ۲۶۷

کورڈن۔ ۴۴۴

کوڑوی، جمال الدین (شیخ)۔ ۱۰۰

کوفی، محمد ہاشم۔ ۲۰۱

کوہن۔ ۲۶۷

کھرل، رائے اسد خان۔ ۴۱۰

کیرانوی، رحمت اللہ (مولوی)۔ ۳۵۹

کیلون۔ ۲۳۲

گ

گارنر، جیمس ولفورڈ۔ ۱۲، ۲۱

گاندھی، اندرا۔ ۳۹۸

گاندھی، موہن داس کرم چند۔ ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۱، ۳۷۶، ۳۷۷

گب، ایچ اے آر۔ ۴۳۵

گپتا۔ ۲۱

گجراتی، ابواحمد سلیمان کردی، ۹۹، ۱۰۰

گجراتی، وجیہہ الدین علوی (مولانا)۔ ۶۳،

گرونانک۔ ۴۵

گریگوری (ہفتم)۔ ۱۴

گرین، ٹی ایچ۔ ۱۰، ۴۲۷، ۴۴۲

گستاولی بان۔ ۴۰

گشتاسب۔ ۴۳

گلکرائسٹ، آر این۔ ۱۲

گلیڈن۔ ۲۸۲

گنگوہی، رشید احمد (مولانا)۔ ۳۶۴

گنگوہی، عبدالقدوس (شیخ)۔ ۱۰۱

گوتم بدھ (ساکھیامنی)۔ ۴۲

گور، بہرام۔ ۲۹۸

گوکالپ، ضیاء۔ ۳۹۲

گیٹل۔ ۱۲

گیلانی، جہاں بخش (شیخ)۔ ۱۴۰

گیلانی، سید حامدؒ۔ ۱۴۰

گیلانی، سید شمس الدین (شیخ)۔ ۱۴۹

گیلانی، سیف الدین عبدالوہابؒ (شیخ)۔

گیلیلیو۔ ۴۳۷

ل

لاسکی۔ ۱۲
لاک، جان۔ ۴، ۱۰، ۱۵، ۲۳۱
لاہوری، عبدالحمید۔ ۹۵
لاہوری، عبداللہ (شیخ)۔ ۱۰۰، ۱۴۴
لاہوری، محمد بخش مسلم بی اے۔ ۳۷۸
لائیگرس۔ ۴۴۲
لائیلہ۔ ۲۳۲
لغاری، فاروق۔ ۴۰۱
لوتھر، مارٹن۔ ۲۰، ۲۳۲
لین پول، اسٹینلے۔ ۳۵
لیوسین، پائی۔ ۴۰، ۸۰

م

ماجمدار، آر سی۔ ۳۳، ۴۳۶
فارسڈن، ای۔ ۸۶
مارکس، کارل۔ ۱۰، ۲۱۲
ماسگلیو آف پیڈوا۔ ۱۰
ماعز بن مالک اسلمیؓ۔ ۲۳۰
مالکؒ (امام)۔ ۲۰۷
مالک رام۔ ۹۶، ۱۱۸
مالیر، کوٹلوی۔ ۸۶
مانٹسکیو، بیرن ڈی۔ ۴، ۲۰، ۲۷۲
مان سنگھ (راجہ)۔ ۳۳، ۶۲
مانکی شریف، پیر صاحب۔ ۳۷۸
مبارکپوری، قاضی اطہر۔ ۳۴
مبارک ناگوری (شیخ)۔ ۴۷
متقی، عبدالوہاب (شیخ)۔ ۹۵، ۹۸، ۹۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۶۷، ۱۹۱، ۲۰۷، ۴۳۹
مجدد الف ثانی دیکھیے احمد سرہندی، شیخ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۵، ۶، ۱۱، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۴، ۲۵، ۶۱، ۶۹، ۷۰، ۷۵، ۷۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۴، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۴، ۱۶۰، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۷، ۲۲۳، ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۳۹، ۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۹، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۵،

۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۴، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۱۱، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۴۱، ۳۴۵، ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۵، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۹۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۷، ۴۰۹، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۴۰، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸
محمد امین (حافظ)۔ ۱۶۳
محمد بن اسحاق۔ ۲۰۱
محمد بن ملک شاہ (سلطان)۔ ۱۸۳
محمد بن تغلق۔ ۵۸
محمد بن قاسم۔ ۲۶، ۴۳۶
محمد ملاّ دہ (شیخ)۔ ۱۳۸
محمد طاہر (شیخ)۔ ۵۷
محمد عاصم بن شیخ محمد ہاشم۔ ۱۱۳
محمد فاضل (مولانا)۔ ۲۲۶
محمد مقیم (شیخ)۔ ۹۴، ۹۹
محمد ہاشم (شیخ)۔ ۱۱۲، ۱۱۳، ۴۴۰
محمود بن سبکتگین (سلطان)۔ ۲۷، ۲۸، ۲۹۸
محمود، سید حسن۔ ۳۹۷
محمود، مفتی (مولانا)۔ ۴۲۵
مخزمی، فاطمہ۔ ۲۱۷
مخصوص اللہ (مولوی)۔ ۳۵۸
مدنی، ابوالحرام (شیخ)۔ ۹۹، ۱۴۳، ۴۳۹
مدراسی، احمد اللہ، (علاّمہ)۔ ۳۵۹، ۳۹۷
مرادآبادی، نعیم الدین (مولانا)۔ ۳۷۸
مرادبخش۔ ۳۵۲
مرزا بشیر احمد، ایم اے۔ ۷۱، ۳۶۸
مرزا عزیز الدین۔ ۷۲
مرزا عزیز کوکہ۔ ۵۹، ۹۴
مرزا، محمد حکیم۔ ۱۶۳
مروان بن حکم۔ ۲۴۶
مرے، البرٹ۔ ۴۱۲
مسلمؒ (امام)۔ ۲۸۰
مسلم بن قتیبہؒ۔ ۲، ۱۸۱
مصری، محمد بہنسی (شیخ)۔ ۹۴، ۹۹
مظہر الحق۔ ۹۷

معاذ بن جبلؓ۔ ۱۲۶، ۲۸۷
معاویہؓ (امیر)۔ ۲۷، ۲۰۱، ۲۴۶
معزالدین (شیخ)۔ ۹۰
معزالملک، (میر)۔ ۱۶۳
معصوم، محمد۔ ۱۶۳
معین الدین (خواجہ) بن خواجہ محمود
نقشبندی۔ ۱۰۰
مغیرہ بن الثقفی۔ ۲۵
مکھن لال رائے چوہدری۔ ۶۳
مکیاولی، نکولو۔ ۴، ۱۰، ۱۲، ۱۴، ۱۸۳، ۲۳۲،
۲۳۳، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۲، ۲۸۴، ۲۹۱، ۴۰۴،
۴۳۷، ۴۴۲، ۴۴۹
ملا محمد۔ ۶۸، ۶۹
مل، جیمز۔ ۲۹۰
ملک الطاف حسین۔ ۲۲
ملوک شاہ (شیخ)۔ ۱۰۹
ممتاز محل۔ ۷۹
منہاج سراج (مولانا) ۲۸
مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ ۲۳۸، ۴۲۵
مورلنڈ، آرتھر گلن۔ ۴۳۵
موسیٰ (شیخ)۔ ۹۰
موسیٰ پاک شہید، سید جمال الدین۔ ۹۴،
۹۸، ۱۴۰، ۴۳۹
موسیٰ علیہ السلام۔ ۲۵۰، ۳۲۵
مونسیرات۔ ۴، ۸۶
مہاجر بن امیہؓ۔ ۳۰۱
مہاجر مکی، حاجی امداد اللہ (مولانا)۔ ۳۶۴، ۴۰۲
مہاجن، وی ڈی۔ ۳۲، ۴۳۶
مہائی، علی بن احمد (شیخ)۔ ۵۶، ۵۸
میاں محمد مصطفےٰ۔ ۲۷، ۷۳، ۸۷
میر سید عبدالاول۔ ۵۸
میر شیرازی گجراتی۔ ۵۸
میکش، مرتضیٰ احمد خان (مولانا)۔ ۳۷۸
میکلاگین، ای ڈی۔ ۵۹، ۸۵
میکلیکن۔ ۳۶
میلسن، جی بی۔ ۳۳، ۴۳۶
مینوکی۔ ۷، ۵۹، ۱۸۷، ۱۸۹
میور، ولیم (سر)۔ ۴۳۵

ن

ناسک، صلاح الدین۔ ۲۱، ۳۳، ۳۷
نانوتوی، قاسم (مولانا)۔ ۳۶۴، ۶۵، ۴۰۳
نائیڈو، سروجنی۔ ۴۳۵
ندوی، سید سلیمان (علامہ)۔ ۳۴
ندوی، مسعود علی۔ ۳۴
ندوی، معین الدین احمد۔ ۳۴
نذیر احمد (ڈاکٹر)۔ ۸۸
نظام الدین اولیاء۔ ۱۱۳
نظامی، خلیق احمد (ڈاکٹر)۔ ۳۷، ۱۱۶، ۳۵۵، ۳۵۸
نظیری۔ ۷۹
نقشبندی، محمد بہاؤالدین (خواجہ)۔ ۱۴۲
نقشبندی، محمد حسین قاضی (شیخ)۔ ۱۰۰
نقشبندی، محمد سعید احمد۔ ۲۲۶
نوشیرواں، کسریٰ۔ ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۹۸
نورانی، شاہ احمد (مولانا)۔ ۷، ۱۹۴، ۳۷۵،
۴۰۲، ۴۱۱، ۴۲۵
نور جہاں (ملکہ)۔ ۷۹
نورالحق مشرقی دہلوی (محدّث)۔ ۹۳، ۹۷،
۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۴۶، ۱۵۰،
۲۲۹، ۳۶۴
نورالدین بن شیخ بایزید انصاری۔ ۴۷
نولڈیکی (پروفیسر)۔ ۲۰۰
نیازی، عبداللہ (شیخ)۔ ۱۰۸، ۴۴۰
نیازی، کوثر۔ ۳۷۱، ۳۹۹
نیازی، محمد عبدالستار خان۔ ۴۰۲، ۴۲۵
نیروی، محمد الطاف۔ ۲۲۸
نیکس، کوپر۔ ۴۳۷

و

واٹس، جون بی۔ ۴۴۴
واٹ، منٹگمری۔ ۱۸۹، ۳۲۴
واجپائی، اٹل بہاری۔ ۴۰۹
والٹرلپ مین۔ ۱۹، ۲۳، ۲۷۴
واقدی، ابوعبداللہ محمد بن عمر۔ ۲۴۶
واکر، ہاروے۔ ۲۸۲
وائٹ، ایل ڈی۔ ۲۸۲
وربا، سڈنی۔ ۳۹، ۸۰
وردھمان، مہاویر۔ ۴۴
ولی اللہ (شیخ)۔ ۱۴۱
ویبر، میکس۔ ۲۸۴

ویلسز، ایچ۔ ۸۳

ہ

ہابس، تھامس۔ ۴، ۱۰، ۱۵، ۲۱۲، ۲۳۱
ہارٹ، مائیکل۔ ۱۸، ۲۳، ۴۳۵
ہارنی، کیرن۔ ۴۴۴
ہاشمی، سید عشرت علی (ڈاکٹر)۔ ۱۴۰
ہالے پوتا، عبدالواحد (ڈاکٹر)۔ ۳۵۵، ۳۵۷
ہٹلر، ایڈولف۔ ۳۷۹
ہجویری، سید علی بن عثمان۔ ۲۰۳، ۲۲۸، ۳۱۲
ہروی، میرزاہد۔ ۳۶۳
ہروی، سیف الدین احمد شہید۔ ۸۳
ہزاروی، عبدالغفور (مولانا)۔ ۳۷۸
ہکسلے، آلڈوس۔ ۲۲
ہمدانی، سید امیر کبیر علی۔ ۵۶
ہمدانی، محمد بن علی بن شہاب۔ ۳۶۳
ہمام (حکیم)۔ ۴۸
ہمایوں، محمد نصیر الدین۔ ۳۰، ۵۸، ۷۹
ہند بنت عتبہ۔ ۱، ۲۶
ہندوراؤ۔ ۲۸
ہیگل۔ ۲۲۳
ہیلٹن، سنگر۔ ۸۰
ہیوم، اے او۔ ۳۶۸
ہیوم۔ ۲۱۲
ہیون سانگ۔ ۴۳

ی

یزدی، محمد (ملا)۔ ۱۶۳
یزید بن معاویہؓ۔ ۲۴۵
یعقوب بن لیس صفاری۔ ۲۷
یعقوب (قاضی)۔ ۱۶۳
یوسف عادل شاہ۔ ۷۸
یوسف علیہ السلام۔ ۲۸۷

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ

موضوعاتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد یونس قادری